

हिन्दी घर

ہندی گھر

کलچر پر ہر तरह کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کنڈر—پاٹھک ہندی، اردو، انگریزی کی अपनी मन-पसन्द کتابों के लिये हमें लिखें।

کلیچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کنڈر—پاٹھک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں۔

हमारी नई کتابें

महात्मा गाँधी की वसीयत

(हिन्दी और उर्दू में)

लेखक—गान्धीवाद के माने जाने

विद्वान : श्री मंजर अली साखता

सके 225, कीमत दो रुपया

— : 0 : —

गाँधी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

लेखिका—कुदसिया जैदी

भूमिका—पंडित जवाहरलाल नेहरू

मोटा कागज, मोटा टाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें

दाम दो रुपया

— : 0 : —

पंडित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सके, दाम ढाई रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सके, दाम बारह आने

महात्मा गाँधी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत चार आने

बंगाल और उससे सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुट्ठीगंज इलाहाबाद

हमاری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لیکھک—گاندھی واد کے مانے جانے

ویدوان: سر کبیر شری منظر علی سوختہ

صفحہ 225، قیمت دو روپیہ

— : 0 : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لئے بہت دلچسپ کتاب)

لیکھک—کدسیہ زیدی

بہو—کلیڈت جواہر لال نہرو

موتا کاغذ، موتا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویریں

دوام دو روپیہ

— : 0 : —

پندت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور قران

275 صفحہ، دایم قفائی روپیہ

ہندو مسلم ایکتا

100 صفحہ، دایم بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

قیمت بارہ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

قیمت دو آنے

ہندوستانی کلیچر سوسائٹی

(14) مٹی گنج الہ آباد

ساں حیاتیک ساہیت

سانسکرٹک ساہتیہ

ہجرت موہممد اور ইসলাম

لکھک—پنڈت سندرلال، مূলک—تین روپیا
اسلام کے پیغمبر کے سبب میں بھارتیہ بھاشاؤں میں اس سے
سندر کوئی دوسری پستک نہیں

ہجرت ایسا اور ایسائی دھرم

لکھک—پنڈت سندرلال، مূলک—ڈیڑ روپیا

مہاتما جرثوت اور ایرانی سنسکرتی

لکھک—ویشو بھرناتھ پاڈے، کرمیت—دو روپیا

یھودی دھرم اور سامی سنسکرتی

لکھک—ویشو بھرناتھ پاڈے، کرمیت—دو روپیا

پراچین مصر کی سبھیتا اور سنسکرتی

لکھک—ویشو بھرناتھ پاڈے، کرمیت—دو روپیا

سومر بابول اور असुरिया کی اچین سنسکرتی

لکھک—ویشو بھرناتھ پاڈے، کرمیت—دو روپیا

پراچین یونانی سبھیت اور سنسکرتی

لکھک—ویشو بھرناتھ پاڈے، کرمیت—دو روپیا

گंगा سے गोमती तक

(پرگتی شیل کہانی سندرہ)

لکھک—شری مونی و رنجی، کرمیت—دو روپیا

अग और आसू

(भावपूने सामाजिक कहानियाँ)

لکھک—ڈاکٹر اختر ہوسے راجپوری، کرمیت—ڈیڑ روپیا

کوران اور دھرمک متبہد

لکھک—مولانا ابولکلام آزاد، کرمیت—ڈیڑ روپیا

भंकर

(پرگتی شیل کہانیوں کا سندرہ)

لکھک—رघुपति सहाय किराक, कर्मित—तीन रुपिया

ملنے کا پتا मिलने का पता

ہندستانی کلچر سوسائٹی ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مٹری گنج، ایلہ آباد 145 مٹری گنج، ایلہ آباد

حضرت محمد اور اسلام

لکھک—پنڈت سندر لال، مূলک—تین روپیا
اسلام کے پیغمبر کے سبب میں بھارتیہ بھاشاؤں میں اس سے
سندر کوئی دوسری پستک نہیں

حضرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

لکھک—پنڈت سندر لال، مূলک—ڈیڑ روپیا

مہاتما زر تھستور اور ایرانی سنسکرتی

لکھک—ویشو بھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپیا

یہودی دھرم اور سامی سنسکرتی

لکھک—ویشو بھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپیا

پراچین مصر کی سبھیتا اور سنسکرتی

لکھک—ویشو بھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپیا

سمیر، بابل اور اسوریائی پراچین سنسکرتی

لکھک—ویشو بھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپیا

پراچین یونانی سبھیتا اور سنسکرتی

لکھک—ویشو بھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپیا

گنگا سے گوتمی تک

(پرگتی شیل کہانی سندرہ)

لکھک—شری مونی و رنجی، قیمت—دو روپیا

اگ اور آسو

(بھارتیوں کے سماج کی کہانیاں)

لکھک—ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، قیمت—ڈیڑ روپیا

قرآن اور دھرمک متبہد

لکھک—مولانا ابولکلام آزاد، قیمت—ڈیڑ روپیا

جھنکار

(پرگتی شیل کہانیوں کا سندرہ)

لکھک—رघुपति सहाय किराक, قیمت—تین روپیا

ہماری راہ

نہ-نہ راستے खुلنے کی آراہا ہے۔ آکااش کے دوسرے گولوں کے ساتھ ہمارا سمبندھ مانفب ءجراتی کے مارگ پر اےک بھوت بکھ سیماف چنھ ہے۔ مانفب سماج کی اسے بھوت بکھی آارفیک اور نایتیک کافا پلٹ ہو سکتی ہے۔

اےک کراس مچاکر کی بات اس بنافنی چاؤ کے سمبندھ مے یھ ہوء کی ہیروشیما اور ناگاساکی کے بموں ءفارا انسائی برباءف سے جین لوگوں کے اءت:کرن (جمریوں) کو چوٹ نہف لگی تھی، جو لافوں بئفروں اور سوافروں کا ہر سال اءپنے ساانسف تفریوں کے لیے تءفا-تءفا کر مارے رھنے هے، روسف سٹفلاٹ کی اےک کوففیا کی موف کا کفالف کرکے ہی انکے ءفل پففل گف اور انکی آفافیوں سے ءفھ ٹپک پءا !

ہم سواففیت روس کو، ءونفیا کو اور ءونفیا کی جناتا کو اس نہف ءءاء کے لیے ءفل سے بءافء ءے هے۔

15-11-57

—سئفءرلال

ہماری راہ

نٹہ نٹہ راستے کھلنے کی آھا ہے۔ آکھ کے دوسرے گولوں کے ساتھ ہمارا سمبندھ مانفب آنتی کے مارگ پر اےک بھوت ہوا سہا چلو ہے۔ مگاف ساج کی اس سے بھوت ہزی آرتھک اور نٹھک کاپافٹ ہو سکتی ہے۔

اےک آفص مءاف کی بات اس ہافئی چاؤ کے سمبندھ مےن یہ ہوئی کہ ہہروشما اور ناگاساکی کے بموں ءفارا انسائی ہرباؤی سے جن لوگوں کے آنتہ کرن (ضمفروں) کو چوٹ نہفیں لگی تھی، جو لافوں بئفروں اور سوافروں کو ہر سال اءپنے سائفسی صفریوں کے لٹہ نءفا کو مارے رھتے هے، روسف سٹفلاٹ کی اےک کوففیا کی موف کا کفالف کر کے ہی ان کے ءفل پففل گٹھ اور ان کی چہانوں سے ءوءھ ٹپک پءا ۔

ہم سواففیت روس کو، ءونفیا کو اور ءونفیا کی جلتا کو اس نئی اءءاء کے لٹہ ءفل سے بھافئی ءفٹے ءفیں ۔

—سئفءر لال ۔

15. 11. 57

میں وہ کبھی نہیں پہنچے اور عام جتنا کے لئے نہیں ادمک ہوکر ہے۔ وہ شانتی کے قائم کرنے میں بھی امریکی راستے کے مقابلے میں وہ کبھی ادمک سپاٹک ہے۔ اس راستے میں اور گاندھی جی کے بتائے ہوئے راستے میں سمجھوتے ہی ہو سکتا ہے اور ہمارے اور دنیا دونوں کے لئے ہتھکڑی ہو سکتا ہے۔ پر ہمارے لئے اس سے سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ ہم 'راجنٹیک'، 'نیکک'، 'آرتیک'، 'ادیوگک' اور 'ساماجک' سب معاملوں میں پہلے اپنے اندر نگاہ ڈالیں اور دیہ کی کروڑوں غریب جگہ' اس کی اوشکتوں اور اپنے آدرشوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنے آگے کا راستہ طے کریں اور وشواس کے ساتھ اس پر چلیں۔

روس کا بناوटी چاؤ

پچھلے کچھ سماہ سے دنیا بھر کے لوگوں کی نیگاہیں خواہیثت روس کے دونوں سٹڈلائٹ کی طرف جا رہی ہیں جینہے لوگ بناوटी چاؤ بھی کہتے ہیں۔ دنیا بھر کے اخلباروں میں جتنی چرچا این بلاوٹی چاندوں کی ہوئی ہے اذنی شاید ہی کہیں کسی اور جہز کی ہوئی ہو۔ اس گھٹنا کے ہمیں دو خاص نتیجے معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ دنیا کو بدھ سے بچانے اور شانتی قائم رکھنے میں اس سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ سائنسی اذنی کی تیز میں روس دوسرے سب دیہوں سے اپہیں آگے نکل گیا۔ روس کی ایجاد نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ زمانہ جتنا کا زمانہ ہے اور سائنسی اور دسائی درز میں بھی کوئی سامراج وادی دیہ سامہوادی یا سماج وادی دیہوں سے آنت میں بازی نہیں لے جا سکتا۔ دوسرے دیہوں کے اندرونی معاملوں میں بار بار دخل دینے والے سامراج وادی دیہوں کے غلط منصوبوں کو بھی اس سے کافی دھکا پہنچا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طرح کے غلط منصوبے ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں۔ حال میں امریکہ اور انڈیانت کی طرف سے جو خبر نکلی ہے کہ وہ پچاس اور چھوٹے بڑے دانشوروں کو اپنے ساتھ ملا کر کمیونسٹ دیہوں اور خاص کر روس کے خلاف ایک نیا مروجہ کھڑا کرنا چاہتے ہیں، وہ خاصی افسوسناک ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کے دونوں پردھان اکلادوں میں ایک دوسرے کو مقابلے کی گھانک اچھا ابھی مٹی نہیں ہے۔ پر ہمیں وشواس ہے کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے اور پچھڑے ہوئے دیہ اس بات کو سمجھتے جا رہے ہیں اور سمجھیں گے کہ اس طرح کی گٹھ میں شامل ہونا ان کے لئے کٹنا گھانک اور دنیا کے لئے کٹنا خطرناک ہے۔ نل ملا کر ہمیں وشواس ہے کہ روس کی اس نئی ایجاد کا اثر جس کا بدھ دنیا کے ساتھ یہی گہرا سببہ ہے—دنیا کی شانتی کے لئے اچھا ہی ہوگا۔

دوسرا بڑا نتیجہ روس کی اس نئی ایجاد کا یہ ہوگا کہ دنیا کی جگہ اس کی آرتیک اذنی اس کے سولستک اس کے پیلو اور اس کی خوشحالی کے لئے اب

روس کا بلاوٹی چاؤ

پچھلے کچھ سماہ سے دنیا بھر کے لوگوں کی نگاہوں سروریت روس کے دونوں سٹڈلائٹ کی طرف جا رہی ہیں جہیں چاہوں لوگ بلاوٹی چاند بھی کہتے ہیں۔ دنیا بھر کے اخباروں میں جتنی چرچا این بلاوٹی چاندوں کی ہوئی ہے اذنی شاید ہی کہیں کسی اور جہز کی ہوئی ہو۔ اس گھٹنا کے ہمیں دو خاص نتیجے معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ دنیا کو بدھ سے بچانے اور شانتی قائم رکھنے میں اس سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ سائنسی اذنی کی تیز میں روس دوسرے سب دیہوں سے اپہیں آگے نکل گیا۔ روس کی ایجاد نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ زمانہ جتنا کا زمانہ ہے اور سائنسی اور دسائی درز میں بھی کوئی سامراج وادی دیہ سامہوادی یا سماج وادی دیہوں سے آنت میں بازی نہیں لے جا سکتا۔ دوسرے دیہوں کے اندرونی معاملوں میں بار بار دخل دینے والے سامراج وادی دیہوں کے غلط منصوبوں کو بھی اس سے کافی دھکا پہنچا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طرح کے غلط منصوبے ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں۔ حال میں امریکہ اور انڈیانت کی طرف سے جو خبر نکلی ہے کہ وہ پچاس اور چھوٹے بڑے دانشوروں کو اپنے ساتھ ملا کر کمیونسٹ دیہوں اور خاص کر روس کے خلاف ایک نیا مروجہ کھڑا کرنا چاہتے ہیں، وہ خاصی افسوسناک ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کے دونوں پردھان اکلادوں میں ایک دوسرے کو مقابلے کی گھانک اچھا ابھی مٹی نہیں ہے۔ پر ہمیں وشواس ہے کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے اور پچھڑے ہوئے دیہ اس بات کو سمجھتے جا رہے ہیں اور سمجھیں گے کہ اس طرح کی گٹھ میں شامل ہونا ان کے لئے کٹنا گھانک اور دنیا کے لئے کٹنا خطرناک ہے۔ نل ملا کر ہمیں وشواس ہے کہ روس کی اس نئی ایجاد کا اثر جس کا بدھ دنیا کے ساتھ یہی گہرا سببہ ہے—دنیا کی شانتی کے لئے اچھا ہی ہوگا۔

دوسرا بڑا نتیجہ روس کی اس نئی ایجاد کا یہ ہوگا کہ دنیا کی جگہ اس کی آرتیک اذنی اس کے سولستک اس کے پیلو اور اس کی خوشحالی کے لئے اب

सका कर दिया। हाल में रूस से मदद के समझौते की खबरें छपी हैं। हमारी राय इस बारे में साफ है। सबसे पहले यह कि न हम यह चाहते हैं और न इसकी जरूरत मानते हैं कि भारत किसी भी दूसरे देश के सामने इस बात के लिए हाथ पसारें, या किसी-से-किसी रूप में करवा ले। दूसरे यह कि अगर किसी से मदद लेनी ही हो तो वह बजाय दान या नकद करणों के केवल माल के आदान प्रदान के रूप में होनी चाहिए और वह भी अपनी हैसियत और अपनी बिंसात देखकर। चीन की आर्थिक कठिनाइयाँ आज से दस बरस पहले हमारी आजकल की कठिनाइयों से कम नहीं थीं। पर चीन ने किसी साम्राज्यवादी देश के सामने हाथ नहीं पसारा। अपनी औद्योगिक (सनअती) उन्नति के लिए चीन ने केवल रूस से थोड़ी बहुत मदद ली है। और वह मदद भी, जहाँ तक हमें मालूम है केवल इस रूप में थी कि तीन अरब अमरीकी डालर की क्रीमत का माल, मशीनें इत्यादि, जिसकी चीन को जरूरत थी और रूस दे सकता था, रूस चीन को पाँच बरस के अन्दर पाँच क्तिस्तों में दे, और उतनी ही क्रीमत का माल, ऐसा जिसकी रूस को जरूरत है और चीन दे सकता है, कच्चा माल इत्यादि, चीन रूस को दस साल के अन्दर दस क्तिस्तों में दे, और इस लेन देन में रूस का जो रुपया कुछ दिनों अटका रहे उसके लिए एक फ्रीसवी सालाना सूद के हिसाब से उतना ही अधिक माल चीन अपने यहाँ से रूस जाने वाले माल में बढ़ा दे, और बस। तीसरे हमारी साफ राय यह भी है कि इस तरह की अगर कोई मदद लेनी ही हो तो हमें साम्राज्यवादी देशों के बजाय जहाँ तक हो सके कम्युनिस्ट या गैर साम्राज्यवादी देशों की मदद का अधिक स्वागत करना चाहिए। इस निगाह से यदि रूस से भारत का इस तरह का समझौता हमें अमरीका या इंग्लैन्ड की मदद से बेनिजास कर सके तो उस दरे तक हम उसे रानीमत समझते हैं।

असली इलाज

लोकन अन्त में हम फिर दुहरा देना चाहते हैं कि देश के जिन दुखों की ऊपर के खत में चरचा की गयी है उनका असली इलाज हमारा इन सब बातों में महात्मा गाँधी के बताए हुए रास्ते को ठीक-ठीक समझना और उस पर अमल करना ही हो सकता है। इंग्लैन्ड और अमरीका के पूँजीवादी रास्तों की नकल, जो हम इस समय कर रहे हैं, हमारे इन दुखों को और अधिक बढ़ा देगी। रूस और चीन का कम्युनिस्ट रास्ता भी एक रास्ता हो सकता है और है। अंग्रेजी या अमरीकी रास्ते के मुकाबले में वह कहीं बेहतर और आम जनता के लिए कहीं अधिक हितकर है। विश्व-शान्ति के क्रायम करने में भी अमरीकी रास्ते के मुकाबले

किया करता है। हाल में रूस से मदद के समझौते की खबरें छपी हैं। हमारी राय इस बारे में साफ है। सबसे पहले यह कि न हम यह चाहते हैं और न इसकी जरूरत मानते हैं कि भारत किसी भी दूसरे देश के सामने इस बात के लिए हाथ पसारें, या किसी-से-किसी रूप में करवा ले। दूसरे यह कि अगर किसी से मदद लेनी ही हो तो वह बजाय दान या नकद करणों के केवल माल के आदान प्रदान के रूप में होनी चाहिए और वह भी अपनी हैसियत और अपनी बिंसात देखकर। चीन की आर्थिक कठिनाइयाँ आज से दस बरस पहले हमारी आजकल की कठिनाइयों से कम नहीं थीं। पर चीन ने किसी साम्राज्यवादी देश के सामने हाथ नहीं पसारा। अपनी औद्योगिक (सनअती) उन्नति के लिए चीन ने केवल रूस से थोड़ी बहुत मदद ली है। और वह मदद भी, जहाँ तक हमें मालूम है केवल इस रूप में थी कि तीन अरब अमरीकी डालर की क्रीमत का माल, मशीनें इत्यादि, जिसकी चीन को जरूरत थी और रूस दे सकता था, रूस चीन को पाँच बरस के अन्दर पाँच क्तिस्तों में दे, और उतनी ही क्रीमत का माल, ऐसा जिसकी रूस को जरूरत है और चीन दे सकता है, कच्चा माल इत्यादि, चीन रूस को दस साल के अन्दर दस क्तिस्तों में दे, और इस लेन देन में रूस का जो रुपया कुछ दिनों अटका रहे उसके लिए एक फ्रीसवी सालाना सूद के हिसाब से उतना ही अधिक माल चीन अपने यहाँ से रूस जाने वाले माल में बढ़ा दे, और बस। तीसरे हमारी साफ राय यह भी है कि इस तरह की अगर कोई मदद लेनी ही हो तो हमें साम्राज्यवादी देशों के बजाय जहाँ तक हो सके कम्युनिस्ट या गैर साम्राज्यवादी देशों की मदद का अधिक स्वागत करना चाहिए। इस निगाह से यदि रूस से भारत का इस तरह का समझौता हमें अमरीका या इंग्लैन्ड की मदद से बेनिजास कर सके तो उस दरे तक हम उसे रानीमत समझते हैं।

असली इलाज

लोकन अन्त में हम फिर दुहरा देना चाहते हैं कि देश के जिन दुखों की ऊपर के खत में चरचा की गयी है उनका असली इलाज हमारा इन सब बातों में महात्मा गाँधी के बताए हुए रास्ते को ठीक-ठीक समझना और उस पर अमल करना ही हो सकता है। इंग्लैन्ड और अमरीका के पूँजीवादी रास्तों की नकल, जो हम इस समय कर रहे हैं, हमारे इन दुखों को और अधिक बढ़ा देगी। रूस और चीन का कम्युनिस्ट रास्ता भी एक रास्ता हो सकता है और है। अंग्रेजी या अमरीकी रास्ते के मुकाबले में वह कहीं बेहतर और आम जनता के लिए कहीं अधिक हितकर है। विश्व-शान्ति के क्रायम करने में भी अमरीकी रास्ते के मुकाबले

तिजोरियों और बंकों में जमा है, सचची सकलता का अन्दाजा उस हालत से करना चाहिये जिसमें देश के सब से नीचे के लोग, सब से गरीब लोग रहते हैं। पूँजीपति की अर्थनीति की कसौटी इसके ठीक उल्टी है। हमारे आजकल के शासक जैसे भी हो सके देश की कुल औद्योगिक (सनअती) उपज और देश का कुल धन बढ़ाने की चिंता में हैं। देश के लाखों और करोड़ों गरीबों, मजदूरों, किसानों और दस्तकारों को ऊपर उठाना उनके लिये इतने अधिक महत्व की और इतनी जल्दी की चीज नहीं है। यह गलत आर्थिक नीति ही हमारे इस समय के अधिकतर दुखों का कारण है। हमें पूरा विश्वास है कि अगर इस मामले में हम गांधी जी के बताए रास्ते पर चले होते या अब भी चले तो हमें बाहर के किसी देश से एक पैसा भी भिख या ऋज माँगने की जरूरत नहीं है। इस बारे में गांधी जी के विचार और कम्युनिस्ट विचार, कई बातों में अलग अलग होते हुए भी, बहुत दूरजे तक मिलते हुए हैं। पर रोगा यही है कि हमारे आज की आर्थिक नीति न गांधी वादी है और न मार्क्सवादी। हमारी आजकल की आर्थिक नीति शुद्ध पूँजीवादी है, जो अन्त में साम्राज्यवाद की तरफ़ ले जाए बग़ैर नहीं रह सकती। अभी से जब कि प्रान्त प्रान्त में हमारे लाखों बुनकर भूखे मर रहे हैं और गांव गांव के कोल्हू पट पड़े हुए हैं, हमें अपनी मिलों के कपड़े और मिलों की चीनी बेचने के लिये देश के बाहर मन्डियों की तलाश रहती है। हम बार बार कह चुके हैं कि देश की जनता के हित में यह नीति गलत और बरबादकुन है।

अपनी इस गलत आर्थिक नीति के कारण दूसरे देशों के सामने हाथ पसारने ने हमारे अन्तर्राष्ट्रीय सम्बन्धों में भी पेचीदगियां पैदा कर दी हैं। श्री के० के० कृष्णमचारी ने अमरीका में और दूसरे साम्राज्यवादी देशों में जिस तरह की गिरी हुई बातें कहीं उन पर देश और पार्लिमेंट के अन्दर काफी ले दे मच चुकी है। श्री कृष्णमचारी ने भारत की अन्तर्राष्ट्रीय स्थिति को अमरीका में गलत चित्रित किया और अपने देश को लजाया इसमें कोई सन्देह नहीं हो सकता। "न्युयार्क टाइम्स" के सम्वाददाता ने श्री कृष्णमचारी की तरदीव की। जिस तरह तरदीव की है वह कृष्णमचारी को इस विषय में गुनहगार ठहराने के लिये काफी है। हमारे प्रधान मन्त्री का उनका बचाव इसलिये करना पड़ता है कि बदक्रिस्मती से प्रधान मन्त्री की राय में देश के बढ़ने के लिये बाहर से पैसा आना जरूरी है और श्री कृष्णमचारी ने जैसे भी बन पड़े पैसा लाने की कोशिश में कसर नहीं उठा रखी।

एक दूसरी पेचीदगी हमारी इस गलत चाल ने यह पैदा कर दी कि उसने हमें मद्द देने वालों में रूस और अमरीका को फिर एकबार प्रतिस्पर्धी (रक्कीबों) के रूप में लाकर

जबरी और बक़ों में जमा है, सचची सकलता का अन्दाजा उस हालत से करना चाहिये जिसमें देश के सब से नीचे के लोग, सब से गरीब लोग रहते हैं। पूँजीपति की अर्थनीति की कसौटी इसके ठीक उल्टी है। हमारे आजकल के शासक जैसे भी हो सके देश की कुल औद्योगिक (सनअती) उपज और देश का कुल धन बढ़ाने की चिंता में हैं। देश के लाखों और करोड़ों गरीबों, मजदूरों, किसानों और दस्तकारों को ऊपर उठाना उनके लिये इतने अधिक महत्व की और इतनी जल्दी की चीज नहीं है। यह गलत आर्थिक नीति ही हमारे इस समय के अधिकतर दुखों का कारण है। हमें पूरा विश्वास है कि अगर इस मामले में हम गांधी जी के बताए रास्ते पर चले होते या अब भी चले तो हमें बाहर के किसी देश से एक पैसा भी भिख या ऋज माँगने की जरूरत नहीं है। इस बारे में गांधी जी के विचार और कम्युनिस्ट विचार, कई बातों में अलग अलग होते हुए भी, बहुत दूरजे तक मिलते हुए हैं। पर रोगा यही है कि हमारे आज की आर्थिक नीति न गांधी वादी है और न मार्क्सवादी। हमारी आजकल की आर्थिक नीति शुद्ध पूँजीवादी है, जो अन्त में साम्राज्यवाद की तरफ़ ले जाए बग़ैर नहीं रह सकती। अभी से जब कि प्रान्त प्रान्त में हमारे लाखों बुनकर भूखे मर रहे हैं और गांव गांव के कोल्हू पट पड़े हुए हैं, हमें अपनी मिलों के कपड़े और मिलों की चीनी बेचने के लिये देश के बाहर मन्डियों की तलाश रहती है। हम बार बार कह चुके हैं कि देश की जनता के हित में यह नीति गलत और बरबादकुन है।

अपनी इस गलत आर्थिक नीति के कारण दूसरे देशों के सामने हाथ पसारने ने हमारे अन्तर्राष्ट्रीय सम्बन्धों में भी पेचीदगियां पैदा कर दी हैं। श्री के० के० कृष्णमचारी ने अमरीका में और दूसरे साम्राज्यवादी देशों में जिस तरह की गिरी हुई बातें कहीं उन पर देश और पार्लिमेंट के अन्दर काफी ले दे मच चुकी है। श्री कृष्णमचारी ने भारत की अन्तर्राष्ट्रीय स्थिति को अमरीका में गलत चित्रित किया और अपने देश को लजाया इसमें कोई सन्देह नहीं हो सकता। "न्युयार्क टाइम्स" के सम्वाददाता ने श्री कृष्णमचारी की तरदीव की। जिस तरह तरदीव की है वह कृष्णमचारी को इस विषय में गुनहगार ठहराने के लिये काफी है। हमारे प्रधान मन्त्री का उनका बचाव इसलिये करना पड़ता है कि बदक्रिस्मती से प्रधान मन्त्री की राय में देश के बढ़ने के लिये बाहर से पैसा आना जरूरी है और श्री कृष्णमचारी ने जैसे भी बन पड़े पैसा लाने की कोशिश में कसर नहीं उठा रखी।

एक दूसरी पेचीदगी हमारी इस गलत चाल ने यह पैदा कर दी कि उसने हमें मद्द देने वालों में रूस और अमरीका को फिर एकबार प्रतिस्पर्धी (रक्कीबों) के रूप में लाकर

तरफ अन्दर की यह पिछ-वसीट और बरबादकुन शक्तियाँ दोनों के बीच से देस की नाव को सफतता पूर्वक खेकर लेजा सकने वाला आदमी हमें अभी दूसरा दिखाई नहीं देता. जवाहरलाल जी की देशभक्ति, सचाई और बहादुरी में भी किसी को सन्देह नहीं हो सकता.

देश के दुखों का मूल कारण

देश के इस समय के उन दुखों का जिनकी ऊपर के खत में चर्चा है मूल कारण हमें यह दिखाई देता है के देश के और कांग्रेस के अनेक बड़े बड़े नेताओं को शायद कभी भी महात्मा गांधी के आर्थिक (माली), औद्योगिक (मनअती), और एक दर्जे तक नैतिक (इखलाकी) सिद्धांतों में विश्वास नहीं हुआ. देश के इस समय के अधिकतर नेता अंगरेजी तालीम की उपज हैं, और अनेक अच्छाईयाँ रखते हुए भी और बरसों महात्मा गांधी के मजदूर रहते हुए भी, पच्छमी तालीम के राजत असर से ऊपर नहीं उठ सके.

बाहर से पैसे की मदद और हमारी आर्थिक नीति

पिछले अगस्त के महीने में तोक्या के अन्दर हम एक दिन एक अमरीकी दास्त से बातें कर रहे थे. हम उनसे कह रहे थे कि एशियाई देशों की इच्छा और उनके हित के विरुद्ध अमरीका का एशियाई देशों के उद्योग धन्धों में अपनी पूँजी लगाना और इस तरह उन देशों के अन्दर के मामलों में जबरदस्ती दखल देना बड़ी गलत चीज और आर्थिक साम्राज्यवाद (इकोनामिक इम्पीरियलीज्म) की जड़ है, इत्यादि. हमारे अमरीकी दोस्त ने तुरन्त उलट कर हमें जवाब दिया, उनके शब्द हमें अब तक याद हैं—
“you cannot say that. Your own.....has been going on his knees requesting U. S. A. to invest money in India and promising them all sorts of concessions, no nationalisation or socialisation for fifty years and so forth.”

अर्थात्—“आप यह नहीं कह सकते. आपका अपना.....घुटनों के बल अमरीका से प्रार्थना करता रहा है कि अमरीका भारत में अपनी पूँजी लगावे, और इसके बदले में अमरीका से हर तरह की रिआयतों का वादा करता रहा है, जैसे यह कि भारत सरकार पचास साल तक ऐसे उद्योगों को जिनमें अमरीका की पूँजी लगी होगी राष्ट्र की या समाज की सम्पत्ति नहीं बनाएगी, इत्यादि.”

महात्मा गांधी का उसूल था और हमें विश्वास है कि वह सोलह आने ठीक था कि किसी भी देश की आर्थिक सफलता का अन्दाजा उन धनराशियों से नहीं करना चाहिये जो वहाँ के बड़े बड़े लोगों और अमीरों की

शक्ति अन्दर की यह पिछ-वसीट और बरबादकुन शक्तियाँ दोनों के बीच से देस की नाव को सफतता पूर्वक खेकर लेजा सकने वाला आदमी हमें अभी दूसरा दिखाई नहीं देता. जवाहरलाल जी की देशभक्ति, सचाई और बहादुरी में भी किसी को सन्देह नहीं हो सकता.

देश के दुखों का मूल कारण

देश के इस समय के उन दुखों का जिनकी ऊपर के खत में चर्चा है मूल कारण हमें यह दिखाई देता है के देश के और कांग्रेस के अनेक बड़े बड़े नेताओं को शायद कभी भी महात्मा गांधी के आर्थिक (माली), औद्योगिक (मनअती), और एक दर्जे तक नैतिक (इखलाकी) सिद्धांतों में विश्वास नहीं हुआ. देश के इस समय के अधिकतर नेता अंगरेजी तालीम की उपज हैं, और अनेक अच्छाईयाँ रखते हुए भी और बरसों महात्मा गांधी के मजदूर रहते हुए भी, पच्छमी तालीम के राजत असर से ऊपर नहीं उठ सके.

बाहर से पैसे की मदद और हमारी आर्थिक नीति

पिछले अगस्त के महीने में तोक्या के अन्दर हम एक दिन एक अमरीकी दास्त से बातें कर रहे थे. हम उनसे कह रहे थे कि एशियाई देशों की इच्छा और उनके हित के विरुद्ध अमरीका का एशियाई देशों के उद्योग धन्धों में अपनी पूँजी लगाना और इस तरह उन देशों के अन्दर के मामलों में जबरदस्ती दखल देना बड़ी गलत चीज और आर्थिक साम्राज्यवाद (इकोनामिक इम्पीरियलीज्म) की जड़ है, इत्यादि. हमारे अमरीकी दोस्त ने तुरन्त उलट कर हमें जवाब दिया, उनके शब्द हमें अब तक याद हैं—
“You cannot say that. Your own.....has been going on his knees requesting U. S. A. to invest money in India and promising them all sorts of concessions, no nationalisation or socialisation for fifty years and so forth.”

अर्थात्—“आप यह नहीं कह सकते. आपका अपना.....घुटनों के बल अमरीका से प्रार्थना करता रहा है कि अमरीका भारत में अपनी पूँजी लगावे, और इसके बदले में अमरीका से हर तरह की रिआयतों का वादा करता रहा है, जैसे यह कि भारत सरकार पचास साल तक ऐसे उद्योगों को जिनमें अमरीका की पूँजी लगी होगी राष्ट्र की या समाज की सम्पत्ति नहीं बनाएगी, इत्यादि.”

महात्मा गांधी का उसूल था और हमें विश्वास है कि वह सोलह आने ठीक था कि किसी भी देश की आर्थिक सफलता का अन्दाजा उन धनराशियों से नहीं करना चाहिये जो वहाँ के बड़े बड़े लोगों और अमीरों की

دیش کی پیچھے پسیٹ شक्तیاں

دوسری اور دیش میں ابھی تک اس طرح کے پیچھے گھسیٹنے والی شक्तیاں کا بھی پورے خاتمہ نہیں ہوا ہے جو اگر قابو پا جائیں تو دیش کو مسائل میں پہنچائے بنا نہیں رہ سکتیں۔ انہیں شکستوں نے مہاتما گاندھی کی جان لی۔ پنجاب کے "ہندو رक्षा آندولن" پر ہم اپنے خیال پر غلط انداز میں دیش کی شکتیوں کا کارنامہ ہے۔

حال میں پنجاب ہندو رक्षा آندولن کے دو मुख्य कार्यकर्ता दिल्ली में हमारे एक प्रतिष्ठित मित्र से मिलने आए. हमारे मित्र ने उनसे इस आन्दोलन की निरर्थकता پر بات کی. اس پر ان دونوں میں سے ایک نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا—"मुख्य प्रश्न हमारे सामने हिन्दी का नहीं है, मुख्य प्रश्न जवाहरलाल और जवाहरलाल की सरकार को गिराना है." यह भी एक खुली बात है कि इस आन्दोलन में पंजाब भर के अन्दर और कहीं कहीं पंजाब से बाहर भी पंडित जवाहरलाल नेहरू को हिन्दुओं का विरोधी दर्शा कर जनता की नजरों में गिराने की काकी कोशिश की गई है.

देश को पीछे घसीटने वाली और बربادی کے گڑھے میں مिरانے वाली ये शक्तियां जगह जगह और भी तरह तरह के रूप धारण करती रहती हैं.

पंजाब के इस चलत हिन्दी आन्दोलन से देश को और खासकर हिन्दी को कितना नुकसान पहुँचा है इसका कुछ अन्दाजा इस एक बात से लगाया जा सकता है कि हमारी पार्लिमेंट के अठ्ठासी मेम्बरों ने सरकार को यह नोटिस दे दिया है कि सन् 1990 से पहले हिन्दी का अंग्रेजी का स्थान देने की बात न की जावे. श्री राजगोपालाचारी जैसे अनेक नेताओं ने तो यह साफ कह दिया है कि अंगरेजी की जगह हिन्दी को अगर कभी भी सरकारी अन्तर्भाषीय भाषा बनाने की कोशिश की गई तो बलकान की तरह देश के टुकड़े टुकड़े हो जावेंगे. पंजाब के नादान हिन्दी प्रेमियों और उनके मददगारों ने राष्ट्र भाषा की हैसियत से हिन्दी को खत्म कर देने में अपनी तरफ से कोई कोशिश उठा नहीं रखी.

पं० जवाहरलाल नेहरू और उनकी सरकार

इन नाजुक हालात में वर्तमान शासन के अन्दर अनेक दोषों के होते हुए भी—और वह दोष बड़े गहरे दोष हैं—हमें पंडित जवाहरलाल नेहरू का अस्तित्व और देश के शासन की बाग का उनके हाथों में होना बहुत ही गनीमत मानना होता है. कई बातों में हमारा खूबका गहरा मतभेद है. पर एक तरफ नाजुक अन्तराष्ट्रीय स्थिति और दूसरी

देष کی پیچھے گھسیٹ شکتیاں

دوسری اور دیش میں ابھی تک اس طرح کے پیچھے گھسیٹنے والی شکتیوں کا زور بھی ختم نہیں ہوا ہے جو اگر قابو پا جائیں تو دیش کو مسائل میں پہنچائے بنا نہیں رہ سکتیں۔ انہیں شکستوں نے مہاتما گاندھی کی جان لی۔ پنجاب کے "ہندو رक्षा آندولن" پر ہم غلط انداز میں دیش کی شکتیوں کا کارنامہ ہے۔

حال میں پنجاب ہندو رक्षा آندولن کے دو मुख्य कार्यकर्ता दिल्ली में हमारे एक प्रतिष्ठित मित्र से मिलने आए. हमारे मित्र ने उनसे इस आन्दोलन की निरर्थकता پر बात کی. اس پر ان دونوں میں سے ایک نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا—"मुख्य प्रश्न हमारे सामने हिन्दी का नहीं है, मुख्य प्रश्न जवाहरलाल और जवाहरलाल की सरकार को गिराना है." यह भी एक खुली बात है कि इस आन्दोलन में पंजाब भर के अन्दर और कहीं कहीं पंजाब से बाहर भी पंडित जवाहरलाल नेहरू को हिन्दुओं का विरोधी दर्शा कर जनता की नजरों में गिराने की काकी कोशिश کی گئی ہے.

دیش کو پیچھے گھسیٹنے والی اور بربادی کے گڑھے میں گرانے کی یہ شکتیاں جگہ جگہ اور بھی طرح طرح کے روپ دھار رہتی ہیں۔

پنجاب کے اس غلط آندولن سے دیش کو اور خاص کر ہندی کو کتنا نقصان پہنچا ہے اس کا کچھ اندازہ اس ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہماری پارلیمنٹ کے اٹھاسی ممبروں نے سرکار کو یہ نوٹس دے دیا ہے کہ سن 1990 سے پہلے ہندی انگریزی کا امتحان دینے کی بات نہ کی جاوے۔ شری راج بالاجی جیسے اہمک نیٹاؤں نے تو یہ صاف کہہ دیا ہے انگریزی کی جگہ ہندی کو اگر کبھی بھی سرکاری اہمیت دیشیہ بھاشا بنانے کی کوشش کی گئی تو بلقان کی طرح دیش ٹکڑے ہو جاویں گے۔ پنجاب کے نادان ہندی پریمیوں اور ان کے مددگاروں نے راشٹر بھاشہ کی حیثیت سے ہندی کو ختم دینے میں اپنی طرف سے کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔

نہ جواہر لال نہرو اور ان کی سرکار

ان ناہک حالات میں ورتان شامن کے اندر انہک دوشوں ہوتے ہوتے ہی—اور وہ دوش بڑے گہرے دوش ہیں—ہیں۔ جواہر لال نہرو کا اہمیت اور دیش کے شامن کی باگ ان کے ہاتھوں میں ہونا بہت ہی غلیظ معلوم ہوتا ہے۔ ہاتھوں میں ہمارا ان کا گہرا متہید ہے۔ پر ایک فٹوگراف ان کے اہمیت اور دیش کی

ہے، نہ کہ اس کا خیال کرنا اور اپنے دل پر خرابی لگوانا۔
(اگر) اللہ اور دل کو مولا کرنا۔“

دش کے دل کی آواز

آج کل کے دور کی ہر بات ہر اُتر میں ٹیک نہیں کھتی۔ کہیں کہیں انہیوں کی (مہارت) کی مائرا بھی صاف ہے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جن ستر نے یہ خط لکھا ہے اُن کے یہ دل کی آواز ہے۔ ایک وہی نہیں، لگ بھگ یہ ہی یا اسی طرح کی باتیں آج لاکھوں دیکھ واسیوں کی بات پر ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آواز اس سے بھی کے دل کی آواز ہے۔

دلی میں ہم نے بھارت سرکار کے ایک اُترچے اور زمعدار پرمچاری کو یہ خط پڑھ کر سنا۔ اُنہوں نے بڑے دھیان کے ساتھ اُن کا چہرہ کچھ گمبیر معلوم ہوا۔ ہم نے سنبھا لیا۔ اُنہوں نے یہ باتیں اچھی نہیں لکھیں۔ ہم نے جھجکتے ہوئے کہا:—”اُن باتوں میں کچھ سچائی تو آوشہ ہے۔“ اُنہوں نے نزعت اُسی گمبیر کے ساتھ جواب دیا:—”جی نہیں! کچھ سچائی نہیں پوری سچائی ہے۔ اس میں جو لکھا ہے وہ بالکل سچ ہے۔“ ہماری اُن کی اس پر دہر تک باتیں ہوتی ہیں۔

انگریزوں کی ایک بھارت ہے۔ جلتا کی آواز بھگوان کی آواز ہوتی ہے۔ اسی سے ملتی جلتی اردو کی ایک بھارت ہے۔ آواز خلق کو نفاذ خدا سمجھو، اس میں کوئی شک نہیں کہ اُتر کے خط کی باتوں میں ایک بہت بڑا انش سچائی کا ہے۔

آج کی کانگریس

بھالیس ہوس ہم نے اپنے لچرر ڈھنگ سے کانگریس کی جھوٹی ہے اور کافی نزدیک سے تلمہ ہو کر کی ہے۔ کانگریس کا دیکھ پر بہت بڑا احسان ہے۔ ہمارے دل میں اب بھی کانگریس کا بڑا اُدر ہے۔ کانگریس اور کانگریس سرکار دونوں میں اس سے بھی کافی ایسے لوگ ہیں جن سے ہم کو اُسی دیکھ میں ملنا تھیں ہے۔ پر اس میں بھی سلبیہ نہیں کہ کانگریس مستہ آزادی ملنے کے بعد سے تیزی کے ساتھ نیچے کو جا رہی ہے۔ کانگریس لیڈر، دعاوا سہاؤں اور پارلیمنٹ کے کانگریسی ممبروں اور کانگریسی منسٹروں میں آج کافی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو دیکھ کی آزادی کے سنگرم کے دنوں میں شاید کہیں دھائی بھی نہ دیتے تھے۔ ذکی منسٹر ایسے ہیں جنہوں ہمارے جیسے لوگ پہچانتے بھی نہیں ہیں جو سن 1947 کے بعد کانگریسی بلے ہیں، اور آج کانگریس کے بڑے سے بڑے مشوروں میں اُن کی آواز سنی جاتی ہے۔

آج کی کانگریس

بھالیس ہوس ہم نے اپنے ناچیج ڈنگ سے کانگریس کی سبھا کی ہے اور کافی نچرر ڈھنگ سے تلمہ ہو کر کی ہے۔ کانگریس کا دیکھ پر بہت بڑا احسان ہے۔ ہمارے دل میں اب بھی کانگریس کا بڑا اُدر ہے۔ کانگریس اور کانگریس سرکار دونوں میں اس سے بھی کافی ایسے لوگ ہیں جن سے ہم کو اُسی دیکھ میں ملنا تھیں ہے۔ پر اس میں بھی سلبیہ نہیں کہ کانگریس مستہ آزادی ملنے کے بعد سے تیزی کے ساتھ نیچے کو جا رہی ہے۔ کانگریس لیڈر، دعاوا سہاؤں اور پارلیمنٹ کے کانگریسی ممبروں اور کانگریسی منسٹروں میں آج کافی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو دیکھ کی آزادی کے سنگرم کے دنوں میں شاید کہیں دھائی بھی نہ دیتے تھے۔ ذکی منسٹر ایسے ہیں جنہوں ہمارے جیسے لوگ پہچانتے بھی نہیں ہیں جو سن 1947 کے بعد کانگریسی بلے ہیں، اور آج کانگریس کے بڑے سے بڑے مشوروں میں اُن کی آواز سنی جاتی ہے۔

کے چلنے کے پہلے اس کے لیے بنیاد مضبوط بنانی
 تھی۔ یانی ہارپا، کابیل، ماتھیر (وہاں) (وہاں) (وہاں)
 لوگ جیسے کہ بنانے کے۔ اور حکومت کا ہر ہونا چاہیے
 تھا، نہ کہ اس قدر۔ اور حکومت کا ہر ہونا چاہیے تھا، نہ کہ اس قدر
 آزادی سے دی کہ ہر شخص اپنے فرائض (کروٹیوں) کو
 بھول بیٹھا اور ہر مانا جو چاہا سو کر رہا ہے۔ کوئی پرمان
 حال نہیں۔ دفعوں کی عجیب و غریب حالت ہے۔ کسی کو
 کام کرنے سے مطلب نہیں۔ سمجھ کر (کے) اور (کے)
 بازی (بازی بازی) فرقہ بندی سے فرصت نہیں۔ نہ معلوم
 یہ حکومت اس طرح کب تک اور کیسے چلے گی۔ لوگوں کے
 دلوں میں تو، مذہب، پریم، عاجزی (نمروں) جیسی چیزیں رہ
 نہیں گئی ہیں۔ نئی روشنی کے لوگ اور لڑکے صرف اسی
 دھن میں رہتے ہیں کہ کس طرح دوسرے کی انہیں میں
 دخول جھڑپیں اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ سوائے اس
 کے کچھ نہیں کہا جاتا—خدا حافظ! باہر چائے ہندستان کی
 کچھ بھی قدر ہو یا نام ہو، اندرونی حالت کو بدلتی ہو نظر
 آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان مغربی (پچھلی)
 چکاچوندھ میں آگیا ہے اور اس کا دلدادہ (پریمی) ہو گیا ہے،
 جو نشان برابری اور ذوال (پان) کا ہے۔ ہمارے دیش میں
 بھی گراخانے جات بہت کثرت کھاتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے
 دستکاری کا ذوال اور پروگرامی بڑھتی جا رہی ہے۔ ایجنیشن کا
 برا حال ہے۔ وہ دن بدن ایکسپنس (خرچہ) اور بے سود
 (نورٹیک) سے ہو گئی ہے۔ زمانہ کے بدلنے سے روش (کئی)
 سے ہر چیز اور طور طریقہ میں بہتری کی صورت پیدا کرنی
 تھی۔ اس نہ ہونے سے زندگی الگ لٹخ (کڑی) کو دی،
 بازاروں میں جلد کوئی چیز ملتی نہیں۔ اس کا بدل پرانے
 دوسرے میں آج اور پرانے دوکاندار جانتے نہیں، اور ہوشیار
 لوگوں نے اپنی کمائی کی صورت نکال لی۔ چاہئے تو یہ تھا
 کہ روٹی (چال) بالکل سادہ اور پاک ہو، دلوں میں
 نہی، ہمدردی، سوا کا ہو پیدا ہو۔ نہ کہ سلیما اور طریقہ
 تعلیم، قاعدہ قانون انہیں پیدا کرنے والے ہمارے لوگوں کو اور نئی
 جھڑپیں (نسل) کے آدھ کو کرا دیا۔ کیا یہی ہماری چلندہ
 (چنی ہوئی) حکومت کا شہوا (طریقہ) ہے۔ ایسی چیز
 کیسی سے تو غلطی بدرجہا بہتر تھی! خبر! کہل تک کہا
 جارہے۔ اور آپ پر تو سب روشن ہے۔ میرا کہنا سچ کو چراغ
 دکھاتا ہے۔ لیکن صرف یہی ہے کہ آپ سے دال کا بوجھ کچھ
 ہلکا کرنے کو جی چاہا آتا ہے۔ پھر بھی سچا ہوں کہ جو
 کچھ ہو رہا ہے، الگ (ایمپر) کی سچ (گچھا) سے ہی ہے۔ اسی
 میں آگے چل کر ضرور کچھ فائدہ مقصود (اندیشہ) ہوگا۔ شکہ
 شکہ بیکار ہے۔ خراب چیز کی طرف سے آگے ہٹا لینا ہی بہتر

کے چلنے کے پہلے اس کے لیے بنیاد مضبوط بنانی
 تھی۔ یانی ہارپا، کابیل، ماتھیر (وہاں) (وہاں) (وہاں)
 لوگ جیسے کہ بنانے کے۔ اور حکومت کا ہر ہونا چاہیے
 تھا، نہ کہ اس قدر۔ اور حکومت کا ہر ہونا چاہیے تھا، نہ کہ اس قدر
 آزادی سے دی کہ ہر شخص اپنے فرائض (کروٹیوں) کو
 بھول بیٹھا اور ہر مانا جو چاہا سو کر رہا ہے۔ کوئی پرمان
 حال نہیں۔ دفعوں کی عجیب و غریب حالت ہے۔ کسی کو
 کام کرنے سے مطلب نہیں۔ سمجھ کر (کے) اور (کے)
 بازی (بازی بازی) فرقہ بندی سے فرصت نہیں۔ نہ معلوم
 یہ حکومت اس طرح کب تک اور کیسے چلے گی۔ لوگوں کے
 دلوں میں تو، مذہب، پریم، عاجزی (نمروں) جیسی چیزیں رہ
 نہیں گئی ہیں۔ نئی روشنی کے لوگ اور لڑکے صرف اسی
 دھن میں رہتے ہیں کہ کس طرح دوسرے کی انہیں میں
 دخول جھڑپیں اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ سوائے اس
 کے کچھ نہیں کہا جاتا—خدا حافظ! باہر چائے ہندستان کی
 کچھ بھی قدر ہو یا نام ہو، اندرونی حالت کو بدلتی ہو نظر
 آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان مغربی (پچھلی)
 چکاچوندھ میں آگیا ہے اور اس کا دلدادہ (پریمی) ہو گیا ہے،
 جو نشان برابری اور ذوال (پان) کا ہے۔ ہمارے دیش میں
 بھی گراخانے جات بہت کثرت کھاتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے
 دستکاری کا ذوال اور پروگرامی بڑھتی جا رہی ہے۔ ایجنیشن کا
 برا حال ہے۔ وہ دن بدن ایکسپنس (خرچہ) اور بے سود
 (نورٹیک) سے ہو گئی ہے۔ زمانہ کے بدلنے سے روش (کئی)
 سے ہر چیز اور طور طریقہ میں بہتری کی صورت پیدا کرنی
 تھی۔ اس نہ ہونے سے زندگی الگ لٹخ (کڑی) کو دی،
 بازاروں میں جلد کوئی چیز ملتی نہیں۔ اس کا بدل پرانے
 دوسرے میں آج اور پرانے دوکاندار جانتے نہیں، اور ہوشیار
 لوگوں نے اپنی کمائی کی صورت نکال لی۔ چاہئے تو یہ تھا
 کہ روٹی (چال) بالکل سادہ اور پاک ہو، دلوں میں
 نہی، ہمدردی، سوا کا ہو پیدا ہو۔ نہ کہ سلیما اور طریقہ
 تعلیم، قاعدہ قانون انہیں پیدا کرنے والے ہمارے لوگوں کو اور نئی
 جھڑپیں (نسل) کے آدھ کو کرا دیا۔ کیا یہی ہماری چلندہ
 (چنی ہوئی) حکومت کا شہوا (طریقہ) ہے۔ ایسی چیز
 کیسی سے تو غلطی بدرجہا بہتر تھی! خبر! کہل تک کہا
 جارہے۔ اور آپ پر تو سب روشن ہے۔ میرا کہنا سچ کو چراغ
 دکھاتا ہے۔ لیکن صرف یہی ہے کہ آپ سے دال کا بوجھ کچھ
 ہلکا کرنے کو جی چاہا آتا ہے۔ پھر بھی سچا ہوں کہ جو
 کچھ ہو رہا ہے، الگ (ایمپر) کی سچ (گچھا) سے ہی ہے۔ اسی
 میں آگے چل کر ضرور کچھ فائدہ مقصود (اندیشہ) ہوگا۔ شکہ
 شکہ بیکار ہے۔ خراب چیز کی طرف سے آگے ہٹا لینا ہی بہتر

ہماری ہمارا

دش کی حالت پر ایک خط

دش اور سرکار کے ایک سچے ہمت چٹک، نیک، ایماندار، سمجھدار، غور جانب دار، اور تاجرہکار میٹر کا ہمارے پاس ایک خط آیا ہے۔ "نیا ہند" کے بھی وہ شروع سے پڑوسی رہے ہیں۔ اس خط کا ایک حصہ انہیں کے شہدوں میں ہم بھیجے دے رہے ہیں۔ کمانوں کے اندر کے شہد ہمارے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں —

"جسمانہ کچھ ایسا خراب ہو گیا ہے کہ انسان خود غرض ہوتا جا رہا ہے۔ سدا بھاؤ اور پریم بھاؤ بالکل نیست نامور ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر ایک اپنے کاروبار میں مہلگانی اور ٹیکس بڑھتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے زندگی وبال جان ہو گئی ہے۔ اگر کوئی ایمانداری، نیک نیتی سے رہنا چاہے بھی تو ہزار مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بے ایمانی، رشوت خواری، دغا بازی اور جھوٹ کا بول بالا ہے۔ جس کی زمendar ہماری موجودہ حکومت اور کارکنوں کا گرا ہوا ٹھکانہ ہے۔ پبلک پر اس قدر ٹیکس لگا دیئے ہیں کہ جس کا اثر بے چاری مڈل کلاس پر پڑ رہا ہے وہ پسی جا رہی ہے، اور پونجی والے یا دھندا کرنے والے اپنی چالانی اور عداوت سے خوش اور مالا مال ہیں، اور بے ایمانی کا موقع مل رہا ہے۔ جو روپیہ حکومت اٹھا کر رہی ہے یا آمدنی بڑھا رہی ہے وہ بالکل بے توجہی اور بے پرواہی سے بڑھا رہا ہے۔ یا یہ کہ نہ چند چالاک اور غدار لوگوں کی جیبوں میں جا رہا ہے، یہ فرسٹ اور سوئمڈ فائوٹیر پلین صرف کلیدی کھڑے ہیں یا دنیا کی انہیں میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ جس قدر روپیہ خرچ ہو رہا ہے واقعی وہابی ہے اور کام بھی اُس کے عیوض ہوا ہے؟ لیکن نہ اس کی غرض کسی کو ہے؟ یہ سرحدوں کوں سول لے؟ جو ہو رہا ہے ہولے دوا

18 حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے تاکہ مضمون آسانی سے سمجھا جاسکے۔ ان جلدوں میں گاندھی جو کی زندگی کی تفصیلات، ان کے جیوں و دشمن کی جہانگیر میں دیکھا کو ملتی ہے۔ ان سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ جس راستہ پر چل کر آج بچہم زندگی اور موت کا کھل کھل رہا ہے اس سے ہندوستان کو بچا جاسکتا ہے اور خون اس خودکشی سے دوسرے اپنے کو بچا سکتا ہے 9

پہلی جلد کے پہلے حصے میں 'سراج' سماج واد اور سلمیہ واد کی چرچا ہے۔ دوسرے حصے میں اس بات کی چرچا ہے کہ جو شرم کرے وہی کھالے کا حقدار ہے۔ تیسرے حصے میں آرٹھک برابری کا سدھانت پڑھ کر دیا گیا ہے۔ چوتھے حصے میں پیدائشی امور کو بتایا گیا ہے کہ ان کی جائیداد ان کے پاس محض تھانی یا دھرم کی شکل میں ہے، دوسرے اس کے مالک نہیں ہیں۔

دوسری جلد کے پہلے حصے میں مشہوری اور ادیبوں کی چرچا ہے۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ زندگی میں مشہور کی مناسب جگہ کیا ہے۔ دوسرے حصے میں سودیشی کی ویبچنا کی گئی ہے۔ تیسرے حصے میں اہلادان کے ساروپ پر تفصیل میں بحث کی گئی ہے۔ چوتھے حصے میں گلوں کے ادیبوں دھندوں کی مالک کے آرٹھک نظام میں مناسب جگہ انکی گئی ہے۔ پانچویں حصے میں ہادی کے بنیادی پہلو اور وکیندرت ادیبوں واد میں اس کی مہم کو دکھایا گیا ہے۔ چھٹویں حصے میں دوسرے ہاتھ کے دھندوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتویں حصے میں نمائش کو کس تعلق سے کرنا چاہئے اس پر وچار کیا گیا ہے۔

تیسری جلد کے پہلے حصے میں کام اور مچدوری کی چرچا ہے کہ کس طرح مزدور کی شوشن کو ختم کیا جاسکتا ہے؟ دوسرے حصے میں مچدوری کی دیر پر بحث کی گئی ہے کہ کم-کم مچدوری کتنی ہونی چاہیے جتنی کہ جیسے سے پٹ بھرا جاسکے اور انسان-انسان کی طرح رہ سکے۔ تیسرے حصے میں کسانوں اور مچدوروں کے سنگٹن پر پرکاش ڈالا گیا ہے۔ چوتھے حصے میں احمد دہاد کی مشہور مثال پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کے تحت خود گاندھی جی ہی تھے۔ پانچویں حصے میں وٹال اور بھیتلنگ کی چرچا ہے۔ چھٹویں حصے میں کسانوں اور زمینداروں کی چرچا ہے۔ ساتویں حصے میں دیواروں کو کس طرح شانتی سے سلجھایا جاسکتا ہے اس کے اصول سمجھائے گئے ہیں۔

چوتھی جلد کے پہلے حصے میں محنت کے ساتھ ان جلدوں کا سہارا دیا گیا ہے۔ ہم بوجھیں پہلے انگ ہاؤس کو لے کر آہو کی پرکاشن کے لئے بھائی دیتے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ راج نہتی اور مزدوروں کی تحریک میں دلچسپی لے لے والے ہر کاروبار کرنا اور دیہی بہت دیہاتوں کو ان جلدوں کا گہرا ادھار کرنا چاہئے۔ چھٹی جلدی سب بہت عمدہ ہے۔

پہلی جلد کے پہلے حصے میں 'سراج' سماج واد اور سلمیہ واد کی چرچا ہے۔ دوسرے حصے میں اس بات کی چرچا ہے کہ جو شرم کرے وہی کھالے کا حقدار ہے۔ تیسرے حصے میں آرٹھک برابری کا سدھانت پڑھ کر دیا گیا ہے۔ چوتھے حصے میں پیدائشی امور کو بتایا گیا ہے کہ ان کی جائیداد ان کے پاس محض تھانی یا دھرم کی شکل میں ہے، دوسرے اس کے مالک نہیں ہیں۔

دوسری جلد کے پہلے حصے میں مشہوری اور ادیبوں کی چرچا ہے۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ زندگی میں مشہور کی مناسب جگہ کیا ہے۔ دوسرے حصے میں سودیشی کی ویبچنا کی گئی ہے۔ تیسرے حصے میں اہلادان کے ساروپ پر تفصیل میں بحث کی گئی ہے۔ چوتھے حصے میں گلوں کے ادیبوں دھندوں کی مالک کے آرٹھک نظام میں مناسب جگہ انکی گئی ہے۔ پانچویں حصے میں ہادی کے بنیادی پہلو اور وکیندرت ادیبوں واد میں اس کی مہم کو دکھایا گیا ہے۔ چھٹویں حصے میں دوسرے ہاتھ کے دھندوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتویں حصے میں نمائش کو کس تعلق سے کرنا چاہئے اس پر وچار کیا گیا ہے۔

تیسری جلد کے پہلے حصے میں کام اور مچدوری کی چرچا ہے کہ کس طرح مزدور کی شوشن کو ختم کیا جاسکتا ہے؟ دوسرے حصے میں مچدوری کی دیر پر بحث کی گئی ہے کہ کم-کم مچدوری کتنی ہونی چاہیے جتنی کہ جیسے سے پٹ بھرا جاسکے اور انسان-انسان کی طرح رہ سکے۔ تیسرے حصے میں کسانوں اور مچدوروں کے سنگٹن پر پرکاش ڈالا گیا ہے۔ چوتھے حصے میں احمد دہاد کی مشہور مثال پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کے تحت خود گاندھی جی ہی تھے۔ پانچویں حصے میں وٹال اور بھیتلنگ کی چرچا ہے۔ چھٹویں حصے میں کسانوں اور زمینداروں کی چرچا ہے۔ ساتویں حصے میں دیواروں کو کس طرح شانتی سے سلجھایا جاسکتا ہے اس کے اصول سمجھائے گئے ہیں۔

چوتھی جلد کے پہلے حصے میں محنت کے ساتھ ان جلدوں کا سہارا دیا گیا ہے۔ ہم بوجھیں پہلے انگ ہاؤس کو لے کر آہو کی پرکاشن کے لئے بھائی دیتے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ راج نہتی اور مزدوروں کی تحریک میں دلچسپی لے لے والے ہر کاروبار کرنا اور دیہی بہت دیہاتوں کو ان جلدوں کا گہرا ادھار کرنا چاہئے۔ چھٹی جلدی سب بہت عمدہ ہے۔

پہلی جلد کے پہلے حصے میں 'سراج' سماج واد اور سلمیہ واد کی چرچا ہے۔ دوسرے حصے میں اس بات کی چرچا ہے کہ جو شرم کرے وہی کھالے کا حقدار ہے۔ تیسرے حصے میں آرٹھک برابری کا سدھانت پڑھ کر دیا گیا ہے۔ چوتھے حصے میں پیدائشی امور کو بتایا گیا ہے کہ ان کی جائیداد ان کے پاس محض تھانی یا دھرم کی شکل میں ہے، دوسرے اس کے مالک نہیں ہیں۔

٥٧٥

इन टोपियों के इस्तेमाल का भी अजीब हाल होना है। कोई इनको किसी के खौफ से लगाता है तो कोई इनका उपयोग जाती लोभ से करता है। कोई किसी पालिसी से लगाता है तो कोई रयाकारी से। लिहाजा सियासी टोपी एक शुबहे की चीज हो कर रह गई है और "अविश्वास" की काप उसपर लग गई है इसलिये उसकी पोषीशन किसी हाल में साफ नहीं रही।

यह टोपियाँ और मन्डिरियाँ प्रचार तो अपना अधिक रखती हैं समाचार से भी अधिक, परन्तु सर रहते हुए भी अगर इच्छत न पा सकें तो 'अचरज'।

लाखों मनुष्य रंग बिरंगे लेबिल लगाये हुये हैं अपने सरों पर, लेकिन हमारी नजर और अनुभव में कितने ही वह सर हैं कि जो वे लेबिल हैं और ज्यादा आनरेबिल।

इन टोपियों के इस्तेमाल का भी अजीब हाल होना है। कोई इनको किसी के खौफ से लगाता है तो कोई इनका उपयोग जाती लोभ से करता है। कोई किसी पालिसी से लगाता है तो कोई रयाकारी से। लिहाजा सियासी टोपी एक शुबहे की चीज हो कर रह गई है और "अविश्वास" की काप उसपर लग गई है इसलिये उसकी पोषीशन किसी हाल में साफ नहीं रही।

ये टोपियाँ और जेन्डियाँ प्रचार तो अपना अधिक रखती हैं समाचार से भी अधिक, परन्तु सर पर रहते हुये भी अगर عزت न पा सकें तो 'अचरज'।

लाक़ों मनुष्य रंग बिरंगे लेबिल लगाये हुये हैं अपने सरों पर, लेकिन हमारी नजर और अनुभव में कितने ही वह सर हैं कि जो ये लेबिल हैं ज्यादा आनरेबिल हैं।

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 50.

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it

—Bharat Jyoti, Bombay,

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

حاصل ہونے کے بعد سیاسی کھجوری ہلکی رہتی ہے اور سر پر
 ڈھکا رہتا ہے کھجوری کی دیکھی پر — بعض یوں کے اور نیکندہ
 آدھ ٹائی ہی کہا جاتے ہیں تھمکی کرل کر اور بعض جلی ہی
 نہیں ہوتے تے یہ صبر ہو کر جس کے نیکدے میں یا تو اُن کے
 پوس میں درد اُٹھاتا ہے یا بدھنسی ہو جاتی ہے ۔ یہ سیاسی
 بدھنسی سماجی زندگی کے لئے نہایت خطرناک ہے جس کا
 خمیازہ ہری طرح بیکٹا پڑتا ہے نہ کیول اُس ایک وہابی کو
 بلکہ ساری دیکھی کو۔

یہ 'سربوہ' قوم فروشی ہی لاپت ہوتے ہیں بعض
 سالہ . قوم فروشی کا سودا سودمند ثابت ہوتا ہے ان کے لئے۔
 اس لئے وہ توپیاں اپنی رنگین کدئی سے عالیشان کوٹھیاں بناتی
 ہیں بقیہ اپنی زندگی عیش آرام سے گزارنے کے لئے۔ اُج
 ہمارے نظر میں بہت سی ایسی توپیاں ہیں اور ان کی
 جلدائی ہوئی کوٹھیاں ہیں۔

یہ رنگ، رنگ کی توہمیں جیسے کشمیں ہوں رنگین
ہاتھوں والی اور چل رہی ہوں جیوں کے سلسلہ پر وچار دھاروں
کے سہارے سہارے ۔

ہا جیسے یہ ٹہریاں سائز میں جیسے کمرشل لفافے پر رنگ
میں گہرا سیاسی اشارہ ۔

یہ توہیں اپنے اپنے رنگ میں سندیں لے پھرتی ہیں
ادھر سے ادھر۔

ہر ٹیپی نہتی دکھتی ہے اپنی اپنی اور بیضام اپنا اپنا ۔
 اسلئے یہ کہنا ٹھیک ہے کہ ہر ٹیپی پرچارک بھی ہے اور
 پرکاشک بھی ، مگر کیونکہ ان کے رنگ یکہ اور دچن سچے نہیں اس
 لئے مار کھاجاتی ہیں سیاست کے میدان میں اور آگرتی ہیں
 انٹ میں ساتھ کے چرنوں میں ۔

دماغی بیوقوفانوں کا اکثر ٹرپیوں پر ارشاد ہوتا ہے۔ 'سی کا یہ کارن ہوتا ہے کہ بعض ٹرپیاں کالی، بعض پیلی اور بعض لال یا سفید نظر آتی ہیں، اور یہ ہے جو بھی اُن کے رنگ میں ہوتا ہے بہتر ہے اکثر کالی ہوتی ہیں اور ناصب کے اُن پر جالہ ہوتے ہیں، اس لئے جو کچھ وہ دیکھتی ہیں جالہ دار انہیں ہے۔

جسپاکسی، پارٹی کا پارٹی سے اور لہتی کا لہتی سے روز دہ ہوتا ہے
 تو اُنکی آواز سی لڑی طور پر وچار بدلتا ہے۔ خیال بدلتا ہے۔
 وچار اور خیال بدلتا ہے تو مارک بھی اور مارک بھی۔ ایسی
 ہی حالت میں سر ٹوپیاں بدلنے میں اور ٹوپیاں سر بدلنے
 میں۔ بعض ٹوپیاں ”فٹ سر“ نہ ملنے کے کارن اُڑتی پڑتی
 ہیں ہوا میں یا اُتتی رہ جاتی ہیں سہ پہل فضا میں۔

ہنسیکا کا भाव यह रखी है अपने बाप में.
तलवार की काट यह रखी है अपनी धार में.
जिवाल कत्ताल में खून की नदियाँ यह बहायी हैं.
अमन आराती में सुलह के करहरे यह उड़ाते हैं.
वरगाह की कलसी पर हिलाल का परचम यह लहराती हैं.
बजरंगबलि की छतर पर हनुमान का निशान यह उड़ाती हैं.
शासन के भवन पर इठला इठला के यह चलती हैं.
जनसंघ के संगठन से अखण्ड अखण्ड यह पुकारती हैं.
दलित के मन मन से दमन दमन यह चिल्लाती हैं.
सुख कौच के मोचे से नारा इंकलाब का यह लगाती हैं.
एकता के संगम पे गङ्गा जमनी राग यह आलापती हैं.
प्रेम के मन्दिर पे धार्मिक भाव यह जगाती हैं.
पीपल के दरख्त पे हिन्दू मुसलिम किसान यह कराती हैं.

यदि 'विश्व शान्ति' के अन्दोलन इनके दम से चलते हैं तो 'विश्व युद्ध' के हंगामों में फूटे इनके लहराते हैं.

यह सब कुछ सही; इनकी तमाम रंगीनियाँ, विल-
बस्नियाँ और खूबसूरतियाँ अपनी जगह पर, लेकिन इस-
तकाल नहीं होता इनके मिजाज में. धैर्य नहीं होता इनके
स्वाभाव में—हवा का रुख देखकर यह अपना रुख फेरती हैं
और फिजा का रङ्ग भाँप कर यह अपना रंग बदलती हैं.
कितनी तलछवन मिजाज होती हैं यह और कितनी हवा
परसव !

मंडियों और टोपियों का एक दूसरे से ऐसा ही सम्बन्ध
है जैसे हर रंग को रंग से निसबत, लेकिन जब हवा
साथ नहीं देती समय का तो हम देखते हैं रंग विरंग की
टोपियाँ उड़ती फिरती हैं पवन में या जलती नजर आती हैं
अग्नि में.

जैसे किसी राज का सिक्का बाखू रहता है राज भर में,
इसी प्रकार राज-रंग की टोपियाँ परछाई होती हैं राज-
बलन की. जैसे किसी खोट के कारण या किसी नीति के
अनुसार सिक्का टकसाल बाहर हो जाता है, वैसे ही
टोपियाँ भी यथायक उड़ जाती हैं सरो से और दूसरी आ
बैठती हैं उनकी जगह.

टोपियाँ टककन का काम भी देती हैं. इसलिये इनको
सरपोरा भी कहा जा सकता है. सरपोरा बनकर यह बहुत
से बड़े-बड़े बेवकूफों की ऐब पोशी भी करती हैं और बहुत
से शासकों को नई-नई आकृतों से बचाती हैं उनके पाप
हाककर.

यह रंगीन सरपोरा कितने खूबसूरत ऐब पोरा होते हैं
सबमुख. लेकिन इनके नीचे कितना गन्दा मादा परवरिश
पाया रहता है कभी-कभी. आखिर यह कि अन्दर ही अन्दर
फूटते-फूटते किसी भी बख्त वह फूट निकलता है और सारा
भेद खुल जाता है बदबू फैलकर.

انقلاب کا ہوا یہ رکھتی ہیں اپنے چاؤ میں .
تلوار کی کاٹ یہ رکھتی ہیں اپنی دھار میں .
جدال قتال میں خون کی ندیاں یہ بہاتی ہیں .
امن آشتی میں صلح کے پیربرے یہ آڑتی ہیں .
درگاہ کی کافی پر ہلال کا پرچم یہ لہرائی ہیں .
بجورنگ بلی کی چھتری پر ہلوسان کا نشان یہ آڑتی ہیں .
شابس کے بھون پر اہلا اٹھ کے یہ چلتی ہیں .
جن سلم کے سنگھوں سے اٹھتے اٹھتے یہ پکارتی ہیں .
دلت کے من من سے دمن دمن یہ چلاتی ہیں .
سرخ فوج کے مورچے سے نعرہ انقلاب کا یہ لگاتی ہیں .
ایکٹا کے ساکم یہ کٹا چمکی راگ یہ الٹی ہیں .
پریم کے مندر پہ دھارمک ہوا یہ جگاتی ہیں .
پوپل کے درخت پہ ہندو مسلم فساد یہ کراتی ہیں .

ہی 'وشو شانتی' کے آندولن ان کے دم سے چلتے ہیں .
تو 'وشو بدھ' کے ہنگاموں میں جھنڈے ان کے لہراتے ہیں .

یہ سب کچھ سہی! ان کی تمام رنگیلیاں، دلچسپیاں اور
خوبصورتیاں اپنی جگہ پر، لیکن استقلال نہیں ہوتا ان کے
مزاج میں . دھیرہ نہیں ہوتا ان کے سربھاؤ میں—
ہوا کا رخ دیکھ کر یہ اپنا رخ پھرتی ہیں اور فضا کا رنگ پھانپ
کر یہ اپنا رنگ بدلتی ہیں . کتنی تلون مزاج ہوتی ہیں یہ
اور کتنی ہوا پرست !

جھنڈیوں اور ٹوپوں کا ایک دوسرے سے ایسا ہی سمبندھ
ہے جیسے رنگ کو رنگ سے نسبت، لیکن جب ہوا ساتھ
نہیں دیتی سم سے تو ہم دیکھتے ہیں رنگ ہر رنگ کی ٹوپیاں
اڑتی پھرتی ہیں پون میں یا چلتی نظر آتی ہیں
اگن میں .

جیسے کسی راج کا سکھ چالو رہتا ہے راج بھر میں، اسی
پرکار راج رنگ کی ٹوپیاں پرچھٹتی ہوتی ہیں راج چلن کی .
جیسے کسی کھوت کے کا رن یا کسی نکلی کے انوسار سکھ تھسال باہر
ہو جاتا ہے ویسے ہی ٹوپیاں بھی یکایک اڑ جاتی ہیں سروں
سے اور دوسری آ بیٹھتی ہیں ان کی جگہ .

ٹوپیاں تھکن کا کام بھی دیتی ہیں . اس لئے ان کو
سربوہ بھی کہا جا سکتا ہے . سربوہ بن کر یہ بہت سے بڑے
بڑے بے وقوفوں کی عیب پوشی کرتی ہیں اور بہت سے
شاسکوں کو لٹی لٹی آنکھوں سے بچاتی ہیں ان کے باپ
تھانک کر .

یہ رنگین سربوہ کتله خوبصورت عیب پوش ہوتے ہیں
سج سج . لیکن ان کے نیچے کتلا کتلا مادہ پرورہ پانا رہتا
ہے کبھی کبھی . آخر یہ کتلا اندر ہی اندر پھولتے پھولتے کسی
بھی وقت پر پھوٹ نکلتا ہے اور سارا بیہوش نکل جاتا ہے
بندھ پھیل کر .

مڈیاں بے پناہ ہوتی ہیں لیکن آواز رکھتی ہیں
اپنی ہرکات میں۔ اپنی ہرکات سے وہ اپنا मतलब پراکٹ
کرتی ہیں اور اپنے رنک سے اپنا संदेश دیتی ہیں۔ ان کے رنگ
میں پلان ہوتا ہے جگہ کا بھی، پیغام ہوتا ہے امن کا بھی،
ان کے ساتھ میں تھریک ہوتی ہے انکلااب کی، انکی سرپر-
ستی میں تھریک ہوتی ہے بغاوت کی، مرنے کے مارے ان کے
گاہوارے میں پلٹتے ہیں اور خون کے بارے انکی لہروں میں رہتے
ہیں۔ انسانی خون سے یہ اپنا अपना कपड़ा رنگती ہیں اور خون کا
کڑوا انका इनकलाब का न्याता देता है۔ انकी मंचलती
लहरें हवा को अपना हमनवा बनाती ہیں और क्रिया पे आते
जाते रङ्ग इनको अपना हमरङ्ग करते हैं۔

مڈیاں کے رنک سے शासन का रहोबदल ہوتا ہے۔ اور
ٹوپیاں کی بدلا بدلتی سے नीति में तबदीली آتی ہے (جیسی
नीति वैसी टोपी) جب विचार बदلتا और खयाल पڑतता
ہے تو उसका असर खोपड़ी पर पड़ता है۔ खोपड़ी से क्या
क्या गुल खिलते और मेद निकलते हैं वह सब इन टोपियों
का ही असर होता है, क्योंकि टोपियों को दिमाग से पका
हुआ साहा तैयार मिलता है۔

پارٹی کی नीति کا—مڈیاں اپنے ऊँचे स्थान से दुकम
चलाती और फरमान जारी करती हैं۔ सलाम करने वाले
मुक मुक जाते हैं उनके सम्मुख। नमस्कार करने वाले
कमान हो जाते हैं इनके सामने दरबार में۔

अलम-बरवार उनकी वफादारी का हलफ उठाते और
प्रण (पहद) करते हैं इताअत गुजारी का—वह उन सब को
अपनी सरपरस्ती में लेकर उनके पक्ष में अपनी राय
जताती हैं۔

मंडिया कभी हरकत करती हैं कभी साकित (खामोश)
रहती हैं। जब हरकत करती हैं तो जैसे साँप लहराते और
बल खाते हैं। अपनी हरकत से वह हरकत लाती हैं समाज
में और हवायें लाती हैं पहसास की अवाम में۔ जब खामोश
रहती हैं तो जैसे फिजा खामोश, जब चलती हैं ता चलती
ही चली जाती हैं पूरब से पच्छिम, फिर पलट कर दक्खिन
से उत्तर तक। जब चुप रहती हैं तो पत्ता तक दम साध
जाता है उनकी एक चुप पर, लेकिन इनकी चुप में भी मस-
लहस होती है। वह अपनी चुप के बकने में बहुत कुछ काम
कर लेती हैं चुपके चुपके۔

सलामती कौंसिल में लहरा कर वह अमन शान्ति की
नुमाइन्दगी करती हैं मगर क्रान्ति से भी साजबाज रहती हैं।
पीस कान.फँस में उड़ कर हवा अमन की यह बांधती
हैं पीस-मेकर बनकर۔

(UNO) यू.नो की फीजे लेकर यह आगे आगे जाती हैं
बीक-आफ़ री आर्मी होकर समाज-सभा की स्थापना करके
मार्बना और धर्म के पाठ पढ़ाती हैं۔

جہلتی کے رنگ سے شامس کا رد و بدل ہوتا ہے۔ اور ٹوپیاں
کی بدلا بدلتی سے نیہتی میں تبدیلی آتی ہے (جیسی نیہتی
وہیسی ٹوپیاں)۔ جب دجار بدلنا اور خيال پلٹنا ہے تو اس کا اثر
کوہڑی پر پڑتا ہے۔ کوہڑی سے کیا تھا گل کھاتہ اور پھد نکلتا
ہیں وہ سب ان ٹوپیاں کا ہی اثر ہوتا ہے۔ کدوئہ ٹوپیاں
کو دماغ سے پکا ہوا مادہ تیار ملتا ہے۔

پارٹی کی نیہتی کا—جہلتیاں اپنے اونچی استھان سے حکم
چلاتی اور فرمان جاری کرتی ہیں۔ سلام کرنے والے جھک
جھک جاتے ہیں ان کے سامنے۔ ”نمستکار کرنے والے کمان
ہو جاتے ہیں ان کے سامنے دربار میں۔

علمداران ان کی وفاداری کا حلف اٹھاتے اور پرن (عهد)
کرتے ہیں اطاعت گذاری کا۔ وہ ان سب کو اپنی سرپرستی
میں لے کر ان کے پھس میں اپنی رائے جتاتی ہیں۔

جہلتیاں کبھی حرکت کرتی ہیں کبھی ساکت (خاموش)
رہتی ہیں۔ جب حرکت کرتی ہیں تو جیسے سانپ لہراتے
اور بل کھاتے ہیں۔ اپنی حرکت سے وہ حرکت لاتی ہیں، سماج
میں اڑھائیں لاتی ہیں احساس کی عوام میں۔ جب
خاموش رہتی ہیں تو جیسے فضا خاموش۔ جب چلتی ہیں
تو چلتی ہی چلی جاتی ہیں پورب سے پچھم تک اور پھر پات
کر دکھن سے اتر تک۔

جب چپ رہتی ہیں تو پتا تک دم ساکھ جاتا ہے ان
کی ایک چپ پر، لیکن ان کی چپ میں بھی مصلحت
ہوتی ہے۔ وہ اپنی چپ کے دفعہ میں بہت کچھ کام کر لیتی
ہیں چوکے چوکے۔

مصلحتی کونسل میں لہرا کر یہ امن شانتی کی نمائندگی
کرتی ہیں مگر کرائی سے بھی سازباز رکھتی ہیں۔
پیس کمرنسون میں آ کر ہوا امن کی یہ باندھتی ہیں—
پیس مکر بن کر۔

(UNO) یو.نو کی فوجوں لے کر یہ آگے آگے جاتی ہیں
چنگھ آف دی۔ اوسی ہو کر۔ سماج سپا کی استھانا کر
کے پرلہنا کرائی اور دھرم کے پاتھ پڑھاتی ہیں۔

(UNO) یو.نو کی فوجوں لے کر یہ آگے آگے جاتی ہیں
چنگھ آف دی۔ اوسی ہو کر۔ سماج سپا کی استھانا کر
کے پرلہنا کرائی اور دھرم کے پاتھ پڑھاتی ہیں۔

टोपियाँ और भंडियाँ

श्री अब्दुल हलीम अंसारी

दोनों तरजुमान होते हैं अपने अपने लक्ष्य और मत के.
दोनों पैगाम होते हैं अपने अपने संघ और मन के.

टोपियाँ जब सरपर होती हैं तो कुछ लेती हैं दिमारा से और कुछ देती भी हैं दिमारा को.

दिमाग बने प्रभाव से बहुत सी चीजें स्वीकार करते हैं और टोपियाँ कुछ प्रभाव अपनी भरती भी हैं दिमागों के भीतर, टोपियाँ पार्टी पारचय का काम करती हैं अपने ऊँचे स्थान से, टोपियाँ नीतियाँ रखती हैं अपनी अपनी तर्ज और रंगत में जैसे झंडियाँ झालियाँ रखती हैं अपनी अपनी लहर और हरकत में, विशेष रङ्ग और विशेष ढङ्ग की टोपियाँ और झंडियाँ निशानियाँ हाँती हैं जो अपनी अपनी संस्थाओं की नुमायन्दगी करती हैं, जिनके प्लान और प्रोग्राम वैसे ही अलग अलग होते हैं जैसे छूत छात के स्थान अलग अलग, एक के स्टेज पर दूसरा नहीं जा सकता, दूसरे की सीमा में तीसरा नहीं आ सकता, जो क्रोमी सुधारकों के “लक्ष्मी एकता” के मरकज (केंद्र) हाँते हैं वही मूल में सियासी लुआछत के संगठन हाँते हैं.

झड़ियाँ प्रेम और एकता का पैगाम देती हैं मिली-जुली सभा में—कितनी ठन्डी और शान्त पूर्ण होती हैं, उनकी वह शीतल छाया और प्रेम सभा—जाहिर में कितनी अच्छी होती है वह प्रेम भरी झड़ियाँ और दिलकश उनकी रंगीनियाँ.

यह एकता का संगठन रचाती हैं और मेल मिलाप का संगम बनाती हैं, यही अपने ताने बाने से क़ौमी जामे तैयार करती हैं, लेकिन क़ौम का शीराज़ा भी यही बिखेरती हैं और एकता का दामन भी यही नोचाती हैं, फिरक़ेवारी को आग भी यही बुझाती हैं लेकिन अपने दामन से हवा देकर उस आग को भड़काती भी यही हैं, मुस्लाज़िक हवा को भाप यह रोकती हैं लेकिन काट भी यही करती हैं हवा का, औरी रुख़भी उसका यही फेरती हैं, यह दबी आग पर फूंक मारत- हैं लेकिन सुलगी आग पर खाक भी यह डालती हैं, संग ठन यह बनाती और बिगाड़ती हैं, हलचल यह मचाती और दबाती हैं—बेशक चूँकि दां रुख़ी इनकी पालिसी होती है और दोतरफ़ा इनका रुख़, इधर कुछ तो उधर कुछ, कभी कुछ तो कभी कुछ.

توپیاں اور جہندیاں

شری عبدالعلیم انصاری

دونوں ترجمان ہوتے ہیں اپنے اپنے لکھن اور ست کے ۔
 دونوں پیغام ہوتے ہیں اپنے اپنے سنگم اور من کے ۔
 ٹہپیاں جب سر پر ہوتی ہیں تو کچھ اگلی ہیں دماغ سے
 اور کچھ دیتی ہی ہیں دماغ کو ۔

دماغ اُن کے پردہ ہاؤ سے بہت سی چیزیں سونگار کرتے ہیں اور تہیں کچھ پردہ ہاؤ اپنے بھرتی ہوئی ہیں دماغوں کے بہتر ۔ توہیں پارٹی پرچے کا کام کرتی ہیں اپنے ارنچے استہان سے ۔ توہیں نہتیاں رکھتی ہیں اپنی اپلی طرز اور رنگت میں جیسے چھتیاں کرانتیاں رکھتی ہیں اپنی اپنی لہر اور حرکت میں ۔ وشہش رنگ او وشہش قہنگ کی توہیاں اور چھتیاں نشانیاں ہوتی ہیں جو اپنی اپنی سندھیاؤں کی نمایندگی کرتی ہیں ۔ جن کے پلان اور پروگرام ویسے ہی الگ الگ ہوتے ہیں جیسے چہوت چہات کے استہان الگ الگ ۔ ایک کے استیوچ پر دوسرا نہیں جا سکتا ۔ دوسرے کی سہا میں دوسرا نہیں آ سکتا ۔ جو قومی سدھارکوں کے ”لفظی ایکٹا“ کے مرکز (کینڈر) ہوتے ہیں وہی مرل میں سیاسی چہوا چہوت کے سنگٹھن ہوتے ہیں ۔

چہاڑیاں پریم اور ایکٹا کا پیغام دیتی ہیں ملی جلی سبھا
میں ، نکلی تھندی اور شانت پورن ہوتی ہے اُن کی وہ شہل
چہاڑیاں اور پریم سبھا۔ ظاہر میں کتنی اچھی ہوتی ہیں وہ پریم
بھری چہاڑیاں اور دلکھی اُن کی رنگہنیاں ۔

یہ ایکٹا کا سنگتوں رجائی ہیں اور مول سلاپ کا سنگم ہناتی
 ہیں۔ یہی اپنے قاتے ہانے سے قومی جامے تیار کرتی ہیں۔ لیکن
 قوم کا شہر آواز بھی یہی بکھیرتی ہیں اور ایکٹا کا دامن بھی یہی
 نوچاتی ہیں۔ فرقہ واری کی آگ بھی یہی بجھاتی ہیں لیکن
 اپنے دامن سے ہوا دیگر آگ کو بھڑکانے بھی یہی ہیں۔ مخالف
 ہوائی بوئپ یہ روکتی ہیں لیکن ۔۔۔ وہی یہی کرتی ہیں
 ہوا کا، اور رخ بھی اُس کا یہی پبدرتی ہوں۔ یہ دیہی آگ پر
 پھونک مارتی، ہیں لیکن سنگی آگ پر خاک بھی یہ ڈالتی
 ہوں۔ سنگتوں یہ ہناتی اور بگڑتی ہوں۔ هلچل پہ مچائی اور
 دہاتی ہیں۔ پرسک چونکہ دورخی ان کی بالاسی ہوتی ہے اور
 دو طرفہ ان کا رخ' ادھر کچھ تو ادھر کچھ' ابھی کچھ تو
 کہیں کچھ۔

अनेकता में एकता यानी कसरत में बहुदत्त

की देखी मानी जाती है. शिव का विवाह गौरी काली से हुआ. गौरी का अर्थ है सफेद और काली का अर्थ है काली. गौरी प्रेम को जाहिर करती है और काली नफरत को. इन दोनों की क्रिया और प्रतिक्रिया से ही सृष्टि का अन्त होता है. इस तरह भारत के पुराणों में इस विश्व के सारे फैलाव को कहानियों के रूप में समझाया गया है, ताकि कम समझ आदमी भी आसानी से समझ सके. इस ढंग से उसमें ऐसी बातें भी कह दी गई हैं जिन्हें ठीक ठीक समझने के लिये बड़ी व्याख्या की जरूरत है.

इसी तरह शरीर विद्या (फिजियोलोजी) का हाल है जिसमें वैद्यक विद्या (इल्मेतिब), इल्मे सेहत, दिन और रात का बनना, मौसमों का बनना, नसलों की पैदाइश, कफ, वात और पित्त सब अपनी अपनी जगह आ जाते हैं.

इसी तरह रोगों (पैथालोजी) का हाल है. रोग भी तीन तरह के होते हैं—शरीर के रोग, मन के रोग और जीवनी शक्ति के रोग. इसमें भी शक नहीं कि यह सब अलग अलग चीजों एक दूसरे में रली मिली हुई हैं. हम कह चुके हैं कि कुदरत में कोई ऐसी लकीरे या दीवारे हैं ही नहीं जो एक चीज को दूसरी चीज से या एक क्रिस्म की चीजों को दूसरी क्रिस्म की चीजों से अलग करती हों. हकीकत एक अथाह और बेपाया, बे किनार समन्दर है जिसमें हम सब बुल-बुलों की तरह बनते और बिगड़ते और फिर बनते और बिगड़ते रहते हैं. कड़े से कड़े रंग कूबने इरादी से, मन की अवस्थाओं से अच्छे किये जा सकते हैं और सूक्ष्म से सूक्ष्म मानसिक विचार जड़ औषधियों द्वारा बदले जा सकते हैं.

इनसाइक्लोपीडिया ब्रीटेनिका में प्राणीशास्त्र (जुआलोजी) पर निबन्ध इस सम्बन्ध में पढ़ने योग्य है. सब जगह वही तीन के जाड़े और वही अनेकता में एकता यानी कसरत में बहुदत्त.

अनेकता में एकता यानी कसरत में बहुदत्त

की देखी मानी जाती है. शिव का विवाह गौरी काली से हुआ. गौरी का अर्थ है सफेद और काली का अर्थ है काली. गौरी प्रेम को जाहिर करती है और काली नफरत को. इन दोनों की क्रिया और प्रतिक्रिया से ही सृष्टि का अन्त होता है. इस तरह भारत के पुराणों में इस विश्व के सारे फैलाव को कहानियों के रूप में समझाया गया है, ताकि कम समझ आदमी भी आसानी से समझ सके. इस ढंग से उसमें ऐसी बातें भी कह दी गई हैं जिन्हें ठीक ठीक समझने के लिये बड़ी व्याख्या की जरूरत है.

इसी तरह शरीर विद्या (फिजियोलोजी) का हाल है जिसमें वैद्यक विद्या (इल्मेतिब), इल्मे सेहत, दिन और रात का बनना, मौसमों का बनना, नसलों की पैदाइश, कफ, वात और पित्त सब अपनी अपनी जगह आ जाते हैं.

इसी तरह रोगों (पैथालोजी) का हाल है. रोग भी तीन तरह के होते हैं—शरीर के रोग, मन के रोग और जीवनी शक्ति के रोग. इसमें भी शक नहीं कि यह सब अलग अलग चीजों एक दूसरे में रली मिली हुई हैं. हम कह चुके हैं कि कुदरत में कोई ऐसी लकीरे या दीवारे हैं ही नहीं जो एक चीज को दूसरी चीज से या एक क्रिस्म की चीजों को दूसरी क्रिस्म की चीजों से अलग करती हों. हकीकत एक अथाह और बेपाया, बे किनार समन्दर है जिसमें हम सब बुल-बुलों की तरह बनते और बिगड़ते और फिर बनते और बिगड़ते रहते हैं. कड़े से कड़े रंग कूबने इरादी से, मन की अवस्थाओं से अच्छे किये जा सकते हैं और सूक्ष्म से सूक्ष्म मानसिक विचार जड़ औषधियों द्वारा बदले जा सकते हैं.

इनसाइक्लोपीडिया ब्रीटेनिका में प्राणीशास्त्र (जुआलोजी) पर निबन्ध इस सम्बन्ध में पढ़ने योग्य है. सब जगह वही तीन के जाड़े और वही अनेकता में एकता यानी कसरत में बहुदत्त.

اور کارخانہ شریک کہا جاتا ہے اور جنہیں عیسائی ملت سلیمت ملے 'ہائی' سول اینڈ اسٹریٹ' کے نام سے پکارا ہے۔ ان تینوں کا ایک دوسرے سے ناتا ایک الگ اور دوسرا ورثہ ہے۔

ملونٹر دیا یعنی ایلٹھراپالوجی کے اندر ہم چت دیا (سائیکالوجی) دیہہ ودیہ (فزیالوجی) اور سماج شاستر (سوشیالوجی) تینوں کو شامل کر سکتے ہیں۔ یہی تین اُتار غہر اُتار اور ان دونوں کا میل ہے۔ یہی مائیک، مہتر اور لائف یعنی چوہن، اچوہن اور پُران ہیں۔

اسی طرح چکر پورا کر کے ہم پھر انہیں اصولوں پر آجاتے ہیں۔ ہمارا گہان (علم) اور ہمارا انہور (تجربہ) جتنا بڑھتا جاتا ہے اور ہماری اندر کی شکتیاں جتنی جتنی کھلتی جاتی ہیں اتنا اتنا ہی جن چیزوں کو ہم دور اور نکما سمجھتے تھے انہیں نزدیک اور کام کا سمجھنے لگتے ہیں۔ نجی سوارتھ اور خود غرضی کی نگاہ سے یہی چیزیں دنیاوی سکھ سوکھ کو بڑھانے والی ثابت ہوتی ہیں اور تباہی اور حقیقی شانتی کی نگاہ سے یہی چیزیں ہمیں سب کے ساتھ ہماری ایکٹا دلہا کر لوک سنگھ یعنی خدمت خلق میں زیادہ سے زیادہ مدد دینے والی بن جاتی ہیں۔

انہاس (تاریخ) میں تین چیزیں خاص ہوئی ہیں۔ ایک تھی وار حالات جسے کرائالوجی کہتے ہیں جس کا سبب کال یعنی سم سے ہے۔ دوسرے یوگول یعنی جھوکرہلی جس کا سبب دیہی اور چکھ سے ہے۔ تیسرے گھٹناؤں کا بیان یعنی نریٹو جو انہاس کا مہیہ انگ ہے جس کا سبب گلی یعنی حرکت سے ہے۔ یہ تینوں بھی اُسی شکتی کے کارنامے ہیں جو انہی ہی سبب کچھ کر سکتی ہے اور جس کے بنا انہیں کچھ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ انہیں ارتھوں میں ابشور الاء کو سرورسکومان، قادر مطلق یا 'آل مائیٹی' کہا جاتا ہے۔

بدی ہم انہاس کو دھیان سے دیکھیں تو انہاس کے یہی تین روپ گوری، کالی اور شکتی کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں کے ذریعہ دنیا کے سب پدارتھ، سب جاندار، سب راشٹر، قومیں، نسلوں اور سہیہاتیں پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں اور گر کر ختم ہو جاتی ہیں۔ انہیں تینوں طاقتوں کو برہما، وشنو اور شو یا رورناموں سے پکارا گیا ہے۔ یہی تین نام تینوں گنوں رحس، ستو اور تمس کو ظاہر کرتے ہیں۔ برہما کا وبواہ، 'سرسوتی' سے ہوا جو گہان کی دیوی۔ مانی جاتی ہے، کونکھ کرم بنا تھان نے لکھل ہے اور گہان بنا کرم کے خطرناک۔ وشنو کا وبواہ لکھی سے ہوا جو دھن اور سکھ سوکھ

مذہب (تاریخ) میں تین چیزیں خاص ہوئی ہیں۔ ایک تھی وار حالات جسے کرائالوجی کہتے ہیں جس کا سبب کال یعنی سم سے ہے۔ دوسرے یوگول یعنی جھوکرہلی جس کا سبب دیہی اور چکھ سے ہے۔ تیسرے گھٹناؤں کا بیان یعنی نریٹو جو انہاس کا مہیہ انگ ہے جس کا سبب گلی یعنی حرکت سے ہے۔ یہ تینوں بھی اُسی شکتی کے کارنامے ہیں جو انہی ہی سبب کچھ کر سکتی ہے اور جس کے بنا انہیں کچھ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ انہیں ارتھوں میں ابشور الاء کو سرورسکومان، قادر مطلق یا 'آل مائیٹی' کہا جاتا ہے۔

بدی ہم انہاس کو دھیان سے دیکھیں تو انہاس کے یہی تین روپ گوری، کالی اور شکتی کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں کے ذریعہ دنیا کے سب پدارتھ، سب جاندار، سب راشٹر، قومیں، نسلوں اور سہیہاتیں پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں اور گر کر ختم ہو جاتی ہیں۔ انہیں تینوں طاقتوں کو برہما، وشنو اور شو یا رورناموں سے پکارا گیا ہے۔ یہی تین نام تینوں گنوں رحس، ستو اور تمس کو ظاہر کرتے ہیں۔ برہما کا وبواہ، 'سرسوتی' سے ہوا جو گہان کی دیوی۔ مانی جاتی ہے، کونکھ کرم بنا تھان نے لکھل ہے اور گہان بنا کرم کے خطرناک۔ وشنو کا وبواہ لکھی سے ہوا جو دھن اور سکھ سوکھ

بدی ہم انہاس کو دھیان سے دیکھیں تو انہاس کے یہی تین روپ گوری، کالی اور شکتی کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں کے ذریعہ دنیا کے سب پدارتھ، سب جاندار، سب راشٹر، قومیں، نسلوں اور سہیہاتیں پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں اور گر کر ختم ہو جاتی ہیں۔ انہیں تینوں طاقتوں کو برہما، وشنو اور شو یا رورناموں سے پکارا گیا ہے۔ یہی تین نام تینوں گنوں رحس، ستو اور تمس کو ظاہر کرتے ہیں۔ برہما کا وبواہ، 'سرسوتی' سے ہوا جو گہان کی دیوی۔ مانی جاتی ہے، کونکھ کرم بنا تھان نے لکھل ہے اور گہان بنا کرم کے خطرناک۔ وشنو کا وبواہ لکھی سے ہوا جو دھن اور سکھ سوکھ

بدی ہم انہاس کو دھیان سے دیکھیں تو انہاس کے یہی تین روپ گوری، کالی اور شکتی کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں کے ذریعہ دنیا کے سب پدارتھ، سب جاندار، سب راشٹر، قومیں، نسلوں اور سہیہاتیں پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں اور گر کر ختم ہو جاتی ہیں۔ انہیں تینوں طاقتوں کو برہما، وشنو اور شو یا رورناموں سے پکارا گیا ہے۔ یہی تین نام تینوں گنوں رحس، ستو اور تمس کو ظاہر کرتے ہیں۔ برہما کا وبواہ، 'سرسوتی' سے ہوا جو گہان کی دیوی۔ مانی جاتی ہے، کونکھ کرم بنا تھان نے لکھل ہے اور گہان بنا کرم کے خطرناک۔ وشنو کا وبواہ لکھی سے ہوا جو دھن اور سکھ سوکھ

بدی ہم انہاس کو دھیان سے دیکھیں تو انہاس کے یہی تین روپ گوری، کالی اور شکتی کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں کے ذریعہ دنیا کے سب پدارتھ، سب جاندار، سب راشٹر، قومیں، نسلوں اور سہیہاتیں پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں اور گر کر ختم ہو جاتی ہیں۔ انہیں تینوں طاقتوں کو برہما، وشنو اور شو یا رورناموں سے پکارا گیا ہے۔ یہی تین نام تینوں گنوں رحس، ستو اور تمس کو ظاہر کرتے ہیں۔ برہما کا وبواہ، 'سرسوتی' سے ہوا جو گہان کی دیوی۔ مانی جاتی ہے، کونکھ کرم بنا تھان نے لکھل ہے اور گہان بنا کرم کے خطرناک۔ وشنو کا وبواہ لکھی سے ہوا جو دھن اور سکھ سوکھ

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ آجکل کی سائنس کے انوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وھوہابی، پراں یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پراں یا جان کو مائیکرووس بھی کہا جاتا ہے۔

یہی وہ اچھا شکتی، وہ توت اراہی یعنی روح کل کی ظہور میں آئے کی وہ اچھا ہے جس کی بابت اینفیدوں میں کہا گیا ہے۔ "میں ایک ہوں اور بہت ہوجاؤں۔" اسلام میں اسی کو اللہ کے منہ سے "ہوجا" کہلا بتایا گیا ہے۔ یہ ویاپک اچھا شکتی ہے، گمان شکتی، بدھی شکتی یا سائنکاپ شکتی کے ذریعہ کام کرتی ہے۔ یہی وشوکی کہا شکتی ہے۔ قدرت کی ساری شکتیاں اسی کے اندر سمائی ہوئی ہیں اور اسی سے کام کر رہی ہیں۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ آجکل کی سائنس کے انوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وھوہابی، پراں یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پراں یا جان کو مائیکرووس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ آجکل کی سائنس کے انوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وھوہابی، پراں یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پراں یا جان کو مائیکرووس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ آجکل کی سائنس کے انوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وھوہابی، پراں یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پراں یا جان کو مائیکرووس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ آجکل کی سائنس کے انوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وھوہابی، پراں یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پراں یا جان کو مائیکرووس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ آجکل کی سائنس کے انوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وھوہابی، پراں یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پراں یا جان کو مائیکرووس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ آجکل کی سائنس کے انوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وھوہابی، پراں یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پراں یا جان کو مائیکرووس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ آجکل کی سائنس کے انوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وھوہابی، پراں یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پراں یا جان کو مائیکرووس بھی کہا جاتا ہے۔

ہم اُن پر کہہ چکے ہیں کہ آجکل کی سائنس کے انوسار قدرت کی ساری طاقتوں ایک طرح بجلی کی طاقت کے اندر آجاتی ہیں۔ یہ وشواس بڑے بڑے سائنسدانوں کا وشواس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلا قدم سائنس یہ لے کہ وہ بجلی کی طاقت کو وھوہابی، پراں یعنی سب کی جان کے ساتھ ملا کر ایک کر دے۔ اسی وگیاں کو انگریزی میں ایلیمینٹری یا وائیلٹی کہتے ہیں۔ اسی پراں یا جان کو مائیکرووس بھی کہا جاتا ہے۔

ایک دوسرے کے ساتھ خلت ملت ہوتی رہی ہیں۔ سبھی بات یہ ہے اور ہم شہدشہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب شاپرک نکلا سے اور آتما کی نکلا سے دونوں نکلاہوں سے ایک دوسرے کا انگ ہیں اور ایک ہیں، پھر یہی ہر ایک ایسا الگ ساپیکھی وجود بھی رکھتا ہے۔ اسی کا نام ایکٹا میں انوکٹا یعنی وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت ہے۔

انجیل میں لکھا ہے:—”ایشریہ قانون کے अनुसार سب چیزیں ایک دوسرے کے وجود میں مل جاتی ہیں۔“ کرن صاف ہے کیونکہ سب ایک ہی چھتیں کی کلہنا سے پیدا ہوئی ہیں اور اسی ایک کلہنا کے انگ ہیں۔ وہ سب جگہ، حافظہ، ناظر، سروہایک، سرو شکتیمان، روح کل، سب کو سب کے اندر ایک ٹہ ہوئے ہیں۔ یورپ کے مشہور سائنسدان ڈاکٹر ایلیہ سس نیول نے اپنی پستک ”مہن دی انہوں“ میں اِس سچائی کو سائنس کے شہدوں اور سائنس کے طریقے سے بڑی سندرتا کے ساتھ بیان کیا اور سمجھایا ہے۔

یہی کارن ہے کہ آدمی کے دل میں اِس بات کی زبردست اور گہری لکن ہے کہ وہ اِس پہلنٹا میں ایکٹا کو دیکھ سکے۔ اِسی لٹہ سائنس پرورنی کی سب شکتیوں کو اپنے ادھیکار میں لے لی کوششوں میں لگی رہتی ہے۔ اِسی لٹہ مانو سماج دھیرے دھیرے اِسی ایکٹا کو سائنس کے نرے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکٹا کو ساکشات کرنے میں ہی سب شکتیمتتا کا رھسہ یعنی کدورتے کامیل کا راجھ ڈھپا ہوا ہے۔

جیوتھی ودیا یعنی علم نجوم (ایسٹرانومی) کے اندر ہولوک ودیا (جیوگرافی) اور ہولوک ودیا (جیولوجی) دونوں شامل ہیں۔ پرانوں کے अनुसार ہماری اِس دھرتی کی رچنا میں سات آرون ہیں۔ انہیں دھرتی، پانی، آگ، ہوا، برہم، نامہ سے پکارا جاتا ہے۔ اِسی جیوتھی کے اندر ہولوک ودیا (جیوگرافی) اور اِسی میں ونہی ودیا (ہالوجی) شامل ہے۔ ونہی ودیا میں مٹی ودیا (مینرالوجی)، روکش ودیا (ہائیلی)، پرانی ودیا (ڈیالوجی) آجاتی ہیں۔ پرانی ودیا کا ہی ایک روپ مولنتر ودیا یعنی ایلنہرا پالوجی ہے۔

جیوتھی ودیا یعنی علم نجوم (ایسٹرانومی) کے اندر ہولوک ودیا (جیوگرافی) اور ہولوک ودیا (جیولوجی) دونوں شامل ہیں۔ پرانوں کے अनुसार ہماری اِس دھرتی کی رچنا میں سات آرون ہیں۔ انہیں دھرتی، پانی، آگ، ہوا، برہم، نامہ سے پکارا جاتا ہے۔ اِسی جیوتھی کے اندر ہولوک ودیا (جیوگرافی) اور اِسی میں ونہی ودیا (ہالوجی) شامل ہے۔ ونہی ودیا میں مٹی ودیا (مینرالوجی)، روکش ودیا (ہائیلی)، پرانی ودیا (ڈیالوجی) آجاتی ہیں۔ پرانی ودیا کا ہی ایک روپ مولنتر ودیا یعنی ایلنہرا پالوجی ہے۔

ایک دوسرے کے ساتھ خلت ملت ہوتی رہی ہیں۔ سب بات یہ ہے اور ہم شہدشہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب شاپرک نکلا سے اور آتما کی نکلا سے دونوں نکلاہوں سے ایک دوسرے کا انگ ہیں اور ایک ہیں، پھر یہی ہر ایک ایسا الگ ساپیکھی وجود بھی رکھتا ہے۔ اِسی کا نام ایکٹا میں انوکٹا یعنی وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت ہے۔

انجیل میں لکھا ہے:—”ایشریہ قانون کے अनुसार سب چیزیں ایک دوسرے کے وجود میں مل جاتی ہیں۔“ کرن صاف ہے کیونکہ سب ایک ہی چھتیں کی کلہنا سے پیدا ہوئی ہیں اور اسی ایک کلہنا کے انگ ہیں۔ وہ سب جگہ، حافظہ، ناظر، سروہایک، سرو شکتیمان، روح کل، سب کو سب کے اندر ایک ٹہ ہوئے ہیں۔ یورپ کے مشہور سائنسدان ڈاکٹر ایلیہ سس نیول نے اپنی پستک ”مہن دی انہوں“ میں اِس سچائی کو سائنس کے شہدوں اور سائنس کے طریقے سے بڑی سندرتا کے ساتھ بیان کیا اور سمجھایا ہے۔

یہی کارن ہے کہ آدمی کے دل میں اِس بات کی زبردست اور گہری لکن ہے کہ وہ اِس پہلنٹا میں ایکٹا کو دیکھ سکے۔ اِسی لٹہ سائنس پرورنی کی سب شکتیوں کو اپنے ادھیکار میں لے لی کوششوں میں لگی رہتی ہے۔ اِسی لٹہ مانو سماج دھیرے دھیرے اِسی ایکٹا کو سائنس کے نرے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ سب کے ساتھ اپنی ایکٹا کو ساکشات کرنے میں ہی سب شکتیمتتا کا رھسہ یعنی کدورتے کامیل کا راجھ ڈھپا ہوا ہے۔

جیوتھی ودیا یعنی علم نجوم (ایسٹرانومی) کے اندر ہولوک ودیا (جیوگرافی) اور ہولوک ودیا (جیولوجی) دونوں شامل ہیں۔ پرانوں کے अनुसार ہماری اِس دھرتی کی رچنا میں سات آرون ہیں۔ انہیں دھرتی، پانی، آگ، ہوا، برہم، نامہ سے پکارا جاتا ہے۔ اِسی جیوتھی کے اندر ہولوک ودیا (جیوگرافی) اور اِسی میں ونہی ودیا (ہالوجی) شامل ہے۔ ونہی ودیا میں مٹی ودیا (مینرالوجی)، روکش ودیا (ہائیلی)، پرانی ودیا (ڈیالوجی) آجاتی ہیں۔ پرانی ودیا کا ہی ایک روپ مولنتر ودیا یعنی ایلنہرا پالوجی ہے۔

جیوتھی ودیا یعنی علم نجوم (ایسٹرانومی) کے اندر ہولوک ودیا (جیوگرافی) اور ہولوک ودیا (جیولوجی) دونوں شامل ہیں۔ پرانوں کے अनुसार ہماری اِس دھرتی کی رچنا میں سات آرون ہیں۔ انہیں دھرتی، پانی، آگ، ہوا، برہم، نامہ سے پکارا جاتا ہے۔ اِسی جیوتھی کے اندر ہولوک ودیا (جیوگرافی) اور اِسی میں ونہی ودیا (ہالوجی) شامل ہے۔ ونہی ودیا میں مٹی ودیا (مینرالوجی)، روکش ودیا (ہائیلی)، پرانی ودیا (ڈیالوجی) آجاتی ہیں۔ پرانی ودیا کا ہی ایک روپ مولنتر ودیا یعنی ایلنہرا پالوجی ہے۔

भागवत में और योग वासिष्ठ में लिखा है कि—“सब चीजों, हर जगह, हर तरह से और हर समय मौजूद हैं।” योग भाष्य में लिखा है:—“सब में सब की आत्मा हैं, सब में सब के सब गुण मौजूद हैं।” मराहूर साइन्सदाँ जीन्स लिखता है:—“हर इलेक्ट्रान सारे विश्व भर में फैला हुआ है।” एक दूसरा साइन्सदाँ ड. ऐलेक्सस कैरब लिखता है:—“मनुष्य का आपा सच जगह यानी सारे विश्व में फैला है।” योग वासिष्ठ में लिखा है:—“अणु दुनियाओं में हैं और दुनियाएँ अणुओं में हैं।”

इस बुनियादी सचाई के हांते हुए भी हम चीजों की अलग अलग नाम दे लेते हैं। यह नाम हम हर चीज के किसी न किसी अलग गुण या उसका किसी न किसी खास सिफ़त के कारण देकर अपना काम चलाते हैं। न्याय शास्त्र में, योग वासिष्ठ में और ब्रह्म सूत्रों में इस बात को बहुत अच्छी तरह खोल कर और विस्तार के साथ बयान किया गया है।

दुनिया के सब नाम रूप आदमी ने अपनी आसानी के लिये गढ़े हैं। इन नाम रूपों पर ही सब साइन्सों की बुनियादें हैं। नहीं तो कुदरत में सब एक है, सब रोशनीयों की किरनें एक दूसरे में मिली हुई हैं। शबनम (ओस) की बूँद के अन्दर आफ़ताब (सूर्य) मौजूद है और शबनम की बूँद आफ़ताब के धधकते हुए गोले के अन्दर मौजूद है मैं जब उत्तरी ध्रुव और दक्खिनी ध्रुव यानी कुतुब शुमाली और कुतुब जनुबी की बात करता हूँ तो वह मेरे मन के अन्दर हांते हैं और मेरा मन उनमें मौजूद होता है। यह अनन्त आकाश और उसके अन्दर अरबों खरबों और शंखों सितारों और सैयारों सब मेरी छांटी सी आँख के अन्दर हैं और इन सब में भी सब का देखने वालों की आँखें मौजूद हैं। बेतार क रेडियो ने साबित कर दिया है कि सब आवाजें, सब जगह से उठन वाली सब जगह सुनी जा सकती हैं और सब जगह मौजूद हैं। जा सितारों और सैयारों एक दूसरे से क्रांकों और अरबों मील की दूरी पर हैं उन सब पर रोशनी की किरनों के द्वारा बराबर एक दूसरे का अक्स पड़ता रहता है। हमारे शरीर के सब तन्तु हमारे खून के जरिए एक दूसरे से मिले रहते हैं। हर छोटे से छाटे ऐटम की हर हरकत विश्व भर की अनगिनत हरकतों का नतीजा होती है और वह खुद अपने द्वारा अनगिनत हरकतों को जन्म देती है। हर मनुष्य अनगिनत पुरखों की औलाद हाता है और उसी तरह अनगिनत मनुष्यों का पुरखा हाता है। यदि हम दुनिया के मनुष्यों के सब पिछले रिश्तों का पता लगा सकें तो हमें मालूम होगा कि हर मनुष्य दुनिया भर के बाक़ी सब मनुष्यों के साथ खून के रिश्ते से जुड़ा हुआ है। इन्सान की सारी नसलें बराबर

बनाक़त में और योग वासिष्ठ में लिखा है कि—“सब चीजों, हर जगह, हर तरह से और हर समय मौजूद हैं।” योग भाष्य में लिखा है:—“सब में सब की आत्मा हैं, सब में सब के सब गुण मौजूद हैं।” मराहूर साइन्सदाँ जीन्स लिखता है:—“हर इलेक्ट्रान सारे विश्व भर में फैला हुआ है।” एक दूसरा साइन्सदाँ ड. ऐलेक्सस कैरब लिखता है:—“मनुष्य का आपा सच जगह यानी सारे विश्व में फैला है।” योग वासिष्ठ में लिखा है:—“अणु दुनियाओं में हैं और दुनियाएँ अणुओं में हैं।”

इस बुनियादी सचाई के हांते हुए भी हम चीजों की अलग अलग नाम दे लेते हैं। यह नाम हम हर चीज के किसी न किसी अलग गुण या उसका किसी न किसी खास सिफ़त के कारण देकर अपना काम चलाते हैं। न्याय शास्त्र में, योग वासिष्ठ में और ब्रह्म सूत्रों में इस बात को बहुत अच्छी तरह खोल कर और विस्तार के साथ बयान किया गया है।

दुनिया के सब नाम रूप आदमी ने अपनी आसानी के लिये गढ़े हैं। इन नाम रूपों पर ही सब साइन्सों की बुनियादें हैं। नहीं तो कुदरत में सब एक है, सब रोशनीयों की किरनें एक दूसरे में मिली हुई हैं। शबनम (ओस) की बूँद के अन्दर आफ़ताब (सूर्य) मौजूद है और शबनम की बूँद आफ़ताब के धधकते हुए गोले के अन्दर मौजूद है मैं जब उत्तरी ध्रुव और दक्खिनी ध्रुव यानी कुतुब शुमाली और कुतुब जनुबी की बात करता हूँ तो वह मेरे मन के अन्दर हांते हैं और मेरा मन उनमें मौजूद होता है। यह अनन्त आकाश और उसके अन्दर अरबों खरबों और शंखों सितारों और सैयारों सब मेरी छांटी सी आँख के अन्दर हैं और इन सब में भी सब का देखने वालों की आँखें मौजूद हैं। बेतार क रेडियो ने साबित कर दिया है कि सब आवाजें, सब जगह से उठन वाली सब जगह सुनी जा सकती हैं और सब जगह मौजूद हैं। जा सितारों और सैयारों एक दूसरे से क्रांकों और अरबों मील की दूरी पर हैं उन सब पर रोशनी की किरनों के द्वारा बराबर एक दूसरे का अक्स पड़ता रहता है। हमारे शरीर के सब तन्तु हमारे खून के जरिए एक दूसरे से मिले रहते हैं। हर छोटे से छाटे ऐटम की हर हरकत विश्व भर की अनगिनत हरकतों का नतीजा होती है और वह खुद अपने द्वारा अनगिनत हरकतों को जन्म देती है। हर मनुष्य अनगिनत पुरखों की औलाद हाता है और उसी तरह अनगिनत मनुष्यों का पुरखा हाता है। यदि हम दुनिया के मनुष्यों के सब पिछले रिश्तों का पता लगा सकें तो हमें मालूम होगा कि हर मनुष्य दुनिया भर के बाक़ी सब मनुष्यों के साथ खून के रिश्ते से जुड़ा हुआ है। इन्सान की सारी नसलें बराबर

یانی ساؤنڈ، روشانی یانی لائٹ، گرمی یانی ہیٹ، بیجلی (इलेक्ट्रीसिटी)، اور तरह तरह کی کیرنیں (रेख) اور ان سے سمبندھ رکھنے والی ویڈیائیں آجاتی ہیں۔ آنت میں جا کر ان سب کا سمبندھ ودرت یعنی بیجلی سے ہڈیا جاتا ہے۔ انو یعنی ایتھ کی باہت ابھی تک یورپ کے ودوانوں میں ایک الگ وچار ہیں۔ کوئی اسے ایک چھوٹی سی چوٹی مادی یعنی ٹھوس چیز سمجھتے ہیں اور کوئی کہول ایک لہر (ویو) یا شکتی (انرجی) بتاتے ہیں۔ ایسے ہی دو وچار روشنی کے بارے میں بھی رہ چکے ہیں۔ تیسرے حصے میں چوتھیں شاستر ہے جسے انگریزی میں ایسٹرا نومی کہتے ہیں۔ اس تیسرے حصے میں بھی اوپر کے دونوں آکار ایک طرح سے مل جاتے ہیں۔ اس میں سب براہماندوں یعنی آکھ کے گولوں، آنت سورہیں، ستاروں، سیاروں سورہ جگتوں، آسمانوں کا ہلنا، چکر کاٹنا، ان کے آپس کے رشتے اور ایک دوسرے پر ان کے اثر، ہماری زمین کے رشتے والوں پر ان کے اثر سب آجاتے ہیں۔

اس نگاہ سے چوتھیں کے درہیاگ ہو گئے ہیں۔ ایک گنت یعنی معمولی ایسٹرانومی اور دوسرا پہلے یعنی الہسٹرا لوجی۔ انہیں دونوں کو نجوم بھی کہتے ہیں۔ ان کا سمبندھ ہماری دھرتی کی بناوٹ، ہماری سمے کے وہاگوں، ہمارے من کی حالتوں اور ہماری دھرتی کے اندر کی دھاتوں، ہمارے موسموں، ہمارے جوار بھاگوں، ہمارے سموم و طوفانوں جنہیں انگریزی میں Simooms and Typhoons کہتے ہیں، ہمارے زلزلوں، طرح طرح کے جوروں، ونسپٹوں اور انسانی قوموں کی پیدائشوں وغیرہ وغیرہ سے بھی بالکل صاف ہے۔ اس پر ہمارے چوتھی پانچ سال، سات سال، بارہ سال، چھتیس سال، سو سال، بارہ سو سال، چھتیس سو سال، چار ہزار تین سو بیس سال وغیرہ کے یک بلا لیتے ہیں۔ ان سب کا سمبندھ ان اردوں گہروں دنیاؤں سے ہے جہاں چوتھیں کا وشیف ہے۔

یہ بات بھی صاف سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں اور سب سائنسوں ایک دوسرے میں مل جاتی ہیں۔ اگر ایٹموں سے دنیا نہیں بنی تو ہر ایتھ کے اندر سب دنیاؤں موجود ہیں۔ بڑے درخت میں بیج اور بیج میں دوسرا درخت موجود ہے۔ رے سے ہوا اور چھوٹے سے چھوٹا دونوں پر آنت ہیں۔ چکھ، سم اور حرکت یعنی ایٹمس، قائم اور موٹن سب درشتا یعنی آنا کے من کی حالتیں ہیں۔ ان سب کا استوار سائنس یعنی بیجلی ایک دوسرے کے سمبندھ سے ہے۔ دوربین کو اگر ہم دھیان سے دیکھیں، چلتی ریل کو پاس سے گزرتے ہو کر اور پھر دور ہلے سے گزرتے ہو کر دیکھیں تو یہ بات صاف سمجھ میں آجاتی ہے۔ ہم اپنے سپاہیوں اور گہری نیند پر نگاہ ڈالیں تب بھی ہم اسے سمجھ سکتے ہیں۔

یہ بات بھی صاف سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں اور سب سائنسوں ایک دوسرے میں مل جاتی ہیں۔ اگر ایٹموں سے دنیا نہیں بنی تو ہر ایتھ کے اندر سب دنیاؤں موجود ہیں۔ بڑے درخت میں بیج اور بیج میں دوسرا درخت موجود ہے۔ رے سے ہوا اور چھوٹے سے چھوٹا دونوں پر آنت ہیں۔ چکھ، سم اور حرکت یعنی ایٹمس، قائم اور موٹن سب درشتا یعنی آنا کے من کی حالتیں ہیں۔ ان سب کا استوار سائنس یعنی بیجلی ایک دوسرے کے سمبندھ سے ہے۔ دوربین کو اگر ہم دھیان سے دیکھیں، چلتی ریل کو پاس سے گزرتے ہو کر اور پھر دور ہلے سے گزرتے ہو کر دیکھیں تو یہ بات صاف سمجھ میں آجاتی ہے۔ ہم اپنے سپاہیوں اور گہری نیند پر نگاہ ڈالیں تب بھی ہم اسے سمجھ سکتے ہیں۔

یہ بات بھی صاف سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں اور سب سائنسوں ایک دوسرے میں مل جاتی ہیں۔ اگر ایٹموں سے دنیا نہیں بنی تو ہر ایتھ کے اندر سب دنیاؤں موجود ہیں۔ بڑے درخت میں بیج اور بیج میں دوسرا درخت موجود ہے۔ رے سے ہوا اور چھوٹے سے چھوٹا دونوں پر آنت ہیں۔ چکھ، سم اور حرکت یعنی ایٹمس، قائم اور موٹن سب درشتا یعنی آنا کے من کی حالتیں ہیں۔ ان سب کا استوار سائنس یعنی بیجلی ایک دوسرے کے سمبندھ سے ہے۔ دوربین کو اگر ہم دھیان سے دیکھیں، چلتی ریل کو پاس سے گزرتے ہو کر اور پھر دور ہلے سے گزرتے ہو کر دیکھیں تو یہ بات صاف سمجھ میں آجاتی ہے۔ ہم اپنے سپاہیوں اور گہری نیند پر نگاہ ڈالیں تب بھی ہم اسے سمجھ سکتے ہیں۔

یہ بات بھی صاف سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں اور سب سائنسوں ایک دوسرے میں مل جاتی ہیں۔ اگر ایٹموں سے دنیا نہیں بنی تو ہر ایتھ کے اندر سب دنیاؤں موجود ہیں۔ بڑے درخت میں بیج اور بیج میں دوسرا درخت موجود ہے۔ رے سے ہوا اور چھوٹے سے چھوٹا دونوں پر آنت ہیں۔ چکھ، سم اور حرکت یعنی ایٹمس، قائم اور موٹن سب درشتا یعنی آنا کے من کی حالتیں ہیں۔ ان سب کا استوار سائنس یعنی بیجلی ایک دوسرے کے سمبندھ سے ہے۔ دوربین کو اگر ہم دھیان سے دیکھیں، چلتی ریل کو پاس سے گزرتے ہو کر اور پھر دور ہلے سے گزرتے ہو کر دیکھیں تو یہ بات صاف سمجھ میں آجاتی ہے۔ ہم اپنے سپاہیوں اور گہری نیند پر نگاہ ڈالیں تب بھی ہم اسے سمجھ سکتے ہیں۔

یہ کہیں اس مملکت دنیا اس آج کل جگت کی نگاہ سے
 ہو اگر ہم ذرا دیکھیں یہ دیکھیں تو ہمارے سب آدمی اور
 ایک 'نقارہ' اور 'انعام' سب ایک دوسرے میں مل جاتے ہیں۔
 مہتمم سماج کے اندر نہ کوئی الگ نسل ہے اور نہ کوئی الگ
 راشٹر یا قوم۔ سائنس بھی اس چیز کو مانتی ہے کہ انسان
 کی سب نسلیں ایک دوسرے میں ملی ہوئی ہیں۔ سب
 میں سب کا خون ہے۔ کوئی کسی سے جدا نہیں۔ آج کل کی
 راجنیتی بھی اس چیز کو سمجھتی جا رہی ہے اور اسے جلدی
 سے جلدی سازشات کر لیتا چاہتی ہے کہ دنیا میں کوئی
 الگ راشٹر نہیں، کوئی الگ قوم نہیں۔ سب سب میں ہیں
 اور سب ایک ہیں۔ اسے سمجھ لیتا ہی اصلی بہبودی کے راستے
 پر چلنا ہے۔ یہی ایہور الہ کو سمجھنے کا ذریعہ ہے۔

انگریز کہی۔ ٹیٹیسن نے لکھا ہے:—”ہر آدمی کے چہرے سے وجود کے دونوں طرف ایک اتھاہ گہرا سلندر ہے جس میں سے ایک طرف سے نکل کر وہ اُسی میں دوسری طرف جا ملتا ہے۔“ گیتا میں لکھا ہے:—”سب بہت یعنی پروانی شروع میں ادھیکتی یعنی غور ظاہر ملے ہوئے تھے‘ بیچ میں یہ سب الگ الگ ویکت یعنی ظہور پذیر ہوئے اور آخر میں یہ سب ادھیکت یعنی ایک دوسرے میں مل جا رہیں گے۔ ہم سب غیب (اکھیت) سے آئے ہیں اور غیب ہی کی طرف جا رہے ہیں۔“ ہماری یہ جو بیچ کی حالت ہے یہی ہماری ساری انسانی تاریخ ہے۔ سنسکرت میں اِسی کو اِتھاس پوران کہتے ہیں۔ سب اِتھاس پوران اِسی بیچ کی حالت کو بیان کرتے ہیں۔ اِس میں ہماری سرگت یعنی خاقت، ہمارا وکاس یعنی ارتقا (ایپولوشن)‘ اور پرلے یعنی قیامت (ڈیولوشن)‘ سب آ جاتے ہیں۔ اِسی میں مہابھرتیں یعنی ایتھس اور جھو گرام یعنی سب جانداروں کا حال شامل ہے۔

ہربرٹ اسپنسر نے اس سچائی کو اپنی پستک ”دی سوسیال فیلسفی“ میں بڑی سادہ سادہ سے درشایا ہے۔ روسی ملت و مذہبی مؤئم بدلے دینے کی لے اپنی پستک ”دی سوسیال فیلسفی“ کی تین بڑی بڑی جلدوں میں اسے اور بھی ادھک سادہ سادہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ دونوں پستکیں اس معاملے میں بھارت کے انہاس پوران کا ہی نیا روپ ہیں۔

و شوئے اِس اِنہاس کو اور ہماری ساری سائنسوں اور
دنیائوں کو تین حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک پلچ
بھوت شاستر جس میں آجکل کی سب کیمسٹری، فزکس
انڈیا اور پرماتروں کا حال، جنہیں نھو ٹران، پروٹان، ایلیکٹران
دعمہ ناموں سے پکارا جاتا ہے، سب کیمسٹری، دھاتوں
نرل پدارتھ، ٹھوس پدارتھ سب اِسی میں آجاتے ہیں۔
دوسرے بھوت شکتی شاستر جس میں کچھ فزکس کچھ قائم
کیمسٹری شامل ہے۔ اِس میں شکتی، انرجی، فوس، آواز

अनेकता में एकता यानी कसरत में वहदत

डाक्टर भगवानदास

पिछले लेखों में हम आत्मा और अनात्मा की चरचा कर चुके हैं, और आत्मा यानी रूह को ही अस्त वजूद और अनात्मा यानी बाहर की सारी दुनिया को एक तरह से फरेब, माया या धोखा दिखा चुके हैं। हम यह भी बता चुके हैं कि आत्मा या रूह यानी अस्त वजूद एक ही है, उस एकता में अनेकता यानी वहदत में कसरत भी एक धोखा है, वही अल्लाह है, वही हम सब का "मैं" है, वही है, और कुछ है ही नहीं। इस लेख में हम यह दिखाना चाहते हैं कि इस दुनिया में अनात्मा की सारी साइन्सें, सब जड़ बिद्याएँ, इध दिखाई देने वाले विश्व आलमे ज़हर से ही सम्बन्ध रखती हैं और इसी का इतिहास हैं।

उन साइन्सों में से एक एक के लिये हमें एक एक विषय यानी एक एक महदूद दुनिया, परिमित सृष्टि गदनी पड़ती है। हमें कोई ऐसा मजमून लेना पड़ता है जिसका शुरू भी हो और आखीर भी, जबकि असल वजूद में कहीं कोई अलहदगी, कोई सिरा, कोई शुरू या कोई आखीर, है ही नहीं। सारा वजूद, सारा आस्तित्व, अस्त इक्रीकत एक बे-अन्त समन्दर है, एक दरियाए बेकिनार है जिसका न कोई ओर है और न कोई छोर। पर हमारे लिए इस दुनिया को समझने के सिवाय इस तरह के फरजी टुकड़े कर करके देखने के और कोई तरीका भी नहीं है।

मिसाल के तौर पर हमने अपना एक सौर्य जगत, एक निजामे शम्सी फर्ज कर रखा है। उसी के अन्दर हमारी धरती का यह गोला है, इनकी हमने एक एक इकाई बना रखी है, तब हम इनकी अलग अलग साइन्सें बना पाते हैं और उनमें अलग अलग खोज कर सकते हैं।

ऐसे ही मानव इतिहास की समझने के लिये हमें अलग अलग नसलें, जातियाँ और राष्ट्र यानी क़ौमों फर्ज कर लेनी पड़ती हैं। हर जाति या क़ौम का हम एक प्रारम्भ यानी आरम्भ और एक अन्त यानी अंजाम मान लेते हैं। फिर इस तरह के एक ही फरजी राष्ट्र की आयु के भी हम अलग अलग फरजी टुकड़े कर लेते हैं और टुकड़ों को राष्ट्र के इतिहास के अलग अलग युग (जमाने) मान लेते हैं। वही हमारी दिमागी दौड़ के लिये अलग अलग मैदान हो जाते हैं।

अनेकता में एकता यानी कसरत में वहदत

(डाक्टर भगवानदास)

पिछले लेखों में हम आत्मा और अनात्मा की चरचा कर चुके हैं, और आत्मा यानी रूह को ही अस्त वजूद और अनात्मा यानी बाहर की सारी दुनिया को एक तरह से फरेब, माया या धोखा दिखा चुके हैं। हम यह भी बता चुके हैं कि आत्मा या रूह यानी अस्त वजूद एक ही है, उस एकता में अनेकता यानी वहदत में कसरत भी एक धोखा है, वही अल्लाह है, वही हम सब का "मैं" है, वही है, और कुछ है ही नहीं। इस लेख में हम यह दिखाना चाहते हैं कि इस दुनिया में अनात्मा की सारी साइन्सें, सब जड़ बिद्याएँ, इध दिखाई देने वाले विश्व आलमे ज़हर से ही सम्बन्ध रखती हैं और इसी का इतिहास हैं।

इन साइन्सों में से एक एक के लिये हमें एक एक विषय यानी एक एक महदूद दुनिया, परिमित सृष्टि गदनी पड़ती है। हमें कोई ऐसा मजमून लेना पड़ता है जिसका शुरू भी हो और आखीर भी, जबकि असल वजूद में कहीं कोई अलहदगी, कोई सिरा, कोई शुरू या कोई आखीर, है ही नहीं। सारा वजूद, सारा आस्तित्व, अस्त इक्रीकत एक बे-अन्त समन्दर है, एक दरियाए बेकिनार है जिसका न कोई ओर है और न कोई छोर। पर हमारे लिए इस दुनिया को समझने के सिवाय इस तरह के फरजी टुकड़े कर करके देखने के और कोई तरीका भी नहीं है।

मिसाल के तौर पर हमने अपना एक सौर्य जगत, एक निजामे शम्सी फर्ज कर रखा है। उसी के अन्दर हमारी धरती का यह गोला है, इनकी हमने एक एक इकाई बना रखी है, तब हम इनकी अलग अलग साइन्सें बना पाते हैं और उनमें अलग अलग खोज कर सकते हैं।

ऐसे ही मानव इतिहास की समझने के लिये हमें अलग अलग नसलें, जातियाँ और राष्ट्र यानी क़ौमों फर्ज कर लेनी पड़ती हैं। हर जाति या क़ौम का हम एक प्रारम्भ यानी आरम्भ और एक अन्त यानी अंजाम मान लेते हैं। फिर इस तरह के एक ही फरजी राष्ट्र की आयु के भी हम अलग अलग फरजी टुकड़े कर लेते हैं और टुकड़ों को राष्ट्र के इतिहास के अलग अलग युग (जमाने) मान लेते हैं। वही हमारी दिमागी दौड़ के लिये अलग अलग मैदान हो जाते हैं।

کتابا دیات موحیہ

آناجیل—باایویل (انجیل کا बहु वचन)

سालیک—ईश्वर-प्रेमी, आसार—लक्षण (असर का बहुवचन) नजात—मोक्ष हालिक—मौत

तरदीद—खंडन हक—ईश्वर

मा अन्विला मिन कलिक—“यही बातें हमने पहली धर्म पुस्तकों में कही हैं”.

ऐ ईश्वर प्रेमी तू गीता और बाइबिल को भी पढ़ और यह मालूम कर कि मोक्ष के लक्षण और मौत का कारण क्या है. ऐ 'मुहिब' ईश्वर की किताबों का खंडन नहीं करना चाहिये. कुरआन में भी लिखा है कि “यही बातें हमने पहली धर्म पुस्तकों में कही हैं”.

(29)

करते हैं मसजिद में यह अल्लाह को बन्द,
मंदिर को समझते हैं समाँ से वह बुलंद,
हिन्दू-ओ-मुसलमाँ हैं यह दोनों जाहिल,
लड़ते हैं मज्हाब पे कहीं दानिशमंद ?

मसजिद—(मसजिद का बहु वचन) समाँ—आकाश
(ईश्वर से मतलब है) बुलंद—ऊँचा
जाहिल—मूर्ख मज्हाब—धर्म (मज्हाब का बहु-
वचन) दानिशमंद—समझदार

मुसलमान मसजिदों में अल्लाह को बंद किये हुए हैं.
हिन्दू मंदिर को ईश्वर से भी ऊँचा समझते हैं. यह दोनों
ही मूर्ख हैं. समझदार लोग कहीं धर्म के पीछे लड़ाई करते हैं ?

کتابا دیات موحیہ

انجیل—باایویل (انجیل کا बहु वचन) سالک—ایہو
پرمی آثار-لکھن (لکھ کا बहु वचन) نجات—مोक्ष
حالک—मौत तरदीद—खंडन हक—ईश्वर
“यही बातें हमने पहली धर्म पुस्तकों में कही हैं”.

ऐ ईश्वर प्रेमी तू गीता और बाइबिल को भी पढ़ और यह मालूम
कर कि मोक्ष के लक्षण और मौत का कारण क्या है. ऐ 'मुहिब'
ईश्वर की किताबों का खंडन नहीं करना चाहिये. कुरआन में भी
लिखा है कि “यही बातें हमने पहली धर्म पुस्तकों में कही हैं”.

(29)

क़ते हैं मसजिद में ये अल्ले को बन्द,
मंदिर को समझते हैं समाँ से वह बुलंद,
हिन्दू-ओ-मुसलमाँ हैं यह दोनों जाहिल,
लड़ते हैं मज्हाब पे कहीं दानिशमंद ?

मसजिद—(मसजिद का बहु वचन) समाँ—आकाश
(ईश्वर से मतलब है) बुलंद—ऊँचा
जाहिल—मूर्ख मज्हाब—धर्म (मज्हाब का बहु-
वचन) दानिशमंद—समझदार

मुसलमान मसजिदों में अल्लाह को बंद किये हुए हैं.
हिन्दू मंदिर को ईश्वर से भी ऊँचा समझते हैं. यह दोनों
ही मूर्ख हैं. समझदार लोग कहीं धर्म के पीछे लड़ाई करते हैं ?

شاہی—بادشاہت
بک—شکاہ
دک—دشمن

گم—رہز
نجات—بھڑکارا
آگاہی—پریچ

جب تک شراب نہیں ہوتی، مچلی اور مریچ بیکار ہوتی ہے۔ جب تک ککڑی نہ ہو بادشاہی دنیا کے لیے موسیبات ہو جاتی ہے۔ یہ 'مہیب' ہم جب تک دشمن کو نہ سمجھیں تب تک دنیا کی چٹائیوں اور دکھوں سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔

(26)

جس دل میں ہو اس دلداری یاد،
ہوتی نہیں اس قلب کو جس نے داد،
عقل ہے وہیہاگ اہل دروئی سے سو کوس،
اس نفس کی یاری کا ہے انجام فساد۔

بوتے دلداری—پریچ (دشمن) کلب—من، آئینہ۔
ہرے بے داد—انصاف کی انصافیت
عقل—سماںدار اہل دروئی—دشمن کو
سے الگ سماںدار والے ناس—من
انصاف—نہیجا فساد—چھٹکارا

جس دل میں دشمن کی یاد نہیں ہے وہ انصاف کرتا ہے تو اسے دیکھ نہیں ہوتا۔ اگر تو سماںدار ہے تو دشمن کو سماں سے الگ سمجھنے والوں سے الگ رہ۔ اپنے من کی بات ماننے کا بات ماننے کا نتیجہ ہمیشہ چھٹکارا ہی ہوتا ہے۔

(27)

اس ذات احد کے ہیں عجیب رنگ ہزار،
بلبل ہیں کہیں اور کہیں ہے گلزار،
اس عالم اشکال سے چھوٹتا وہی،
دیکھ گا جو ہر وقت خدائے دلدار۔

ذات احد—ایک گار—یاغ عالم—دنیا اشکال—روپ
(شکل کا بہو وچن) دلداری—پریچ (دشمن)

اس ایک پریچ کے ہزار رنگ ہیں۔ کہیں وہ بلبل ہے اور کہیں یاغ جو آدمی ہمیشہ ایک گار کا دھپن رکھتا اسی کو اس روپ کے سماں سے متنی ملے گی۔

(28)

گیتا کو، آناجیل کو ہے سالیق پد،
آناجیل کو سب سے سالیق پد،
تاریق نہ کر حق کی کتابوں کی 'مہیب'
کتابان میں "ما آناجیل مین کتبیک" پد،

گیتا کو آناجیل کو، اے سالک پد،
آناجیل کو سب سے سالیق پد،
تاریق نہ کر حق کی کتابوں کی 'مہیب'
کتابان میں "ما آناجیل مین کتبیک" پد،

آدیل—مولا

شاکیل—بے خبر

بکرا—بے خبر کی سوغد

آدیل—یوگ

دیوانہ—پاگل

میں نے مانا کہ تو اس زمانہ بڑا دانشور مانا جاتا ہے اور تو نے دانشوروں کے کپڑے پہننے کا اختیار ہے لیکن اگر تو اپنی اور خدا کی خبر نہیں دے تو ایشور کی سوغد تو وہاں نہیں پائے گی۔

(23)

ہندو-مسلمانوں میں آج کل کا حال ہے،
ہندو کا مگر ہندو 'مذہب' کا مال ہے،
ہو جائے اگر تفریق-و-بہمی دور،
آکھام کا حقیقت کیا مشکل ہے؟

آدیل—ہندو تفریق-و-بہمی—بے خبر کا मतभेद
آکھام—جانتی (کرم کا بدھو-و-چن) حقیقت

—عقبت

آج کل ہندو اور مسلمان دونوں کے سینے میں دل ہے مگر پھر بھی ہندی بھائی کا خون بہا رہا ہے۔ اگر دونوں کا بھائی کا मतभेद دور ہو جائے تو ان دونوں جانتوں کا ملنا کیا مشکل ہے؟

(24)

ہے دوستی اعلیٰ وطن غیر ہے شاق،
لیکن ہے برادر کا برادر مشتاق،
سائیں سے نہیں کم ہے 'مذہب' وہ انسان،
جو ہندو و مسلم میں بڑھاتے ہیں لگاتار۔

آدیل—بے خبر

شاکیل—بے خبر

بکرا—بے خبر

آدیل—بے خبر

دشمنوں میں آپس کا ہمدردی تو نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن ہندی کو ہندی سے پیار تو ہوتا ہی ہے۔ اے 'مذہب' وہ لوگ جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں جھگڑا بڑھاتے ہیں انہیں سے کم نہیں ہیں۔

(25)

وہ ہے کہ ہے بے لطف بہ مرغ و ماہی،
وہ ہے فقر کے ادبار چہل ہے شامی،
دنیا سے گم ہو جائے نہ پائیں گے نجات،
جب تک نہ حق سے ہو 'مذہب' آگاہی۔

مے—شامی

مورے—مذہب اور (مذہب کا گارنٹ)

مورے—مذہب

بے خبر—مذہب

آدیل—مولا
شاکیل—بے خبر
بکرا—بے خبر کی سوغد
آدیل—یوگ
دیوانہ—پاگل

میں نے مانا کہ تو اس زمانہ بڑا دانشور مانا جاتا ہے اور تو نے دانشوروں کے کپڑے پہننے کا اختیار ہے لیکن اگر تو اپنی اور خدا کی خبر نہیں دے تو ایشور کی سوغد تو وہاں نہیں پائے گی۔

(23)

ہندو و مسلمان میں آج کل کا حال ہے،
ہندی کا مگر ہندی 'مذہب' کا مال ہے،
ہو جائے اگر تفریق و ہمہ دور،
آکھام کا اتحاد کیا مشکل ہے؟

آدیل—ہندو تفریق و ہمہ دور—بیکار کا मतभेद
آکھام—جانتی (کرم کا بدھو و چن) اتحاد—ایکتا

آج کل ہندو اور مسلمان دونوں کے سینے میں دل ہے مگر پھر بھی ہندی بھائی کا خون بہا رہا ہے۔ اگر دونوں کا بھائی کا मतभेद دور ہو جائے تو ان دونوں جانتوں کا ملنا کیا مشکل ہے؟

(24)

ہے دوستی اعلیٰ وطن غیر ہے شاق،
لیکن ہے برادر کا برادر مشتاق،
سائیں سے نہیں کم ہے 'مذہب' وہ انسان،
جو ہندو و مسلم میں بڑھاتے ہیں لگاتار۔

آدیل—بے خبر

شاکیل—بے خبر

بکرا—بے خبر

آدیل—بے خبر

دشمنوں میں آپس کا ہمدردی تو نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن ہندی کو ہندی سے پیار تو ہوتا ہی ہے۔ اے 'مذہب' وہ لوگ جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں جھگڑا بڑھاتے ہیں انہیں سے کم نہیں ہیں۔

(25)

وہ ہے کہ ہے بے لطف بہ مرغ و ماہی،
وہ ہے فقر کے ادبار چہل ہے شامی،
دنیا سے گم ہو جائے نہ پائیں گے نجات،
جب تک نہ حق سے ہو 'مذہب' آگاہی۔

مے—شامی

مورے—مذہب اور (مذہب کا گارنٹ)

مورے—مذہب

वीद—दर्शन खुदावदे जलील—महान ईश्वर
खलील—इजरायल इब्राहीम का नाम वात—व्यक्तिव
वलील—सबूत, तर्क कंवील—बड़ा लैम्प

यदि तू ईश्वर को देखना चाहता है तो इब्राहीम की भाँति अपने को संसार की हर चीज में समझ दे 'मुहिब' हर आवामी खुद ही इस बात का सबूत है कि वह ईश्वर से एकाकार है, सूरज के दिखाने के लिये सूरज ही 'कंवील' हो सकता है, इसी तरह ईश्वर से एकाकार होना स्वयं सिद्धि है.

(20)

क्या ठूँढ़ता है काबे की गिल में उसको,
मेहराब में या फर्श की सिल में उसको,
बर्बाद न कर चम्र जहाँगदी में,
घर बैठ के देख अपने ही दिल में उसको.

क्राबा—मक्का में मुसलमानों का तीर्थ गिल—
मिट्टी, जहाँगदी—दुनिया में घूमना.

ईश्वर तुझे न काबे की मिट्टी में मिलेगा न वहाँ की मेहराब में और न फर्श के पथर में. दुनिया में घूम कर चम्र बर्बाद न कर. ईश्वर को अपने दिल में देख.

(21)

क्या रुहे खुदा कब्जे मज्हाहिर में है नेस्त?
क्या रुहे ज़नो मर्द मक्काबिर में है नेस्त?
देख अपने खयाल को मुका कर गर्दन,
बातिन में तो हस्त और आहिर में है नेस्त.

क़ल्ब—मन, अंतर मज्हाहिर—प्रकट वस्तुएँ
ज़नोमर्द—स्त्री पुरुष मक्काबिर—(क़ब्र का बहु वचन)
नेस्त—नहीं है बातिन—मन, अंतर.

क्या भगवान की आत्मा प्रकट वस्तुओं के अंदर नहीं है? वह ऐसे ही उनके अन्दर है जैसे क़ब्रों में मनुष्यों की आत्माएँ. तू गर्दन मुका कर भगवान का ध्यान कर तो उसे देखेगा. वह दिल के अन्दर है, बाहर कहीं नहीं.

(22)

माना कि तू इस बक्क का अस्तामा है
बर में भी कज़ीलित का तेरे जामा है,
जाहिल जो रहे खुद से खुदा से याकिल,
बस्ताह तू आकिल नहीं दीवाना है.

अस्तामा—विद्वान बर—शरीर
कज़ीलित—योग्यता जामा—पोशाक

بہد—دروہن، خداوند جلیل—مہمان اہل
حضرت ابراہیم کا نام ذات—دیکھو، دلیل—ثبوت، ترک
قتلیل—ہڑا لہمپ.

بدی تو ایشور کو دیکھنا چاہتا ہے تو ابراہیم کے بھائی اپنے کو سنسار کی ہر چیز میں سمجھ لے 'محب' ہر آدمی خود ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ایشور سے ایک کر ہے. سورج کے دکھانے کے لئے سورج ہی قلیل ہو سکتا ہے اسی طرح ایشور سے ایک کر ہونا سوچ سہی ہے.

(20)

کھا تھوڑتا ہے کعبہ کی گل میں اُس کو،
محراب میں باغش کی سل میں اُس کو،
برہان نہ کر عمر جہاں گردی میں،
گھر بیٹھ کے دیکھ اپنے ہی دل میں اُس کو.

کعبہ—مکہ میں مسلمانوں کا ثبوت، گل—مٹی،
جہاں گردی—دنیا میں گھومنا.

ایشور تجھے نہ کعبہ کی مٹی میں ملیگا نہ وہاں کی محراب میں اور نہ فری کے پتھر میں. دنیا میں گھوم کر عمر برہان نہ کرنا. ایشور کو اپنے دل ہی میں دیکھ.

(21)

کھا روح خدا قلب مظاہر میں ہے نیست؟
کھا روح زن و مرد مظاہر میں ہے نیست؟
دیکھ اپنے خیال کو چمکا کر گردن،
باطن میں توہست اور ظاہر میں ہے نیست.

قلب—میں، اंतर، مظاہر—پرکٹ، وستوئیں، زن و مرد—
استری پردہ، مقابلہ—(قبر کا ہر جن)، نیست—نہیں ہے،
باطن—من، اंतर.

کھا بھوک کی آتما پرکٹ وستوئوں کے اندر نہیں ہے؟ وہ ایسے ہی اُن کے اندر ہے جسے قبروں میں مٹیوں کی آتمائیں. تو گردن چمکا کر بھوک کا دھواں کر تو اسے دیکھ گا. وہ دل کے اندر ہے، باہر نہیں نہیں.

(22)

مانا کہ تو اِس وقت کا قلم ہے،
بر میں بھی نفیلت کا تیرے جامہ ہے،
جاہل جو رہے خود سے خدا سے فائل،
ولہ تو فائل نہیں دیوانہ ہے.

قلم—دولت، پریش، نفیلت—پرکٹ، جامہ—پوشاک،

[پیدلے نمبر سے آئے]

رہاڈیات مہدب

آہی 'مہدب'

(17)

سب اک ہئ ہندو-آہی-مسلماناں آہی،
کرتی ہئ آہلگ انکو دلیاں کی تہگی،
ہر رتگ ہوا ڈھب کے جس آہی میں ساہ،
وہ آہی ہئ مہمد کی 'مہدب' بہرہگی۔

آہی—کالا (آہی مہدب آہی سے ہئ) آہی—
شراہ کا مہکا

بہرہگی—(آہی تاتپہ نیسٹہتا سے ہئ)

ہندو آہی مسلماناں آہی اک سے آہی ہئ۔ ان آہی
کو دلیاں کی تہگی آہلگ کرتی ہئ۔ آہی 'مہدب' مہمد ساہب
کی نیسٹہتا ہر اک آہی کو آہی دہتی ہئ۔

(18)

باتین ہئ وہی ہک، وہی آہیر ہئ،
کاہل ہئ وہی آہی وہی کاہیر ہئ،
ہندو-آہی-مسلماناں آہی نہی کھ مہک،
آہی مہنکیرہ وہدہت ہئ وہی کاہیر ہئ۔

باتین—آہی ہوا آہیر—آہی
کاہل—کرتہ والا کاہیر—شاکیمان
آہی—نہر

مہنکیرہ وہدہت—آہی کی اک رپتا کو نہ مانہ
آہی۔

وہی آہی آہی آہی آہی، آہی آہی آہی، وہی آہی کھ
کرتا ہئ آہی وہی آہی شاکیمان ہئ۔ آہی ہندو آہی آہی
مسلماناں، آہی کی اک رپتا آہی نہ مانہگا وہ
کاہیر کھ آہی آہی۔

(19)

آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی،
آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی،
آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی،
آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی۔

آہی آہی

(277)

[پیدلے نمبر سے آئے]

رہاڈیات مہدب

آہی مہدب

(17)

سب اک ہئ ہندو-مسلماناں آہی،
کرتی ہئ اک ان کو دلیاں کی تہگی،
ہر رتگ ہوا ڈھب کے جس آہی میں ساہ،
وہ آہی ہئ مہمد کی مہدب بہرہگی۔

آہی—کالا (آہی مہدب آہی سے ہئ) آہی—
شراہ کا مہکا
بہرہگی—(آہی تاتپہ نیسٹہتا سے ہئ)
ہندو آہی مسلماناں آہی اک سے آہی ہئ۔ ان آہی
کو دلیاں کی تہگی آہی کرتی ہئ۔ آہی 'مہدب' مہمد صاحب
کی نیسٹہتا ہر اک آہی کو آہی دہتی ہئ۔

(18)

باتین ہئ وہی آہی، وہی آہی آہی،
کاہل ہئ وہی آہی آہی آہی،
ہندو-مسلماناں آہی نہی کھ مہک،
آہی مہنکیرہ وہدہت ہئ وہی کاہیر ہئ۔

باتین—آہی ہوا آہیر—آہی
کاہل—کرتہ والا کاہیر—شاکیمان
آہی—نہر
مہنکیرہ وہدہت—آہی کی اک رپتا کو نہ مانہ
آہی۔

وہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی،
آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی،
آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی،
آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی۔

(19)

آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی،
آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی،
آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی،
آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی آہی۔

آہی آہی

وہے چلے دے دو؛ کیونکہ مینا راہک نے آگ کی گرمی برداشت کر کے سنا تیار کیا ہے اور اسکا سارا پرہیز کیا ہے۔

—ابوہریرہ، بخاری: ابوداؤد: ترمذی۔

ابوہریرہ، بخاری: ابوداؤد: ترمذی۔

—ابوہریرہ، بخاری: ابوداؤد: ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا: —”ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ“
تو ایک دوسرے کے خلاف تمہارے سب بغض یعنی دویں
تمہارے دلوں سے مٹ جاویں گے؛ ایک دوسرے کو ہدیے یعنی
بھینٹ دیا کرو، اس سے تم میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت
پڑے گی، اور اس سے تمہارے دلوں کی گہری نفرتیں بھی مٹ
جاویں گی۔“

—عطاء اللہ خاں، مسلمان۔

—عطاء اللہ خاں، مسلمان۔

محمد صاحب نے کہا کہ —”اپنی پارسائی
(حاکمیت) کا چراغ سا بھی مچا دیا (دیکھا) کرنا
'شکر' ہے، یعنی اللہ کے سوا
دوسرے کی عبادت کرنے کے برابر ہے۔“

—عمر بن الخطاب، معاذ بن جبل سے، ابن ماجہ: بیہقی۔

—عمر بن الخطاب، معاذ بن جبل سے، ابن ماجہ: بیہقی۔

—عمر بن الخطاب، معاذ بن جبل سے، ابن ماجہ: بیہقی۔

—ابوہریرہ، بخاری: ابوداؤد: ترمذی۔

—ابوہریرہ، بخاری: ابوداؤد: ترمذی۔

پسند ہے کیا کر۔ ہم میں سے کوئی ابدان والا نہیں ہے
جب تک کہ اُس نے اُس معلم کے ذریعہ جو میں نے ذکر دی
ہے اپنی شہریت پر قابو حاصل نہ کر لیا ہو۔“

—عبدالک بن عمرو، نوادی .

پیشوا نے کہا۔ ”اے اہل ذر! انسانوں کی تنظیم یعنی سنگتوں سے بڑھ کر کوئی عقل مند کام نہیں ہے، اپنے نفس پر قابو رکھو، سے بڑھ کر کوئی تقویٰ یعنی بڑھوتری نہیں ہے اور سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کر کے بڑھ کر کوئی تعریف کی بات نہیں ہے۔“

— اہل ذر، بھوقی ۔

جاہر کہتا ہے کہ: ”رسول سے ایک آدمی کی چرچا کی گئی جو بہت عبادت کرتا تھا اور اُسی میں لگا رہتا تھا، پھر رسول سے ایک ایسے آدمی کی چرچا کی گئی جو اپنے کو گناہ سے بچاتا رہتا تھا۔ اس پر رسول نے کہا: ”عبادت کرنے والا اُس کے برابر نہیں ہو سکتا جو گناہ سے اپنے کو بچاتا ہے۔“

—جابر، فرمادی.

محمد صاحب نے کہا کہ: -

”تمہارے خد متکار تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے جان مال کی رکشا کرتے ہیں۔ اللہ نے انہیں تمہارے ہاتھوں میں سونپا ہے جس کسی کے ہاتھوں میں اُس کا بھائی ہو اُسے چاہئے کہ اُسے وہی کہتا کھاتا ہے جو خود کھاتا ہے اور وہی کھڑے پہناوے جو خود پہنتا ہے۔ اُن سے دُرنی ایسا کام نہ او جو اُن کی طاعت سے باہر ہو اور اگر تم اُن سے کوئی ایسا کام لو تو انہیں اُس کام کے کرنے میں خود مدد دو۔“

— «مرور بن موید» بخاری: مسلم: ابوداؤد: ترمذی: .

محمد صاحب نے کہا—”جب کبھی تم میں سے کسی کا خدمتگار تم میں سے کسی کے پاس کھانا لے کر آئے، تو اگر تم اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا نہ کھاؤ، تو کم اس کھانے میں سے دو چار لقمے

محمد صاحب نے کہا کہ:—”ہر آدمی کو چاہئے کہ اپنے گھر میں گہستہ وقت اپنی بیوی اور بچوں کو سلام کرے۔“

—انس، تیرمیزی۔

انس کہتا ہے کہ:—

”محمد صاحب جب کہیں بچوں کے پاس سے نکلتے تھے تو انہیں ’سلام‘ کرتے تھے۔“

—انس، بخاری: مسلم۔

جریز اور انس دونوں کا بیان ہے کہ:—

”پہنمبر خدا جب کہیں عورتوں کے پاس سے نکلتے تھے تو انہیں ’سلام‘ کرتے تھے۔“

—جریز، احمد: انس، بخاری۔

محمد صاحب نے کہا کہ:—”جو آدمی سواری کے اوپر چلا جا رہا ہو اس کا فرض ہے کہ اس آدمی کو سلام کرے جو پیدل چلا جا رہا ہو: جو آدمی پیدل چلا جا رہا ہو اس کا فرض ہے کہ اس آدمی کو سلام کرے جو بیٹھا ہو اور جو لوگ تھوڑی تعداد میں ہوں ان کا فرض ہے کہ اپنے سے بڑی تعداد والوں کو سلام کریں۔“

—ابو ہریرہ، بخاری: مسلم: ترمذی: ابوداؤد۔

انس کہتا ہے:—”پہنمبر صاحب مجھ سے کہا کرتے تھے:—”اے میرے بچے! جب تو اپنے بال بچوں میں جائے تو انہیں سلام کر، یہ چیز تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے دونوں کے لئے برکت ثابت ہوگی۔“

—انس، تیرمیزی۔

محمد صاحب نے کہا:—”جب تم لوگ اپنے گھروں کے اندر جاؤ تو گھر کے لوگوں کو سلام کرو اور جب باہر نکلو تو گھر کے لوگوں سے سلام کر کے بدادلو۔“

—انس، ترمذی۔

لوگوں نے پہنمبر سے پوچھا:—”نجات کیا ہے؟“ پہنمبر نے جواب دیا:—”اپنی زبان پر قابو رکھو اور گھر میں بیٹھ کر اپنے کلموں پر روؤ۔“

—عقبہ بن عامر، ترمذی۔

ایک بار عرب پیغمبر کے پاس آیا اور کہنے لگا: "میرے کوئی ایسا کام بتا دیجیے جس سے میں جنت میں جا سکوں۔" پیغمبر نے جواب دیا: "تو نے بات توڑی کہی پر سوال بہت بڑا کیا۔ اگر کوئی جاندار تمہارے پاس رہے تو انہیں آزاد کر دو، اگر کوئی غلام تمہارے پاس رہے تو انہیں بھی آزادی دے دو۔ تمہارا کوئی ناتے دار اگر تمہارے ساتھ ہوئی کرے تو تم اسے پیار کرو، اور اگر تم یہ نہ کر سکو تو ہونٹوں کو کھانا کھلاؤ اور پهللوں کو پانی پلاؤ، اور لوگوں سے ٹھیک کام کر کے کٹہہ کھو اور ہر کام کرنے سے انہیں منع کرو، اگر تم یہ بھی نہ کر سکو تو اپنی زبان بند رکھو جب تک کہ اس سے کوئی اچھی بات نہ نکلے۔"

—بہا بن ابی حنیفہ، ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا کہ:—

"قریبات کے دن سات طرح کے آدمیوں کو اللہ اپنے ساتھ لے لے گا اور اُس دن سوائے اللہ کے کسی کا سایہ کام نہ دے گا۔ ایک وہ آدمی جو لوگوں کے اوپر سردار ہے اور سب کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرتا ہے دوسرے وہ جو اُن آدمی جس نے اپنی جوانی کو اللہ کی خدمت میں بٹا یا ہو دوسرے وہ آدمی جو جب بھی دعا مانگنے کی جگہ سے نکلتا ہے تو جب تک پھر اُسی جگہ واپس نہ آجائے اُس کا دل اُسی جگہ اٹکا رہتا ہے چوتھے وہ آدمی جو اللہ کے لئے ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں" اُسی کے لئے ملتے ہیں اُسی کے لئے ادا کرتے ہیں، پانچویں وہ آدمی جو اللہ کو یاد کرتا رہتا ہے اور جب بھی یاد کرتا ہے تو اُمید سے اُنسو کرتے رہتا ہے، چھٹے وہ آدمی جس کے دل کو اگر کوئی اونچے خاندان کی اور خوبصورت عورت بھی اپنی طرف اپنیجتی ہے تو وہ کہتا ہے: "سچ میں؟ میں اللہ سے قربا ہوں اور ساتویں وہ آدمی جو خوراک دیتا ہے اور اسے چھپاتا ہے یہاں تک کہ اُس کا دایاں ہاتھ جو بچہ دیتا ہے اُس کی اُس کے ہاتھ ہاتھ تک کو خبر نہیں ہوتی۔"

—ابو ہریرہ، بخاری: مسلم۔

محمد صاحب نے کہا کہ:— "آدمیوں میں سب سے زیادہ لائق وہ ہے جو دوسروں کو اُن سے پہلے سلام کرتا ہے۔"

—ابو امامہ، عبد اللہ بن مسعود۔

—ابو امامہ، ابو داؤد: ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا کہ:— "آدمیوں میں سب سے زیادہ لائق وہ ہے جو دوسروں کو اُن سے پہلے سلام کرتا ہے۔"

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

ڈاکٹر میرزا ابو الفضل

محمد صاحب نے کہا:—

”کریامت کے دن ہر آدمی سے 'پانچ باتوں کی باہت سوال کیا جائیگا: اُس کی زندگی کی باہت یہ کہ تو نے اپنی زندگی کیسے بسر کی؟ اُس کی جوانی کی باہت یہ کہ تم جوان سے بڑھے کیسے ہو گئے؟ اُس کی دولت کی باہت یہ کہ تم نے دولت کیسے کمائی اور یہ کہ وہ دولت کس کس کام میں خرچ کی؟ اور اُس کے علم کی باہت یہ تم نے اپنے علم کا کیا اُبھوک کیا۔“

—ابن مسعود، ترمذی۔

ابو موسیٰ کہتا ہے کہ:—”میں اپنے دو بھائیوں کو لے کر رسول کے پاس گیا۔ میرے بھائیوں میں سے ایک نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! اللہ نے جو ملک آپ کو حکومت کرنے کے لئے دیا ہے اُس کے کسی حصہ پر ہم دونوں کو کورنر مقرر کر دیجئے۔“ میرے دوسرے بھائی نے بھی یہی بات کہی۔ اُس پر پیغمبر نے جواب دیا: ”اللہ کی قسم! میں کسی ایسے آدمی کو کہیں افسر مقرر نہیں کرتا جو خود مجھ سے مقرر کئے جانے کے لئے کہتا ہے، یا جو افسر ہونے کی اچھا رکھتا ہے۔“

—ابن موسیٰ، بخاری؛ مسلم؛ ابوداؤد؛ نسائی۔

انس کہتا ہے:—”میں نے یہ دیکھا کہ جب کبھی پیغمبر کے سامنے کوئی ایسا معاملہ لایا گیا جس میں کسی نے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا ہو اور جسے نقصان پہنچا ہو وہ بدلتے لوٹا چاہتا ہو تو پیغمبر نے ہمیشہ یہی حکم دیا کہ معاف کر دو۔“

—انس، ابوداؤد؛ نسائی۔

محمد صاحب نے کہا:—”اللہ نیک ہے اور وہ لوگوں سے سوائے نیک کلموں کے اور کوئی کام قبول نہیں کرتا۔“

—ابو ہریرہ، مسلم؛ ترمذی۔

—ابو موسیٰ، بخاری؛ مسلم؛ ابوداؤد؛ نسائی۔

بہار پھل ہی آیا جا کرتے تھے۔ میرے دل پر چنتا-
مणि جی کا، انکی سادگی اور سچریتا کا बहुत
असर पड़ा. हालाँकि मेरे विचार उनसे नहीं मिलते थे
लेकिन फिर भी उस समय से लेकर आखीर तक मेरे ऊपर
हमेशा उनकी मेहरबानी बनी रही.

चिन्तामणि जी को स्वदेशी आन्दोलन के बढ़ते हुए
सैलाब को रोकने के लिये इलाहाबाद लाया गया था.
खास तौर पर युनिवर्सिटी के अन्दर विद्यार्थियों पर गरम
दल के बढ़ते हुए असर को रोकने का काम चिन्तामणि जी
के सुपुर्दे किया गया. चिन्तामणि जी बहुत अच्छे वक्ता थे.
उनकी दलीलों की काट आसान न थी. उनके प्रोपेगेंडा
का श्रीगणेश जहाँ तक मुझे याद है, आक्सफोर्ड
कैम्ब्रिजबोर्डिंग हाउस से हुआ था, जो अब गालिवन
हालेन्ड हाल के नाम से प्रसिद्ध है. उनके पहले
लैक्चर में मैं भी मौजूद था. हाल ठसा ठस भरा
हुआ था. प्रोफेसर भी मौजूद थे. चिन्तामणि जी ने स्व-
देशी और बायकाट के रिक्लाफ़ बड़ी तर्क पूर्ण तकरीर की.
ज्योंही उन्होंने बोलकर ख़त्म किया विद्यार्थियों ने आवाजें
लगाई—“सुन्दरलाल जी भी बोलें.” दोनों तरफ़ के ख़याल
विद्यार्थियों ने सुने और जब बोट लिये गये तो कुल इने गिने
चार बोट चिन्तामणि जी को मिले और करीब चार सौ
उनके रिक्लाफ़. चिन्तामणि जी ने प्रेम से आकर मुझसे
हाथ मिलाया और कहा—“बधाई!” उस पहली मीटिंग का
तजरबा इतना मँहगा पड़ा कि फिर बायकाट के विरोधियों
को युनिवर्सिटी के किसी होस्टल में दूसरी मीटिंग करने का
साइस न हुआ.

[बाक़ी अगले नम्बर में]

یوہاں پھل ہی آیا جا کرتے تھے۔ میرے دل پر چنتا-
مانی جی کا، ان کی سادگی اور سچریتا کا बहुत
असर पड़ा. हालाँकि मेरे विचार उनसे नहीं मिलते थे
लेकिन फिर भी उस समय से लेकर आखीर तक मेरे ऊपर
हमेशा उनकी मेहरबानी बनी रही.

چنتامانی جی کو سیدھی آندولن کے بڑھتے ہوئے سہلاب
کو روکنے کے لئے الہ آباد لایا گیا تھا۔ خاص طور پر یونیورسٹی
کے اندر دیارتھوں پر گرم دل کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کا
کام چنتامانی جی کے سپرد کیا گیا۔ چنتامانی جی بہت اچھے
وکتا تھے۔ ان کی دلیلوں کی کاٹ آسان نہ تھی۔ ان کے پروپگینڈا
کا شری گنیش جہاں تک مجھے یاد ہے، آکسفورڈ کیورج
ہورٹنگ ہاؤس سے ہوا تھا، جو اب غالب اہالینڈ ہال کے نام سے پرستہ
ہے۔ ان کے پہلے لکچر میں میں بھی موجود تھا۔ ہال ٹھسا ٹھس
پھرا ہوا تھا۔ پروفیسر بھی موجود تھے۔ چنتامانی جی نے
سیدھی اور ہاتھکات کے خلاف بڑی ترک پورن تقریر کی۔
جہوں ہی انہوں نے بول کر ختم کیا دیارتھوں نے آوازیں
لگائیں—”سندر لال جی بھی بولیں۔“ دونوں طرف کے خیال
دیارتھوں نے سنے اور جب ووٹ لئے گئے تو کل اے گئے چار
ووٹ چنتامانی جی کو ملے اور قریب چار سو ان کے خلاف۔
چنتامانی جی نے پریم سے آکر مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہا—
”بڈھائی!“ اس پہلی موٹنگ کا تجربہ انڈا مہنگا پڑا کہ یہ
ہاتھکات کے وردھوں کو یونیورسٹی کے کسی ہوسٹل میں دوسری
موٹنگ کرنے کا سانس نہ ہوا۔

[باقی اگلے نمبر میں]

[باکی سفا 264 کا]

बहुत सी बातें कं कर दीं जो हिन्दुओं को विदेशी लगती
थीं. अपनी इस कुरबानी से उन्होंने हिन्दोस्तान की मिली-
जुली कलचर की वह शानदार कहानी लिखी कि जिसकी
मौकी हमें मँहले जमाने में बनी हुई हर किताब और हर
तस्वीर में, हर किले और हर महल में, हर शेर और हर
नक्षत्र में मिलती है.

[अंग्रेजी से अनुवादक—वि० ना० पांडे]

[باقی صفحہ 264 کا]

بہت سی باتیں ترک کردیں جو ہندوؤں کو ویدھی لگتی
تھیں۔ اپنی اس کوربانی سے انہوں نے ہندوستان کی ملی-
جلی کلچر کی وہ شاندار کہانی لکھی کہ جس کی جہانلی
ہمیں منجھلے زمانے میں ہوتی ہر کتاب اور ہر تصویر میں
ہر قلع اور محل میں ہر شہر اور ہر نظام میں ملتی ہے۔

[انگریزی سے انوادک—وی۔ نا۔ پانڈے]

مجبور ہو کر گھر لوٹ جاؤں تو اہل آباد میں آندوں لہذا یہ چاہئے کہ ملک میں امن ہو۔ پولیس کے سامنے اس نے اقرار نامہ دیا۔ سرکاری وکیل سے بھی صلح و مشورہ کیا مگر مجھے نکلنے کی کوئی قانونی صورت نہ نکلی۔ ضابطہ سے اب ہماری پارٹی کا اڈا 56 چوک گنگا داس میں قائم ہو گیا۔

اسی ہیچ کچھ ایسے واقعات پیش آئے جن سے گرم دل کے ہندوستان کے نقشہ میں الہ آباد کی ایک خاص جگہ ہو گئی۔

جو بوجہ ہمیں مدد اور صلح مشورہ دیا کرتے تھے ان کے خلاف سرکار نے قدم اٹھانا شروع کیے۔ سب سے پہلا ہملا پंडित श्रीकृष्ण जोशी پر हुआ۔ وہ سرکاری افسر تھے اور ڈپٹی کलेक्टर کے آہدے پر تھے۔ انہیں ہراساں کر دیا گیا۔ بابو شاشی بھوشن چٹرجی کا اہل آباد سے راجپور تہا دار کر دیا گیا۔ پंडित बालकृष्ण भट्ट को कायस्थ पाठशाला की मैनेजिंग कमेटी पर जबर دालकर नौकरी से बरखास्त करा दिया गया और अन्त में कायस्थ पाठशाला की मैनेजिंग कमेटी के जरिये बाबू रामानन्द चटर्जी को प्रिंसपल के पद से इस्तीफा देने को मजबूर कर दिया गया। प्रिंसपल के पद से हटकर बाबू रामानन्द ने अहमदाबाद में ही इन्डियन प्रेस से، 'प्रवासी' नामक बंगला मासिक पत्र और 'Modern Review' नामक अंग्रेजी मासिक-पत्र निकालना शुरू किया। बाद में रामानन्द बाबू कलकत्ते चले गये और अपने दोनों पत्र भी कलकत्ते से जाकर निकालने लगे۔

سر تاجبहादुर سمر کو، جو اس সময় ڈاکٹر سمر تھے، مجھ سے بے حد دلی محبت تھی حالانکہ رائے اُن کی مالویہ جی سے ملتی تھی۔ یہی کیفیت ڈاکٹر سچدا نند سلہا اور منشی ابشر شرمن کی تھی۔

الہ آباد سے اُس زمانے میں 'نرم سرکاری' دینک پابنر اور نرم دل کا دینک 'انڈین پھل' نکلتے تھے۔ 'انڈین پھل' کا سہاؤں کی نظر میں اُنہی نرم تھے۔ چنانچہ مالویہ جی، پلڈت موٹی لال جی اور دوسرے نرم دلی نیکوں نے مل کر 'پلڈر' کا پروکشن شروع کیا۔ 'انڈین پھل' بھی 'پلڈر' میں ہی مل گیا تھا۔ 'پلڈر' کے سہاؤں میں مدد دینے اور گرم دل کے نوجوانوں سے مرچہ لینے کے لئے سرکاری سی۔ رائے۔ چٹا سنی کو الہ آباد بلایا گیا۔ یہ تو یاد نہیں رہا کہ چٹا سنی جی اُس سے کہاں رہتے تھے لیکن اُن کا مجھے یاد ہے کہ وہ ساؤنڈ روم میں 'پلڈر' کے دفتر میں

سر تاجبھادور سمر کو، جو اس زمانے میں ڈاکٹر سمر تھے، مجھ سے بے حد دلی محبت تھی حالانکہ رائے اُن کی مالویہ جی سے ملتی تھی۔ یہی کیفیت ڈاکٹر سچدا نند سلہا اور منشی ابشر شرمن کی تھی۔

الہ آباد سے اُس زمانے میں 'نرم سرکاری' دینک پابنر اور نرم دل کا دینک 'انڈین پھل' نکلتے تھے۔ 'انڈین پھل' کا سہاؤں کی نظر میں اُنہی نرم تھے۔ چنانچہ مالویہ جی، پلڈت موٹی لال جی اور دوسرے نرم دلی نیکوں نے مل کر 'پلڈر' کا پروکشن شروع کیا۔ 'انڈین پھل' بھی 'پلڈر' میں ہی مل گیا تھا۔ 'پلڈر' کے سہاؤں میں مدد دینے اور گرم دل کے نوجوانوں سے مرچہ لینے کے لئے سرکاری سی۔ رائے۔ چٹا سنی کو الہ آباد بلایا گیا۔ یہ تو یاد نہیں رہا کہ چٹا سنی جی اُس سے کہاں رہتے تھے لیکن اُن کا مجھے یاد ہے کہ وہ ساؤنڈ روم میں 'پلڈر' کے دفتر میں

سر تاجبھادور سمر کو، جو اس زمانے میں ڈاکٹر سمر تھے، مجھ سے بے حد دلی محبت تھی حالانکہ رائے اُن کی مالویہ جی سے ملتی تھی۔ یہی کیفیت ڈاکٹر سچدا نند سلہا اور منشی ابشر شرمن کی تھی۔

الہ آباد سے اُس زمانے میں 'نرم سرکاری' دینک پابنر اور نرم دل کا دینک 'انڈین پھل' نکلتے تھے۔ 'انڈین پھل' کا سہاؤں کی نظر میں اُنہی نرم تھے۔ چنانچہ مالویہ جی، پلڈت موٹی لال جی اور دوسرے نرم دلی نیکوں نے مل کر 'پلڈر' کا پروکشن شروع کیا۔ 'انڈین پھل' بھی 'پلڈر' میں ہی مل گیا تھا۔ 'پلڈر' کے سہاؤں میں مدد دینے اور گرم دل کے نوجوانوں سے مرچہ لینے کے لئے سرکاری سی۔ رائے۔ چٹا سنی کو الہ آباد بلایا گیا۔ یہ تو یاد نہیں رہا کہ چٹا سنی جی اُس سے کہاں رہتے تھے لیکن اُن کا مجھے یاد ہے کہ وہ ساؤنڈ روم میں 'پلڈر' کے دفتر میں

الہ آباد سے اُس زمانے میں 'نرم سرکاری' دینک پابنر اور نرم دل کا دینک 'انڈین پھل' نکلتے تھے۔ 'انڈین پھل' کا سہاؤں کی نظر میں اُنہی نرم تھے۔ چنانچہ مالویہ جی، پلڈت موٹی لال جی اور دوسرے نرم دلی نیکوں نے مل کر 'پلڈر' کا پروکشن شروع کیا۔ 'انڈین پھل' بھی 'پلڈر' میں ہی مل گیا تھا۔ 'پلڈر' کے سہاؤں میں مدد دینے اور گرم دل کے نوجوانوں سے مرچہ لینے کے لئے سرکاری سی۔ رائے۔ چٹا سنی کو الہ آباد بلایا گیا۔ یہ تو یاد نہیں رہا کہ چٹا سنی جی اُس سے کہاں رہتے تھے لیکن اُن کا مجھے یاد ہے کہ وہ ساؤنڈ روم میں 'پلڈر' کے دفتر میں

پیشا جی کیا خیال کریں گے۔ مگر سب کچھ سوچنے کے بعد میں آخری فیصلے پر پہنچ گیا۔

واٹس چانسلسر نے پوچھا—“کیا فیصلہ کیا؟”

میں نے جواب دیا—“آپ کی سلاہ نہ ماننے کا مجھے بڑا افسوس ہے۔ میری گستاخی ماف ہو، میں بہت مجبور ہوں۔”

دوسرے دن میں واٹس چانسلسر کے حکم سے یونی-ورسٹی سے اہلکار کر دیا گیا۔ اس طرح میرے ویدیا رہی جہوں کا انت ہو گیا۔

میرے یونیورسٹی اور ہینڈل ہاؤس سے نکلنے کے بعد ساتھیوں کے دل غصے سے بھر گئے۔ نیتیا-نند بھٹائی میرے ساتھ آئے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ میں بڑھتے تھے۔ یونیورسٹی سے میرے نکالے جانے کے بعد انہوں ایک دن ہو یونیورسٹی میں رہنا گزارا نہ ہوا۔ انہوں نے واٹس چانسلسر کو میرے ساتھ گئے گئے انہوں نے ایک سخت خط لکھا اور اس خط کے ساتھ ساتھ ایل۔ ایل۔ بی۔ کے درجے سے اپنا استعفیٰ بھی بھیج دیا۔

ہینڈل ہاؤس سے نکلنے کے بعد میں نے دوستوں کے ساتھ مکان کی تلاش شروع کی۔ آگے-آگے ہم لوگ پہنچتے تھے اور پچھلے تین چار پولیس کے دروغ اور آدھے درجن سپاہی۔ مکان مالک بدی اپنا مکان کرایہ پر دینے کو راضی ہو جاتا تھا تو پولیس والے اسے بعد میں اتنا دیتے تھے کہ وہ اپنی بات سے بھر جاتا تھا۔ کئی گھنٹے صرف کھنڈے کئی خالی مکانوں کو دیکھا مگر پولیس کے تر کے مارے سبھی مکان مالک اپنے وعدے سے بھر گئے۔ آخر میں وہ رات مجھے نکھانڈ کے پہلی بلائی پڑی۔

دوسرے دن کچھ اور دوست، جن سے پولیس والے بدی طرح وائف نہ تھے، مکان کی تلاش میں نکلے۔ آخر میں چوک گنگا داس میں 56 نمبر کا مکان کرایے پر لینے کا انہوں نے فیصلہ کیا۔ ہوشیار دوستوں نے جن میں ایک ہا دو وہاں بھی تھے، مکان مالک سے یہ اقرار نامہ لےوا—“چاہے کسی ہی آفٹ انسان، آفٹ سلطانی اور آفٹ لاکھائی آٹھ سال ہو تک نہ کرایہ دار مکان خالی کرے گا اور نہ مکان مالک ہی کرایہ دار کو ہٹائے گا۔” جب اقرار نامہ لے لیا گیا اور مکان مالک کے اس پر دستخط ہو گئے تو ایک دوست اسے میرے دستخط کے لئے میرے پاس لائے۔ فوراً ہی ہم لوگ اپنا سامان لے کر دیکھ مکان میں داخل ہو گئے۔ حسب معمول پولیس بھی ہمارے پیچھے پیچھے تھی۔ مکان مالک سے اس نے زور دیا کہ وہ مجھے مکان سے الگ کرے۔ پولیس کا خیال تھا کہ اگر میں اہلکار سے

پیشا جی کیا خیال کریں گے۔ مگر سب کچھ سوچنے کے بعد میں آخری فیصلے پر پہنچ گیا۔

واٹس چانسلسر نے پوچھا—“کیا فیصلہ کیا؟”

میں نے جواب دیا—“آپ کی سلاہ نہ ماننے کا مجھے بڑا افسوس ہے۔ میری گستاخی ماف ہو، میں بہت مجبور ہوں۔”

دوسرے دن میں واٹس چانسلسر کے حکم سے یونیورسٹی سے اہلکار کر دیا گیا۔ اس طرح میرے ویدیا رہی جہوں کا انت ہو گیا۔

میرے یونیورسٹی اور ہینڈل ہاؤس سے نکلنے کے بعد ساتھیوں کے دل غصے سے بھر گئے۔ نیتیا-نند بھٹائی میرے ساتھ آئے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ میں بڑھتے تھے۔ یونیورسٹی سے میرے نکالے جانے کے بعد انہوں ایک دن ہو یونیورسٹی میں رہنا گزارا نہ ہوا۔ انہوں نے واٹس چانسلسر کو میرے ساتھ گئے گئے انہوں نے ایک سخت خط لکھا اور اس خط کے ساتھ ساتھ ایل۔ ایل۔ بی۔ کے درجے سے اپنا استعفیٰ بھی بھیج دیا۔

ہینڈل ہاؤس سے نکلنے کے بعد میں نے دوستوں کے ساتھ مکان کی تلاش شروع کی۔ آگے-آگے ہم لوگ پہنچتے تھے اور پچھلے تین چار پولیس کے دروغ اور آدھے درجن سپاہی۔ مکان مالک بدی اپنا مکان کرایہ پر دینے کو راضی ہو جاتا تھا تو پولیس والے اسے بعد میں اتنا دیتے تھے کہ وہ اپنی بات سے بھر جاتا تھا۔ کئی گھنٹے صرف کھنڈے کئی خالی مکانوں کو دیکھا مگر پولیس کے تر کے مارے سبھی مکان مالک اپنے وعدے سے بھر گئے۔ آخر میں وہ رات مجھے نکھانڈ کے پہلی بلائی پڑی۔

دوسرے دن کچھ اور دوست، جن سے پولیس والے بدی طرح وائف نہ تھے، مکان کی تلاش میں نکلے۔ آخر میں چوک گنگا داس میں 56 نمبر کا مکان کرایے پر لینے کا انہوں نے فیصلہ کیا۔ ہوشیار دوستوں نے جن میں ایک ہا دو وہاں بھی تھے، مکان مالک سے یہ اقرار نامہ لےوا—“چاہے کسی ہی آفٹ انسان، آفٹ سلطانی اور آفٹ لاکھائی آٹھ سال ہو تک نہ کرایہ دار مکان خالی کرے گا اور نہ مکان مالک ہی کرایہ دار کو ہٹائے گا۔” جب اقرار نامہ لے لیا گیا اور مکان مالک کے اس پر دستخط ہو گئے تو ایک دوست اسے میرے دستخط کے لئے میرے پاس لائے۔ فوراً ہی ہم لوگ اپنا سامان لے کر دیکھ مکان میں داخل ہو گئے۔ حسب معمول پولیس بھی ہمارے پیچھے پیچھے تھی۔ مکان مالک سے اس نے زور دیا کہ وہ مجھے مکان سے الگ کرے۔ پولیس کا خیال تھا کہ اگر میں اہلکار سے

बिलियम पिंकी जैसे लेखकों की किताबें उन्होंने ध्यान से पढ़ीं, इटली आदि के स्वतंत्रता संग्राम का इतिहास भी उन्होंने पढ़ा, ठीक उस समय एक छोटी सी घटना हुई जिसने मंजर अली की जिन्दगी पर गहरा असर डाला, न्योर सेंट्रल कालेज के प्रिंसिपल जे० जी० जेनिंग्स उन दिनों एम० ए० को अंगरेजी पढ़ाया करते थे, जेनिंग्स ने मंजर अली से भारत के आठ दिन के टुष्कालों और उनके कारणों पर एक निबन्ध लिखने को कहा, जो किताबें कोर्स में पढ़ाई जाती थीं उनमें इन टुष्कालों या क़हत्तों की वजह बारिश की कमी बताया गया था, लेकिन नई किताबें पढ़े हुये मंजर अली ने इसकी वजह अपने निबन्ध में अंगरेजों की शोषण नीति को बताया, प्रिंसिपल जेनिंग्स को निबन्ध पढ़कर गुस्सा आ गया, उन्होंने मंजर अली का डाँटा डपटा और समझा कर निबन्ध बदलने को कहा, मंजर अली ने अपनी राय न बदली, इस पर वह एम० ए० क्लास से निकाल दिये गये, सन् 1908 में उन्होंने एल० एल० बी० पास कर लिया, इस सबका नतीजा यह हुआ कि मंजर अली हमारे दल में जी-जान और जोश खराश के साथ शामिल हो गये,

विद्यार्थियों के अन्दर गरम दल के बढ़ते हुये प्रभाव को देखकर यू० पी० का सरकार चौकन्ना हो गई. यूनियन सँघ के बाइस चान्सलर के साथ मिलकर उन्होंने हम लोगों के खिलाफ कदम उठाने का फैसला किया. मैं हा पेश पेश था इसलिये मेरे खिलाफ पहले कदम उठाने की बात सोची गई.

[illegible]

اولم ڈبلی جو سے لیکھوں کی کتابیں انہوں نے دھیان سے پڑھیں ۔
 ایلی آدی کے سولنگرانا سنگرام کا اتھاس ہی انہوں نے پڑھا ۔
 ٹھیک اُس سے ایک چھوٹی سی گھٹنا ہوئی جس نے منظر علی کی
 زندگی پر گہرا اثر ڈالا ۔ مہور سنگریل ڈالچ کے پرنسپل جے ۔ جی
 جینگز اُن دنوں ایم ۔ اے کو انگریزی پڑھایا کرتے تھے ۔ جینگز نے
 منظر علی سے بھارت کے آٹھ دن کے دشکالوں اور اُن کے کارنوں پر
 ایک نیندہ لکھنے کو کہا ۔ جو کتابیں کورس میں پڑھائی
 جاتی تھیں اُن میں اِن دشکالوں یا قحطوں کی وجہ
 بارہن کی کمی بتایا گیا تھا ۔ لیکن نئی کتابیں پڑھ کر
 منظر علی نے اُس کی وجہ اپنے نیندہ میں انگریزوں کی
 شوشن نیکی کو بتایا ۔ پرنسپل جینگز کو نیندہ پڑھ کر غصہ
 آگیا ۔ انہوں نے منظر علی کو ڈانٹا ڈبٹا اور سمجھا کر نیندہ
 بدلنے کو کہا ۔ منظر علی نے اپنی رائے نہ بدلی ۔ اُس پر وہ
 ایم ۔ اے کلاس سے نکال دیئے گئے ۔ سن 1908 میں انہوں نے
 ایل ۔ ایل ۔ بی پاس کر لیا ۔ اُس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ
 منظر علی ہمارے دل میں جی ۔ جان اور جوش حرور کے
 ساتھ شامل ہو گئے ۔

ودیا رہیوں کے اندر گرم دل نے بڑھتے ہوئے پردھاؤ کو دیکھ کر : وہ پی۔ بی سرکار چوہنی ہو گئی۔ یونیورسٹی نے وائس چانسلر کے ساتھ مل کر انہوں نے ہم لوگوں کے حلف قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ میں ہی پڑھ پڑھ رہا اس لئے میرے ہی حلف پہلے قدم اٹھانے کی بات سوچی گئی۔

سب سے پہلے مجھے پڑھندو ہورتنگ ہاؤس سے نکلنے کا نوٹس حاصل کر دیا تو ۱۰ مایچ ۱۹۵۷ء کو یہاں سے نکلنے کے لیے روانہ ہوا۔ دکن کے لیے روانہ ہونے سے پہلے مجھے پڑھندو ہورتنگ ہاؤس کے سرے سے باہر کر دیا گیا۔ مالویہ جی ہندو ہورتنگ ہاؤس نے تیرا دعوت قبول کر لی اور مجھے مستقل سے الگ کرتے ہوئے انہیں بے حد دکھ ہوا۔ جبکہ سامنے یہ دیکھو یہیں رہا رہے تھے نہ میں نہیں رہا نہ می پڑعانی جاری رہوں، ہونیورسٹی ادھیکاروں نے پاس سے یہ پروانہ آیا کہ مجھے ایل۔ ایل۔ بی۔ کلاس سے رشتہ ٹوٹ گیا جانا ہے۔ وائس چانسلر نے آرڈر سے یہ بھی کہا گیا کہ ہندی میں وعدہ کر لوں کہ امتحان ختم ہونے تک راج نہیں میں میں کوئی بھاگ نہیں لوں گا تو مہرے نکالے جانے کا حکم رد کیا جا سکتا ہے، یہ بھی کہا گیا کہ اسی صورت میں ہندو ہورتنگ ہاؤس سے بھی مجھے الگ کرنے کا حکم بھی واپس لے لیا جائیگا۔ میں نے تھوڑی دیر تک سوچا۔ ہندو ہارت مانا کی تصویر مہرے سامنے آئی۔ اپنی زندگی کی سوز پر میں بھرا ہوا تھا۔ مہرے اس وقت کے فیصلے پر مہری آگے کی زندگی کا دُرو مدار تھا۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ مہرے پر

آئیر لکشمی پل-پل. بی. کے ویڈیائی ہے. لالہ جگنناث سنگھ نے بار میں کھنڈن جا کر انجینیئرنگ پڑھی اور بی. بی. سی. آئی. ریلوے کے ڈیویژنل انجینیئر ہو گئے. سوانی رامپرساد سیدھند کی کویٹیو سوہرا کوماری بھوانی کے بڑے بھائی ہے. پولیس میں داریو ہے. سٹی کا دیکر کوانٹیکاری پارٹی میں شامل ہو گئے. لکشمی پراساد کے پیتا راجبھادور لالہ پراساد سیشنس جج ہے اور لکشمی پراساد بھی باد میں سیشنس جج سے ہی ریٹائر ہوئے. جب تک جیوے کھادی ہی پھنٹے رہے اور اس کے لیے کئی سال ان کی سرکس تھی.

بھائی منجراکلی سیکھتا کے ساتھ میرا پرم ہوتا تھا کہ ہم دونوں ایک جان دو قالب کی طرح بن گئے. منجراکلی کا جنم سن 1884 میں ہوا تھا. ان کے پیتا شیخ مبارک علی نواب ہدایوں کے چچہ بھائیوں میں سے تھے. ایک پرانے صوفی سلسلے سے ان کے گھرانے کا سلسلہ تھا. اسی سے خاندان کی آل سوختہ، یعنی 'دکھ' یا 'جلا ہوا' ہو گئی. 1857 میں ان کے خاندان نے انقلاب میں حصہ لیا، اور نیکوچے میں خاندان کے بہت سے لوگ لڑائی کے میدان میں مارے گئے. بہتوں کو پھانسی لگی اور خاندان کی تمام جائداد ضبط ہو گئی. شیخ مبارک علی فارسی کے دوران تھے. نوکری کی نقل میں آباد آکر پختہ سنی لال نہرو کے یہاں منشی ہو گئے. سنی لال جی نے ہمیشہ ان کے ساتھ دوست اور بھائی کا سا برتاؤ کیا. منظر علی کا خاندان آندھوں میں ہی رہتا تھا. منظر علی وہیں رہ کر بڑے ہوئے. نہرو خاندان کے ساتھ ان کا آخر تک پرم سلسلہ قائم رہا. سب انہیں عام طور پر ملا بھائی کہہ کر پکارتے تھے.

بلک بھنگ کے زمانے میں منظر علی مہرے ساتھ ہی مہرستورل کالج میں ایم. اے اور ایل. ایل. بی. ساتھ ساتھ پڑھ رہے تھے. ایل. ایل. بی. کے اور دیکھوں میں بھائی پریشوتام داس ٹنڈن، سورگہ رہا کانت مالویہ، مدھیہ پردیش کے مکھیہ منتری سورگہ روی شکر شکل، ڈاکٹر کیلاس ناتھ کانتجو اور روی درگا شکر مہتا، ہی تھے. نیچے کے درجوں میں پختہ گوند ولہ پختہ، سورگہ اچاریہ لوبندر دیو، سورگہ گنیش شکر دیارتھی، ونیکیش نوابن تھواری اور سورگہ کرشنا کانت مالویہ بھی تھے. حالانکہ یہ لوگ پارٹی کے ممبر نہیں تھے لیکن راج نیکی سے انہیں پوری ہمدردی تھی بعد میں اسی ہمدردی نے انہیں آزادی کی لڑائی میں آگے کی لائن میں لائے اور بڑی بڑی قربانیاں ان لوگوں نے کیں.

بلک بھنگ کے آندولن کا منظر علی پر گہرا اثر ہوا. دیو کی لڑتھک اور راج نیکی کیفیت کو انہوں نے سچو ہرور کیا. دادا بھائی نوروجی، دیو چکر دت

بھائی منجراکلی سیکھتا کے ساتھ میرا پرم ہوتا تھا کہ ہم دونوں ایک جان دو قالب کی طرح بن گئے. منجراکلی کا جنم سن 1884 میں ہوا تھا. ان کے پیتا شیخ مبارک علی نواب ہدایوں کے چچہ بھائیوں میں سے تھے. ایک پرانے صوفی سلسلے سے ان کے گھرانے کا سلسلہ تھا. اسی سے خاندان کی آل سوختہ، یعنی 'دکھ' یا 'جلا ہوا' ہو گئی. 1857 میں ان کے خاندان نے انقلاب میں حصہ لیا، اور نیکوچے میں خاندان کے بہت سے لوگ لڑائی کے میدان میں مارے گئے. بہتوں کو پھانسی لگی اور خاندان کی تمام جائداد ضبط ہو گئی. شیخ مبارک علی فارسی کے دوران تھے. نوکری کی نقل میں آباد آکر پختہ سنی لال نہرو کے یہاں منشی ہو گئے. سنی لال جی نے ہمیشہ ان کے ساتھ دوست اور بھائی کا سا برتاؤ کیا. منظر علی کا خاندان آندھوں میں ہی رہتا تھا. منظر علی وہیں رہ کر بڑے ہوئے. نہرو خاندان کے ساتھ ان کا آخر تک پرم سلسلہ قائم رہا. سب انہیں عام طور پر ملا بھائی کہہ کر پکارتے تھے.

بلک بھنگ کے زمانے میں منظر علی مہرے ساتھ ہی مہرستورل کالج میں ایم. اے اور ایل. ایل. بی. ساتھ ساتھ پڑھ رہے تھے. ایل. ایل. بی. کے اور دیکھوں میں بھائی پریشوتام داس ٹنڈن، سورگہ رہا کانت مالویہ، مدھیہ پردیش کے مکھیہ منتری سورگہ روی شکر شکل، ڈاکٹر کیلاس ناتھ کانتجو اور روی درگا شکر مہتا، ہی تھے. نیچے کے درجوں میں پختہ گوند ولہ پختہ، سورگہ اچاریہ لوبندر دیو، سورگہ گنیش شکر دیارتھی، ونیکیش نوابن تھواری اور سورگہ کرشنا کانت مالویہ بھی تھے. حالانکہ یہ لوگ پارٹی کے ممبر نہیں تھے لیکن راج نیکی سے انہیں پوری ہمدردی تھی بعد میں اسی ہمدردی نے انہیں آزادی کی لڑائی میں آگے کی لائن میں لائے اور بڑی بڑی قربانیاں ان لوگوں نے کیں.

بلک بھنگ کے زمانے میں منظر علی مہرے ساتھ ہی مہرستورل کالج میں ایم. اے اور ایل. ایل. بی. ساتھ ساتھ پڑھ رہے تھے. ایل. ایل. بی. کے اور دیکھوں میں بھائی پریشوتام داس ٹنڈن، سورگہ رہا کانت مالویہ، مدھیہ پردیش کے مکھیہ منتری سورگہ روی شکر شکل، ڈاکٹر کیلاس ناتھ کانتجو اور روی درگا شکر مہتا، ہی تھے. نیچے کے درجوں میں پختہ گوند ولہ پختہ، سورگہ اچاریہ لوبندر دیو، سورگہ گنیش شکر دیارتھی، ونیکیش نوابن تھواری اور سورگہ کرشنا کانت مالویہ بھی تھے. حالانکہ یہ لوگ پارٹی کے ممبر نہیں تھے لیکن راج نیکی سے انہیں پوری ہمدردی تھی بعد میں اسی ہمدردی نے انہیں آزادی کی لڑائی میں آگے کی لائن میں لائے اور بڑی بڑی قربانیاں ان لوگوں نے کیں.

بلک بھنگ کے آندولن کا منظر علی پر گہرا اثر ہوا. دیو کی لڑتھک اور راج نیکی کیفیت کو انہوں نے سچو ہرور کیا. دادا بھائی نوروجی، دیو چکر دت

اور بڑا پتہ ہو گا اور انہیں بھی دلی پریم ہو گا۔ حالانکہ میرے دچار اُن سے نہیں ملتے تھے لیکن جب جب میں پونا جاتا تھا پھر تو لوگ انہیں کے یہاں تھا مگر پوجیہ گوئی سے ملنے ضرور جاتا تھا۔ شری گوئی کے ساتھ میرا یہ پریم سمجھنے اُن کی موت کے سہے تک برابر بڑھتا ہی گیا اور آج بھی میں انہیں پریم اور اُرد سے یاد کرتا ہوں۔

گوئی جی کی الہ آباد یاترا سے یہاں کی راجنیتک حالت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ نرم دلی نیٹاؤں نے پھر آپس میں صلاح کر کے 1907 میں ہی یو۔ پی۔ پولیٹیکل کانفرنس کا اجلاس یہاں کرنے کا فیصلہ کیا۔ موہی ہال میں پلڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں سمیلن ہوا۔ پارٹی کی ہدایت پر میں بھی اس کانفرنس میں درشک کی حیثیت سے شامل ہوا۔ مجھے موتی لال جی کے وہ فقرے یاد رہ گئے ہیں جو انہوں نے صدر کی حیثیت سے کہے تھے۔ اُن کے لفظ ہیں:—

“For Indians to talk of Swaraja and of turning out the British is like a pygmy with a broom in his hand trying to fight the giant.”

یانی—“ہندوستانوں کے لیے سواراج کی اور انگریزوں کو نیکالنے کی بات کرنا بےسا ہی ہے جیسے کوئی ناچیچ آدمی بڑے باری جین سے لڑنے کی کوشش کرے۔”

موتی لال جی کے اس فقرے کو سن کر درشکوں نے اُنکا ہر ملہ مچایا کہ معلوم ہوا کانفرنس ٹوٹ جائیگی، مگر بڑی کوششوں کے بعد لوگ خاموش ہوئے۔

موتی لال جی اُس زمانے میں نرم دل واہوں کے سرتاج سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار وہ پرسدہ اٹھسکار مہاجر ہامن داس بسو سے ایک دعوت میں الہ آباد میں ملے۔ مہاجر بسو دھوتی پہن کر اُس سرکاری انیسروں کی دعوت میں گئے تھے۔ موتی لال جی نے اُن کی دھوتی کی اور اشارہ کر کے انہیں تڑکا:—

“Major Basu! you appear to have got Swaraja.”

یانی—“مہاجر بسو، معلوم ہوتا ہے کہ آپکو تو سواراج مل گیا۔”

موتی لال جی اُس زمانے میں نرم دل واہوں کے سرتاج سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار وہ پرسدہ اٹھسکار مہاجر ہامن داس بسو سے ایک دعوت میں الہ آباد میں ملے۔ مہاجر بسو دھوتی پہن کر اُس سرکاری انیسروں کی دعوت میں گئے تھے۔ موتی لال جی نے اُن کی دھوتی کی اور اشارہ کر کے انہیں تڑکا:—

موتی لال جی اُس زمانے میں نرم دل واہوں کے سرتاج سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار وہ پرسدہ اٹھسکار مہاجر ہامن داس بسو سے ایک دعوت میں الہ آباد میں ملے۔ مہاجر بسو دھوتی پہن کر اُس سرکاری انیسروں کی دعوت میں گئے تھے۔ موتی لال جی نے اُن کی دھوتی کی اور اشارہ کر کے انہیں تڑکا:—

“For Indians to talk of Swaraja and of turning out the British is like a pygmy with a broom in his hand trying to fight the giant.”

یعنی—“ہندوستانوں کے لیے سواراج کی اور انگریزوں کے نکالنے کی بات کرنا بےسا ہی ہے جیسے کوئی ناچیچ آدمی بڑے باری جین سے لڑنے کی کوشش کرے۔”

موتی لال جی کے اس فقرے کو سن کر درشکوں نے اُنکا ہر ملہ مچایا کہ معلوم ہوا کانفرنس ٹوٹ جائیگی، مگر بڑی کوششوں کے بعد لوگ خاموش ہوئے۔

موتی لال جی اُس زمانے میں نرم دل واہوں کے سرتاج سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار وہ پرسدہ اٹھسکار مہاجر ہامن داس بسو سے ایک دعوت میں الہ آباد میں ملے۔ مہاجر بسو دھوتی پہن کر اُس سرکاری انیسروں کی دعوت میں گئے تھے۔ موتی لال جی نے اُن کی دھوتی کی اور اشارہ کر کے انہیں تڑکا:—

“Major Basu! You appear to have got Swaraja.”

یعنی—“مہاجر بسو، معلوم ہوتا ہے آپ کو تو سواراج مل گیا۔”

موتی لال جی اُس زمانے میں نرم دل واہوں کے سرتاج سمجھے جاتے تھے۔ ایک بار وہ پرسدہ اٹھسکار مہاجر ہامن داس بسو سے ایک دعوت میں الہ آباد میں ملے۔ مہاجر بسو دھوتی پہن کر اُس سرکاری انیسروں کی دعوت میں گئے تھے۔ موتی لال جی نے اُن کی دھوتی کی اور اشارہ کر کے انہیں تڑکا:—

सन् १९०५ का स्वदेशी आन्दोलन और मेरा राजनैतिक जीवन

पंडित सुन्दरलाल

मुल्क के सियासी नक्शे में इलाहाबाद की एक खास जगह बन गई. खुदीराम बोस, मुजफ्फरपुर वम दुर्घटना से दो महीने पहले इलाहाबाद आये. उनके बाद रासबिहारी बोस, अरविन्द बाबु के भाई बारीन्द्र कुमार घोष, सूफी अम्बा प्रसाद, भगतसिंह के चचा सरदार अजीतसिंह और लाला हर दयाल आदि नेता बारी-बारी से इलाहाबाद आए. गुप्त सभाओं में उन्होंने हम लोगों से बातें कीं, कार्यक्रम बनाया और चले गये. हम लोगों की यह गुप्त सभायें चौक गंगादास के 56 नम्बर के मकान में हुआ करती थीं. यह मकान मैंने किराये पर ले लिया था. उस जमाने के चौक गंगादास के लड़कों में बड़ी देश भक्ति और निडरता थी. हमारी मीटिंगों के वक्त वह ऐसा चौकस पहरा बैठा देते कि खुफिया पुलिस की वहाँ पर-छाई तक न फटक पाती.

इलाहाबाद की यह कैफियत देखकर नरम दली नेताओं की परेशानी बहुत बढ़ गई. मालवीय जी ने स्वर्गीय गोखले को निमंत्रण देकर इलाहाबाद बुलाया. लाल-पाल-बाल (लाला लाजपत राय, बिपिनचन्द्र पाल और लोकमान्य बाल गंगाधर तिलक की त्रिमूर्ति को लांग इसी नाम से पुकारते थे) के व्याख्यानों के असर का वे काटना चाहते थे. किन्तु खुले मैदान में श्री गोखले का व्याख्यान कराने की हिम्मत नहीं पड़ी. पुगने कायस्थ पाठशाला के हाल में श्री गोखले की मीटिंग हुई. क़रीब दो सौ आदमी व्याख्यान सुनने के लिये मौजूद थे. मैं भी कौतूहल वश उस मीटिंग में चला गया. मेरी तरफ इशारा करके लोगों ने शिकायत की कि इसी लड़के ने इलाहाबाद में आग सुलगा रखी है. गोखले ने मुझे अपने पास बुलाया और मुझसे वादा लिया कि मैं दूसरे दिन उनसे जरूर मिलूँ. दूसरे दिन डाक्टर सच्चिदानन्द सिनहा के यहाँ गोखले जी का दावत थी. वहाँ मैं पहुँच गया. इत्तला होने पर श्री गोखले ने मुझे वहीं बुलाया. मुझे देखते ही सब ने एक साथ मेरी शिकायतें शुरू कर दीं. मगर गोखले जी बहुत प्रेम से मुझसे मिले. मुझसे उन्होंने कहा—“मैं तो तुम्हारे जैसे नौबजवानों की तलाश में हूँ. मुझे तो तुम्हारे जैसे ही युवक चाहियें.” श्री गोखले से मेरी जो बातें उस अवसर पर हुई उससे मेरे दिल में उनके लिये बेहद इफ़जत

سنی 1905 کا ویشی آندولن
اور میرا راجنیتک جیون

پنڈت سندھ لال

ملک کے سیاسی نقشہ میں الہ آباد کی ایک خاص جگہ بن گئی۔ خودی رلم ہوس، مظفرپور ہم درگھٹنا سے دو مہینے پہلے الہ آباد آئے اُن کے بعد راس بھاری ہوس، لرونڈ بابو کے بھائی ہارندر کمار گھوش، صوفی امبا دوسان، بہت سنگھ کے چچا سردار اجیت سنگھ اور لالہ ہر دیال اسی لیٹا باری باری سے الہ آباد آئے۔ گھٹ سہاؤں میں انہوں نے ہم لوگوں سے باتیں کیں، کرایہ کرم ہلایا اور چلے گئے۔ ہم لوگوں کی یہ گھٹ سہاؤں چوک گنگا داس کے 56 نمبر کے مکان میں ہوا ہوتی تھیں۔ یہ مکان میلے کرایہ پر لے لیا تھا۔ اُس زمانے کے چوک گنگاداس کے لوگوں میں بڑی دیہی بہکتی اور نذرنا تھی۔ ہماری میٹنکوں کے وقت وہ ایسا چوکس پردہ بیٹھا دیتے کہ خفیہ پولیس کی وہاں پرچہانوں تک نہ پھٹک پانی۔

الہ آباد کی یہ تیغیت دیکھ کر نرم دلی نیکلوں کی پریشانی بہت بڑھ گئی۔ ماہویہ جی نے سرگیکہ گوہیلے کو نصرتن دے کر الہ آباد بلا۔ لال پال پل (لالہ راجپت رائے) وین چندر پال اور لکمانیہ ہال گنگا دھر نلک کی تروی موہنی کو لوگ اسی نام سے پکارتے تھے) کے دیکھیانوں کے اثر تو دے کاٹنا چلقفہ تھے۔ کنتو کپلے موہدان اوس شری گوہیلے کا دیکھیان کرانے کی ہمت نہیں پڑی۔ پرانے کاٹستہ پاٹھ شالا کے حال میں شری گوہیلے کی مہنگتک ہونی۔ قریب دو سو اوس دیکھیان سننے کے لئے موجود تھے۔ میں بھی کترہلوہی اُس مہنگتک میں چلا گیا۔ مہری طرف اشارہ کر کے لوگوں نے شکایت کی، کہ اسی لڑکے نے الہ آباد میں آگ سلقا رکھی ہے۔ گوہیلے نے مجھے اپنے پاس لایا اور مجھے اوعده لیا کہ میں دوسرے دن اُن سے ضرور ملوں۔ دوسرے دن ڈاکٹر سچدانند سنہا کے یہاں گوہیلے جی کی دعوت تھی۔ وہیں میں پہنچ گیا۔ اطلاع ہونے پر شری گوہیلے نے مجھے وہیں بلوایا۔ مجھے دیکھتے ہی سب نے ایک ساتھ مہری شکایتیں شروع کر دیں۔ مگر گوہیلے جی بہت یریم سے مجھے ملے۔ مجھے انہیں نے کہا۔ ”میں تو تمہارے جیسے نوجوانوں کی نلش میں ہوں۔ مجھے تو تمہارے جیسے ہی ہرورک چاہئیں۔“ شری گوہیلے سے مہری حو باتیں اُس اوسر پر ہونیں اُس سے مہرے دل میں اُن کے اٹھ بے حد عزت

سیاسی پद्धت کے ایسے جڑری اور لاجرمی جڑ بن گئے تھے کہ جب 1857 کی پہلی آزادی کی جنگ چھڑی تو اُس میں آزاد نوجوانوں نے مغل بادشاہ بہادر شاہ کو ہی اپنا قومی رہنما بنایا، حالانکہ مغل بادشاہ کے پاس نہ تو خزانہ ہی تھا اور نہ

نوجوان ہی۔
بھاشا (زبان)، سائنس (ادب)، وگیاں (مائنس)،
درشن (فلسفہ)، کلا (آرٹ)، اور دھرم سمبندھی باتوں کے
آدھار پر ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے صدیوں
ایک ساتھ رہ کر ایک بھاشا (جذہ) ایک سے دوسرے سے رعن سہن
اور ایک سی ملی جلی تہذیب اور تہذیب کو ترقی دی۔ ایک
سے مالی (ارتھک) تہذیب کی بنیاد پر انہوں نے ملی-جلی
شانداز ہندوستانی کلچر کا متخل کھڑا کیا۔ چاہے مغل بادشاہ کے ماتحت
لوگوں کو دیکھا جائے یا کسی صوبے کے نیم آزاد صوبیدار کے ماتحت
رہنے والوں کو، یہ لوگ روٹی - پٹی میں سدا چار ہیں، مذہبی
اصولوں میں، سیاست اور حکومت کی باتوں میں، کلا اور آرٹ
میں تہذیبی زندگی کے نقطہ نظر میں موافقوں، راجپوتوں، سکھوں
اور جاتوں یا دوسرے ہندوستانیوں سے جدا نہ تھے۔

پورانے زمانے کا اگر ہم غیر جانب داری سے اندھین کریں تو ہم
سی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مروجہ یک میں ہندو مسلمانوں
کے آپسی سمبندھوں کے انتہاس میں ایسی کوئی بات نہیں
نہیں ملتی جس سے ہمارے پہلے کے ہندوستان کے فرقہ
وہارنہ دنگے اور جھگڑے فساد کی جڑیں ہم ان میں ٹھوج
سکیں! اس کے برخلاف اُس زمانہ کی تاریخ (انتہاس) سے
یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مروجہ یک کے مسلمان شامک بنا ہوتے
بھاؤ کے حکومت کرتے تھے۔ وہ ہندو اور مسلمانوں دونوں کے
ساتھ ایک سا برتاؤ کرتے تھے۔ حکومت کے معاملوں میں، آرٹ
اور تہذیب کے معاملوں میں، ادب اور شاعری کے معاملوں میں
وہ کوئی بھید بھاؤ نہیں کرتے تھے۔ وہ ہندو کو، ہندو مذہب
کو، ہندو رہن مہن اور اچار - وچاروں کو، ہندو درشن اور
ادھیان کو باہمی سے دیکھتے اور سمجھتے تھے اور اُسی پر عمل
کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مسلمان بادشاہوں، سلطانوں اور
صوبیداروں کے اس رویہ کو دیکھ کر ہندوستان کا عام مسلمان
بھی ہندوستانیت کا دعویٰ دار بن گیا۔ وہ ہندوستان کا دم بولے لگا
مسلم چلتا ہے ہندو ریت رواجوں کو اپنا لیا۔ دوسری طرف
ہندوؤں کی راجپوت اور سچی برداشت یاسن شیلکا اور وہنتا
میں بھی ایسا کھوج نکالنے کی زبردست خواہش نے محبت سے
پڑھائے ہوئے مسلمانوں نے ہاتھ کو اُسی محبت کے ساتھ قبول
کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنی کلچر سے ایسی
[باقی صفحہ 271 پر]

سیاسی پद्धت کے ایسے ضروری اور لازمی جز بن گئے تھے کہ
جب 1857 کی پہلی آزادی کی جنگ چھڑی تو اُس میں آزاد
نوجوانوں نے مغل بادشاہ بہادر شاہ کو ہی اپنا قومی رہنما
بنایا، حالانکہ مغل بادشاہ کے پاس نہ تو خزانہ ہی تھا اور نہ
نوجوان ہی۔

بھاشا (زبان)، سائنس (ادب)، وگیاں (مائنس)،
درشن (فلسفہ)، کلا (آرٹ)، اور دھرم سمبندھی باتوں کے
آدھار پر ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے صدیوں
ایک ساتھ رہ کر ایک بھاشا (جذہ) ایک سے دوسرے سے رعن سہن
اور ایک سی ملی جلی تہذیب اور تہذیب کو ترقی دی۔ ایک
سے مالی (ارتھک) تہذیب کی بنیاد پر انہوں نے ملی-جلی
شانداز ہندوستانی کلچر کا متخل کھڑا کیا۔ چاہے مغل بادشاہ کے ماتحت
لوگوں کو دیکھا جائے یا کسی صوبے کے نیم آزاد صوبیدار کے ماتحت
رہنے والوں کو، یہ لوگ روٹی - پٹی میں سدا چار ہیں، مذہبی
اصولوں میں، سیاست اور حکومت کی باتوں میں، کلا اور آرٹ
میں تہذیبی زندگی کے نقطہ نظر میں موافقوں، راجپوتوں، سکھوں
اور جاتوں یا دوسرے ہندوستانیوں سے جدا نہ تھے۔

پورانے زمانے کا اگر ہم غیر جانب داری سے اندھین کریں تو ہم
سی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مروجہ یک میں ہندو مسلمانوں
کے آپسی سمبندھوں کے انتہاس میں ایسی کوئی بات نہیں
نہیں ملتی جس سے ہمارے پہلے کے ہندوستان کے فرقہ
وہارنہ دنگے اور جھگڑے فساد کی جڑیں ہم ان میں ٹھوج
سکیں! اس کے برخلاف اُس زمانہ کی تاریخ (انتہاس) سے
یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مروجہ یک کے مسلمان شامک بنا ہوتے
بھاؤ کے حکومت کرتے تھے۔ وہ ہندو اور مسلمانوں دونوں کے
ساتھ ایک سا برتاؤ کرتے تھے۔ حکومت کے معاملوں میں، آرٹ
اور تہذیب کے معاملوں میں، ادب اور شاعری کے معاملوں میں
وہ کوئی بھید بھاؤ نہیں کرتے تھے۔ وہ ہندو کو، ہندو مذہب
کو، ہندو رہن مہن اور اچار - وچاروں کو، ہندو درشن اور
ادھیان کو باہمی سے دیکھتے اور سمجھتے تھے اور اُسی پر عمل
کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مسلمان بادشاہوں، سلطانوں اور
صوبیداروں کے اس رویہ کو دیکھ کر ہندوستان کا عام مسلمان
بھی ہندوستانیت کا دعویٰ دار بن گیا۔ وہ ہندوستان کا دم بولے لگا
مسلم چلتا ہے ہندو ریت رواجوں کو اپنا لیا۔ دوسری طرف
ہندوؤں کی راجپوت اور سچی برداشت یاسن شیلکا اور وہنتا
میں بھی ایسا کھوج نکالنے کی زبردست خواہش نے محبت سے
پڑھائے ہوئے مسلمانوں نے ہاتھ کو اُسی محبت کے ساتھ قبول
کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنی کلچر سے ایسی
[باقی صفحہ 271 پر]

میں ہمیں صرف کچھ شمس کی حکومت میں تھوڑی بہت کھانا
ہا زیادتی کی مثالیں ملتی ہیں۔ اور ان شمس کے بارے
میں یہ بہت کہا جا سکتا ہے کہ ان کی زیادتیوں کی وجہ
کچھ اور ہی تھی اور ان کا وار بھی تھوڑے سے لوگوں کو ہی
سہا پڑا۔

کئی ঘটناؤں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دھرمک مت بھد
کا زیادہ اثر نہ تھا۔ مثال کے طور پر اگر عہدوں کی ہی بات لے
لی جائے تو یہ صاف ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے یہاں ہندو
اوتچے سے اونچے عہدوں پر مقرر کئے جاتے تھے۔ ہندو ہندوؤں کی
صلاح کے مسلمان حاکم ایک قدم بھی نہ چلتے تھے۔ اورنگزیب
ایسے بادشاہ کے بڑے سے بڑے جنرل بھی راجپوت راجا تھے۔
محمود غزنوی نے خراسان جیتنے کے لئے اپنے جس جنرل کو
بھیجا وہ ملک نام کا ایک ہراہمن تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس
سمے کی آپسی لڑائی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی الگ الگ
مذہبی حیثیت سے کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔ مسلمان سلطانوں
کے ہندو سہیلایتی اور ہندو راجاؤں کے مسلمان سینایتی اپنے ہی
مذہب والوں سے اوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہیں میں اوسے
ہندو اور مسلمانوں نے سیکڑوں قصے بھرے پڑے ہیں، جہاں
دونوں نے اپنے مالکوں کی طرف وفادار رہ کر اپنے ہی مذہب
والوں کے ساتھ بھینکر لڑائی لڑی۔ ایسی بھی مثالیں ہیں کہ
جہاں ہندوؤں کے ساتھ ہندوؤں نے دغا بازی کی ہے اور مسلمانوں
نے مسلمانوں کے ساتھ۔ اصلی بات تو یہ ہے کہ اُس سمے ذاتی
احسانوں کا ہی سب سے زیادہ اثر پڑتا تھا، نہ کی قوم، مذہب
یا ملک کا۔ اُس زمانے کی وادائی کی بھاؤنا (جذبہ) صرف
دو شعبوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ 'نمک حلال' اور 'نمک
حرام'۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمان حاکموں نے
چاہے وہ جہاں سے آئے ہوں، دراصل ہندوستان کو ہی اپنا گھر
بنا لیا تھا۔ باہر فرغانہ سے آیا اور وہ دیہی کبھی سرفند لوٹنے کے
مہمے سہلے بھی دیکھتا تھا۔ لیکن باہر اور اُس کی اولاد اسی
ملک میں رہیں۔ قسمت اُنہیں یہاں کھینچ لاتی اور
ہندوستان کے باہر سے سارے نائے رشتہ اُنہوں نے توڑ لئے۔ اُن کے
اپنے وطن میں اُن کے خاندان کے انتہت دشمن تھے جو موقع
پاتے ہی اُن کا سب کچھ چھین لینے پر اُتار تھے۔ ایسی حالت
میں اُنہوں نے ہندوستان کی جنتا کی زندگی میں اپنے آپ کو
ملا کھا دیا۔ ہندوستان کی جنتا کی زندگی کے ساتھ اُنہوں نے
ہندوئی دھرم اور اُن کے سم دھم میں سچے سچے ہلے۔ یہ
نویں چھوٹی بات نہیں ہے۔ مثل بادشاہ ہندوستان کی سماجی اور

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمان حاکموں نے
چاہے وہ جہاں سے آئے ہوں، دراصل ہندوستان کو ہی اپنا گھر
بنا لیا تھا۔ باہر فرغانہ سے آیا اور وہ دیہی کبھی سرفند لوٹنے کے
مہمے سہلے بھی دیکھتا تھا۔ لیکن باہر اور اُس کی اولاد اسی
ملک میں رہیں۔ قسمت اُنہیں یہاں کھینچ لاتی اور
ہندوستان کے باہر سے سارے نائے رشتہ اُنہوں نے توڑ لئے۔ اُن کے
اپنے وطن میں اُن کے خاندان کے انتہت دشمن تھے جو موقع
پاتے ہی اُن کا سب کچھ چھین لینے پر اُتار تھے۔ ایسی حالت
میں اُنہوں نے ہندوستان کی جنتا کی زندگی میں اپنے آپ کو
ملا کھا دیا۔ ہندوستان کی جنتا کی زندگی کے ساتھ اُنہوں نے
ہندوئی دھرم اور اُن کے سم دھم میں سچے سچے ہلے۔ یہ
نویں چھوٹی بات نہیں ہے۔ مثل بادشاہ ہندوستان کی سماجی اور

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمان حاکموں نے
چاہے وہ جہاں سے آئے ہوں، دراصل ہندوستان کو ہی اپنا گھر
بنا لیا تھا۔ باہر فرغانہ سے آیا اور وہ دیہی کبھی سرفند لوٹنے کے
مہمے سہلے بھی دیکھتا تھا۔ لیکن باہر اور اُس کی اولاد اسی
ملک میں رہیں۔ قسمت اُنہیں یہاں کھینچ لاتی اور
ہندوستان کے باہر سے سارے نائے رشتہ اُنہوں نے توڑ لئے۔ اُن کے
اپنے وطن میں اُن کے خاندان کے انتہت دشمن تھے جو موقع
پاتے ہی اُن کا سب کچھ چھین لینے پر اُتار تھے۔ ایسی حالت
میں اُنہوں نے ہندوستان کی جنتا کی زندگی میں اپنے آپ کو
ملا کھا دیا۔ ہندوستان کی جنتا کی زندگی کے ساتھ اُنہوں نے
ہندوئی دھرم اور اُن کے سم دھم میں سچے سچے ہلے۔ یہ
نویں چھوٹی بات نہیں ہے۔ مثل بادشاہ ہندوستان کی سماجی اور

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمان حاکموں نے
چاہے وہ جہاں سے آئے ہوں، دراصل ہندوستان کو ہی اپنا گھر
بنا لیا تھا۔ باہر فرغانہ سے آیا اور وہ دیہی کبھی سرفند لوٹنے کے
مہمے سہلے بھی دیکھتا تھا۔ لیکن باہر اور اُس کی اولاد اسی
ملک میں رہیں۔ قسمت اُنہیں یہاں کھینچ لاتی اور
ہندوستان کے باہر سے سارے نائے رشتہ اُنہوں نے توڑ لئے۔ اُن کے
اپنے وطن میں اُن کے خاندان کے انتہت دشمن تھے جو موقع
پاتے ہی اُن کا سب کچھ چھین لینے پر اُتار تھے۔ ایسی حالت
میں اُنہوں نے ہندوستان کی جنتا کی زندگی میں اپنے آپ کو
ملا کھا دیا۔ ہندوستان کی جنتا کی زندگی کے ساتھ اُنہوں نے
ہندوئی دھرم اور اُن کے سم دھم میں سچے سچے ہلے۔ یہ
نویں چھوٹی بات نہیں ہے۔ مثل بادشاہ ہندوستان کی سماجی اور

رامنجن کے مشہور لہنگ گودواسی تلسی داس جی نے
 لکھا ہے :-

جنت دیکھوں قت تم نے!

گالنگر، پانڈر، ٹھیکری سب میں دیکھیں توئے۔

اللہ کہاں نہیں ہے ؟ وہ ہر جگہ ہے اور کہیں بھی نہیں ہے ! وہی مورت میں ہے اور وہی یوکاری میں بھی ہے ۔ وہی کفر میں بھی ہے اور وہی اسلام میں بھی ہے ! وہی ہلڈیوں میں بھی ہے اور وہی مسلمانوں میں بھی ہے ! انسان نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے درئی کا پردہ قال رکھا ہے اسی لئے وہ اپنے غرور میں یہ سمجھنے لگا ہے کہ اللہ یہاں ہے اور وہاں نہیں ہے ، وہ اسلام میں ہے اور کفر میں نہیں ہے ۔

ایسی بہت سی مثالیں آسانی سے دی جا سکتی ہیں کہ ہندوستان میں اسلام نے ہندوؤں کی پوجا کے طریقوں سے بہت سی باتیں اپنے اندر شامل کر لی ہیں۔ مثلاً، پُرانا، یام، یوگا، بھاس، ویدانت، فلسفہ سب اسلام میں شامل ہو گئے۔ ہندو مذہب اور اسلام کے سنگم کو ہی 'پریم دھرم' یا 'مذہب عشق' کے نام سے پکارا گیا۔ یہاں اُس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ ہلکا خاص کوشش کے ہی یہ دونوں مذہب آسانی سے ایک دوسرے سے مل چل گئے۔ کبیر، نانک، دادو، چیتن، نگارام، شاہ قلندر، 'بابا فرید' چشتی اور دوسرے صوفی سنتوں نے کامیابی کے ساتھ ہندوستان کی چلتا میں ایک ایسا دھرم پھیلانے کی کوشش کی جس میں ہندو مسلمانوں، دونوں کی مذہبی خوبیوں شامل تھیں۔

مذہبہ یک کے دھارمک ساتھ (ادب) سے، چاہے وہ مسلمانوں کا ہو یا ہندوؤں کا، پڑھنے والا اُس کے آزادانہ نقطہ نظر اور آداب دانشی سے ضرور پرہیز ہو جاوے گا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ آپس میں متبرہ دراجوں، روزیوں اور کرم کاندنوں اور پوجا کے اور پوسٹھوں کے باہری ڈھنگوں میں چاہے جو فرق ہوں، مذہبی زندگی کی بہتری اور ہلاندی سچائی دونوں میں ایک سی تھی۔ اِس لئے مذہبہ یک کے صرفی سنتوں نے ہندو دھرم اور اسلام کے باہری طریقوں کو اہمیت نہ دے کر اُن کی بہتری کی سُننا پر ہی زور دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس زمانے کے ہندو اور مسلمان دوستی اور محبت کے سانچے میں تھل گئے۔ دونوں نے لئے ایک ہی ملک، ایک ہی راج، ایک ہی شہر، ایک ہی معطلہ اور ایک ہی گلی میں مترا اور شادی سے رہنا ممکن ہو سکا۔ دونوں مذہبی تعصب کو کم کر کے میں کاسباب ہوئے۔ پورے ایک ہزار ورہی کے مشترکہ (سملت) انہام

انہوں نے قریب قریب سبھی مشہور ہندو گوتہوں کا فارسی میں ترجمہ کر ڈالا۔ آپاہشدا، مہابھارت، رامائن، بھگود گیتا، دھرم شاستر، پرائی، بوگ، ششم، بوگ، ستر، ویدانت، شاکتو آدی سبھی گوتہوں کے فارسی میں ترجمہ کئے گئے۔

اُن کے بعد کے لکھنؤ میں شیخ احمد فاروقی (1563-1624) جو کہ مجاہد الدین ہے۔ اُن کے سداں ہی مشہور ہے اور مرزا جان جاناں مظہر (1699) کے نام نہ جا سکتے ہیں۔ مظہر صاحب نے ہندوؤں کی مورتی پر جا کے بارے میں لکھا ہے:—

”مورتی پوجا—مسلمان صوفیوں کو دھواں اور سادھنا یعنی ‘ذکر’ کے مساوی ہی ہے۔ اسلام کے پہلے عرب کے باشندوں کے وشواس سے اس مورتی پوجا کی کوئی سمائتا نہیں ہے۔ عرب کے باشندے سمجھتے تھے کہ مورتیوں ہی میں خود شکتی اور اثر پورا ہوا ہے۔ وہ بعض پرمانا کو پانے کا ذریعہ مانتے نہیں تھے جبکہ ہندوستان کے مورتی پوجک مورتیوں کو اللہ تک پہنچنے کا صرف ایک ذریعہ مانتے ہیں۔“

اتنا ہی نہ تھا۔ ایک اور مسلمان عالم اپنی چہان بین اور دلیلوں کے ذریعہ ہندو ادھانم اور فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے تو دوسری اور اُس فلسفہ کو اپنی زندگی میں انار کو اُس کا ابھاس کرتے تھے۔ 'گلشن راز' کے مشہور لیکچر محمود شبستاری (1317) نے بہت دوستی کے بارے میں لکھتے ہوئے اسلام سے اُس کا میل اور اُس کی براہری اِس طرح سمجھائی ہے :-

”مورنی اِس دنیا میں محبت اور ایکہ کی تصویر پیش کر رہی ہے۔ زار یا جڈو پہننے کا کیا مطلب ہے؟ جڈو پہننے کا مطلب یہ ہے کہ جڈو پہلنے والا نہیں طرح کی خدمتوں (سہوا) کا عہد لیتا ہے۔ (1) اپنے ماں باپ اور خاندان کی خدمت (2) جملہ کی خدمت اور (3) اللہ کی خدمت۔ جڈو کے تین نامہ انہیں تین طرح کی سہواؤں کی بدلاتے ہیں۔ ’کمر‘ ہو چاہے ’دین‘ دونوں کا مقصد اللہ تک پہنچنا ہے۔ مورنی پوجا کہتی ہے کہ ایشور ایک ہے۔ اگر مسلمان یہ سمجھ لے کہ مورنی کیا ہے تو وہ یہ بھی سمجھ جائیگا کہ مورنی پوجا بھی اللہ تک پہنچانے کا ذریعہ ہے؛ اور یہی مورنی پوجک جان لے کہ مورنی کیا ہے تو وہ ایشور کے راستے سے کبھی نہ ہٹے گا۔ مورنی کے پوجاری نے مورنی کو صرف باہر سے دیکھا اِسی لئے وہ ’کفر‘ ہو گیا اور مسلمان نے بھی مورنی کو صرف باہر سے دیکھا اِسی لئے وہ ہی مورنی کے زار (دھسے) کو نہ سمجھ سکا اور انصاف کی رو سے اپنے معلم سے ہٹ گیا۔

ہندوستان اور اسلام

ڈاکٹر سید محمود

ہندوستان اور اسلام

ڈاکٹر سید محمود

اسلام کے دشمنوں نے جن میں خاص طور پر یورپ کے
 ایتھاس لیکھ ہیں، اسلام کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش
 کی ہے۔ انہوں نے اسلام کے خلاف ہر طرح کا جھوٹا پروچار کیا
 ہے۔ اس پروچار کا نتیجہ یہ ہے کہ غیر مسلم دنیا کو تو یہ
 تریب اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ اسلام کلمہ ملابن، تعصب،
 مار کات اور قتل عام کا پروچار کرنے والا مذہب ہے۔ حالانکہ
 سچائی اس کے بالکل خلاف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ موروں کا
 ایک طبقہ ایسا تھا جو اسلام کو سب سے اونچا مذہب مانتا
 تھا، لیکن ایسے مسلمانوں کی بھی کوئی کمی نہ تھی جو
 سب مذہبوں میں سچائی، درندہ کی ہوا پر کوشش کرتے رہتے
 تھے۔ ایسے مسلمانوں کی بھی کمی نہ تھی جو سب مذہبوں
 میں بغاوتی سچائی کے روشن کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ سب
 مذہب مل جل کر رہیں۔ ایسے ہی پشمار مسلمان فقہر اور
 موفی تھے جو اللہ کے راستے پر صرف سچائی کا ہی سہارا لے کر
 چلتے تھے۔ یہ فقہر اور موفی کہتے تھے کہ الگ الگ مذہب
 اللہ تک پہنچنے کے محض الگ الگ راستے کی طرح ہیں
 جن کا مقصد ایک اسی اللہ تک پہنچنا ہے۔ ایسے بہت سے
 مسلمان دریغ اور افسوس تھے جو بنا کسی پھینکے ہوئے
 نلوں اور مسلمانوں، امیروں اور غریبوں سب کو پرمانہ کے ایک
 ہی راستے پر، یعنی نیکی اور سچائی کے راستے پر چلنے کا اہدہ
 دیتے تھے۔

یورپ والوں نے تو بہت بعد میں آزادی کے ساتھ مختلف
 دھرموں کی چھان بین کرنے کی وجہ جاری کی اور وہ ہیں
 صرف اے گنہ لوگوں نے؛ لیکن مسلمانوں میں ایسے بہت سے
 عالم ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں میں خاص عقل کو
 لکھتی مان کر غیر جانبداری (نہ پکشتا) کے ساتھ مختلف
 مذہبوں کے ایک سے بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ان
 میں سب سے مشہور ودوان اور عالم ابوریحان البیرونی تھے۔
 انہوں نے گیارہویں صدی میں تفصیل کے ساتھ ہندو مذہب
 عقیدہ فلسفہ اور ہندو شاستروں پر لکھا ہے۔

ہندوستان کے منجملے زمانے میں جسے 'مدھیہ' کہا
 گیا جانا ہے، ہندوؤں کے دھرمک سامعہ کو پڑھنے اور
 سمجھنے کے لئے مسلمان ودوانوں نے بڑی محنت لی ہے۔

ہندوستان کے منجملے زمانے میں جسے 'مدھیہ' کہا
 گیا جانا ہے، ہندوؤں کے دھرمک سامعہ کو پڑھنے اور
 سمجھنے کے لئے مسلمان ودوانوں نے بڑی محنت لی ہے۔

ہندوستان کے منجملے زمانے میں جسے 'مدھیہ' کہا
 گیا جانا ہے، ہندوؤں کے دھرمک سامعہ کو پڑھنے اور
 سمجھنے کے لئے مسلمان ودوانوں نے بڑی محنت لی ہے۔

ہندوستان کے منجملے زمانے میں جسے 'مدھیہ' کہا
 گیا جانا ہے، ہندوؤں کے دھرمک سامعہ کو پڑھنے اور
 سمجھنے کے لئے مسلمان ودوانوں نے بڑی محنت لی ہے۔

لیجئے آج تک 'ویرن باڈیٹا' یا 'باغ دنیا' (Garden of the world) کے نام سے مشہور ہے۔ انہیں لیکھ سرولیم میں رکھے گئے۔

لے آج تک 'ویرن باڈیٹا' یا 'باغ دنیا' (Garden of the world) کے نام سے مشہور ہے۔ انہیں لیکھ سرولیم میں رکھے گئے۔

سوسوپوٹامیا کا یہ کھل دیا سدا سے عرب بادلوں سے ہی آباد رہا ہے اور کالیڈیا اور دکنینی شام پر اسلئے عرب کے ہی حصے ہیں۔ اس پردیش میں رہنے والے قبیلے جن میں اس سے پہلے مورتی پرچک تھے اور انہیں کم سے کم کہنے کے لیے ایسے ہی، عرب جاتی کے مضبوطی سے جڑے ہوئے انک تھے اور اس حدیث سے نئے عرب دھرم یعنی اسلام کے دائرے میں شامل تھے۔

عرب کے یہ دونوں پرانت شام اور عراق صدیوں سے پیچھے کی رومی حکومت اور یورپ کی ایرانی شہنشاہیت کے ماتحت چلے آتے تھے۔ اسی پردیش میں ان دونوں وشال بادشاہوں کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں۔ سن 527 عیسوی کے بعد سے ان دونوں بادشاہوں میں پورے سو برس تک لگاتار جنگ ہوئی رہی جن میں کبھی ایرانی وچوٹا یورپی مہادیپ کے اندر تک اپنی سلطنت بڑھا لے جاتے تھے اور کبھی رومی سمنا قزاق کے کنارے تک پہنچتی تھی۔ سرحد کے لین پردیشوں کی قسمت بار بار بدلتی رہتی تھی۔ ٹوٹک اس سے پہلے شام اور عراق کا اثر پیچھے ہٹا کر روم کے ماتحت تھا اور باقی عراق ایران کے آدھوں۔ جب کہ دھن کے ریاستانی عرب قبیلوں نے محمد صاحب ہی کے وقت میں اپنا نانا مدینہ کی نئی قومی سرکار کے ساتھ جوڑ لیا تھا شام اور عراق کا زرخیز عرب علاقہ ودیشوں کے قبضے میں تھا اور وہاں کی عرب پرچا غلامی کے دن کات رہی تھی۔

عرب کے یہ دونوں پرانت شام اور عراق صدیوں سے پیچھے کی رومی حکومت اور یورپ کی ایرانی شہنشاہیت کے ماتحت چلے آتے تھے۔ اسی پردیش میں ان دونوں وشال بادشاہوں کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں۔ سن 527 عیسوی کے بعد سے ان دونوں بادشاہوں میں پورے سو برس تک لگاتار جنگ ہوئی رہی جن میں کبھی ایرانی وچوٹا یورپی مہادیپ کے اندر تک اپنی سلطنت بڑھا لے جاتے تھے اور کبھی رومی سمنا قزاق کے کنارے تک پہنچتی تھی۔ سرحد کے لین پردیشوں کی قسمت بار بار بدلتی رہتی تھی۔ ٹوٹک اس سے پہلے شام اور عراق کا اثر پیچھے ہٹا کر روم کے ماتحت تھا اور باقی عراق ایران کے آدھوں۔ جب کہ دھن کے ریاستانی عرب قبیلوں نے محمد صاحب ہی کے وقت میں اپنا نانا مدینہ کی نئی قومی سرکار کے ساتھ جوڑ لیا تھا شام اور عراق کا زرخیز عرب علاقہ ودیشوں کے قبضے میں تھا اور وہاں کی عرب پرچا غلامی کے دن کات رہی تھی۔

ایسی سیاسی کیفیت میں عرب کی نئی قومی سرکار نے نہایتوں کی ودیشوں کی غلامی میں آمیں بھرتے ہوئے اس عرب علاقہ کو غلامی سے چھڑا کر مدینہ کے ساتھ ملنے کی خواہش ایک قدرتی اور جائز خواہش تھی۔ لیکن اس سے بھی زیادہ گہرے سبب تھے جنہوں نے ابوبکر اور اس کے صلاح کاروں کو عراقی اور شام کی راجہ نیتی میں دخل دینے اور ایران اور روم کی زبردست اور طاقتور بادشاہوں سے لوہا پلے پر مجبور کر دیا۔

ایسی سیاسی کیفیت میں عرب کی نئی قومی سرکار نے نہایتوں کی ودیشوں کی غلامی میں آمیں بھرتے ہوئے اس عرب علاقہ کو غلامی سے چھڑا کر مدینہ کے ساتھ ملنے کی خواہش ایک قدرتی اور جائز خواہش تھی۔ لیکن اس سے بھی زیادہ گہرے سبب تھے جنہوں نے ابوبکر اور اس کے صلاح کاروں کو عراقی اور شام کی راجہ نیتی میں دخل دینے اور ایران اور روم کی زبردست اور طاقتور بادشاہوں سے لوہا پلے پر مجبور کر دیا۔

ایسی سیاسی کیفیت میں عرب کی نئی قومی سرکار نے نہایتوں کی ودیشوں کی غلامی میں آمیں بھرتے ہوئے اس عرب علاقہ کو غلامی سے چھڑا کر مدینہ کے ساتھ ملنے کی خواہش ایک قدرتی اور جائز خواہش تھی۔ لیکن اس سے بھی زیادہ گہرے سبب تھے جنہوں نے ابوبکر اور اس کے صلاح کاروں کو عراقی اور شام کی راجہ نیتی میں دخل دینے اور ایران اور روم کی زبردست اور طاقتور بادشاہوں سے لوہا پلے پر مجبور کر دیا۔

[باقی اگلے نمبروں میں]

[باقی اگلے نمبروں میں]

فیر سے موراخان کاایم کیا۔ پھر یہ کہ بارہ مہینے کے اندر راج پھر کے اندر راج پھر سے شانتی، امن اور دوستی قائم ہو گئی۔ جن باغیوں نے خود ادھینتا سوکار کر لی ابھر لے ان کو معاف کر دیا۔

[6]

[6]

اب ہم عرب کے یوگول (جغرافیہ) کی اور ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اگر عرب میں وہ سب علاقہ شامل کیا جاوے جو یوگولک لحاظ سے صاف صاف عرب کے جزیرے میں شامل ہے، جس میں عرب جاتی کے لوگ بستے ہیں اور جہاں عربی بھاشا بولی جاتی ہے، تو ابھی تک عرب کا ایک بہت بڑا اور زرخیز علاقہ مدینہ کی قومی سرکار سے باہر اور ویشدیوں کے قبضے میں تھا۔ اگر ہم عرب کی یوگولک سرحدیں مقرر کرنا چاہیں تو ایران کی کھڑی سے لے کر ہندوستان، لال سمندر، سویر لہر تک قبیلوں اور کاسمندر، اُس کے بعد اتر میں لبنان پرورت سے ملا ہوا روم ساگر کا کنارہ اور اوپر چاکر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا وہ سلسلہ جو ایشیا کوچک سے شام کو الگ کرتا ہے اور دجلہ اور فرات نام کی بڑی ندیاں جو ان دونوں سے نکل کر ایک دوسرے کے برابر برابر بہتی ہوئی، گنگا اور جمنائی طرح ایک دوسرے میں مل کر ایران کی کھڑی میں جا گرتی ہوں، یا دجلے سے عرب کی وہ پہاڑیاں جو آجکل عراق عربی کو عراق عظمیٰ سے الگ کرتی ہوں، عرب کی قدرتی یوگولک سرحدیں ہوں۔ اس کے سوائے عرب کی کوئی دوسری سرحدیں مقرر کی ہی نہیں جا سکتیں۔ ایران کی کھڑی کے پچھم کے پردیش بحرین کو بصرہ کے میدان سے الگ کرنا جب کہ دونوں کے بیچ کوئی یوگولک رینکا نہیں ہے اور دونوں میں صدیوں سے ایک ہی قبیلوں کے لوگ آباد چلے آئے ہیں، یا شام کے ریکستان کو نزد کے ریکستان سے الگ سمجھنا قدرتی حد بندی کے اصولوں کے خلاف ایک بے انصافی ہو گی۔

دجلہ اور فرات کا دو آب، 'میسوپوٹامیا' یا 'عراق' کے نام سے مشہور پرانے انپاس میں اسی علاقے کو سرسبز یا بیبلونیا (بابل) کہا گیا ہے۔ اس کا ادھک دکھنی بھاگ 'کالڈیا' یا 'خلد' کہلاتا ہے۔ کالڈیا کے اتر میں بابل اور اسوریا کے بہت پرانے دیہے ہیں۔ دجلہ اور فرات کی نہروں کا ہزاروں برس پرانا سلسلہ گیس سے تک کھول اپنے اوشدشوں دوران سلسار کے نرمناں کا وشاردوں کوچکت کرتا رہا ہے۔ اتر میں شام (سوریا) سلسار کی سہتا کا لگ بھگ اتنامی پراچوں اور اتنا ہی مشہور کیندرہ چکا ہے۔ کالڈیا کا پردیش اپنے دل کو لہانے والے نظاروں اور سرسبزی کے

دجلہ اور فرات کا دو آب 'میسوپوٹامیا' یا 'عراق' کے نام سے مشہور ہے۔ پورانے इतिहास में इसी इलाकے को सुमेर या बैबीलोनिया (बाबुल) कहा गया है। इस का अधिक दक्खिनी भाग 'काल्डिया' या 'खल्द कहलाता है। काल्डियाके उत्तर में बाबुल और असुरिया के बहुत पुराने देश हैं। दजला और फ़िरात की नहरों का हज़ारों बरस पुराना सिलसिला इस समय तक केवल अपने अवशेषों द्वारा संसार के निर्माण कला-विशारदों को चकित करता रहा है। उत्तर में शाम (सुरिया) संसार की सभ्यता का लगभग उतना ही प्राचीन और उतना ही मशहूर केन्द्र रह चुका है। काल्डिया का प्रदेश अपने विल को लुभाने वाले नजारों और सरसब्जी के

عرب خلیفہ کی اور مارے गए۔ بنی ہنیفا کے جن لوگوں نے بڑا بڑا ہنسنا نہ لیا تھا ان کا ایک نمائندہ ابوہریرہ سے ملے مدینہ گیا۔ ابوہریرہ نے ان کے ساتھ پریم اور عزت کا برتاؤ کیا۔ ان عربوں نے بھی اب عرب خلیفہ کی ماتحتی اور اسلام دونوں کو قبول کر لیا۔ جس طرح خلیفہ نے اتر اور مدینہ عرب کی بغاوتوں کو شانت کیا اسی طرح دوسری ٹولہوں نے دوسرے سہلا پتھوں کے ادمین پرور اور دھن کے پرانتوں میں یہر سے سوشلسن قائم کیا۔

بہرین پرانت کے عیسائی سردار موزیر نے محمد صاحب کے سامنے اس اسلام قبول کر لیا تھا۔ موزیر کے اترادھیلاوی نے ابوہریرہ کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی اور اپنے کو یہر سے عیسائی ظاہر کیا۔ بہرین کے مسلمان ریڈیٹنیت الہ نے اسے ایک دن شراب کے نشہ میں چور پا کر گرفتار کر لیا اور اس پرانت کو اپنے قابو میں کر لیا۔ ہوزیف کے ماتحت ایک سہلہ دل نے عومان پرانت میں یہر سے سوشلسن قائم کیا۔

تھاما میں کچھ بدو قادیوں نے موقع پا کر اپنی پرانی عادت کے مطابق قادیوں کو لڑنا شروع کر دیا اور تھوڑے دنوں کے لئے اس پرانت میں راہ چلنا ناممکن کر دیا۔ ان کے ایک سردار فوجاع نے خلیفہ کے پاس آ کر یہ کہہ کر کہ میں اس پاس کے باغیوں کو شانت کرنا چاہتا ہوں کچھ استر شستر حاصل کر لئے اور یہر انھیں ہتھیاروں کی مدد سے اس سنگت کے سامنے تجارتی تھا دوسرے انیہ قادیوں کی لوٹ مار جاری کر دی۔ ابوہریرہ نے فوجاع کو پکڑوا منگایا اور اس دغا بازی کی سزا میں مدینہ کے قبرستان کے پاس زندہ چلوا دیا۔

عام طور پر ابو ہریرہ اپنے فیصلوں میں نرم دل تھا اور شرم میں آئے شتر کے ساتھ ادا کرنا کا ہنر کر لیا تھا۔ فوجاع کے سوا کی اور اشارہ کرتے ہوئے ابوہریرہ اپنے انت کے دنوں میں انٹر کیا کرتا تھا۔ ”یہ کام میری زندگی کے ان تین کاموں میں سے ہے جن کی بابت میں سوچتا ہوں کہ اگر میں نے یہ نہ کیے ہوتے تو اچھا تھا۔“ لیکن فوجاع کی یہ سزا دوسروں کے لئے ایک نصیحت ہو گئی۔ عرب کی اس سبب کی حالت پر اس کا دلونا اثر پڑا۔

یمن میں ابوہریرہ نے ایک ایرانی سردار فیروز کو ہاسک مقرر کر کے بھیجا۔ وہاں کے کچھ عربوں نے فیروز کے خلاف بغاوت کی لیکن بغاوت شانت کر دی گئی۔ اس پرکار معاصر اور اکرام نے حضرت کے صوبہ میں

عرب خلیفہ کی اور مارے گئے بنی ہنیفا کے جن لوگوں نے بڑا بڑا ہنسنا نہ لیا تھا ان کا ایک نمائندہ ابوہریرہ سے ملے مدینہ گیا۔ ابوہریرہ نے ان کے ساتھ پریم اور عزت کا برتاؤ کیا۔ ان عربوں نے بھی اب عرب خلیفہ کی ماتحتی اور اسلام دونوں کو قبول کر لیا۔ جس طرح خلیفہ نے اتر اور مدینہ عرب کی بغاوتوں کو شانت کیا اسی طرح دوسری ٹولہوں نے دوسرے سہلا پتھوں کے ادمین پرور اور دھن کے پرانتوں میں یہر سے سوشلسن قائم کیا۔

بہرین پرانت کے عیسائی سردار موزیر نے محمد صاحب کے سامنے اس اسلام قبول کر لیا تھا۔ موزیر کے اترادھیلاوی نے ابوہریرہ کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی اور اپنے کو یہر سے عیسائی ظاہر کیا۔ بہرین کے مسلمان ریڈیٹنیت الہ نے اسے ایک دن شراب کے نشہ میں چور پا کر گرفتار کر لیا اور اس پرانت کو اپنے قابو میں کر لیا۔ ہوزیف کے ماتحت ایک سہلہ دل نے عومان پرانت میں یہر سے سوشلسن قائم کیا۔

تھاما میں کچھ بدو قادیوں نے موقع پا کر اپنی پرانی عادت کے مطابق قادیوں کو لڑنا شروع کر دیا اور تھوڑے دنوں کے لئے اس پرانت میں راہ چلنا ناممکن کر دیا۔ ان کے ایک سردار فوجاع نے خلیفہ کے پاس آ کر یہ کہہ کر کہ میں اس پاس کے باغیوں کو شانت کرنا چاہتا ہوں کچھ استر شستر حاصل کر لئے اور یہر انھیں ہتھیاروں کی مدد سے اس سنگت کے سامنے تجارتی تھا دوسرے انیہ قادیوں کی لوٹ مار جاری کر دی۔ ابوہریرہ نے فوجاع کو پکڑوا منگایا اور اس دغا بازی کی سزا میں مدینہ کے قبرستان کے پاس زندہ چلوا دیا۔

عام طور پر ابو ہریرہ اپنے فیصلوں میں نرم دل تھا اور شرم میں آئے شتر کے ساتھ ادا کرنا کا ہنر کر لیا تھا۔ فوجاع کے سوا کی اور اشارہ کرتے ہوئے ابوہریرہ اپنے انت کے دنوں میں انٹر کیا کرتا تھا۔ ”یہ کام میری زندگی کے ان تین کاموں میں سے ہے جن کی بابت میں سوچتا ہوں کہ اگر میں نے یہ نہ کیے ہوتے تو اچھا تھا۔“ لیکن فوجاع کی یہ سزا دوسروں کے لئے ایک نصیحت ہو گئی۔ عرب کی اس سبب کی حالت پر اس کا دلونا اثر پڑا۔

یمن میں ابوہریرہ نے ایک ایرانی سردار فیروز کو ہاسک مقرر کر کے بھیجا۔ وہاں کے کچھ عربوں نے فیروز کے خلاف بغاوت کی لیکن بغاوت شانت کر دی گئی۔ اس پرکار معاصر اور اکرام نے حضرت کے صوبہ میں

دنکار کر دیا۔ سجاہ اپنی سنا سہت یاما سبہ کی اور
کی اور بادی۔

یاما کا سبہ اراب کے ٹوک بیک میں یوڈا سا پورب کی
کی اور ہے۔ یہاں پر بنی حنیفا نام کا ایک بڑا عیسائی قبیلہ آباد
تھا۔ ان لوگوں نے محمد صاحب کے سہ میں مدینہ کی سرکار
کو اپنی سرکار مان لیا تھا۔ لیکن اب وہ چالیس ہزار
کی تعداد میں اپنے ایک سردار موسیٰ کے ادھین بغاوت
پر آمادہ تھے۔ موسیٰ کچھ پہلے سے یوڈی کے دعویٰ کو دہا تھا
اور بنی حنیفا کے زیادہ تر لوگ اسیے اپنا شاکس مانتے تھے۔
ممکن ہے انہی وشواسی عیسائیوں کے دلوں میں اس سہ یہ
خیال یوڈا ہو رہا ہو کہ اگر عرب کے قدیم پت پرستوں میں
ایک مہان یوڈا ہو سکتا ہے تو عیسائیوں میں کیوں
نہیں؟

سجاہ اپنی سنا کے ساتھ موسیٰ سے جا کر مل
گئے۔ دونوں میں بات چیت ہوئی اور ان کے دل اس قدر مل گئے کہ یاما
کے یوڈی نے اعرات کی یوڈی کے ساتھ شادی کر لی۔ یاما صوبہ
کی آٹھی مال گذاری سجاہ کو سدا کے لئے دھوڑ (مہر) میں
دے دی گئی۔ چند روز کے بعد ہی اپنی زیادہ تر فوج موسیٰ
کے سپرد کر کے سجاہ اتر لی اور عرب کی سرحد کو پھر سے پار
کر اعرات لوٹ گئی۔ اس کے بعد اُس کی کوئی خبر نہیں ملی۔
البتہ بے انتظامی کے وقت میں کچھ دنوں تک تھوڑے سے اعراتی
گھوڑے سارا اُس کے نام پر یاما اور اُس کے پاس تھوڑے
بہت مال گذاری وصول کرتے رہے۔

ابوبکر نے اڈیما اور شوریہ بل کے ماتحت ایک فوجی ٹہری
موسیٰ کو پرست کرنے کے لئے پہلے ہی سے بھیج دی تھی۔ اُس
فوج نے موسیٰ کی وشال سنا سے بری طرح ہار کھائی۔ رومی
سارشد کے سب سے زیادہ اثر رومی سنا پر تھا۔ اسی پر انہیں
نے سب سے زیادہ دھن حربہ دیا اور اپنی فزلیت صرف کی تھی۔
خالد اب یاما کی اور یوڈا۔ اڈیما نامک مقام پر دونوں
اور رومی سناؤں میں بڑی گھمسان لڑائی ہوئی۔ دونوں اور کے
سیناؤں نے خوب دیر تا کہ جوہر دیکھے۔ آخر میں باغیوں کو
یوڈی ہٹا دیا۔ موسیٰ اپنے بچے ہوئے آدمیوں ساتھ
یوڈی ہٹ کر ایک باغ میں داخل ہوا اور اُس کا دروازہ بہتر
سے بند کر لیا۔ باغ کے باہر ایک اونچی چہاردیواری تھی۔
خالد کی عرب سنا نے باغ کو گھیر لیا۔ دروازہ کھلا موسیٰ اور
اُس کے سب ساتھی میدان میں کام آئے۔ یہ باغ
مسلم اٹھاس میں "موت کے باغ" کے نام سے مشہور
ہے۔ رومی خالد کی اور دہی، لیکن انہی زخمیوں کے علاوہ
360 مجاہد، قریب 300 انصار اور قریب 500 دوسرے

भारत की कलश, सभ्यता और इस्लाम

लड़ाई में क्रूरता की तरफ से लड़कर एक बार मोहम्मद साहब को परास्त किया था और जिसने मोहम्मद साहब की मौत से थोड़े ही दिनों पहले मुता की लड़ाई में रोमन सेना के हाथों से खोई हुई जीत छीनी थी, खालिद की इस समय सबसे पहले मदीने से उत्तर की ओर पैगम्बरी के एक नए दावेदार तोलैहा को जेर करने के लिये भेजा गया.

तोलहा बनी असद नाम के बागी कबीले का सरदार था. शाम की सरहद पर बनी रातफान नाम का एक दूसरा पुराना ईसाई कबीला था. बनी रातफान का एक सरदार उयेना सात सौ सिपाहियों के साथ तोलैहा से जा मिला. बोझाख़ाँ की लड़ाई में ख़ालिद ने दोनों बागी कबीलों की मुश्तरका फौज को शिकस्त दी. तोलैहा ने अपनी बीबी समेत भाग कर शाम में रोमी हुकूमत की सरहद के अन्दर पनाह ली. उयेना गिरफ्तार करके जंग के दूसरे क़ैदियों के साथ खलीफा के पास मदीने भेज दिया गया. खलीफा ने उयेना और उसके सब साथियों का माफ़ कर दिया और उन्हें आज़ाद करवा दिया. तोलैहा को भी माफ़ कर दिया गया. उसे इत्तला भेज दी गई. उसके दिल पर इसका असर हुआ. उसने फौरन शाम से अरब लौटकर इसलाम कुबूल कर लिया और इसके बाद ईरान के साथ अरबों की लड़ाइयों में उसने खूब वीरता के हाथ दिखाए. बनी असद और बनी रातफान दोनों कबीलों के लोगों ने अबुबक्र को मोहम्मद साहब का बारिस और अपना हाकिम मान लिया. ख़ालिद ने इसके बाद एक मदीना बोझाख़ाँ में रहकर आस पास के सूबों में फिर से अमन और आमान कायम किया. ख़ालिद के इतनी जल्दी फतह हासिल करने की एक खास वजह यह थी कि जबकि तोलैहा, उयेना और उनके थोड़े से साथी रोमी शासकों के हाथों में खेल रहे थे. ज्यादातर अरब मदीने की नई कौमी सरकार को अपनी सरकार समझते थे. बागियों की और अबुबक्र की मेहरबानी ने भी इस समय बहुत बड़ा काम दिया.

खालिद अब पूरब की ओर मुड़ा। इस ओर ईरान की खाड़ी के पास बनी तमीम नाम का एक बहुत बड़ा ईसाई कबीला था जिसकी अनेक शाखें उत्तर में इराक के अन्दर फ़िरात नदी तक फैली हुई थीं। इस कबीले की एक शाख का नाम बनी यरबोआ था। बनी यरबोआ की एक ईसाई औरत सजाह ने, जो बहुत दिनों से इराक में रहती थी, इस समय खुद पैगम्बरी का दावा किया, कई ईसाई कबीलों से एक बहुत बड़ी सेना लेकर, मदीने को घेर फरने के लिये, वह अरब की सरहद में दाखिल हुई। सरहद के इस पार बनी यरबोआ के लोगों ने सजाह का साथ दिया। लेकिन बनी तमीम के ज्यादातर लोगों ने सजाह का साथ देने से

عرب کی تعلیم سچا اور اہم

لوائی میں قریب کی طرف سے لوگو ایک بار محمد صاحب کو پرست کیا تھا اور جس نے محمد صاحب کی موت سے تہوار ہی دنوں پہلے متاع کی لوائی میں رومن سینا کے ہاتھوں سے کھوئی ہوئی جیت چھڑی تھی۔ خالد کو اس سب سے پہلے مدینہ سے اتر کی اور بیفہ بیوی کے ایک نندہ دعویدار طویلہا کو زہر کرنے کے اہم بھیجا گیا۔

طولیہا بنی اسد نام کے باقی قبیلے کا سردار تھا۔ شام کی سرحد پر بنی گتھان نام کا ایک دوسرا پرانا عیسائی قبیلہ تھا۔ بنی گتھان کا ایک سردار اُنیفہ سات سو سپاہیوں کے ساتھ طولیہا سے جا ملا۔ ہوزاخاں کی لڑائی میں خالد نے دونوں قبیلوں کی مشترکہ فوج کو شکست دی۔ طولیہا نے اپنی بھٹی سمیت ہواگ نر شام میں رومی حکومت کی سرحد کے نزدیک پناہ لی۔ اُنیفہ گردنار کو کے جنگ کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ خلیفہ کے پاس مرید بھیج دیا گیا۔ خلیفہ نے اُنیفہ اور اُس کے سب ساتھیوں کو معاف کر دیا اور انہیں آزاد کر دیا۔ طولیہا کو بھی معاف کر دیا گیا۔ اُسے اطلاع بھیج دی گئی۔ اُس کے دل پر اِس کا اثر ہوا۔ اُس نے فوراً شام سے عرب کوئی کر اسلام سوکار کر لیا اور اُس کے بعد اُزلان کے ساتھ عربوں کی لڑائیوں میں اُس نے خوب ویران کے واقعہ دیکھا۔ بنی اسد اور بنی گتھان دونوں قبیلوں کے لوگوں نے ابو بکر کو محمد صاحب کا وارث اور اپنا حاکم مان لیا۔ خالد نے اِس کے بعد ایک مہینہ ہوزا خان میں رہ کر اُس پاس کے صوبوں میں پور سے امن اور اُمان قائم کیا۔ خالد نے اپنی جلدی فتح حاصل کرنے کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ جب کہ طولیہا، اُنیفہ اور اُن کے پیروں سے ساتھی رومی شاہنشاہوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے، زیادہ تر عرب مدینہ کی نئی قومی سرکار کو اپنی سرکار سمجھتے تھے۔ باغیوں کی اور ابو بکر کی مہربانی نے بھی اِس سے بہت بڑا کم دیا۔

خالد اب یورپ کی اور مڑا۔ اُمی اور آدران کی کھڑی کے پلس ہلی قدم نام کا ایک بہت بڑا عسائی قبیلہ تھا جسکی انہک شاخیں اتر میں عراق کے اندر، نرات ندی تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اِس مہیلے ہی ایک شاخ کا نام ہلی یروا تھا۔ ہلی یروا کی ایک عسائی بھوی سچاہ لے جو بہت دُشوں سے لڑائی میں دھکی تھی اِس سمے خُود پھمبوری کا دعویٰ کیا اور کئی عسائی قبیلوں سے ایک بہت بڑی سفایا لے کر مدیلے کو زہر کرنے کے لئے عرب کی سرحد پہن داخل ہوئی۔ سرحد کے اِس پار ہلی یروا کے لوگوں نے سچاہ کا ساتھ دیا۔ لیکن ہلی قدم کے زیادہ تر لوگوں نے سچاہ کا ساتھ دینے سے

آوساما کی فوج شام تک بڑی چلی گئی۔ رومی سنا
پیچھے ہٹ چکی تھی۔ آوساما شام کی سرحد پر گئے کچھ
سرکھ عیسائی قبیلوں کو سزائیں دے کر جرمانے کے دھن
اور باغیوں کے ضبط شدہ مال کے ساتھ درمہلمہ کے بعد مدینہ
لوٹ آیا۔ شہر کی حفاظت کی فکر اب جانی رہی۔ ابوبکر نے
پھر تھوڑی سی سیلا لے کر مدینہ پر حملہ کرنے والے باغیوں
کو جو خدرا کے میدان میں پھر سے اکٹھا ہو رہے تھے، آخری
شکست دی۔ اس کے بعد ابوبکر پھر کبھی مدینہ سے باہر
جنگ کے اہل نہیں نکلا۔

اب صرف مدینہ سے باہر کی بغاوتوں کو ختم کرنے کا
مسئلہ باقی تھا۔ ابوبکر نے کل وفادار عرب سرداروں کو جمع
کھا اور جتنی فوج جمع کی جاسکی اُس کی ایک ایک گھڑیاں
بٹا کر انہیں الگ الگ دشاؤں میں روانہ کر دیا۔ ان سب
بغاوتوں کو شانت کر کے عرب کو پھر سے ایک راثریہ شاسن
کے ادھیں لائے میں ابوبکر کو پورا ایک سال لگ گیا۔ ان
فوجی دلیں میں جو خالد ابن ولید کے ماتحت بھیجا گیا اُس
نے بغاوت کو دبانے میں بہت تعریف کے قابل کام کیا۔ خالد کے
چرنے کو بیان کرتے ہوئے انہاس ایکھک سرولیم مہور لکھتا ہے—

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے شروع کے دنوں
میں ابوبکر اور عمر کے بعد سب سے ادھک مہان و مکتی ولید
کا بیٹا خالد تھا۔ اس بات کا سہرا سب سے ادھک اُس کے
سر ہاندھنا چاہئے کہ اسلام نے اتنی جلدی اپنی حالت کو
پھر سے مضبوط کر لیا اور اس کے بعد وہ اتنی ادھک تیزی کے
ساتھ پھیلنا چلا گیا۔ خالد ایک جانباز سپاہی تھا۔ اُس
کی بہادری جلد بازی کی حد کو پہنچی ہوئی تھی، لیکن
بہادری کے ساتھ ساتھ اُس میں ٹھنڈے دل سے اور ترنت
نصیلے تک پہنچنے کی بھی قابلیت تھی۔

”جن جنگ کے مہدائوں میں ایران کی بادشاہت اور
شام کی رومی شہنشاہیت دونوں کی ذمہ دت کا فیصلہ ہو گیا
انہوں خالد نے جو عملی ہوشیاری دکھائی، اُس کے سبب اُسے
دنیا کے بڑے سے بڑے سپہ سالاروں میں گنا جاتا ہے۔
بار بار لیکن ہوشہ عجیب و غریب ہوشیاری اور جانبازی کے
ساتھ اُس نے ایسی مصیبتوں کے وقت پائسے پھینک دیا جن
میں اگر وہ ہار جاتا تو اُس کی ہار کا مطلب اسلام کا خاتمہ
ہوتا۔“

خالد کی فہر معمولی بہادری کے سبب اسلام کے
انہاس میں اُسے ”سرف اللہ“ یعنی ”اللہ کی تلوار“ کے نام سے
پکرا جاتا ہے۔ یہ وہی خالد تھا جس نے احد کی

آوساما کی فوج شام تک بڑی چلی گئی۔ رومی سنا
پیچھے ہٹ چکی تھی۔ آوساما شام کی سرحد پر گئے کچھ
سرکھ عیسائی قبیلوں کو سزائیں دے کر جرمانے کے دھن
اور باغیوں کے ضبط شدہ مال کے ساتھ درمہلمہ کے بعد مدینہ
لوٹ آیا۔ شہر کی حفاظت کی فکر اب جانی رہی۔ ابوبکر نے
پھر تھوڑی سی سیلا لے کر مدینہ پر حملہ کرنے والے باغیوں
کو جو خدرا کے میدان میں پھر سے اکٹھا ہو رہے تھے، آخری
شکست دی۔ اس کے بعد ابوبکر پھر کبھی مدینہ سے باہر
جنگ کے اہل نہیں نکلا۔

اب صرف مدینہ سے باہر کی بغاوتوں کو ختم کرنے کا
مسئلہ باقی تھا۔ ابوبکر نے کل وفادار عرب سرداروں کو جمع
کھا اور جتنی فوج جمع کی جاسکی اُس کی ایک ایک گھڑیاں
بٹا کر انہیں الگ الگ دشاؤں میں روانہ کر دیا۔ ان سب
بغاوتوں کو شانت کر کے عرب کو پھر سے ایک راثریہ شاسن
کے ادھیں لائے میں ابوبکر کو پورا ایک سال لگ گیا۔ ان
فوجی دلیں میں جو خالد ابن ولید کے ماتحت بھیجا گیا اُس
نے بغاوت کو دبانے میں بہت تعریف کے قابل کام کیا۔ خالد کے
چرنے کو بیان کرتے ہوئے انہاس ایکھک سرولیم مہور لکھتا ہے—

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے شروع کے دنوں
میں ابوبکر اور عمر کے بعد سب سے ادھک مہان و مکتی ولید
کا بیٹا خالد تھا۔ اس بات کا سہرا سب سے ادھک اُس کے
سر ہاندھنا چاہئے کہ اسلام نے اتنی جلدی اپنی حالت کو
پھر سے مضبوط کر لیا اور اس کے بعد وہ اتنی ادھک تیزی کے
ساتھ پھیلنا چلا گیا۔ خالد ایک جانباز سپاہی تھا۔ اُس
کی بہادری جلد بازی کی حد کو پہنچی ہوئی تھی، لیکن
بہادری کے ساتھ ساتھ اُس میں ٹھنڈے دل سے اور ترنت
نصیلے تک پہنچنے کی بھی قابلیت تھی۔

”جن جنگ کے مہدائوں میں ایران کی بادشاہت اور
شام کی رومی شہنشاہیت دونوں کی ذمہ دت کا فیصلہ ہو گیا
انہوں خالد نے جو عملی ہوشیاری دکھائی، اُس کے سبب اُسے
دنیا کے بڑے سے بڑے سپہ سالاروں میں گنا جاتا ہے۔
بار بار لیکن ہوشہ عجیب و غریب ہوشیاری اور جانبازی کے
ساتھ اُس نے ایسی مصیبتوں کے وقت پائسے پھینک دیا جن
میں اگر وہ ہار جاتا تو اُس کی ہار کا مطلب اسلام کا خاتمہ
ہوتا۔“

خالد کی فہر معمولی بہادری کے سبب اسلام کے
انہاس میں اُسے ”سرف اللہ“ یعنی ”اللہ کی تلوار“ کے نام سے
پکرا جاتا ہے۔ یہ وہی خالد تھا جس نے احد کی

ابوبکر نے خیرج کے ساتھ عمر کو جواب دیا—

”یہی شہر کے چاروں طرف، کھنڈر اور بھڑکیوں کے گڑبڑ کے گڑبڑ میں رہے ہوں اور میں شہر کے اندر اکیلا رہ گیا ہوں۔ اب بھی میں جاتا رہوں گا۔ میرے مالک (محمود شاہ) کے ساتھ سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی خالی نہیں جاسکتا۔“

مومنین نے دیرینہ ابوبکر کی نیگاہیں اس زمانہ اس بات کی آواز ہو رہی تھیں کہ ان تمام بھارتوں کا اسلمی سرکار کا کھنڈر ہے۔ سنایا گیا، ابوبکر کو کچھ دیر تک پیدل آساما کے ساتھ ساتھ گیا۔ بدائی کے وقت ابوبکر نے آساما کو ان اظہار میں آدھیں دیا—

”دیکھنا بھارتوں سے بھارتوں کا رہنا، ابدل اور انصاف (نہایت) کے راستے سے جہاں بھی ابدل اور انصاف نہ ہوگا۔ کسی کو اننگ بھارت کی سزا نہ دینا۔ نہ کسی ہاک، یا بھارت یا بھارت کو قتل کرنا۔ بھارت کے درختوں کو آگ نہ لگانا نہ انہیں کسی طرح کا نقصان پہنچانا، نہ کسی بھارت کو کاٹنا جس سے آدمیوں یا جانوروں کو کھانا ملتا ہو۔ سوائے جہاں نرواہ کی ضرورت کے کسی بھارت کو آگ نہ لگانا۔ اس ملک کے لوگ جو کھانا تمہارے کھانے کے لئے اپنے بھارتوں میں لائیں اسے اللہ کا نام نہ کرنا۔ سر مانتا نہ سادھو اگر تمہاری مخالفت نہ کریں تو انہیں کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچانا۔ اب ان کے نام پر آگ نہ بھڑکے۔ ان کے گھروں اور وہاؤں سے تمہاری حفاظت کرے!“

آساما کے جانے کے بعد عرب کی جو حالات ہوئے اسے ایک لکھنے نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے—

”عرب میں چاروں اور بھارت ہونے لگی۔ لوگ اسلام کو بھارت لگے۔ نہ کسی سرکار کے خلاف کسی اور بھارتی گردن بھارت لگے۔ وہ کسی مسلمانوں کی مخالفت نہیں ہوئی جیسے بنا کثرت کی بھارتیں! ان کا رسول چاہتا تھا، ان کی تعداد بھارت دہی تھی اور ان کے دشمن بھارت تھے۔“

موقع پاکر کچھ باتیں نے نورا مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ سہیل آساما کے ساتھ روانہ ہو چکی تھی۔ ابوبکر نے عرب ہائے آدمی کو ہتھیار بند ہونے اور شہر کی حفاظت کے لئے سب کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ خود فوج کی کمانداری کی۔ لڑائی ہوئی۔ ہائی پراسٹ ہو کر تتر بتر ہو گئے۔ اس چڑھتی سی جہت کا عام عربوں کے دلوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس پلاس کے قبیلوں سے خراج مدینہ آئے گا۔

The Caliphate, its Rise, Decline and Fall, by William Muir, pp. 10-11.

عرب کی کلچر، سبھیتا اور اسلام

بشیر نائم پانڈے

[4]

بغداد کی پہلی خبر اتر میں شام کی سرحد پر کے ان صوبوں سے آئی جو محمد صاحب کے سہ میں بھی رومی سازشوں کا مرکز (کینٹر) رہ چکے تھے۔ دوسرے دھیرے دوسرے انہیں صوبوں سے بھی اسی طرح کی خبریں مدینہ پہنچنے لگیں۔ لیکن یہ سب بغاوتیں اتر، پورو اور دکھن کے صرف ان پرانوں میں ہوئیں جو روم یا ایران دونوں میں سے کسی کے ماتحت رہ چکے تھے۔ ان بغاوتوں میں حصہ لہے والے صرف یا تو کچھ عیسائی عرب قبیلے تھے یا وہ قبیلے تھے جو حال میں عیسائی سے مسلمان ہوئے تھے۔ قدرتی طور پر انہیں میں رومی لوگوں کی سازشیں سب سے زیادہ کامیاب ہوسکتی تھیں۔ روم اور ایران کی سرحد سے ہی یہ سب بغاوتیں شروع ہوئیں۔ ان بغاوتوں کا سب سے بڑا کھنڈر عرب کی سرحد سے بھی دور عراق کے اتر میں تھا جہاں سے سجادہ نام کی ایک عیسائی استری نے نکل کر عرب پر دغاوا کیا اور محمد صاحب کے بعد خود پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا۔

ایک بار معلوم ہوتا تھا کہ 23 برس کی ساری کوششیں بے کار گئیں۔

اسلام کے کوچ سے پہلے ہی اُس زمانے کے دوسرے سب سے بڑے عرب تہذیبیہ عمر نے آکر ابوبکر کو ان بغاوتوں کی افواہوں کی خبر دی۔ اُس نے اطلاع دی کہ کئی اور سے مدینہ پر حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور یہ صلح دی کہ مہنا نو شام جانے سے روک کر مدینہ کی حفاظت کے لئے رکھا جائے۔

ابوبکر کے نازک اور ان اہمیت کدھوں پر اس سہ بڑی گہری زمرداری تھی۔ کدول اُس کی سچائی، اُس کے دھڑچ، اُس کے سانس، اُس کی ویاہارک بدھی اور ان سب سے بڑھ کر ایک اللہ اور اُس کے رسول محمد پر اُس کی گہری شردھا نے اس سنگت کے سہ اُس کا ساتھ دیا۔ اسلام اور ابوبکر نے اس سنگت سے مدینہ، مکہ اور طائف جیسے خاص خاص عرب شہروں اور بچے کے وہ سب عرب قبیلے جو سیاسی قطعہ نظر سے کبھی دوسروں کے ماتحت نہ ہونے تھے اپنے ایمان پر نئی قومی سرکار کی اور اپنی وفاداری میں یکم رہے۔

ایک بار معلوم ہوتا تھا کہ 23 برس کی ساری کوششیں بے کار گئیں۔

ایک بار معلوم ہوتا تھا کہ 23 برس کی ساری کوششیں بے کار گئیں۔

اسلام کے کوچ سے پہلے ہی اُس زمانے کے دوسرے سب سے بڑے عرب تہذیبیہ عمر نے آکر ابوبکر کو ان بغاوتوں کی افواہوں کی خبر دی۔ اُس نے اطلاع دی کہ کئی اور سے مدینہ پر حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور یہ صلح دی کہ مہنا نو شام جانے سے روک کر مدینہ کی حفاظت کے لئے رکھا جائے۔

ابوبکر کے نازک اور ان اہمیت کدھوں پر اس سہ بڑی گہری زمرداری تھی۔ کدول اُس کی سچائی، اُس کے دھڑچ، اُس کے سانس، اُس کی ویاہارک بدھی اور ان سب سے بڑھ کر ایک اللہ اور اُس کے رسول محمد پر اُس کی گہری شردھا نے اس سنگت کے سہ اُس کا ساتھ دیا۔ اسلام اور ابوبکر نے اس سنگت سے مدینہ، مکہ اور طائف جیسے خاص خاص عرب شہروں اور بچے کے وہ سب عرب قبیلے جو سیاسی قطعہ نظر سے کبھی دوسروں کے ماتحت نہ ہونے تھے اپنے ایمان پر نئی قومی سرکار کی اور اپنی وفاداری میں یکم رہے۔

गजल

श्री सभादत्त 'नजीर' एम.ए.

कई इन्कलाब1 देखे, सुने कितने ही फसाने2 !
मुझे क्या फरेब 3 दे'गे तेरे वादे या बहाने !
मेरे तजरबों ने आखिर किया राक्ष आशकारा4,
कि हैं जालसाजियों 5 के यह तमाम कारखाने.
न वह बलबले6 हैं बाक्री, न बुलन्द होसले7 हैं,
उन्हें आखें ढूँढ़ती हैं, जो गुश्चर गये जमाने,
मेरी कमनसीबियों ने मेरी आस8 को न तोड़ा.
मेरी खिन्दगी ने ठुकरा दिये मार्ग9 के बहाने.
कहीं अज्र10 बन के बरसे, कहीं मिस्ल राव11 गरजे,
बने इन्कलाब आवर12 मेरे इश्क13 के तराने.
मैं मिटा के चैन लूँगा तेरे नादरी चलन को,
मैं लुटा ही के रहूँगा तरे जौर14 के खजाने.
मुझे! बर्क15 देखना है ! तू जलाएगी कहाँ तक?
मैं नये-नये बनाता ही रहूँगा आशियाने16.
मेरी कोशिशों यही हैं कि बहार ऐसी आये,
कि जहाँ से बुलबुलों की सुने गुल17 नये तराने.
मेरा इश्क एक मोअम्मा,18 मेरी जीस्त19 एक ओक़दा20,
जो है खीराऊर 21 समझे, जो है दर्दमन्द, जाने
तेरी बयम22 में पलट कर मैं अब आऊँ या न आऊँ,
न मुला सकेगी दुनिया मेरे दर्द के फसाने
यह 'नजीर' ! रंज23 कैसा ? वही फिर बना ले माला !
कि फ़क़त समेटना हैं, जो बिखर गये हैं दाने.

1. क्रान्ति 2. कहानी 3. धोखा 4. भेद का खुल जाना 5. धोखेबाजियाँ 6. जोश 7. इरादे 8. चम मोद 9. मृत्यु 10. बादल 11. बिजली 12. क्रान्ति लानेवाले 13. प्रेम 14. अत्याचार 15. बिजली 16. घोंसले, घर 17. फूल 18. समस्या 19. जीवन 20. भेद 21. बुद्धिमान 22. सभा 23. दुख.

ग़ज़ल

शरी सعادत 'नظير' ایم. اے .

कئی انقلاب 1 دیکھے، سلم کتنے ہی نسالے2 !
مجھے کیا فریب 3 دیکھے ترے وعدے یا بہانے !
میرے تجربوں نے آخر کیا راز آشکارا4،
کہ میں جعل سازیں 5 کے یہ تمام کارخانے .
نہ وہ رولے 6 میں باقی، نہ بلند حوصلے 7 میں،
انہیں آنکھیں نہ دیکھتی ہیں، جو گزر گئے زمانے .
میری کم نصیبیوں نے میری آس 8 کو نہ توڑا،
میری زندگی نے ٹھکرا دینے مرگ 9 کے بہانے .
کہیں ابر 10 بن کے بر سے، کہیں مثل رعد 11 گرے،
بہ انقلاب اور 12 میرے عشق 13 کے ترالے .
میں مٹ کے چاروں لونگا ترے نادری چلن کو،
میں لٹا ہی کے رہونگا ترے جور 14 کے خزانے .
مجھے برق 15 ! دیکھنا ہے ! تو جلائیگی کہاں تک ؟
میں لٹے لٹے بنانا ہی رہوں گا آشیانے 16 .
میری کوششوں بھی ہوں کہ بہار ایسی آئے،
کہ جہاں سے بلبلوں کی سنیں گل 17 لٹے ترالے .
میرا عشق اک معمہ، 18 میری زیست 19 ایک عقدہ، 20
جو ہے فی شہر 21 سمجھے، جو ہے درد مند، جانے .
میری بزم 22 میں پلٹکر میں اب آؤں یا نہ آؤں،
نہ پہلا سکھ کی دنیا میرے درد کے نسالے .
یہ 'نظیر' ! رنج 23 کوسا ؟ وہی پھر بنالے نہ لا !
کہ فقط سمیٹنا ہیں، جو بکھر گئے ہوں دالے .

1. کرانتی؛ 2. کہانی؛ 3. دھوکا؛ 4. بھدکا کھل جانا؛ 5. دھوکے بازیابی؛ 6. جوش؛ 7. ایرادے؛ 8. امید؛ 9. مرید؛ 10. بادل؛ 11. بجلی؛ 12. کرانتی لے والے؛ 13. پریم؛ 14. اٹھا چار؛ 15. بجلی؛ 16. گھونسلے؛ 17. گھر؛ 18. سمسما؛ 19. جہیز؛ 20. ہود؛ 21. سمیٹنا؛ 22. سبھا؛ 23. دکھ .

کيا کيس سے	صفحہ	سفر	کيا کيس سے
1. غزل	...	251	...
— شری سعادت ’نظیر‘ ایم۔ اے۔	...	251	...
2. عرب سبھتا اور اسلام	...	252	...
— رشومیر ناتھ پانڈے	...	252	...
3. هندستان اور اسلام	...	260	...
— ڈاکٹر سید محمود — انگریزی سے انوادک	...	260	...
— وی۔ نا۔ پانڈے	...	260	...
4. سن 1905 کا سوبدشی آندولن اور مہرا	...	265	...
— راجنیک جہن	...	265	...
— پلڈت سندر لال	...	265	...
5. محمد صاحب کی کچھ حدیثوں	...	272	...
— ڈاکٹر مرزا ابوالفضل	...	272	...
— انوادک شری محبوب رضوی	...	272	...
6. رباعیات محب	...	277	...
— شری ’محب‘	...	277	...
7. انہما میں ایکتا یعنی کثرت میں وحدت	...	282	...
— ڈاکٹر بھوانی داس	...	282	...
8. ٹوپیاں اور جھنڈیاں	...	290	...
— شری عبداللہم انصاری	...	290	...
9. کچھ کتابیں	...	295	...
10. دیہی کی حالت پر ایک خط — پلڈت سندر لال	...	297	...
— دیہی کی حالت پر ایک خط — پلڈت سندر لال	...	297	...

हिन्दुस्तान नव्या हिन्द

نمبر 6 نمبر 24 جلد 24 جلد

دسمبر 1957

ہندوستانی کلچر سوسائٹی
145، مٹی کتب، آباد
ہندوستان کا کلچر
145، مٹی کتب، آباد

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editor

Suresh Ramabhai

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.

Can be had from —

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

نیا چہ نسا

اس نمبر کے خاص لیکھ

عرب کی کلتور، سہمتا اور اسلام

—ویربمبھرناتھ پاڈے

—ویربمبھرناتھ پاڈے

ہندوستان اور اسلام

ہندوستان اور اسلام

—ڈاکٹر سید محمد

—ڈاکٹر سید محمد

انگریزی سے انگریزی

—انگریزی سے انگریزی

—دی. نا. پاڈے

دی. نا. پاڈے

سن 1905 کا سبدرشی آندولن
اور میرا راجنیتک جیون

سن 1905 کا سبدرشی آندولن
اور میرا راجنیتک جیون

—پڈیت سندر لال

—پڈیت سندر لال

انہکنا میں ایکتا یاہی
کسرات میں بھدھت

انہکنا میں ایکتا یاہی
کثرت میں وحدت

—ڈاکٹر بھگوانداس

—ڈاکٹر بھگوانداس

ہماری راء

ہماری راء

دیرا کی ہالاکت پر کھت

دیرا کی ہالاکت پر کھت

—پڈیت سندر لال

—پڈیت سندر لال



ہمارے گھر

کتابوں پر ہر طرح کی کتابیں
کا ایک بڑا کیندر—پاٹھک ہندی، اردو،
انگریزی اور ہندی من-پسند کتابوں
کے لیے ہیں لکھیں

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

লেখক—گاندھیواک کے مانے جانے
विद्वान : श्री मंथर अली साठवा
सके 225, क्रिमल दो रुपया

—:0:—

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

লেখিকা—क्रुसिया जौदी

भूमिका—पंडित जवाहरलाल नेहरू
मोटा कागज, मोटा टाइट, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें
दाम दो रुपया

—:0:—

पंडित मुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सके, दाम दारु रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सके, दाम बारह आने

महामा गान्धी के बलिदान से सबक

क्रिमल बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

क्रिमल बार आने

बंगाल और उससे सबक

क्रिमल बार आने

हिन्दी साहित्य कलचर सोसायटी

145 मुहम्मद इकबाल

ظہور ہر طرح کی کتابیں
کا ایک بڑا کیندر—پاٹھک ہندی
اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے
لیے ہیں لکھیں

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

লেখক—گاندھیواک کے مانے جانے
विद्वान : श्री मंथर अली साठवा
सके 225, क्रिमल दो रुपया

—:0:—

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

লেখিকা—क्रुसिया जौदी

भूमिका—पंडित जवाहरलाल नेहरू
मोटा कागज, मोटा टाइट, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें
दाम दो रुपया

—:0:—

पंडित मुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सके, दाम दारु रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सके, दाम बारह आने

महामा गान्धी के बलिदान से सबक

क्रिमल बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

क्रिमल बार आने

बंगाल और उससे सबक

क्रिमल बार आने

हिन्दी साहित्य कलचर सोसायटी

145 मुहम्मद इकबाल

ہجرت موہممہ اور اسسسام

لکھک—پرنیٹ سندرلال، مکتب—تین روپيا
اسلام کے بانی کے سبب سے ہجرت کے بارے میں اس کے
مکتب کو دوسری کتاب نہیں

ہجرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

لکھک—پرنیٹ سندرلال، مکتب—تین روپيا

مہاتما جرجیو اور ایرانی سہسکرتی

لکھک—ویربھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپيا

یہودی دھرم اور سامی سہسکرتی

لکھک—ویربھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپيا

پراچین مصر کی سہسکرتی اور سہسکرتی

لکھک—ویربھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپيا

سومر بابول اور اسوریہ کی پراچین سہسکرتی

لکھک—ویربھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپيا

پراچین یونانی سہسکرتی اور سہسکرتی

لکھک—ویربھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپيا

گنگا سے گومتی تک

(پراچین کھانی سہسکرتی)

لکھک—شری مونی راجی، قیمت—دو روپيا

آگ اور آس

(پراچین سامی کھانی)

لکھک—ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، قیمت—تین روپيا

کوران اور دھرمک مہسکرتی

لکھک—مولانا ابولکلام آزاد، قیمت—تین روپيا

مکتب

(پراچین کھانی کا سہسکرتی)

لکھک—رہنما سہسکرتی، قیمت—تین روپيا

مکتب کا پتا

ہجرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

لکھک—پرنیٹ سندرلال، مکتب—تین روپيا

اسلام کے بانی کے سبب سے ہجرت کے بارے میں اس کے
مکتب کو دوسری کتاب نہیں

ہجرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

لکھک—پرنیٹ سندرلال، مکتب—تین روپيا

مہاتما جرجیو اور ایرانی سہسکرتی

لکھک—ویربھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپيا

یہودی دھرم اور سامی سہسکرتی

لکھک—ویربھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپيا

پراچین مصر کی سہسکرتی اور سہسکرتی

لکھک—ویربھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپيا

سومر بابول اور اسوریہ کی پراچین سہسکرتی

لکھک—ویربھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپيا

پراچین یونانی سہسکرتی اور سہسکرتی

لکھک—ویربھرناتھ پاڈے، قیمت—دو روپيا

گنگا سے گومتی تک

(پراچین کھانی سہسکرتی)

لکھک—شری مونی راجی، قیمت—دو روپيا

آگ اور آس

(پراچین سامی کھانی)

لکھک—ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، قیمت—تین روپيا

کوران اور دھرمک مہسکرتی

لکھک—مولانا ابولکلام آزاد، قیمت—تین روپيا

مکتب

(پراچین کھانی کا سہسکرتی)

لکھک—رہنما سہسکرتی، قیمت—تین روپيا

ہندستانی کلچر سوسائٹی کولچر سوسائٹی

145 سٹیونز، کولچر سوسائٹی

कानून से मुक्त है कि उनके सामने सरकारी प्रणय भाव का कोई असली प्रणय नहीं। सरकारी प्रणय पं० जवाहर लाल नेहरू और उनकी सरकार को गिराने का है, देश की इस समय की स्थिति में यह जानकर कि इस तरह के नासमझ और खतरनाक लोग भी अभी तक देश में मौजूद हैं हमारा दिल काँप उठता है। कुछ सिख भाइयों, सिख अफसरों, वगैरे के पक्षपात पूर्ण व्यवहार और कुचरित्र तक की शिकायतें सुनने में आई हैं। यदि ऐसा है तो जिन्हें ऐसी शिकायतें हैं उनका फर्ज है कि उन्हें प्रेम के साथ मास्टर तारासिंह और शिरोमणि गुरुद्वारा प्रबन्धक कमेटी के नोटिस में लायें। और मास्टर तारासिंह और शिरोमणि गुरुद्वारा प्रबन्धक कमेटी का धर्म है कि इस तरह की शिकायतों की पूरी जाँच करके पंजाब के अन्दर सिखों के चरित्र को ऊँचा, निष्पक्ष और सबके लिये प्रेम भरा बनाने की पूरी कोशिश करें। कम से कम इस तरह के रोग का यह इलाज नहीं है कि देश भर में या प्रान्त भर में वैमनस्य की आग बढ़ादी जावे।

भाषाएँ और लिपियाँ सदा बदलती रही हैं, और बदलती रहेगी. हिन्दी भाषा के प्रेमियों से हमारी बिनम्र प्रार्थना है कि वे देश की सब दूसरी भाषाओं से प्रेम दर्शाकर और उनकी उन्नति चाह कर ही राष्ट्र-भाषा हिन्दी का सच्चा भला कर सकते हैं. दूसरों भाषाओं से देश पैदा करके कदापि नहीं कर सकते. पंजाब की जनता और पंजाब के सब देश-सेवकों से हमारी प्रार्थना है कि वे जिस तरह भी और जितनी जल्दी हो सके इस मगड़े को खतम करें और सिखों, हिन्दुओं और सब पंजाब निवासियों में प्रेम और मेल मिलाप को बढ़ाने, मजबूत करने और बनाए रखने का हर तरह प्रयत्न करें. इसी में उनका भला है, इसी में देश का भला है. इसके विपरीत रास्ता बरबादी का रास्ता है.

और हिन्दी को पंजाबी के बराबर समझ रहे हैं।
 हम जानते हैं कि हिन्दी को बोलने वाले हैं तो हमें
 और हिन्दी को पढ़ने वाले हैं। और हिन्दी कहाँ
 खड़े हैं? हिन्दी पढ़ने वाला कर रहा है? कौन
 किसका हिन्दी पढ़ने वाला कर रहा है? हाल के पंजाब
 के दूरे में हम लोगों को पता चला है, कोई भी
 सिख हिन्दी पढ़ने से इंकार नहीं कर रहा है। इन्कार
 कबल कुछ हिन्दुओं को पंजाबी या गुजमुखी पढ़ने से है।
 एक दिन इस आन्दोलन का नाम हिन्दी रक्षा आन्दोलन
 की जगह पंजाबी रक्षा आन्दोलन याद आया ठीक
 होना। इसका फलफल यह है, दो ही उपाय हो सकते हैं।
 १. जो जो हिन्दी बोलने वाले हैं वो बोलने वाले को पंजाबी
 पंजाबी के बजाय पंजाबी सूबा और जिन में बोल
 जाने की जरूरत हिन्दी है उनका एक हिन्दी सूबा, दो अलग
 अलग सूबे, ईशान्वारी के साथ बना दिये जावे और या
 अगर सारे पंजाब का एक 'सूबा' या एक 'राज' रखना है
 तो जरूरी है कि पंजाबी इलाके में अधिकतर काम पंजाबी में
 हो और हिन्दी इलाके में हिन्दी में, और सिख और हिन्दू
 और और सब लोग, पंजाबी बोलने वाले और हिन्दी बोलने
 वाले सब प्रेम के साथ दोनों भाषाएँ और दोनों लिपियाँ
 अच्छी तरह सीखें जिस से सारे पंजाब के सब कामों में
 सबको आसानी हो। जरूरत इस बात की है कि दिलों में
 बजाय नफरतों, डरों और दुश्मनियों के प्रेम, विश्वास और
 मर्हमारे के भाव हों।

اور اس سے پہلے کی ہرگز خطروں کی طرح خطروں نہیں کر
 سکتے تھے۔

جب ہم ”ہندی کی شکشا“ کی بات سنتے ہیں تو ہمیں
 پور ہی اچرچ ہوتا ہے۔ پنجاب کے اندر ہندی کہاں خطرہ
 میں ہے؟ کین ہندی پر حملہ کر رہا ہے؟ کین نفس کو
 ہندی پڑھ پڑھانے سے روک رہا ہے؟ حال کے پنجاب کے
 دورے میں ہم سینکڑوں سکھ بھائیوں سے باتیں کر چکے ہوں،
 کوئی بھی سکھ ہندی پڑھنے سے انکار نہیں کر رہا ہے۔ انکار قبول
 کچھ ہندوؤں کو پنجابی یا گرمکھی پڑھنے سے ہے۔ تب پھر اس
 آندولن کا نام ہندی رکھا آندولن کی جگہ پنجابی وندروہی
 آندولن شاید زیادہ ٹھیک ہوتا۔ علی بالکل صاف ہے۔ دو ہی
 اپنا ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ جن عقیدوں کی بول چال
 کی زبان ہندی ہے ان کا ایک ہندی صوبہ، دو الگ الگ
 صوبہ اہمیتداری کے ساتھ بنادئے جائیں۔ اور یا اگر سارے پنجاب
 کا ایک ’صوبہ‘ یا ایک ’راج‘ رکھا تو ضرور ہے کہ پنجابی
 علاقہ میں اہمتر کام پنجابی میں ہو اور ہندی علاقہ میں
 ہندی میں، اور سکھ اور ہندو اور سب لوگ، پنجابی بولنے
 والے اور ہندی بولنے والے، سب پریم سے ساتھ دونوں بھائی ہیں اور
 دونوں لہاں اچھی طرح سمجھیں جن سے سارے پنجاب کے
 سب گھروں میں سب کو آسانی ہو۔ ضرورت اس بات کی ہے
 کہ دلوں میں بھائیہ نغرتوں، کڑوں اور دشمنیوں کے درمیان
 اور بھائی چارے کے بہاؤ میں۔

की मदद देकर सीरिया पर हमला करने के लिए एकसाथ
 गया, रूस ने इजरेल को आगाह कर दिया, उधर से भी
 मामला रुक गया फिर टरकी को मदद देकर सीरिया पर
 हमला करने के जिये तैयार किया गया, टरकी में रुम बिगोची
 अमरीकी प्रोपैगैन्डा इस समय पूरे जोर पर है, रूस ने फिर
 टरकी को भी चेतावनी दी। मामला इस समय यहीं पर
 अटक हुआ है। दुनिया भर के लिये जिस तरह के खतरे
 का मुक़ाम आज सीरिया बना हुआ है उसी तरह के खतरे
 के मुक़ाम एक दर्जन और चारों तरफ़, खासकर भारत के
 चारों तरफ़, फैले हुए हैं। इन्हीं में से एक मुक़ाम हमारी ठीक
 उत्तर-पच्छिमी सरहद पर भी है। इन हालतों में आजकल
 की कोई लड़ाई सारी दुनिया को अपने घेरे में लपेटे बिना
 नहीं रह सकती। किसी की भी मूल, ग़लती या बेपरवाही से
 कल कहां क्या होजावे कोई नहीं कह सकता। हमें अपने देश
 की हालत और अपने सम्बन्धों का भी पता है, ऐसी
 परिस्थिति में पंजाब जैसी सरहद के ऊपर देशवासियों के एक
 गिरोह को दूसरे गिरोह के विरुद्ध भड़का देने से बढ़कर देश
 की नई आजादी को खतरे में डाल देने का दूसरा काम नहीं
 हो सकता, और वह इसलिये कि देश की दोप्यारी भाषाओं,
 पंजाबी और हिन्दी में से सरकारी काराज एक में लिखे
 जावे या दूसरी में या दोनों में, या इसलिये कि बारह-
 खड़ी के अक्षर एक तरह लिखे जावे या दूसरी तरह।

हम अपने हिन्दी रक्षा समिति के भाइयों से यह कहे बिना भी नहीं रह सकते कि अपने इस सलत और कुममय के आन्दोलन से उन्होंने सबसे अधिक नुकसान राष्ट्र भाषा हिन्दी को पहुँचाया है . हमने पचास बरस हिन्दी की सेवा की है . हमें यह देखकर दुःख होता है कि बंगाल के और खासकर दक्षिण के वह भाई जो पहले भी हमारे इसी अंधे-पन और हमारी कट्टरता के कारण हिन्दी से कुछ बिदके बिदके रहते थे और अंगरेजी को उसकी आजकल की जगह से हटाना नहीं चाहते थे उनकी आशाएँ पंजाब के इस हिन्दी रक्षा आन्दोलन से बेहद बढ़ गई हैं . पूरब और दक्खिन के हिन्दी विरोधी आन्दोलन को बेहद बल मिल गया है . हिन्दी रक्षा समिति के नेताओं के बयान दक्षिण में खूब छापे जा रहे हैं . उनका कहना है कि अगर पंजाब के पंजाबी बोलने वाले हिन्दी-प्रेमी पंजाबी को नहीं सह सकते तो इस तरह हिन्दी प्रेमियों से तमिल और तेलगू के भले की क्या आशा हो सकती है ! उनके कहने में बहुत कुछ सच्चाई भी दिख गई है . इसमें ज़रा भी सन्देह नहीं कि यदि यह हिन्दी रक्षा आन्दोलन उसी तरह कुछ दिनों और चलता रहा तो भारत की पाजिमेन्ट के अन्दर राष्ट्र भाषा हिन्दी का अंगरेजी का स्थान दिया जा सकता पीढ़ियों दूर चला जावेगा . देश के कई कई दुकनों

نئی متحد دہ سے کر سہریا پر حملہ کرنے کے لئے اگست ۱۹۱۷ء
 روس نے 'موئیل کو اٹکا کر دیا'۔ آخر سے یہی معاملہ رک گیا
 پھر ترکی کو متحدہ سے کر سہریا پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا گیا
 ترکی میں دوسری امویکی پروپاگنڈا اس سہ زور پر ہے، روس
 نے پھر ترکی کو بھی چٹاؤنی دی۔ معاملہ اس سہ یہیں پر
 اٹکا ہوا ہے۔ دنیا بھر کے لئے جس طرح کے خطرے کا مقام
 آج سہریا بنا ہوا ہے اسی طرح کے خطرے کے مقام ایک درجن
 اور چاروں طرف، خاص کر 'ہارت کے چاروں طرف' پہلے ہوئے
 ہیں۔ 'نہیں میں سے ایک مقام ہمارے ٹھیک اتر پچھمی
 سرحد پر بھی ہے۔ ان حالتوں میں آجکل کی کوئی لڑائی
 ساری دنیا کو اپنے بچھڑے میں لپیٹے بنا نہیں رہ سکتی۔ کسی
 کی بھی بھول' غلطی یا بے پرواہی سے کل کہیں کیا ہو جارہ
 کوئی نہیں کہہ سکتا۔ ہمیں اپنے دیہ کی حالت اور
 سبب دہلیوں کا بھی پتہ ہے۔ ایسی پرستہتی میں پنجاب جیسی
 سرحد کے اوپر دیہی واسیوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے
 وردہ بیڑکا دینے سے بڑھ کر دیہ کی نئی آزادی کو خطرے میں
 ڈال دینے کا دوسرا کام نہیں ہو سکتا اور وہ اس لئے کہ دیہ کی
 دو بھاری 'ہاشائوں' پنجابی اور ہندی' میں سے سرکاری کافڈ
 ایک میں لکھے جاویں یا دوسری میں یا دونوں میں، یا
 اس لئے کہ بارہ کھڑی کے اکشہر ایک طرح لکھے جاویں یا
 دوسری طرح۔

ہم اپنے ہندی رکشا ستمی کے ہاتھوں سے یہ کہہ بنا بھی نہیں رہ سکتے کہ اپنے اس غلط اور سہ کے آندولن سے انہوں نے سب سے اندھک نقصان راشترو پاشا ہندی کو پہنچایا ہے۔ ہم نے پچاس برس ہندی کی سدا کی ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ انگل کے اور خاص کر دکن کے وہ بیانی جو پہلے ہی ہمارے اس اندھے پن اور ہماری کوتاہی کے کارن ہندی سے کچھ بد کے بد کے رہتے تھے اور انگریزوں کو اس کی آجکل کی جگہ سے ہٹانا ہمیں چاہتے تھے ان کی شکایاتوں پنجاب کے اس ہندی شکشا آندولن سے بے چارہ ہر گئی ہیں۔ یورپ اور دکن کے ہندی ورہمی آندولن کو بے حد بل مل گیا ہے۔ ہندی شکشا سمیٹی کے نمائندوں کے بیان بھی خوب چہ لے جا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر پنجاب کے پنجابی ہولاء والے ہندی برہمنی ہندوئی کو نہیں سہہ سکتے تو اس طرح کے ہندی برہمنوں سے نمل اور تملکو کے ہیلے کی کہا آشا ہو سکتی ہے! ان کے کہنا میں بہت کچھ سچائی بھی دکھائی دیتی ہے۔ اس میں ذرا بھی سندیہ نہیں کہ ہندی بہ ہندی شکشا آندولن اسی طرح کچھ دنوں اور چلتا رہا تو بھارت کی پارلیمنٹ کے اندر راشترو پاشا ہندی کو انگریزوں کا استہان دیا جاسکتا ہے۔ ہمیں دور چلا جاوے گا۔ دیہی کے کئی کئی گروہ

और क्रोमती उपदेश दिये. साथ ही पंजाबी में गढ़ी-से-गढ़ी गाने भी सैकड़ों घरस से लाहौर और अमृतसर की गलियों में गाए जाते रहे हैं. और आज तक गाए जाते हैं. सच यह है कि दुनिया की कोई भाषा न पाक है और न नापाक. न संस्कृत अरबी से ज़ियादह पाक और न अरबी संस्कृत से ज़ियादह पाक, और न इन दोनों में से कोई चीनी, जापानी, रूसी, लातीनी, फ्रांसीसी या दुनिया की किसी और भाषा से ज़ियादह पाक है. या यूँ कहिये कि दुनिया की सब भाषाएँ एक बराबर पाक और एक बराबर नापाक हैं. न कोई भाषा दवताओं की भाषा है और न कोई बोली फ़रिश्तों की बोली है. भाषाएँ और बोलियाँ सब आदमियों की बोलियाँ हैं. कम या अधिक सब में अच्छी चीज़ें भी मिलेंगी और बुरी चीज़ें भी. भाषा केवल एक साधन है (बचारों के आदान प्रदान का. भाषा कोई देवी या दवता नहीं. जो भाषा जिस समय जहाँ जिन हालात में हमें सब से अच्छा काम दे वही उस समय के लिये सब से अधिक उचित है. इस तरह के अंधविश्वास, या मूढ़प्राह किसी भी देश या क्रौम का मिटा सकते हैं, उनमें फूट डाल सकते हैं, उन्हें बरबाद कर सकते हैं, पर उनकी उन्नति या विकास में सहायक नहीं हो सकते. यह अलग बात है कि किसी को किसी भाषा में अपने धर्म ग्रंथ होाने के कारण या उसके अपनी मातृ भाषा होाने के कारण उससे विशेष प्रेम या दिलचस्पी हो. पर यह दिनचर्या किसी दूसरी भाषा से द्वेष क कारण नहीं होाना चाहिये. हमें इस तरह की सब बातों में यह अपने दिलपर जमा लेना चाहिये कि सब की उन्नति में ही हर एक की उन्नत और सब के भले में ही हर एक का भला है.

दुनिया की अन्तर राष्ट्रीय स्थिति स जो आदर्शों कुछ भी परिचित है वह देख सकता है कि दुनिया इस वक्त एक बहुत बड़े सकट में से निकल रहा है, जगह जगह वह खतरनाक मसाले जमा हो रहे हैं और भयंकर स्थितियाँ पैदा हो रही हैं जो कि सा समय भी कहाँ भी भड़क कर सारी दुनिया की आजादी, खुशहाली और उसके वजूद तक का खतरे में डाल सकता है, केवल एक मिसाल काफ़ी होगी, हाल में सीरिया यानी शाम की सरकार को हथियारों की जरूरत पड़ी, उन्होंने अमरीका से हथियार खरीदना चाहा, अमरीका ने बेतुकी शर्तें पेश कर दीं, सीरिया ने रूस से बात की, रूस ने बिना शर्त सीरिया के हाथ हथियार बेचना मंजूर कर लिया, हथियार खरीद लिये गए, अमरीका ने सीरिया को धमकी दी, अमरीकी जहाज़ी बेड़ा सीरिया के किनारे पर आ धमका, सीरिया चबराचा, कि इतने में रूसी जहाज़ी बेड़ा भी वहाँ आ पहुँचा, अमरीकी मंसूबे कुछ देर के लिये ठूँडे होगए, अब इजरेल को हथियारों

اور کوئی ایسا نہیں تھا۔ ساتھ ہی پہچانی میں گندہ سے گندہ لگے بھی سیکڑوں سے لاکھوں اور اسریر کی گلیوں میں گتہ جارہے ہیں اور آج تک لگتے جاتے ہیں۔ سوچ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی بھاشا پاک ہے نہ ناپاک۔ نہ سنسکرت عربی سے زیادہ پاک اور نہ عربی سنسکرت سے زیادہ پاک، اور نہ ان دونوں میں سے کوئی چھٹی، جاپانی، روسی، اطالوی، فرانسیسی یا دنیا کی کسی اور بھاشا سے پاک ہے۔ یا ہوں کہہ کہ دنیا کی سب بھاشائیں ایک برابر پاک اور ایک برابر ناپاک ہیں۔ نہ توئی بھاشا دیوتاؤں کی بھاشا ہے اور نہ کوئی بولی فرشتوں کی بولی ہے۔ بھاشائیں اور بولیاں سب آدمیوں کی بولیاں ہیں۔ کم یا ادھک سب میں اچھی چیزیں بھی مایں گی اور بری چیزیں بھی۔ بھاشا کیوں ایک سادہانہ ہے وچاروں کے آدان پر دان کا۔ بھاشا کوئی دیوی یا دیوتا نہیں۔ جو بھاشا جس سے جہاں جس حالت میں ہمیں سب سے اچھا کام دے وہی اس سے لے سب سے آدمک اچھا ہے۔ اس طرح کے اندھ و سواس، یا مڑ گراہ لسی بھی دیہی یا قوم کو مٹا سکتے ہوں، ان میں بدوٹ ڈال سکتے ہوں، انہیں برباد کر سکتے ہوں، پر ان کی اننتی یا دکھ میں سہایک نہیں ہو سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کو کسی بھاشا میں اپنے دھرم گرنٹھ ہونے کے کارن یا اس کے اپنی مائتر بھاشا ہونے کے کارن اس سے وشیش پریم یا لچسپی کسی دوسری بھاشا سے دوش کا کارن نہیں ہونی چاہئے۔ اس طرح کی سب باتوں میں یہ اپنے دل پر جما ایسا چاہئے نہ سب کی اننتی اور سب کے ہالے میں ہی ہر ایک کا ہلا ہے۔

دنیا کی اکثر راشٹری استہتی سے جو آدمی کچھ بھی پرہیز کرتا ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ دنیا اس وقت ایک بہت بڑے سنگت میں سے نکل رہی ہے۔ جگہ جگہ، وہ خطرناک مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ اور ہینکر استہتیاں پیدا ہو رہی ہیں جو کسی سمجھی نہیں گئی ہیں۔ یہ تو کر ساری دنیا کی آزادی، خوشحالی اور اُس کے وجود تک کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ کیوں ایک مثال لائی ہوئی۔ حال میں سویریا یعنی شام کی سرکار کو متحدہ عربوں کی ضرورت پڑی، انہوں نے امریکہ سے ہتھیار خریدنا چاہا، امریکہ نے پرتکی شرطیں پیش کر دیں۔ سویریا نے روس سے بات کی، روس نے ہلکا شرط سویریا کے سامنے ہتھیار بیچنا منظور فرمایا، ہتھیار خرید لئے گئے، امریکہ نے سویریا کو دھمکی دی، امریکی جہازیں یوزا سویریا کے کنارے پر آدھکا، سویریا گھبراہٹا، اتنے میں روسی جہازیں یوزا بھی دھلی اُپھینچا، امریکی منصوبہ نیچو دیوئے لئے تھنڈے ہوئے۔ اب اسرائیل کو ہتھیاروں

بار دھرا نا پکاتا تھا اور سونے والوں کے آنانند پر۔
 رات سے حال بار بار گونج اٹھا تھا، اسی طرح کا تجربہ ہمیں اور بھی انیک
 بار ہوا ہے اور ہمیں دشواری ہے کہ پنجاب کے اور بھی ہزاروں
 اور لاکھوں کو ہوا ہو گا۔ پنجابی ایک جیت بھاشا ہے اور بڑی
 سندر، بھابی اور دھاندی بھاشا ہے۔

پنجاب میں آجکل ایک "ہندی رक्षा समिति" ہے۔ سنا
 ہے اسکی آواز سے کہا جاتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ
 ہے کہ ہندیوں کی بھاشا ہندی ہے۔ یہ کہنا بھی بہت غلط اور خطرناک
 ہے۔ اگر ہندیوں کی بھاشا ہے تو یہ طے کرنا پڑے گا کہ شری راج
 گوبالا آچاریہ ہندو کہہ جاسکتے ہیں یا نہیں، اور سوربھ ہندو
 سپہا کے پچھلے صدر شری این۔ سی۔ چتر جی ہندو ہیں یا
 نہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا ہندو پدمی مدراسی یا بنگالی یا
 گجراتی یا مہاراشٹری ہندی تو اپنی مادری بھاشا ماننے کو تیار
 نہیں ہوگا۔ وہ ہندی تو بھارت کی راج بھاشا یا راشٹر بھاشا
 ماننے کو تیار ہو سکتا ہے پر اپنی مادری بھاشا بڑے گرو کے ساتھ
 اسی بھاشا کو کہہ گا جو وہ اپنی ماں بھائی کے ساتھ گھر میں
 بولتا ہے۔ بھاشائیں دھرموں کی نہیں ہوا کرتیں۔ بھاشائیں
 علاقوں اور دیشوں کی ہوتی ہیں۔

اس طرح کی غلط فہمیوں کی جو ہمیں ایک خاص وجہ
 کام کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھاشا پاک ہے اور کوئی
 اپاک۔ یہ وجہ بھی بہت غلط وجہ ہے۔ ہمارے ایک ستر
 جنہیں اردو سے کچھ ناراضگی ہے اور جو سنسکرت کے بڑے بہت
 ہیں ایک بار ہم سے کہتے تھے کہ اردو سادہ اور خاص کر اردو
 شاعری میں اشعار بہت ہوتی ہے۔ پر جب ہم نے اس
 رشتہ میں سنسکرت سادہ کا انہیں حال بتایا تو وہ کچھ
 سوچنے لگے۔ آج سے چوں برس پہلے ہم ہی۔ اے میں سنسکرت
 پڑھتا تھا۔ مہادی کالیداس رچت کمار سمبھو پڑھتا تھا
 کچھ کچھ وہ بوسنگ آجاتے تھے جہاں ہمارے مہاراشٹر
 پروفیسر شری رام چندر ہری ہرئیکر کچھ چہتہ ہوتے اور کچھ
 مسکراتے ہوتے دہاتھوں سے کہہ دیتے تھے: "اے آپ اپنے من
 ہی من میں پڑھ لیجئے۔" شاید کوئی بتا اپنی بکری کے سامنے
 اُن شلوکوں کو پڑھ کر اُن کا اُرتہ نہیں کر سکتا۔ ہم مان لیتا
 نہیں چاہتے، پر اس سے بھی نہیں اندک اشلل سادہ
 سنسکرت میں پورا پڑا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ سنسکرت میں
 وہ سادہ سادہ بھی ہے جو دنیا کے اونچے سے اونچے سادہ
 میں استہان پا سکتا ہے۔ عربی قرآن کی بھاشا ہے۔ ساتھ ہی
 عربی کے اندر محمد صاحب سے پہلے کی اور اُن کے بعد
 کی اشلل سے اشلل کویتانیں بھی ملوں گی۔ پنجابی
 وہ بھاشا ہے جس میں گرونانک نے اپنے پریم بڑے

وہاں کے سرکاری دفتروں کا کام ہو۔ پر ہم اس ہندو کو نہیں سمجھ سکتے جو اس کے ساتھ یا چاندور میں جلم لے کر اپنی ماں بھائی کے ساتھ پلٹا ہوا ہے اور اپنی ماں بھائی کے ساتھ ہے۔ اس اور بھائی کے ساتھ ہیں جس میں ہندی میں سب سے پہلے ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہاں سے دور رکھنا چاہیے کہ جو اپنی ماں بھائی سے دور نہیں رہتا اس کا کسی بھی دوسری بھائی کے ساتھ پریم نکالنا یا شواہد کی چیز نہیں ہو سکتا۔ ہرانا جیسے علاقے کے لوگ جو سچے سچے ہندی ہوتے ہیں اگر ہندی میں ہی اپنی تعلیم اور اپنا دفتری کربار چاہتے ہیں تو ان کی بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

یہ کہنا بھی کہ پانچابی کوئی بھائی نہیں، بلکہ بھائی ہندی کی ہی ایک ڈائی لیکٹ یعنی 'آپ بھائی'، بالکل غلط اور ایمانی ہے۔ ڈائی لیکٹ یا آپ بھائی کسی بھی پورنامک پستک میں دیکھ سکتے ہیں۔ بھارت کے دھان میں دہلی کی چودہویہ بھائی گائی گئیں ہیں، جن میں سے ایک پانچابی ہے۔ آپ بھائی بھارت میں تھائی سو کے لگ بھگ ہیں۔ جو آدمی پانچاب سے لچھ بھی پرچت ہو رہا جانتا ہے کہ پانچابی کی اپنی ایک اپ بھائی ہیں جو سب صاف صاف ایک ہی بھائی کی ایک الگ شہاں دکھائی دیتی ہیں۔

یہ دلیل کہ پانچابی کا کوئی اپنا سامعہ نہیں اور یہی ادھک لچر دلیل ہے۔ گرتھ صاحب سے پوچھ کر اونچا اور اچھوکی سامعہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور اگر شنگار رس کی چیزوں میں سامعہ مانی جاتی ہیں تو "مہر رانجھا" دنیا کے سامعہ میں کم قیمت کی چیز نہیں ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ چرمی کے کئی وشدیہاں میں "مہر رانجھا" اونچے سے اونچے ڈگری کے کورسوں میں پڑھایا جاتا تھا اور آج بھی دنیا کے وشدیہاں میں اسے ادب کا استہان ملتا ہوا ہے۔

آزادی سے لچھ برس پہلے کی بات ہے کہ لاہور کے بڑے ہال میں ایک بہت بڑا کوی سہیل اور مشاعرہ ہو رہا تھا۔ ہم بھی موجود تھے۔ اس کے کونوں نے ہندی میں اپنی رچنائیں پڑھ کر سناہن اور اس کے شاعروں نے اردو میں اپنی نظمیں سناہن۔ بڑے ہال شروٹاؤں سے تھپتھپ رہا ہوا تھا۔ اردو اور ہندی دونوں طرح کی کوینائیں پڑھی پڑھی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی سہیل والوں کے دروں کو چپھتی ہوئی معلوم نہیں دیتی تھی۔ انہی میں اندھڑ عمر کے ایک مسلمان نوری نے جن کا تخلص ہمیں آج تک یاد ہے "مشق الہول" تھا۔ پانچابی میں اپنی دینانیں پڑھی اور سارا حال پورک آٹھا۔ ایک ایک شعر کو انہیں ہار

ہماری بات

یہ کہنا بھی کہ پانچابی کوئی بھائی نہیں، بلکہ بھائی ہندی کی ہی ایک ڈائی لیکٹ یعنی 'آپ بھائی'، بالکل غلط اور ایمانی ہے۔ ڈائی لیکٹ یا آپ بھائی کسی بھی پورنامک پستک میں دیکھ سکتے ہیں۔ بھارت کے دھان میں دہلی کی چودہویہ بھائی گائی گئیں ہیں، جن میں سے ایک پانچابی ہے۔ آپ بھائی بھارت میں تھائی سو کے لگ بھگ ہیں۔ جو آدمی پانچاب سے لچھ بھی پرچت ہو رہا جانتا ہے کہ پانچابی کی اپنی ایک اپ بھائی ہیں جو سب صاف صاف ایک ہی بھائی کی ایک الگ شہاں دکھائی دیتی ہیں۔

یہ دلیل کہ پانچابی کا کوئی اپنا سامعہ نہیں اور یہی ادھک لچر دلیل ہے۔ گرتھ صاحب سے پوچھ کر اونچا اور اچھوکی سامعہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور اگر شنگار رس کی چیزوں میں سامعہ مانی جاتی ہیں تو "مہر رانجھا" دنیا کے سامعہ میں کم قیمت کی چیز نہیں ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ چرمی کے کئی وشدیہاں میں "مہر رانجھا" اونچے سے اونچے ڈگری کے کورسوں میں پڑھایا جاتا تھا اور آج بھی دنیا کے وشدیہاں میں اسے ادب کا استہان ملتا ہوا ہے۔

آزادی سے لچھ برس پہلے کی بات ہے کہ لاہور کے بڑے ہال میں ایک بہت بڑا کوی سہیل اور مشاعرہ ہو رہا تھا۔ ہم بھی موجود تھے۔ اس کے کونوں نے ہندی میں اپنی رچنائیں پڑھ کر سناہن اور اس کے شاعروں نے اردو میں اپنی نظمیں سناہن۔ بڑے ہال شروٹاؤں سے تھپتھپ رہا ہوا تھا۔ اردو اور ہندی دونوں طرح کی کوینائیں پڑھی پڑھی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی سہیل والوں کے دروں کو چپھتی ہوئی معلوم نہیں دیتی تھی۔ انہی میں اندھڑ عمر کے ایک مسلمان نوری نے جن کا تخلص ہمیں آج تک یاد ہے "مشق الہول" تھا۔ پانچابی میں اپنی دینانیں پڑھی اور سارا حال پورک آٹھا۔ ایک ایک شعر کو انہیں ہار

موت بنیادی ہے۔ اسی لیے پورے اور پورے ہی میں ہوئی ہے۔
 پر کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آریہ سماج کا اس
 دہے کے اوپر بہت بڑا پھیلان ہے۔ ان کے ذہن میں اس کے پورے اور
 کام کی دہے کو اب بھی ضرورت ہے۔ بھائی گنیشام سنگھ
 کی دہے سے پانچاب کے اس ہندی آندولن کو چلا رہے ہیں۔
 ہمارے پچاس برس سے اوپر کے گنیشام سنگھ کی دہے سے
 ہوں۔ ان کی دہے اور سچائی کا ہمارے دل میں بہت ہوا مان ہے۔

ہندو سما کے नेता भाई परमानन्द के साथ बरसों
 हमारा गहरा सम्बन्ध रहा है। भाई सावरकर के साथ
 हमारा पत्र व्यवहार लोकमान्यतिलक की भाकत सन्
 1907 में उस समय हुआ था जब वह इंग्लैन्ड में पढ़ रहे
 थे और वही बैठे बैठे देश की आजादी के सपने देख रहे थे।
 राष्ट्रीय स्वयं सेवक संघ के संस्थापक, गुरु गोलवलकर के
 गुरु, डाक्टर दिग्वेवार के साथ नागपुर में हमने बरसों
 गांधी जी के आन्दोलन में मिलकर काम किया है। उन
 दिनों के असहयोग आन्दोलन में डाक्टर दिग्वेवार के
 शरीर का पुलिस की लाठियों से चूर चूर किया जाना हमें
 आज तक प्रेम और दर्द के साथ याद है।

जहाँ तक सिख धर्म का सम्बन्ध है हमने ग्रन्थ साहब
 को ध्यान और भ्रष्टा के साथ पढ़ा है। हम अनेक बार कह
 चुके हैं और हमारे दिल में यह विरवास जमा हुआ है कि
 यदि पंजाब ने गुरु नानक जी की शिक्षा पर अमल किया
 होता तो पंजाब में हिन्दू, मुसलिम, हिन्दू-सिख या किसी
 तरह के भी साम्प्रदायिक झगड़ों का हो सकना असम्भव
 होता और पंजाब आज साम्प्रदायिक मेल मिलाप की
 निगाह से सारे भारत का सरताज दिखाई देता।

हमारा दिल हरगिज यह मानने को तयार नहीं है कि
 किसी भी धर्म, दल या सम्प्रदाय का कोई भी भारतवासी
 जान बूझकर देश में फूट डालना चाहता है या देश के
 टुकड़े करना चाहता है। दोष दिलों का नहीं है। दोष केवल
 समझ का या देश की समस्याओं पर सोचने और उन्हें
 समझने के उन तरीकों का है जो आजादी से पहले के दो
 सौ बरस तक विदेशी शासक अपने तुच्छ स्वार्थ के
 लिये हमें सिखाते पढ़ाते रहे।

इस तरह के झगड़ों में आम तौर पर कुछ न कुछ
 जिम्मेदारी दोनों तरफ़ की होती है। कुछ न कुछ सत्य भी
 दोनों तरफ़ होता ही है फिर भी मांटे तौर पर हम उस
 सिख को समझ सकते हैं जो अमृतसर या जालन्धर
 में रहकर अपनी मां बहनों के साथ पंजाबी बोलता है,
 पंजाबी को अपनी मातृभाषा, कहता है और चाहता है कि
 पंजाबी में ही उसके बच्चों की तालीम हो और पंजाबी में

सब अंधकार है۔ بھائی اور پورے ہی میں ہوتی ہے۔
 پر انکار کوئی نہیں کر سکتا کہ آریہ سماج کا اس دہے کے اوپر
 بہت بڑا احسان ہے۔ ان کے ذہن میں اس کے پورے اور
 کام کی دہے کو اب بھی ضرورت ہے۔ بھائی گنیشام سنگھ
 کی دہے سے پانچاب کے اس ہندی آندولن کو چلا رہے ہیں۔
 ہمارے پچاس برس سے اوپر کے گنیشام سنگھ کی دہے سے
 ہوں۔ ان کی دہے اور سچائی کا ہمارے دل میں بہت ہوا مان ہے۔

ہندو سما کے لیڈا بھائی پرمانند کے ساتھ برسوں ہمارا گہرا
 سلسلہ رہا ہے۔ بھائی سار کر کے ساتھ ہمارا پتر وپہار لکناؤ
 تاک کی معرفت سن 1907 میں اس سمے ہوا تھا جب وہ انگلینڈ
 میں پڑھ رہے تھے اور وہیں بیٹھے بیٹھے دہے کی آزادی کے سہمے
 دیکھ رہے تھے۔ راشٹریتھ سہم سہم کے سلسلہ ایک گرو
 گل وکر کے گرو، اکثر ہڈ کوار کے ساتھ ناکور میں ہم نے برسوں
 گاندھی جی کے آندولن میں مل کر کام کیا ہے۔ ان دنوں کے
 آسہوگ آندولن میں قاتل ہڈ کوار کے شہر کا پولیس کی
 لٹہوں سے چور چور کیا جانا ہمیں آج تک پرہم اور درد کے
 ساتھ یاد ہے۔

جہاں تک سکھ دھرم کا سمبندہ ہے ہم نے گرتھ صاحب کو
 دھیان اور شردھا کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہم ان کے بار بار کہے چکے ہیں
 اور ہمارے دل میں یہ وشواس جما ہوا ہے کہ ہندی پانچاب نے
 گرونانک جی کی شکشا پر عمل کیا ہوتا تو پانچاب میں ہندو
 مسلم ہلدو سکھ یا کسی طرح کے بھی سامہردانک جھگڑوں کا
 ہو سکنا افسوس ہوتا اور پانچاب آج سامہردانک میل ملاپ کی
 نگاہ سے سارے بھارت کا سوناچ دکھائی دیتا۔

ہمارا دل مرکز یہ ماننے کو تیار نہیں ہے کہ کسی بھی
 دھرم، دل یا سامہردانک کا کوئی بھی بھارت واسی جان بوجھ
 کر دہے میں بیوت ڈالنا چاہتا ہے یا دہے کے ٹکڑے کرنا
 چاہتا ہے۔ دہے دلوں کا نہیں ہے دہے قبول سمجھ کا یا دہے
 کی سمجھاؤں پر سوچنے اور انہیں سمجھنے کے ان طریقوں کا ہے
 جو آزادی سے پہلے کے دو سو برس تک ویدیشی شاک اپنہ تھ
 سوارنہ کے لئے ہمیں سکھاتے پڑھاتے رہے۔

اس طرح کے جھگڑوں میں عام طور پر کچھ کچھ ذمہ داری
 دونوں طرف کی ہوتی ہے۔ کچھ نہ کچھ سبب بھی دونوں
 طرف ہوتا ہی ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس سکھ کو سمجھ
 سکھ میں جو امرتسر یا جالندھر میں رہ کر اپنی
 مائیں بہنوں کے ساتھ پانچابی بولتا ہے۔ پانچابی کو اپنی
 مائیں بہنوں کے ساتھ پانچابی بولتا ہے اور چاہتا ہے کہ پانچابی میں

ہندی اور پنجابی کا झड़ा

پنجاب میں ہندی اور پنجابی کا झड़ा کافی وجوہات کے ساتھ چل رہا ہے۔ پامانہ طور پر جہاں کے ہندی ہندی کے طرفدار ہیں اور پنجابی کے۔ اس طرح اس झड़ा نے ہندو سکھ ویمسیت کا روپ لے لیا ہے۔ معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ کہیں کہیں شہروں میں دونوں دلوں کے جلسے نکلتے ہیں جن میں سکھوں کی طرف سے ”تربی دعوتی جمن پار“ اور ہندوؤں کی طرف سے ”لہنجی استرا ہے تیار!“ کے نازے ایک بلکہ کئے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں اس سے بھی ادھک شرمندہ اور لڑنا لگ گھلائیوں ہو چکی ہیں، جنہیں انہیں جتنی جلد قبول جاریہ انا ہی اچھا ہے۔ بدی یہ حالت اسی طرح جاری رہی اور ویمسیت بڑھتا گیا ہو رہا ہے کہ دیہی کے اور ادھک تکررہ کرنے پر جاریں اور آبادی کے تبادلے میں حراب اور طرح طرح کے بابوں کے وہی دھبہ بہرہ دیکھتے ہیں جو سن 47 میں دیکھتے ہوئے تھے۔ آج کل کی انٹراشریہ استھتی میں دیہی کی عزت، سادہ پن اور سرکش اس کا تقنا برا اثر ہو سکتا ہے یہ سوچنے کی چیز ہے۔ کچھ نیک لوگوں کی طرف سے میل اور سمجھوتے کی کوشش بھی جاری ہیں۔

اس سارے غرےلو झड़ा میں کچھ سنسیاؤں اور دلوں کے نام خاص طور پر سامنے آ رہے ہیں، جیسے آریہ سماج، ہندی महासभा اور जनसंघ، راشٹریہ سبھک سبھ، اکالی دل، کچھ असन्तुष्ट अथवा साम्प्रदायिक टाण्ट-कोण बाजे कामसी इत्याद۔ خبر ہے کہ کچھ بریدشی साम्राज्य प्रेमी भी कच देशों पूँजी पतियों की मारफत, हमारे इस घरेलू झड़ा में दिल बस्पी ले रहे हैं۔

विचारों या आदर्शों का मतभेद एक अलग चीज है। गलत विचारों या गलत आदर्शों पर चलने की कांशिश कर के कौमें भिट भी सकती हैं और भिट चुकी हैं पर हम यह नहीं मानते कि देश का कोई भा दज या कोई भी व्यक्ति जान बुझकर देश में छूट डालने और देशवासियों को एक दूसरे से लड़ाने की कांशिश करेगा। आर्य समाज के साथ हमारा साठ बरस का गहरा सम्बन्ध है। बरसों हमने लाहौर के दयानन्द ऐंगलो वैदिक कॉलेज में शिक्षा पाई है। वहीं से हमने सन् 1905 में बी० ए० किया था। महात्मा हंसराज के घरणों में बैठकर हम पढ़े हैं। लाला लाजपत राय के साथ हमारा घनिष्ठ सम्बन्ध रहा है स्वामी श्रद्धा नन्द का भी हमें प्रम प्राप्त रहा है। देश भक्ति और देश-सेवा के सबसे पहले पाठ हमने आर्य समाज ही की गाव में पढ़े हैं। व्यक्तियों का तरह संस्थाओं और सोसाइटियों की भी हमारे हांसी है, उनका भी जन्म, जवानी, बुढ़ापा और

ہندی اور پنجابی کا جھڑا

پنجاب میں ہندی اور پنجابی کا جھڑا کافی وجوہات کے ساتھ چل رہا ہے۔ عام طور پر جہاں کے ہندی ہندی کے طرفدار ہیں اور سکھ پنجابی کے۔ اس طرح اس جھڑا نے ہندو سکھ ویمسیت کا روپ لے لیا ہے۔ معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ کہیں کہیں شہروں میں دونوں دلوں کے جلسے نکلتے ہیں جن میں سکھوں کی طرف سے ”تربی دعوتی جمن پار“ اور ہندوؤں کی طرف سے ”لہنجی استرا ہے تیار!“ کے نازے ایک بلکہ کئے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں اس سے بھی ادھک شرمندہ اور لڑنا لگ گھلائیوں ہو چکی ہیں، جنہیں انہیں جتنی جلد قبول جاریہ انا ہی اچھا ہے۔ بدی یہ حالت اسی طرح جاری رہی اور ویمسیت بڑھتا گیا ہو رہا ہے کہ دیہی کے اور ادھک تکررہ کرنے پر جاریں اور آبادی کے تبادلے میں حراب اور طرح طرح کے بابوں کے وہی دھبہ بہرہ دیکھتے ہیں جو سن 47 میں دیکھتے ہوئے تھے۔ آج کل کی انٹراشریہ استھتی میں دیہی کی عزت، سادہ پن اور سرکش اس کا تقنا برا اثر ہو سکتا ہے یہ سوچنے کی چیز ہے۔ کچھ نیک لوگوں کی طرف سے میل اور سمجھوتے کی کوشش بھی جاری ہیں۔

اس سارے گھرباو جھڑے میں کچھ سلسلہاؤں اور دلوں کے نام خاص طور پر سامنے آ رہے ہیں، جیسے آریہ سماج، ہندی महासभा اور जनसंघ، راشٹریہ سبھک سبھ، اکالی دل، کچھ असन्तुष्ट अथवा साम्प्रदायिक टाण्ट-कोण बाजे कामसी इत्याद۔ خبر ہے کہ کچھ بریدشی साम्राज्य प्रेमी भी कच देशों पूँजी पतियों की मारफत, हमारे इस घरेलू झड़ा में दिल बस्पी ले रहे हैं۔

विचारों या आदर्शों का मतभेद एक अलग चीज है। गलत विचारों या गलत आदर्शों पर चलने की कांशिश कर के कौमें भिट भी सकती हैं और भिट चुकी हैं पर हम यह नहीं मानते कि देश का कोई भा दज या कोई भी व्यक्ति जान बुझकर देश में छूट डालने और देशवासियों को एक दूसरे से लड़ाने की कांशिश करेगा। आर्य समाज के साथ हमारा साठ बरस का गहरा सम्बन्ध है। बरसों हमने लाहौर के दयानन्द ऐंगलो वैदिक कॉलेज में शिक्षा पाई है। वहीं से हमने सन् 1905 में बी० ए० किया था। महात्मा हंसराज के घरणों में बैठकर हम पढ़े हैं। लाला लाजपत राय के साथ हमारा घनिष्ठ सम्बन्ध रहा है स्वामी श्रद्धा नन्द का भी हमें प्रम प्राप्त रहा है। देश भक्ति और देश-सेवा के सबसे पहले पाठ हमने आर्य समाज ही की गाव में पढ़े हैं। व्यक्तियों का तरह संस्थाओं और सोसाइटियों की भी हमारे हांसी है, उनका भी जन्म, जवानी, बुढ़ापा और

رہس سیریا کے ہاتھ بیجا شہر ہتھیار بے چین ہو گیا۔ سیریا کے ہاتھ سے خرید لے گئے۔ اس پر امریکہ نے طرح طرح سے اعتراض کیا۔ سیریا ایک آزاد دہن ہے۔ اسی نے جو کچھ کیا اسی کا اگلے پورا ادھکار تھا۔ کسی باہر کی طاقت کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں پہنچتا۔ پھر بھی امریکہ کا چہ تیر نوجی جہازی بڑا سیریا کے گارے پر آدھکار۔ سیریا کو خطرہ ہوا۔ بیجا شہر میں سیریا کی سرکار کے سامنے پیش کی جانے لگیں جنہیں ماننے سے سیریا نے کفر کر دیا۔ اس کو خبر لگی۔ سیریا کی اجازت سے ایک روسی بڑا بھی اسی جگہ پہنچ گیا۔ ان ہتھیاروں کو لپٹے سمے معاملہ شاید یہیں پر آگیا ہوئے۔ یہ ہیں۔ اور میں بھی سیریا کے معاملہ پر بحث ہو رہی ہے۔ سیریا اس سے دنیا کے نازک اسفہانوں میں سے ہے۔ پھر سیریا کے لوگ بہادر ہیں، دیہے بہت ہیں اور سچائی اور انصاف ان کی طرف ہے۔ سارے عرب دیشوں اور عرب قوم کی ان کے ساتھ ہمدردی ہے۔ انت میں اس معاملہ میں سیریا کا سر اونچا رہے گا۔ اس میں ہمیں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

ہمارا انوہو یہ ہے کہ دنیا کے سب دیہے انت میں سمجھداری سے کام لیں گے اور دنیا بربادی سے بچی رہے گی۔ یہ ہفتی اور دنیا کی جتنا ہی ہارنک اچھا ہے۔ دعو ہمارے ارماتوں نے وردہ دب نہیں تھا، جو جابہ یہ شاید کہیں نہیں کہہ سکتا۔ اچھا سے اچھی آقا کرتے ہوئے ہیں اور دل سے سب کا بھلا چاہتے ہوئے ہیں۔ ارماتوں کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

ہمیں پورا دہن اس کے لئے دی ہے۔ وہیں ہائس اور نوک چین کی سلقہ تروہ جیٹا۔ ہا تہی چاہے روز جن سکے۔ اور ایشیا اور امریکہ کے ادھکار دیہے۔ چین۔ سب ان کی پرہوی کی تل آہادی نے آدم سے ہمیں ادھکار دیہے۔ یہ دیہے پریم اور سچائی کے ساتھ ملکر کھڑے ہوں اور مل کر کڑے دیہے تو ساسراج دان بدہ دان اور پودجی دان سے یہ کام کاہے دیہے چھٹے ہفتہ نہیں رہ سکتے۔ ہمارے اس ایکٹ کے سامنے اہم اور ہائندرجن ہموں نے امبار پانی ہوتے ہوئے دہانی دیہے کہ۔ دنیا کا ہوشیہ ہمارے اس ایکٹ پر نہر ہے۔ یہی آج سے کی سب سے بڑی مانگ ہے۔

हाल में अरब देश सीरिया ने जिसे 'शाम' भी कहते हैं, कुछ हथियार खरीदना चाहा। सीरिया की सरकार ने अमरीका से बात की, अमरीकी सरकार ने हथियार बेचने के लिये बेजा और शरारत भरी शर्तें लगाईं। सीरिया की सरकार ने मानने से इंकार किया। उन्होंने रुस से बात की,

حال میں عرب دیش سوڈیا نے جیسے 'شام' بھی کہتے ہیں، کچھ ہتھیار خریدنا چاہا۔ سوڈیا کی سرکار نے امریکہ سے بات کی۔ امریکی سرکار نے ہتھیار بیچنے کے لئے ہرجا اور شہادت دہری شرطیں لگائیں۔ سوڈیا کی سرکار نے ملالہ سے انکار کیا۔ انہوں نے روس سے بات کی۔

اس موقیع پر ہم امریکہ کے ان بہادر ستیاہ گروہوں کی اور اپنی شہدیا اور اپنا پریم پھر سے پرگٹ کئے بنا نہیں رہ سکتے جو اپنی ہی سرکار کے اس طرح کے تجربوں کے درمیان ستیاگروہ کر کے اٹھ دن گرفتار کئے جا رہے ہیں اور اپنی جانیں تک چرکھ میں ڈال رہے ہیں۔ انگلینڈ کے اندر بھی بہت سے لوگ اپنی سرکار کے اس طرح کے تجربوں کے خلاف طرح طرح سے آندولن کر کے سچی بہادری، ستیہ نشٹ اور مانو پریم کا ثبوت دے رہے ہیں۔

ایشیا مہادیپ کے اتر میں اٹلٹ اور اکھہ برف کے پہاڑ ہیں۔ باقی تین طرف سمندر ہے یا یورپ کی سرحد۔ ان تینوں طرف امریکہ کی طرف سے جگہ جگہ ایٹم اور ہائڈروجن بموں کے امبار لگائے جارہے ہیں۔ اُردی ناروا جاپان کا ایک بڑا ٹاپو ہے جس کے اُس پلس اُسی سلسلے کے کچھ اور چھوٹے چھوٹے ٹاپو ہیں۔ اُردی ناروا پر شدہ امریکی قبضہ اور امریکی حکومت ہے۔ اُردی ناروا میں امریکہ کی طرف سے ایٹم اور ہائڈروجن بموں کا امبار جمع ہے اور بڑھایا جا رہا ہے۔ اُردی ناروا سے ذرا جھٹ کر دکھن کوریا میں امریکہ کی طرف سے ایٹمی طرہ کے ہتھیار کا دوسرا امبار جمع ہے۔ کچھ اور نیچے اور تو ٹائیوان یعنی فارموسا کے ٹاپو میں بھی — جہاں دھن ٹھانگ چڑانگ کائی شیک امریکی سینکڑوں کے بل ابھی تک نئے جن وادی چین کی چھاتی پر تھر کی طرح اُٹھا ہوا ہے — امریکہ کی طرف سے ایٹم اور ہائڈروجن بموں کا ایک بہت بڑا امبار جمع ہے۔ اور نیچے اتر کی طرف سے امریکہ کی طرف سے ایٹم اور ہائڈروجن بموں کا ایک بہت بڑا امبار جمع ہے۔ اور اُدھک دکھن کے اُن امباروں کو چھڑ کر جو اُن دیہوں میں ہیں جو امریکہ اور انگلینڈ کے ساتھ ہیں میں گم جاتے ہیں، پاکستان میں بھی، بھارت کی ٹھیک اتر پچھم سرحد پر امریکہ کے ٹیپوٹیکل زہورکھڑے ہتھیاروں کا امبار جمع ہے۔ اور اُدھک پچھم اور پھر اتر کی طرف چلتے ہوئے اسی طرح کے امبار اسرائیل، پچھمی جرمنی وغیرہ میں جمع کئے جا رہے ہیں۔

یہی ہم دنیا کے نقشہ کی طرف نگاہ ڈالیں تو یہ سب امبار ایشیا کے تینوں طرف ایشیا کے لیے میں ایک دہرست اور گھانک پورسے کی طرح ہے۔ ہو سکتا ہے اور اُشا کی جانی ہے کہ دنیا کے سامراج پریمی دیہوں کی سرحدوں کو اب بھی ہوش آجارتے اور وہ دنیا کا سرورنٹس کرنے سے بچے رہیں۔ پر حد درجہ خطرناک مصلحت سب طرف جمع ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کہاں کسی ایک کی چھوٹی سی بھول یا شرارت سے اس مصلحت میں کسی طرح چٹکاری نہ پڑ جاوے جو ساری دنیا کو اندر خفاہی کر سارے ایشیا کو اپنے لپٹ میں لے لے؟

ایشیا مہادیپ کے اتر میں اٹلٹ اور اکھہ برف کے پہاڑ ہیں۔ باقی تین طرف سمندر ہے یا یورپ کی سرحد۔ ان تینوں طرف امریکہ کی طرف سے جگہ جگہ ایٹم اور ہائڈروجن بموں کے امبار لگائے جارہے ہیں۔ اُردی ناروا جاپان کا ایک بڑا ٹاپو ہے جس کے اُس پلس اُسی سلسلے کے کچھ اور چھوٹے چھوٹے ٹاپو ہیں۔ اُردی ناروا پر شدہ امریکی قبضہ اور امریکی حکومت ہے۔ اُردی ناروا میں امریکہ کی طرف سے ایٹم اور ہائڈروجن بموں کا امبار جمع ہے اور بڑھایا جا رہا ہے۔ اُردی ناروا سے ذرا جھٹ کر دکھن کوریا میں امریکہ کی طرف سے ایٹمی طرہ کے ہتھیار کا دوسرا امبار جمع ہے۔ کچھ اور نیچے اور تو ٹائیوان یعنی فارموسا کے ٹاپو میں بھی — جہاں دھن ٹھانگ چڑانگ کائی شیک امریکی سینکڑوں کے بل ابھی تک نئے جن وادی چین کی چھاتی پر تھر کی طرح اُٹھا ہوا ہے — امریکہ کی طرف سے ایٹم اور ہائڈروجن بموں کا ایک بہت بڑا امبار جمع ہے۔ اور نیچے اتر کی طرف سے امریکہ کی طرف سے ایٹم اور ہائڈروجن بموں کا ایک بہت بڑا امبار جمع ہے۔ اور اُدھک دکھن کے اُن امباروں کو چھڑ کر جو اُن دیہوں میں ہیں جو امریکہ اور انگلینڈ کے ساتھ ہیں میں گم جاتے ہیں، پاکستان میں بھی، بھارت کی ٹھیک اتر پچھم سرحد پر امریکہ کے ٹیپوٹیکل زہورکھڑے ہتھیاروں کا امبار جمع ہے۔ اور اُدھک پچھم اور پھر اتر کی طرف چلتے ہوئے اسی طرح کے امبار اسرائیل، پچھمی جرمنی وغیرہ میں جمع کئے جا رہے ہیں۔

یہی ہم دنیا کے نقشہ کی طرف نگاہ ڈالیں تو یہ سب امبار ایشیا کے تینوں طرف ایشیا کے لیے میں ایک دہرست اور گھانک پورسے کی طرح ہے۔ ہو سکتا ہے اور اُشا کی جانی ہے کہ دنیا کے سامراج پریمی دیہوں کی سرحدوں کو اب بھی ہوش آجارتے اور وہ دنیا کا سرورنٹس کرنے سے بچے رہیں۔ پر حد درجہ خطرناک مصلحت سب طرف جمع ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کہاں کسی ایک کی چھوٹی سی بھول یا شرارت سے اس مصلحت میں کسی طرح چٹکاری نہ پڑ جاوے جو ساری دنیا کو اندر خفاہی کر سارے ایشیا کو اپنے لپٹ میں لے لے؟

یہی ہم دنیا کے نقشہ کی طرف نگاہ ڈالیں تو یہ سب امبار ایشیا کے تینوں طرف ایشیا کے لیے میں ایک دہرست اور گھانک پورسے کی طرح ہے۔ ہو سکتا ہے اور اُشا کی جانی ہے کہ دنیا کے سامراج پریمی دیہوں کی سرحدوں کو اب بھی ہوش آجارتے اور وہ دنیا کا سرورنٹس کرنے سے بچے رہیں۔ پر حد درجہ خطرناک مصلحت سب طرف جمع ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کہاں کسی ایک کی چھوٹی سی بھول یا شرارت سے اس مصلحت میں کسی طرح چٹکاری نہ پڑ جاوے جو ساری دنیا کو اندر خفاہی کر سارے ایشیا کو اپنے لپٹ میں لے لے؟

ہماری رائے

ایشیا کے گلے میں پھندا

لگبگ سارے संसार کی जनता, जिसमें पाँचों महा द्वीपों और सब देशों के लोग शामिल हैं, एक आवाज से यह मांग कर चुकी है, करनी रही है और कर रही हैं कि न्युक्लीयर और थर्मो न्युक्लीयर हथियारों यानी ऐटम और हाइड्रोजिन बमों के तजरबे बन्द किये जावें. दुनिया के सैकड़ों बड़े से बड़े साइन्सदाँ, जिनमें अमरीका के बड़े से बड़े साइन्सदाँ शामिल हैं, साफ साफ कह रहे हैं कि इन तजरबों से मानव जाति की तन्दुरुस्ती का बहुत सख्त नुकसान पहुँच रहा है, इनप्लुएंस और दूसरी इसी तरह की महामारियाँ जो आजकल जगह जगह फैल रही हैं इन तजरबों ही का नतीजा हैं, और अगर यह तजरबे कुछ दिनों और जारी रह गए तो इनका सबसे खतरनाक प्रभाव सारी मानवजाति का जननेन्द्रियाँ पर पड़ेगा, जिसके नतीजे की शकल में हो सकता है कि सैकड़ों बरस तक बहुत से इनसानी बच्चे अजीब अजीब शक्तों के अजीब-अजीब और तरह-तरह के अंगों वाले, यहाँ तक कि आधे इनसान और आधे जानवर पैदा हों. फिर भी अमरीका, रूस और इंगलैण्ड तीनों की तरफ से हाइड्रोजिन बमों के नित नए तजरबे आए दिन हाते रहते हैं, जिनकी ख़बरें दुनिया भर के अख़बारों में छपती रहती हैं.

रूस के शासक बार बार यह कह चुके हैं कि अगर अमरीका और इंगलैण्ड इस तरह के तजरबे बन्द कर दें तो रूस भी इन्हें फौरन बन्द करने को तैयार है. रूस. सरकार कीतरफ से यह प्रस्ताव भी यू० एन० २०० के सामने पेश है, पर अमरीका किसी तरह हामी भरने को तैयार नहीं. यू० एन० २०० या उसकी कमेटियों के सामने जब कभी इस तरह के प्रस्ताव आते हैं अमरीका और इंगलैण्ड हजार तरह से अड़ने लगाकर उन्हें टालत रहते हैं, इस तरह के प्रस्ताव इस समय भी यू० एन० २०० के सामने पेश हैं.

ایشیا کے گلے میں پھندا

لگ بگ سارے سلسار کی جلتا جس میں پانچوں مہادیپوں اور سب دیشوں کے لوگ شامل ہیں، ایک آواز سے یہ مانگ کر چکی ہے، کرتی رہی ہے اور کر رہی ہے کہ نیوکلیر اور تھرمو نیوکلیر ہتھیار یعنی ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کے تجربے بند کئے جائیں. دنیا کے سیکڑوں بڑے سے بڑے سائنسدانوں، جن میں امریکہ کے بڑے سے بڑے سائنسدان شامل ہیں، صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ ان تجربوں سے مانو جانی کی تندرستی کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے، انٹرنیٹ اور دوسری ایسی طرح کی مہاماریاں جو آجکل جگہ جگہ پھیل رہی ہیں ان تجربوں ہی کا نتیجہ ہے، اور اگر یہ تجربے کچھ دنوں اور جاری رہ گئے تو ان کا سب سے خطرناک پریکڑ ساری مانو جانی کی جانلیوریوں پر بڑے کا جس کے نتیجے کی شکل میں ہو سکتا ہے کہ سیکڑوں برس تک بہت سے انسانی بچے عجیب عجیب شکلوں کے، عجیب عجیب اور طرح طرح کی انکوں والے، یہاں تک کہ آدمے انسان اور آدمے جانور پیدا ہوں۔ یہ بھی امریکہ، روس اور انگلینڈ لوگوں کی طرف سے ہائیڈروجن بموں کے نئے نئے تجربے آئے دن ہوتے رہتے ہیں.

روس کے شاسک بار بار یہ کہہ چکے ہیں کہ اگر امریکہ اور انگلینڈ اس طرح کے تجربے بند کر دیں تو روس بھی انہیں فوراً بند کرنے کو تیار ہے. روسی سرکاری طرف سے یہ پرستار بھی ہو. این. او. کے سامنے پیش ہے. پر امریکہ کسی طرح حامی کرنے کو تیار نہیں. ہو. این. او. یا اس کی کمیٹیوں کے سامنے جب بھی اس طرح کے پرستار آتے ہیں امریکہ اور انگلینڈ ہزار طرح سے اونٹ لگا کر انہیں ٹالتے ہیں. ایسی طرح کے پرستار اس سے بھی ہو. این. او. کے سامنے پیش ہیں.

ناک اور دھوکا دکھانے والا اور بھارت کے کھلے کام میں دیکھا دینے۔ گاندھی جی نے بکھلے پھل نواختاری کی جاترا شروع کی۔ ہرے اور سہمے دیئے ہندوؤں کو دلاشا اور نسل دی۔ راج نیتی میں جس 'نرو یا مرو' کے اصول کو انہوں نے چالو کیا تھا اس پر فرقہ وارانہ جنگ کو ختم کرنے میں بھی عمل شروع کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے کو جیتا اور نفرت کو بچھانے میں کامیاب ہوئے۔ پھر وہ بہار آئے وہاں مقامی مسلمانوں کے آئسو پونچھے اور ہندوؤں کے دلوں میں اپنی وحشیانہ حرکتوں کے لئے شرم پیدا کی۔ ساری کتاب میں سمجھوتہ کے نکتوں پر درج ہیں جن سے گاندھی جی کی اس وقت کی دماغی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب کیا ہے اصول کرتہ ہے۔ ملک کی راج نیتی، 'انہاس' سماج شاستر اور جن آندولن کے ویدارتھوں کو نہ صرف اس کتاب کو پڑھنا ضروری ہے۔ آج ہی ہمارے دلوں سے وہ فرقہ وارانہ زہر ختم نہیں ہوا ہے بلکہ طرح طرح کی شکلوں میں وہ ملک کی اب دھوا کو زہریلا بنا رہا ہے یہ کتاب ہمیں اس زہر کو اپنے دلوں سے نکال دیکھنے میں مدد دیتی۔

—بی۔و۔ نا۔و۔ پاڈے

سرदार بھللم भाई पटेल (जिल्द दूसरी अंगरेजी)—
मूल गुजराती के लेखक नरहरि डी० परीख; प्रकाशक ऊपर के; सफे 492; कीमत 5 रुपया.

इस किताब के हिन्दी एडीशन की आलोचना हम अक्टूबर '57 के नया हिन्द में कर चुके हैं. किताब की छपाई सफाई बहुत उम्दा है. हिन्दी और गुजराती न जानने वालों के लिए सरदार पटेल की जिन्दगी और उनके महान् कामों के समझने में यह अंगरेजी एडीशन मदद देगा.

बि० ना० पांडे.

शाहकार; माहाना रिसाला; कीमत १); निकालने वाले मकतबा-शाहकार-इलाहाबाद.

इलाहाबाद की अदबी फ़िज़ा में कितने ही रिसालों ने जन्म लिया और मीठी नींद सो गये. इस वक्त् कोई राज-नामा यहाँ से नहीं निकल रहा है. रिसालों में किसी को मयारी नहीं कहा जा सकता.

शाहकार का पहला नम्बर मेज़ पर है. पढ़ने के बाद एक गुला आसुदगी हुई. हुनर साहब की मेहनत और तज-स्सुस की दाव देनी ही पड़ेगी. बाक़ई इसके देखने के बाद साबित होता है कि इस रिसाले में अदब बराये अदब से लेकर अदब बराये जिन्दगी सभी कुछ, बिला तख़्सीस मौजूद है. यानी मुमताज खीरी के 'नया जहन्नुम' से लेकर

[बाक़ी सफ़ा 236 पर]

اور فردناک اظہار نواختی. اور بہار کے قتل عام دکھائی دیتے. گاندھی جی نے اپنے بدل نواختاری کی جاترا شروع کی. فرقہ اور سہمہ ہونے ہندوؤں کو دلاشا اور نسل دی. راج نیتی میں جس 'نرو یا مرو' کے اصول کو انہوں نے چالو کیا تھا اس پر فرقہ وارانہ جنگ کو ختم کرنے میں بھی عمل شروع کیا. انہوں نے مسلمانوں کے کو جیتا اور نفرت کو بچھانے میں کامیاب ہوئے. پھر وہ بہار آئے وہاں مقامی مسلمانوں کے آئسو پونچھے اور ہندوؤں کے دلوں میں اپنی وحشیانہ حرکتوں کے لئے شرم پیدا کی. ساری کتاب میں سمجھوتہ کے نکتوں پر درج ہیں جن سے گاندھی جی کی اس وقت کی دماغی کیفیت کا پتہ چلتا ہے. کتاب کیا ہے اصول کرتہ ہے. ملک کی راج نیتی، 'انہاس' سماج شاستر اور جن آندولن کے ویدارتھوں کو نہ صرف اس کتاب کو پڑھنا ضروری ہے. آج ہی ہمارے دلوں سے وہ فرقہ وارانہ زہر ختم نہیں ہوا ہے بلکہ طرح طرح کی شکلوں میں وہ ملک کی اب دھوا کو زہریلا بنا رہا ہے یہ کتاب ہمیں اس زہر کو اپنے دلوں سے نکال دیکھنے میں مدد دیتی.

—بی۔و۔ نا۔و۔ پاڈے

سرदार رلیہ بھائی پٹیل (جلد دوسری انگریزی) مول گجراتی
لیکھک نرہار دی. پارٹی، پرکاشک اوپر والے صفحے 492;
قیمت 5 روپیہ.

اس کتاب کے ہندی ایڈیشن کی الپچنا ہم اکتوبر 57 کے لیاہند میں کر چکے ہیں. کتاب کی چھاپی صفائی بہت عمدہ ہے. ہندی اور گجراتی نا جاننے والوں کے لئے سردار پٹیل کی زندگی اور ان کے مہان کاموں کے سمجھنے میں یہ انگریزی ایڈیشن مدد دے گا.

—بی۔و۔ نا۔و۔ پاڈے

شاہکار; ماہانہ رسالہ، قیمت ایک روپیہ؛ نکالنے والے قیمت ایک روپیہ مکتبا شادکار الہ آباد.

الہ آباد کی دنیا میں کتنے ہی رسالے اور اخبارات نے جنم لیا اور مہنگی نوبت سو گئی. اس وقت کوئی روزنامہ یہاں سے نہیں نکل رہا ہے. رسالوں میں کسی کو مہاری نہیں کہا جا سکتا.

شاہکار کا پہلا نمبر میز پر ہے. پڑھنے کے بعد ایک گونہ آسودگی ہوئی. ہنر صاحب کی محنت اور تجسس کی داد دینی پڑے گی. واقعی اس کے دیکھنے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ اس رسالے میں اور پرانے ادب سے لے کر ادب پرانے زندگی میں سبھی کچھ ملتا ہے. یہی موجود ہیں. یہی ممتاز شہریں کے 'نیا جہلم' کے لئے کر

[باقی صفحہ 236 پر]

کستائیں

”آدمی کو چاہئے کہ اپنے من پر سختی کرے اور اسے تسلیم نہ کرے۔ اپنے دل کی آواز سنو۔ اگر باہری آوازوں میں ابھرنے کی طاقت ہو تو جانور ہی ابھرنے کو پہنچے۔“

”آدمی کو چاہئے کہ اپنے من پر سختی کرے اور اسے تسلیم نہ کرے۔ اپنے دل کی آواز سنو۔ اگر باہری آوازوں میں ابھرنے کی طاقت ہو تو جانور ہی ابھرنے کو پہنچے۔“

[16]

(16)

چو کہ تو ’مذہب‘ کواہے پرسیاں سے کبھی،
باز آئے تو خورجی-ہنسوں سے کبھی،
سوفی کی مہ سا ف جو چکے یورپ،
ہو بادہ پرستی بھی نہ شیطان سے کبھی !

چو کہ تو ’مذہب‘ کواہے پرسیاں سے کبھی،
باز آئے تو خورجی-ہنسوں سے کبھی،
سوفی کی مہ صاف جو چکے یورپ،
ہو بادہ پرستی بھی نہ شیطان سے کبھی !

کواہے پرسیاں—دو:سپن، خورجی—خون بھانا،
سوفی—بہدائی، مہ صاف—صاف شراب (یہاں تاہم پریم سے ہے)، بادہ پرستی—شراب پینا (جو اسلام میں پاپ ہے)،
شیتان—ہشور کا وروہی فرشتہ،

کواہے پرسیاں—دو:سپن، خورجی—خون بھانا،
سوفی—بہدائی، مہ صاف—صاف شراب (یہاں تاہم پریم سے ہے)، بادہ پرستی—شراب پینا (جو اسلام میں پاپ ہے)،
شیتان—ہشور کا وروہی فرشتہ،

”ہے ’مذہب‘ کاہا دنیا کے لوگ اس (لہجہ کے) دو:سپن سے چو کہے اور آدمی کا خون نہ بہاتے۔ اگر یورپ والے سوفی کے پریم کا انوہو کریں تو ان کی کون کہہ شیطان لک سے اپ نہ ہو سکے۔“

”ہے ’مذہب‘ کاہا دنیا کے لوگ اس (لہجہ کے) دو:سپن سے چو کہے اور آدمی کا خون نہ بہاتے۔ اگر یورپ والے سوفی کے پریم کا انوہو کریں تو ان کی کون کہہ شیطان لک سے اپ نہ ہو سکے۔“

[سفر 238 سے آگے]

[صفحہ 238 سے آگے]

خودمستور کے قذلی تک۔ اس رسالے میں شفیق الرحمن اور کشمیری لال ڈاکر بھی دوش بدوش ہیں۔ لیکن منزلوں تک الگ۔

خودمستور کے قذلی تک۔ اس رسالے میں شفیق الرحمن اور کشمیری لال ڈاکر بھی دوش بدوش ہیں۔ لیکن منزلوں تک الگ۔

یہ رسالہ ان لوگوں کے لئے تو ایک نعمت ثابت ہوگا جن کے پاس نہ اتنے پیسے ہیں کہ سارے رسالوں کو خرید کر پڑھ سکیں اور نہ اتنا وقت جو ان کے غرض کرے میں صرف ہو۔

یہ رسالہ ان لوگوں کے لئے تو ایک نعمت ثابت ہوگا جن کے پاس نہ اتنے پیسے ہیں کہ سارے رسالوں کو خرید کر پڑھ سکیں اور نہ اتنا وقت جو ان کے غرض کرے میں صرف ہو۔

فہرست کا انتخاب اچھا اور نظموں کا غلیظ ہے۔ بہتر ہونا کہ شاہکار میں علمی اور ثقافتی مضامین بھی شامل کئے جاتے۔ رقی صاحب کا آرٹیکل اچھا ہے۔ اس قسم کا ہے۔ رسالہ کی چھپائی اور رسالہ کا ہمارے اقتدار صاحب نے خاص خیال رکھا ہے۔ اور قیمت کی لحاظ سے 144 صفحات کا رسالہ مستثنیٰ نہ جائیگا۔

فہرست کا انتخاب اچھا اور نظموں کا غلیظ ہے۔ بہتر ہونا کہ شاہکار میں علمی اور ثقافتی مضامین بھی شامل کئے جاتے۔ رقی صاحب کا آرٹیکل اچھا ہے۔ اس قسم کا ہے۔ رسالہ کی چھپائی اور رسالہ کا ہمارے اقتدار صاحب نے خاص خیال رکھا ہے۔ اور قیمت کی لحاظ سے 144 صفحات کا رسالہ مستثنیٰ نہ جائیگا۔

—میرے بھائی۔

“کوئی دینا سیکرے اسلئے ہائی نہیں بٹاتا کہ اسے
کئی دینا ہے۔ نہ دھرم کی بے ادبی کسی کو جلا
سکتی ہے۔ کئی چاہے ہندو ہو یا مسلمان، دھرم کے
بدلنے سے دینا نہیں بدلتا۔“

[13]

ہندوؤں-مسلمانوں میں تھوسوہ جو نہیں،
تو کسرتے مچھڑ سے نہیں ہرے کھیں،
ہے نام مسلمانوں کا 'مہیہ' سہیہلال
اور نام ہے ہندو کا یہاں گنگاہیہ!

تھوسوہ—دھرم کی بے ادبی، کسرت—بھیک ہونا،

“اگر ہندوؤں اور مسلمانوں میں بے ادبی نہ ہو تو
دھرم کی بے ادبی سے کئی ہرے نہیں ہے۔ ہمارے
یہاں تو مسلمان کا نام سید لال ہوتا ہے اور ہندو کا گنگاہیہ۔“

[14]

انسان میں کمال ہے دھرم سے بھنا،
ہے کو نہیں دھرم توہیہہ بھنا،
ہے کو بھی بھنا ہے 'مہیہ' بھہ انسان،
جو بھنا کو اور بھنا کو سمبھتا ہے بھنا!

کمال—بھنا، دھرم—بھنا ہونے کی بھنا،
ہے کو (بھنا)—بھنا، دھرم—بھنا،
توہیہہ—بھنا ہونا، بھنا—بھنا، بھنا،
بھنا—بھنا، بھنا—بھنا،

“بھنا کی بھنا بھنا میں ہے کہ بھہ بھنا اور
بھنا کی بھنا بھنا میں بھنا۔ بھنا کی بھنا
بھنا کی بھنا بھنا میں بھنا۔ بھنا کی بھنا
بھنا کی بھنا بھنا میں بھنا۔ بھنا کی بھنا
بھنا کی بھنا بھنا میں بھنا۔ بھنا کی بھنا

[15]

بھنا بھنا میں بھنا کی بھنا،
بھنا بھنا میں بھنا کی بھنا،
بھنا بھنا میں بھنا کی بھنا!
بھنا بھنا میں بھنا کی بھنا!

بھنا—بھنا، بھنا—بھنا
بھنا بھنا میں بھنا کی بھنا،
بھنا—بھنا، بھنا—بھنا
بھنا—بھنا، بھنا—بھنا

“کوئی دینا سیکرے اسلئے ہائی نہیں بٹاتا کہ اسے
کئی دینا ہے۔ نہ دھرم کی بے ادبی کسی کو جلا
سکتی ہے۔ کئی چاہے ہندو ہو یا مسلمان، دھرم کے
بدلنے سے دینا نہیں بدلتا۔“

(13)

ہندوؤں مسلمان میں بھنا جو نہیں
تو کسرتے مچھڑ سے نہیں ہرے کھیں
ہے نام مسلمان کا 'مہیہ' سید لال
اور نام ہے ہندو کا یہاں گنگاہیہ!

بھنا—بھنا، کسرت—بھنا ہونا۔

“اگر ہندو اور مسلمان میں بھنا نہ ہو تو
دھرم کی بے ادبی سے کئی ہرے نہیں ہے۔ ہمارے
یہاں تو مسلمان کا نام سید لال ہوتا ہے اور ہندو کا گنگاہیہ۔“

(14)

انسان میں کمال ہے دھرم سے بھنا
بھنا کو نہیں دھرم توہیہہ بھنا
بھنا کو بھی بھنا ہے 'مہیہ' وہ انسان
جو بھنا کو اور بھنا کو سمبھتا ہے بھنا!

کمال—بھنا، دھرم—بھنا ہونے کی بھنا
بھنا (بھنا)—بھنا، دھرم—بھنا
توہیہہ—بھنا ہونا، بھنا—بھنا، بھنا،
بھنا—بھنا، بھنا—بھنا،

“بھنا کی بھنا بھنا میں بھنا ہے کہ وہ بھنا اور
بھنا کی بھنا بھنا میں بھنا۔ بھنا کی بھنا
بھنا کی بھنا بھنا میں بھنا۔ بھنا کی بھنا
بھنا کی بھنا بھنا میں بھنا۔ بھنا کی بھنا
بھنا کی بھنا بھنا میں بھنا۔ بھنا کی بھنا

(15)

بھنا بھنا میں بھنا کی بھنا
بھنا بھنا میں بھنا کی بھنا
بھنا بھنا میں بھنا کی بھنا!
بھنا بھنا میں بھنا کی بھنا!

بھنا—بھنا، بھنا—بھنا
بھنا بھنا میں بھنا کی بھنا،
بھنا—بھنا، بھنا—بھنا
بھنا—بھنا، بھنا—بھنا

لکھتے ہیں کہ کبھی بات یہ ہندو مسلمان
کبھی انکا، خود اور ہے اور انکا اور !

تکالیف-مذہبانوکار، مہدیا بھان

”ہندو میں مہدیا بھان کا بولبولا ہے، یہ
مہدیا بھان مہدیا پر کبھی بھی نہیں کرتے۔
آخر یہ ہندو مسلمان کبھی بات پر لکھتے ہیں؟ کبھی
دونوں کے ہرے ہرے ہرے ہرے۔“

(10)

ہندو-مذہبوں کے نہیں دو ہیں، خود،
دونوں میں ہیں ایک شان خداوندی،
جب ان کا وطن ایک ہے اور شکلوں ایک
کبھی تفریقہ دیں سے ہیں دونوں یہ جدا !

خود-مہدیا بھان—مہدیا بھان، بھان—بھان
بھان، بھان، بھان (بھان)—بھان

’ہندو اور مسلمان کے خود ہرے ہرے ہرے ہرے
میں ایک ہی بھان کی بھان کے ہرے ہرے ہرے ہرے۔
خود مسلمان دونوں کا بھان اور ان کی شکلوں ایک
ہی ہیں تو بھان بھان ایک ہرے سے یہ دونوں ایک ایک
کبھی ہیں؟“

(11)

کبھی سے بھان کے ’مہدیا‘ ہیں بھان،
بھان بھان بھان بھان بھان بھان،
ہندو-مذہبوں میں بھان، کبھی ہے،
ہیں بھان کے یہ دونوں لکھتے !

بھان—بھان، بھان بھان—بھان
بھان—بھان، بھان بھان—بھان

”یہ ’مہدیا‘ یہ (ہندو اور مسلمان) بھان کے
کبھی سے بھان بھان ہیں (اور آپس میں لکھتے ہیں) بھان
اور بھان بھان بھان بھان بھان بھان، ان دونوں کو ایک
بھان سے بھان بھان بھان بھان بھان بھان۔“

(12)

کبھی سے بھان کے بھان بھان بھان،
بھان بھان بھان بھان بھان بھان،
ہندو ہو جائے یا مسلمان ہو جائے
بھان کے بھان بھان بھان بھان بھان۔

کبھی—بھان بھان، بھان بھان (بھان کا بھان بھان)،
بھان—بھان، بھان بھان—بھان بھان،

لکھتے ہیں کہ کبھی بات یہ ہندو مسلمان
کبھی ان کا خدا ہے اور ہے اور ان کا اور !

تکالیف—مذہبانوکار، مہدیا بھان

”ہندو میں مہدیا بھان کا بولبولا ہے، یہ
مہدیا بھان مہدیا پر کبھی بھی نہیں کرتے۔ آخر یہ ہندو مسلمان
کبھی بات پر لکھتے ہیں؟ کبھی دونوں کے ہرے ہرے ہرے ہرے۔“

(10)

ہندو و مسلمان کے نہیں دو خدا
دونوں میں ہیں ایک شان خداوندی،
جب ان کا وطن ایک ہے اور شکلوں ایک
کبھی تفریقہ دیں سے ہیں دونوں یہ جدا !
خداوندی—مہان بھان، بھان—بھان، بھان—بھان
بھان (بھان) بھان۔

”ہندو اور مسلمان کے خدا ایک ایک نہیں ہیں۔
دونوں میں ایک ہی بھان کی بھان کے بھان بھان ہیں۔
جب ہندو مسلمان دونوں کا بھان اور ان کی شکلوں ایک
ہی ہیں تو بھان بھان ایک ہرے سے یہ دونوں ایک ایک
کبھی ہیں؟“

(11)

کبھی سے بھان کے ’مہدیا‘ ہیں بھان،
بھان بھان بھان بھان بھان بھان،
ہندو مسلمان میں بھان بھان بھان بھان
ہیں بھان کے یہ دونوں لکھتے !

بھان—بھان، بھان بھان—بھان
بھان—بھان، بھان بھان—بھان

”یہ ’مہدیا‘ یہ (ہندو اور مسلمان) بھان کے
کبھی سے بھان بھان ہیں (اور آپس میں لکھتے ہیں) بھان
اور بھان بھان بھان بھان بھان بھان، ان دونوں کو ایک
بھان سے بھان بھان بھان بھان بھان بھان۔“

(12)

کثرت سے مذہب کے بھان بھان بھان،
انہی سے بھان کے بھان بھان بھان،
ہندو ہو جائے یا مسلمان ہو جائے
مذہب کے بھان سے بھان بھان بھان بھان۔

کثرت—بھان بھان، مذہب بھان (بھان کا بھان بھان)،
بھان—بھان، بھان بھان—بھان بھان،

۴۔ اگرچہ اس میں ایک اور قسم کا تصور
ہوتا ہے وہی کہ اس میں بھی ایک

چدا-اک، قل-پورن، بت-مورتی .

توبہ (ابھرنے) میں سے یہ بھی ہے اور ایک ایسی دینی
عمل ہے جس سے دل اور ہوا بھی دینی ہے، سبزی اور خدا ایک
ہی ہے اگر تو اسے نہ سمجھ پائے تو یہ تیری سمجھ اور آنکھوں کا
نقص ہے۔

(7)

دل بولتا ہو دم ہے 'محب' اللہ ہو،
دو دیکھ لے گی ایک کو مطابق نہیں خو،
وہ نسب کو سمجھتا ہے وہی ذات احد
صوفی کو ہزار ہے مسلمان ہندو !

اللہ ہو۔ ایشور کا نام، مطلق۔ بالکل، خود۔ عادت، ذات
 اجد۔ ایشور، مہربانی۔ مسلمانوں میں ودانت جیسا ایک
 مہاراج۔

”اے ’محبوب‘ ہمارا دل تو ہر لمحہ ایشور کا نام لہا کرتا ہے۔ ہم جیسے (ایشور اور سوشتی کو) ایک سمجھتے ہیں اُسے دو سمجھنے کی ہمیں بالکل عادت نہیں ہے۔ صوفی کے لئے ہندو مسلمان دونوں برابر ہیں کیونکہ اُسے تو سبھی لوگ اُسی ایشور کے روپ دکھائی دیتے ہیں۔“

(8)

ہے تفریق ذات صفت وحشت میں،
 لہذا چہاں ایک میں سب وحدت میں،
 زمیں ہے، نہ توہیں میں نہ وہ لشکر میں
 جزو خدائی ہے 'محب' اہل میں !

‘میرے خدا، ہوں،‘ لڑائی، ذات، عزت، دیوتاؤں اور گن
وحشت۔ جنگلی پن، اشیاء، چرخیں، (شہ کا بہو بچن) زر
دھن، وحدت۔ ایشور کا ایک ہونا، زور خدائی۔ ایشوری طافت
الفت۔ پریم،

” (ایشور کے) دیکھتو اور گلوں پر چوڑا جنگلی پن کے گلوں اٹھنا ہے۔ ساری چڑیاں اُتتی ایک بھونکاں کا روپ ہیں۔ اے ’محب‘ جو ایشوری طائفہ ڈرم میں پانی جاتی ہے وہ دھن دھن، روپ، لہر کسی میں نہیں۔“

(9)

تقلید کا دنیا میں مچا ہے کیا شور؟
کرتی کہیں مذہب پہ 'مستحب' ہم کچھ غور؟

”سُخار کی پرتک خیبا ایشور کو ہم سے جیپاتی ہے، ہم کتاہوں کو پڑ کر کے (ایشور کے بارے میں) شکارنے کرنے لگاتے ہیں۔ یہ (کتاہی) یوگیتا تو ہر اشل اُپااپن ہے، ے ’مُہیہ’ دُنیا کے لیے جو ایشاری ہے وہ سب سے بڑی ہند ہے۔“

”سُخار کی پرتک ہو یا ایشور کو ہم سے جیپاتی ہے، ہم کتاہوں کو پڑ کر کے (ایشور کے بارے میں) شکارنے کرنے لگتے ہیں۔ یہ (کتاہی) یوگیتا تو ہر اشل اُپااپن ہے۔ ے ’مُہیہ’ دُنیا کے لیے جو ہیشاری ہے وہ سب سے بڑی ہند ہے۔“

(4)

(4)

ہے کُف ’مُہیہ’ ریر رر اُسکو مانا،
ہم نے تو بوتاں کو بھی خُدا ہی جانا،
تربہہ سے راکلات کا نتیجہ یہ ہوا،
مُسا نے جو دُکھا بھی تو کیا پہچانا !

ہے کُف ’مُہیہ’ غور کر اُس کو مانا،
ہم نے تو بوتاں کو بھی خُدا ہی جانا،
تشبیہ سے غفلت کا نتیجہ یہ ہوا
موسوی نے جو دیکھا بھی تو کیا پہچانا !

کُف—اُپااپن، تربہہ—اُپا،
راکلات—بے پر واہی، بوتاں—مُرتی۔

کُف—اُپااپن، تشبیہ—ایمان،
غفلت—پرورائی، ہت—موررتی

”مُسا—اُک نبی، ہجرت مُسا نے ایشور سے پراپنا کیہی کہ تُو مُسے اپنا مُخ دیکھا، ایشور نے اُن کے بھوت کُش نے سُننے پر اپنا بےہرا تو نہی سیرف جُلوا (دپتی) دیکھا، لکین ہجرت مُسا اُسے بھی دیکھنے کی تاب نہ لا سکے، بے بےہرا ہو گیا اور جس تَر پہاڑ پر بے خدے بے جُل گیا۔“

موسوی ایک نبی (حضرت موسیٰ نے ایشور سے پراپنا کیہی کہ تُو مجھے اپنا مُخ دیکھا، ایشور نے اُن کے بہت کلمے سننے پر اپنا چہرہ تو نہیں جلا (دپتی) دیکھا، لیکن حضرت موسیٰ اُسے بھی دیکھنے کی تاب نہ لاسکے، وہ بے ہوش ہو گئے اور جس طور پہاڑ پر وہ کڑے تھے وہ جُل گیا۔“

”ے ’مُہیہ’ ایشور سے کسی کو اُلاگ سَمکنا اُپااپن ہے، ہم تاں مُرتیاں میں بھی ایشور کو دیکھتے ہیں، ایشور کے اُپناموں پر اُپان نہ دینے کا فُل یہ ہوا کہ مُسا ایشور کو دیکھ کر بھی نہ پہچان سکے۔“

”اے ’مُہیہ’ ایشور سے کسی کو اُگ سَمکنا اُپااپن ہے، ہم تو سورتوں میں بھی ایشور کو دیکھتے ہیں، ایشور کے اُپ ناموں پر دھیان نہ دینے کا پُل یہ ہوا کہ موسوی ایشور کو دیکھ کر بھی نہ پہچان سکے۔“

(5)

(5)

پدے میں ہیں مَخلُک کے وہ جاتے خُدا،
بے پداں نجر اُپا یہ اُپکان ہیں کیا،
تربہہ کا ہوتا جوں ’مُہیہ’ کُف بھی مَخاا
سُننے ن راجر سے لَنترانی مُسا !

پر دے میں ہے مَخلُک کے وہ ذات خُدا،
پر دے نظر اُنہ یہ اُپکان ہیں کیا،
تشبیہ کا ہوتا جوں ’مُہیہ’ کُف بھی مذاق
سننے نہ شجر سے لَنترانی موسوی !

مَخلُک—دُنیا، اُپکان—سَمبانا،
تربہہ—اُپا، مَخاا—کُف،

مَخلُک—دُنیا، اُپکان—سَمبانا، تشبیہ—ایمان، مذاق—روچی، شجر—پدے۔

راجر—پدے، لَنترانی—ایشور کا رُہسہ (ہجرت کو ایک پدے نے ایشور کا رُہسہ بٹایا تھا)۔

لَنترانی—ایشور کا رُہسہ (حضرت کو ایک پدے نے ایشور کا رُہسہ بٹایا تھا)۔

”ایشور سُخار کے ہی پدے میں جیپا ہے، وہ بے پداں (جانی دُنیا سے اُلاگ) نہی دیکھا دے سکتا، ے ’مُہیہ’ مُسا میں اُرا ر ایشور کو اُپناموں کے لیے کُف کُف ہوتی تو (ہر اُک جیج میں ایشور کو نہ دیکھ کر) وہ پدے میں اُپدے سے بے پداں لےتے۔“

”ایشور سُخار کے ہی پر دے میں جیپا ہے، وہ بے پداں (جانی دُنیا سے اُگ) نہی دیکھا دے سکتا، اے ’مُہیہ’ موسوی میں اگر ایشور کو اُپ ناموں کے لیے کُف روچی ہوتی تو (ہر اُک چدے میں ایشور کو نہ دیکھ کر) وہ پدے میں اُپدے سے بے پداں لےتے۔“

(6)

(6)

وہ مُسے مِلا اور جُدا بھی ہے وہی،
جُل جُل بھی ہے جُل بھی ہے، ہوا بھی ہے وہی،

وہ مُسے سے مِلا اور جُدا بھی ہے وہی،
جُل جُل بھی ہے، کُل بھی ہے، ہوا بھی ہے وہی،

रुबाइयात मुहिब

श्री 'मुहिब'

(1)

अल्लाह कहो, राम कहो, गाढ कि रब, 2 :
हर नाम उसी का है "मुहिब" कर न अजब
हिन्दू-आ-मुसलमाँ-आ-नसारा-आ-यहूद
सबका है वही एक उत्तुले मजहब !

गाढ—ईश्वर (), रब—भगवान, अजब—आश्चर्य,
नसारा—ईसाई, उत्तुले—सिद्धांत,

"चाहे उसे अल्लाह कहाँ, चाहे राम कहाँ, चाहे गाढ
कहाँ चाहे रब—यह सब उसी एक ईश्वर के नाम हैं ।
ऐ "मुहिब" तू इस बात पर आश्चर्य न करे. हिन्दू,
मुसलमान, ईसाई, यहूदी सब के धर्मों के सिद्धांत एक
ही हैं ।"

(2)

अल्फाज पे लड़ते हैं, अजब है इदबार,
मानी को जो समझें तो नहीं कुछ तकरार,
जो देखते हैं हक को "मुहिब" आँखों से
सुम उनको पयम्बर कहाँ चाहे अवतार.

अल्फाज—शब्द (लफ्ज का बहुवचन), इदबार—दुर्भाग्य
हक—परमात्मा. पयम्बर—ईश्वरीय संदेश लाने वाला,

"यह हमारा दुर्भाग्य है कि हम शब्दों पर ही फगड़ने
लगते हैं. यदि शब्दों के अर्थ पर गौर करें तो फगड़ा
ही न रहे. 'ऐ' 'मुहिब' जो लोग ईश्वर को अपनी आँखों
से देखते हैं चाहे उन्हें पयम्बर कह लो चाहे अवतार
कहो ।"

(3)

पर्दा है कल्ले ज्ञात पे हर इल्मे जहाँ,
पढ़ पढ़ के किताबों को बढ़ा वहमो गुमाँ,
यह दानिशो बीनश भी ता है कोरिचरम,
बेदारीए दुनिया है 'मुहिब' ख्वाबेगारों.

कल्लेज्ञात—ईश्वर का चेहरा, वहमो गुमाँ—शंकाएं
दानिश—योग्यता, विद्वत्ता, बीनश—देखने की ताकत
कोर—अंधापन, चरम—आँख, बेदारी—जागना, हाशियारी
ख्वाबे गरों—गहरी नींद

رباعیات محب

شری محب

(1)

1957 الله کہو' رام کہو' کائنات کہ رب'
ہر نام اسی کا "محب" کرنے عجیب
ہندو-مسلمان-نصارا-یہود
سب کا ہے وہی ایک اصول مذہب !

کائنات—ایشور (God), رب—بہکوان, عجیب—اشچریہ,
نصارا—عیسائی, اصول—سہانیت .

"چاہے اے اللہ کہو' چاہے رام کہو' چاہے کائنات کہو' چاہے رب—
یہ سب اسی ایک ایشور کے نام ہیں . اے "محب" تو اس بات
میں اشچریہ نہ کر . ہندو, مسلمان, عیسائی, یہودی سب کے
دھرموں کے سدھانت ایک ہی ہیں ."

(2)

الفاظ پہ لڑتے ہیں عجیب ہے ادبار'
معنی کو جو سمجھیں تو نہیں کچھ تکرار'
جو دیکھتے ہیں حق کو "محب" آنکھوں سے
تم اُن کو پوچھ کر کہو چاہے اوتار !

الفاظ—شبد (لفظ کا بہو بچن) ادبار—درہانگہ, حق—پرمانہ,
پوچھ—ایشوری سلیس لے والا

'یہ ہمارا درہانگہ ہے کہ شبدوں پر ہی جھگڑتے لگتے ہیں .
بدی شبدوں کے اُترتے پر غور کریں تو جھگڑا ہی نہ رہے . اے
'محب' جو لوگ ایشور کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں چاہے
آنہیں پوچھ کر کہ لو چاہے اوتار کہو ."

(3)

بدی ہے رخ ذات پہ ہر علم جہاں'
پڑھ پڑھ کے کتابوں کو بڑھا وہم و گماں'
یہ دانہ بیٹھ ہی تو ہے کوری چشم
بیداری دنیا ہے "محب" خواب گراں'

رخ ذات—ایشور کا چہرہ, وہم و گماں—شکائیں دانہ—
یوگتا, ودنا—بیٹھ دیکھنے کی طاقت, کوری—اندھاریں,
چشم—آنکھ بیداری—جاگنا, ہوشیاری, خواب گراں—گہری
نیند

جاءا۔ ہارکر میں اپنے ایک رشتہ دار شری گوہند پرست کے پاس پہنچا۔ وہ ہائی کورٹ کے ایک اچھے ایڈووکیٹ تھے اور آج جہاں انیکلو بنگالی انٹرمیڈیٹ کالج ہے، وہیں ان کا ہنگامہ تھا۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ وہ اپنے ہنگامے کے ٹیبلٹس لان پر لوکمانیہ کی سیبا کرنے کی اجازت دے دیں۔ گوہند پرست جی ٹرینٹ راضی ہو گئے۔ اب ہمارے انسائے کا ٹھکانہ نہ رہا۔ ہم نے جلسہ کا نوٹس نکالا جس پر مہرے، ایم۔ این۔ دھوا کے اور کے۔ بی۔ مشرا کے دستخط تھے۔ سارا انتظام تین چار گھنٹوں کے اندر کرنا پڑا۔ شام کو چھ بجے لوکمانیہ ٹک کا اسی لان کے اوپر وہاں ہوا۔ وہ تھا ورناسان راج نیتک اسٹہی۔ سوال تھا، سیبا کا سیبا پتی کیسے بنایا جائے گا؟ ہرے ہرے لوگوں میں سب انکار کرچکے تھے۔ تب ہم نے انیکلو بنگالی ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہابو نیوال چندر رام کو پکڑا۔ نیوال ہابو ہرے ہی نیتک طبیعت اور پرگتی شیل وچاروں کے آدمی تھے۔ سیبا میں قریب دو ہزار آدمی اکٹھا ہوئے۔ لوکمانیہ جوشیلے وقتا نہیں تھے۔ لیکن ان کا ایک ایک شہد دل کی گہرائی سے نکلتا معلوم ہوتا تھا۔ جلسے میں ایک سماں سا بندھا ہوا تھا۔ الہ آباد میں لوکمانیہ کا وہ پہلا راج نیتک ویاہیان تھا۔ اس نے نہ صرف الہ آباد کے شہر میں ہی نہیں بلکہ سارے صوبے میں ایک نئے راج نیتک جیوں کی بنیادیں ڈال دیں۔ اگلے دن پورے پنجاب کا ہیڈنگ دے نو اخباروں نے چھاپا، ”الہ آباد میں نئے وچاروں کا بھنگیز“۔ ”انڈین پیپل“ نے ”جو لیڈر“ سے پہلے اس وقت الہ آباد سے نکلتا تھا، ”لہا“ ”بڑھی انسائے یورن ویاہیان“۔

اس کے بعد تو ویاہیانوں کا سلسلہ ہی شروع ہو گیا۔ مارچ 1907 میں ہابو وین چندر پال الہ آباد آئے۔ الہ آباد میں ان کے تین ویاہیان ہوئے۔ ان کے ویاہیانوں کے لئے اسٹوللی روڈ پر سہاچرن ہابو ویل کے ہنگامے کا احاطہ ٹھہک گیا۔ ہر ویاہیان میں قریب تین چار ہزار لوگوں کی بھیڑ ہوتی تھی۔ اپریل سن 1907 میں الہ لاچپت رائے الہ آباد آئے۔ کولمانیہ ٹک کی موٹنگ رام ایلا گرائونڈ میں نہ ہو سکی تھی اس کے لئے رام ایلا کمیٹی کے ممبر بہت شرمندہ تھے۔ سہریزی سے انہوں نے اسٹوللی لے لیا تھا اور الہ لاچپت رائے کی موٹنگ رام ایلا گرائونڈ میں کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ وہیں لائے جی کا ویاہیان ہوا۔ دس ہزار سے زیادہ آدمی انہیں سننے کے لئے اکٹھا ہوئے۔ جنتا کے ادیش اور انسائے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

(باقی آگے نمبر میں)

[باقی آگے نمبر میں]

कलकत्ता कांग्रेस के समय पहली बार हमें तिलक महाराज से बेर तक रुक बैठकर बातें करने का सौभाग्य प्राप्त हुआ. वे उस समय श्री पद्मराज जैन के यहाँ ठहरे हुये थे. हमने तिलक महाराज से कहा कि यू० पी० और खासकर इलाहाबाद में उनके व्याख्यान होने चाहियें. उन्होंने हमारी बात का समर्थन किया. वे चाहते थे कि यू० पी० के कोई नेता उन्हें बुलावे. बंगाल, पंजाब और महाराष्ट्र में उन दिनों गरम दल का जोर था. यू० पी०, बम्बई और मद्रास नरम दल के गढ़ थे. तिलक महाराज ने हमसे वादा किया कि कांग्रेस के दो तीन दिन बाद वे कलकत्ते से इलाहाबाद होते हुए पूना जायेंगे और अगर इलाहाबाद में उनके व्याख्यान का प्रबन्ध हो सका तो वे उसके लिये भी तैयार रहेंगे. उन्होंने यह भी वादा किया कि अपने इलाहाबाद पहुँचने की वे हमें पहले से सूचना दे देंगे.

जहाँ तक मुझे याद है जनवरी सन् 1907 की 6 तारीख थी. सुबह की किसी गाड़ी से तिलक महाराज इलाहाबाद पहुँचे. बहुत से विद्यार्थी और शहर के लोग उनके स्वागत के लिए स्टेशन पहुँचे. वे दारारगंज में अपने दामाद श्री साने के यहाँ ठहरे. स्टेशन पर ही हमने उनसे उनके व्याख्यान की बातें छेड़ीं. उन्होंने कहा कि वे दो एक घंटे के बाद पंडित मदन मोहन मालवीय से मिलने के लिये उनके मकान पर पहुँचेंगे और वहाँ अगर तय हुआ तो व्याख्यान देंगे.

हम भी भारती भवन मालवीय जी के मकान पर पहुँच गए. वहाँ उस समय पंडित मदन मोहन मालवीय के अलावा कांग्रेस के कई बड़े बड़े नेता तिलक महाराज से मिलने के लिए जमा थे. हमने तिलक महाराज से उनके व्याख्यान की चर्चा की. वे खुशी से राजी थे. पर वहाँ बैठे हुए अधिकतर नेता उनके व्याख्यान के खिलाफ थे और चाहते थे कि अगर तिलक महाराज इलाहाबाद में बोलें ही तो "वैदिक साहित्य" पर बोलें, "राजनीति" पर नहीं. मैंने तिलक महाराज से पूछा कि अगर मैं और मेरे साथी विद्यार्थी उनके व्याख्यान का प्रबन्ध कर सकें तो वे व्याख्यान देंगे या नहीं. वे राजी हो गए. मैंने यह भी कहा कि इलाहाबाद की जनता आपको वैदिक साहित्य पर सुनना नहीं चाहती, 'राजनीतिक स्थिति' पर सुनना चाहती है. तिलक महाराज ने स्वीकार कर लिया:

व्याख्यान कराने की जिम्मेदारी तो हमने अपने ऊपर ले ली, लेकिन सबसे बड़ी दिक्कत हमें जगह की पड़ी. जहाँ जाते नरम दल के नेताओं के दूत हमसे पहले पहुँच जाते और वहीं से हमें इन्कार, हाँ जाता. हमने सोचा था कि रामलीला प्राउंड में सभा कर लें मगर उसके मंत्री को ऐसा सबक पढ़ा दिया गया कि उसने साफ इन्कार कर दिया. हम सब की तबियतों में बेहद मायूसी

लगे. कांग्रेस के सभे पहली बार हमें तिलक महाराज से दो एक दोपहर बैठकर बातें करने का सौभाग्य प्राप्त हुआ. वे उस समय श्री पद्मराज जैन के यहाँ ठहरे हुये थे. हमने तिलक महाराज से कहा कि यू० पी० और खासकर इलाहाबाद में उनके व्याख्यान होने चाहियें. उन्होंने हमारी बात का समर्थन किया. वे चाहते थे कि यू० पी० के कोई नेता उन्हें बुलावे. बंगाल, पंजाब और महाराष्ट्र में उन दिनों गरम दल का जोर था. यू० पी०, बम्बई और मद्रास नरम दल के गढ़ थे. तिलक महाराज ने हमसे वादा किया कि कांग्रेस के दो तीन दिन बाद वे कलकत्ते से इलाहाबाद होते हुए पूना जायेंगे और अगर इलाहाबाद में उनके व्याख्यान का प्रबन्ध हो सका तो वे उसके लिये भी तैयार रहेंगे. उन्होंने यह भी वादा किया कि अपने इलाहाबाद पहुँचने की वे हमें पहले से सूचना दे देंगे.

जहाँ तक मुझे याद है जनवरी सन् 1907 की 6 तारीख थी. सुबह की किसी गाड़ी से तिलक महाराज इलाहाबाद पहुँचे. बहुत से विद्यार्थी और शहर के लोग उनके स्वागत के लिए स्टेशन पहुँचे. वे दारारगंज में अपने दामाद श्री साने के यहाँ ठहरे. स्टेशन पर ही हमने उनसे उनके व्याख्यान की बातें छेड़ीं. उन्होंने कहा कि वे दो एक घंटे के बाद पंडित मदन मोहन मालवीय से मिलने के लिये उनके मकान पर पहुँचेंगे और वहाँ अगर तय हुआ तो व्याख्यान देंगे.

हम भी भारती भवन मालवीय जी के मकान पर पहुँच गए. वहाँ उस समय पंडित मदन मोहन मालवीय के अलावा कांग्रेस के कई बड़े बड़े नेता तिलक महाराज से मिलने के लिए जमा थे. हमने तिलक महाराज से उनके व्याख्यान की चर्चा की. वे खुशी से राजी थे. पर वहाँ बैठे हुए अधिकतर नेता उनके व्याख्यान के खिलाफ थे और चाहते थे कि अगर तिलक महाराज इलाहाबाद में बोलें ही तो "वैदिक साहित्य" पर बोलें, "राजनीति" पर नहीं. मैंने तिलक महाराज से पूछा कि अगर मैं और मेरे साथी विद्यार्थी उनके व्याख्यान का प्रबन्ध कर सकें तो वे व्याख्यान देंगे या नहीं. वे राजी हो गए. मैंने यह भी कहा कि इलाहाबाद की जनता आपको वैदिक साहित्य पर सुनना नहीं चाहती, 'राजनीतिक स्थिति' पर सुनना चाहती है. तिलक महाराज ने स्वीकार कर लिया:

व्याख्यान कराने की जिम्मेदारी तो हमने अपने ऊपर ले ली, लेकिन सबसे बड़ी दिक्कत हमें जगह की पड़ी. जहाँ जाते नरम दल के नेताओं के दूत हमसे पहले पहुँच जाते और वहीं से हमें इन्कार, हाँ जाता. हमने सोचा था कि रामलीला प्राउंड में सभा कर लें मगर उसके मंत्री को ऐसा सबक पढ़ा दिया गया कि उसने साफ इन्कार कर दिया. हम सब की तबियतों में बेहद मायूसी

جا جیسے 60 کروڑ روپے سالانہ کا صرف کھڑا تھا۔ دیہی کے کاریگر بھوکے مر رہے تھے، دیہی دیہی کا مطالب تھا کہ ہم اپنے دیہی کے ادیبوں دھندوں کو پور سے چمکائیں اور اپنے روزمرہ کے استعمال میں جہاں تک ہو سکے، دیہی کی بلی ہوئی چھاپیں کم میں لائیں۔ دوسرا تھا ہائیکٹ، یعنی یہ کہ ہم انگریزوں کے انیٹ کے جواب میں انکلیڈ کے بلے ہوئے ہر طرح کے مال کا خاص طور سے دھشکار کریں گے، اس ہائیکٹ میں سرکاری نوکریاں اور خطرات بھی شامل تھے۔ تیسرا تھا، 'راشٹری شکھا' انگریزوں کے بلانے اسکولوں اور کانچوں کو چھوڑ کر راشٹری تھانگ کی شکھا حاصل کریں۔ اس سلسلے میں ملک بھر میں جگہ جگہ نیشنل کالج اور اسکول قائم کئے گئے۔ 'سوراج' یعنی دیہی کو آزاد کرنا۔ ہمارے ٹولی کے پوسٹہ راشٹر کوئی پنڈت مادھو شکل نے اس چومکھی گریہ کرم پر نیچے لکھی کہتا لکھی۔

تھا۔ جس میں 60 کروڑ روپے سالانہ کا صرف کھڑا تھا۔ دیہی کے کاریگر بھوکے مر رہے تھے، دیہی دیہی کا مطالب تھا کہ ہم اپنے دیہی کے ادیبوں دھندوں کو پور سے چمکائیں اور اپنے روزمرہ کے استعمال میں جہاں تک ہو سکے، دیہی کی بلی ہوئی چھاپیں کم میں لائیں۔ دوسرا تھا ہائیکٹ، یعنی یہ کہ ہم انگریزوں کے انیٹ کے جواب میں انکلیڈ کے بلے ہوئے ہر طرح کے مال کا خاص طور سے دھشکار کریں گے، اس ہائیکٹ میں سرکاری نوکریاں اور خطرات بھی شامل تھے۔ تیسرا تھا، 'راشٹری شکھا' انگریزوں کے بلانے اسکولوں اور کانچوں کو چھوڑ کر راشٹری تھانگ کی شکھا حاصل کریں۔ اس سلسلے میں ملک بھر میں جگہ جگہ نیشنل کالج اور اسکول قائم کئے گئے۔ 'سوراج' یعنی دیہی کو آزاد کرنا۔ ہمارے ٹولی کے پوسٹہ راشٹر کوئی پنڈت مادھو شکل نے اس چومکھی گریہ کرم پر نیچے لکھی کہتا لکھی۔

“جی-جی شری تیلک دے! مارت دیتکاری!

سودیشی اور ہشکار، راشٹری شکھا پر سار
ہند میں سوراج چاری پنٹہ کے بچاری!”

نرم دل کے नेता लोकमान्य तिलक के नये चतुर्मुखी कार्यक्रम के खिलाफ थे. कांग्रेस के ज्यादातर पुराने नेता इसी نرم दल में थे. लेकिन देश भर में जनता के अन्दर गरम दल का असर तेजी के साथ बढ़ता जा रहा था.

अंग्रेज शासकों ने नये दल को दबाने और बंग भंग के मकसद को पूरा करने के लिये जोरदार कोशिश की. ढाका के नवाब सलीमुल्ला खाँ को चौदह लाख रिश्वत देकर मुसलिम लीग कायम कराई गई और उसी साल लाहौर में हिन्दू सभा की स्थापना हुई. लाहौर के जिस जल्ले में हिन्दू सभा कायम हुई उसमें मैं भी इत्तफाक से मौजूद था. मैं पंजाब यूनिवर्सिटी के कानवोकेशन में अपनी डिग्री लेने गया था.

दिसम्बर सन् 1906 में कलकत्ते में कांग्रेस का बाईसवाँ इजलास हुआ. मैं, धर्मा और दूसरे साथी कलकत्ते की कांग्रेस में भी बालंटियरों की हैसियत से शामिल हुए. जनता का जोश हद को पहुँच चुका था. सरकार की चालों का वल्टा असर हो रहा था. सलीमुल्ला खाँ और उनकी मुसलिम लीग के जबाब में उनके भाई अलीक़उल्ला खाँ ने कांग्रेस में खूब खुलकर हिस्सा लिया. गरम दल के सौभाग्य से दादा भाई नौरोजी, जो तीस साल के राजनीतिक वज्रबे के बाद वसी साल इंग्लैंड से भारत आये थे, कांग्रेस के सभापति थे. दादा भाई नौरोजी ने सभापति के आसन से गरम दल वालों का खुलकर साथ दिया और कांग्रेस के मंच से इतिहास में पहली बार 'स्वराज' शब्द का उपयोग किया. गरम दल के सब प्रस्ताव थोड़े बहुत बदल बदल के साथ पास हो गये. देश में जोश बढ़ता चला गया.

”جے جے شری تیلک دیو! بھارت دیتکاری!

سودیشی اور ہشکار، راشٹری شکھا پر سار
ہند میں سوراج چاری پنٹہ کے بچاری!”

نرم دل کے नेता लोकमान्य तिलक के नये चतुर्मुखी कार्यक्रम के खिलाफ थे. कांग्रेस के ज्यादातर पुराने नेता इसी نرم दल में थे. लेकिन देश भर में जनता के अन्दर गरम दल का असर तेजी के साथ बढ़ता जा रहा था.

انگریزی شاموں نے نئے دل کو دبانے اور بنگ بھنگ کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے زوردار کوشش کی. قہاک کے نواب سلیم اللہ خاں کو چودہ لاکھ رشوت دے کر مسلم لیگ قائم کرانی گئی اور اسی سال لاہور میں ہندو سبھا کی استھاپنا ہوئی. لاہور کے جس جلسے میں ہندو سبھا قائم ہوئی اس میں میں بھی اتفاق سے موجود تھا. میں پنجاب یونیورسٹی کے کانووکیشن میں یہ ڈگری لینے گیا تھا.

دسمبر سن 1906 میں کالکٹہ میں کانگریس کا بائیسواں اجلاس ہوا. میں، دھرم اور دوسرے ساتھی کالکٹہ کی کانگریس میں بھی والنتیروں کی حیثیت سے شامل ہوئے. جلد کا جوش حد کو پہنچ چکا تھا. سرکار کی چالوں کا الٹا اثر ہو رہا تھا. سلیم اللہ خاں اور ان کی مسلم لیگ کے جواب میں ان کے بھائی قلیق اللہ خاں نے کانگریس میں خوب کھل کر حصہ لیا. گرم دل کے سوبھاگیت سے دادا بھائی نوروجی جو تیس سال کے راجنیتک تجربے کے بعد اس سال انکلیڈ سے بھارت آئے تھے، کانگریس کے سبھاپتی تھے. دادا بھائی نوروجی نے سبھا پتی کے آسن سے گرم دل والوں کا ہل کر ساتھ دیا اور کانگریس کے سلیج سے انہاس میں پہلی بار 'سوراج' شبد کا ایوگ کیا. گرم دل کے سب پرستار نوروجے بہت اہل بدل کے ساتھ پاس ہو گئے، دیہی میں جوش بڑھتا گیا.

چاہتے ہیں انعام کی کوئی بھی ہمارے ساتھ مل کر کام کرے ۔
 ان سب میں سے ملونگا۔ گھٹ رہ کر ہی ارونڈ بابو اور تمہارے
 چ میں سندھیں رہا تک (قاعد) کا کام کرونگا۔ " اُس کے بعد
 ، چوتھن دوس ہمارے اور ارونڈ بابو کے بیچ میں نئی دوس
 کا دوسرا اُس کا کام کرتے رہے ۔

اس خانت میں دسمبر سن 1905 میں ہمارے میں
نفریس کا اہم سوال ادا ہو رہا تھا۔ شہری گریبال کرشن کوٹھے
میں اپنی تھی۔ دیش میں کافی جوش تھا۔ انقلاب سے ساتھیوں
کا ہر کام میں ہمارے پہنچا۔ ہم لوگ سویم سوک کی حیثیت سے
نفریس میں شامل ہوئے تھے۔ اس سے کانگریس کی عجیب
تغییر تھی۔ اس کے ہر اجلاس میں سب سے پہلے پرسناؤ انکوائری کے
ہمراہ کی طرف وفاداری کا ہونا تھا۔ اس سال بھی سب سے پہلے
یہی پرسناؤ آیا۔ پہلی بار دیش کے کچھ نینٹوں نے اس کا وردہ
کیا۔ ان کے آگے تھے لوکانتھ الک اور لالہ لچپت رائے مجھے
لوکانتھ کے یہ لفظ آج تک یاد ہیں :—

"We have been over loyal up to this time, let us decrease our loyalty."

لوگمانیہ کا سمرقن کرتے ہوئے لالہ لاجپت رائے نے کہا : —

"Let the prince go and tell his father that there is no welcome for him in the Indian heart."

میں زہم بھول گیا لیکن ایک وقت کے یہ شدید اُپ تک یاد
 رہی: —

”کانگریس ابھی تک نابالغ تھی۔ اسے شامسوں کی دیکھ بھال کی ضرورت تھی، اب وہ 21 سال کی یعنی بالغ ہو چکی۔ اب اسے اپنا کام خود سنبھالنا چاہئے۔“

مگر پھر بھی کانگریس میں پرانے نمائندوں کا زور تھا اور وفاداری کا پرستار کسی طرح پائیں ہو ہی گیا ۔

اُس سے دیش مہن دو راج نینک دل صاف دکھائی دینے لگے۔ ایک جسم اسکو ہمست، رشتہی گرم دل کہا جاتا تھا، جس کے خاص نینکا ناک مہاراج، بہت راج، لالہ لچیت رائے شری وہن چندر پال، اور شری لرونڈ گھوش تھے، اور دوسرے جو ماتریت لیسرل یا لوم دل کہلاتا تھا، جس کے مکھیہ نینکا سرفروز شاہ مہتا، شری دنشا ایدولوی، اچا، بلذت مدن موہن مالویہ اور شری گوپال کرشن گوہلے تھے۔ ہمارے کانگریس کے بعد بھی ہنگ بھنگ کے جواب میں ملک مہاراج نے جو بھی پروگرام دیش کے سامنے رکھا اُن میں پہلا سودیشی ہے۔ دیش کے اُدیوگ دھندے اُس سے پہلے دئے ہوئے تھے۔ وہیں روپے کا مال یورپ سے آنا

सदरत में यह जबसा हुआ. जलसे में गिने चुने क़रीब दो सौ आदमी थे, जिसमें खुफ़िया पुलिस के आदमियों का भी एक जत्था था. आज तो जलसों में लाखों की भीड़ होती है मगर उस समय जलसे में जाना भी बड़ी हिम्मत का काम समझा जाता था. बहुत घुंघली सी याद रह गई है उस जलसे की, क्योंकि उसे बीते ठीक ५१ बरस हो चुके हैं. लेकिन इतना मुझे साफ़ साफ़ याद है कि जब पंडित बालकृष्ण भट्ट बहुत गरमा गरम तक्ररीर कर रहे थे तो किसी ने पीछे से उनके अँगरखे का पल्ला खींचा. भट्ट जी इस पर बिगड़ पड़े. कहने लगे—

“हमारे अँगरखे का पल्ला खींचत है, चाहत है हम बोली न. हिए में तो लागी है आग, कही काहे न.”

हम नौजवान शहर में घूमते और लोगों से स्वदेशी व्रत की प्रतिज्ञा लेने को कहते. बंगाल का उस समय का नारा था—

‘भाई भाई एक ठाँई’
भेद नाई भेद नाई !

लोगों से बादा लेते कि जब तक हमारा मुल्क आज़ाद न हो जाए हम आपस के सब भेद भाव भुला देंगे.

रोज रोज़ तो आम जलसे हो नहीं सकते थे लिहाजा हम नौजवान बोर्डिंग हाउस से एक स्टूल लेकर शाम को बंटाघर पहुँचते थे और बारी बारी से स्टूल पर खड़े हाकर व्याख्यान देते थे. हममें से जो कवि या शायर थे, वह कवि-ताएँ या नज़में पढ़ते. रोज़ रोज़ की मीटिंगों का यह अखंड सिलसिला उसी वक्त टूटता जबकि कोई दूसरी बड़ी आम सभा होती या हम सब के सब शहर के बाहर हाते. एक मुसलमान नौजवान दोस्त की तक्ररीर का एक फ़िरा अब तक मुझे याद रह गया है, हालांकि खुद उनका नाम मुझे याद नहा रहा, वह कहा करते—“हिन्दू और मुसलमान ! तुम दोनों चने की दाल की तरह हो ? जब तक इत्तफ़ाक़ यानी एकता का छिलका तुम दानों के ऊपर रहेगा तब तक तुम सलामत रहोगे, बरना मिट जाओगे.”

दिसम्बर १९०५ की बात है, एक दिन मैं बोर्डिंग हाऊस में अपने कमरे में बैठा हुआ था कि एक नौजवान दस्तक देकर भीतर आया. २६-२७ बरस की उम्र हागी, गठीला बदन, चेहरे से क्रवत और हिम्मत प्रगट होती थी, आकर पूछा—“तुम्ही सुन्दरलाल हो ?”

मैंने कहा—“हाँ”

“मेरा नाम ज्योतिन बोस है, यहाँ मैं कीडगंज में डहरा हूँ. अरविन्द बाबू ने मुझे तुमसे मिलने भेजा है.

सदरत में यह जलसे हुआ. जलसे में गिने चुने क़रीब दो सौ आदमी थे, जिसमें खुफ़िया पुलिस के आदमियों का भी एक जत्था था. आज तो जलसों में लाखों की भीड़ होती है मगर उस समय जलसे में जाना भी बड़ी हिम्मत का काम समझा जाता था. बहुत घुंघली सी याद रह गई है उस जलसे की, क्योंकि उसे बीते ठीक ५१ बरस हो चुके हैं. लेकिन इतना मुझे साफ़ साफ़ याद है कि जब पंडित बालकृष्ण भट्ट बहुत गरमा गरम तक्ररीर कर रहे थे तो किसी ने पीछे से उनके अँगरखे का पल्ला खींचा. भट्ट जी इस पर बिगड़ पड़े. कहने लगे—

“हमारे अँगरखे का पल्ला खींचत है, चाहत है हम बोली न. हए में तो लागी है आग, कही काहे न.”

हम नौजवान शहर में घूमते और लोगों से स्वदेशी व्रत की प्रतिज्ञा लेने को कहते. बंगाल का उस समय का नारा था—

‘भाई भाई एक ठाँई’
भेद नाई भेद नाई !

लोगों से बादा लेते कि जब तक हमारा मुल्क आज़ाद न हो जाए हम आपस के सब भेद भाव भुला देंगे.

रोज रोज़ तो आम जलसे हो नहीं सकते थे लिहाजा हम नौजवान बोर्डिंग हाउस से एक स्टूल लेकर शाम को बंटाघर पहुँचते थे और बारी बारी से स्टूल पर खड़े हाकर व्याख्यान देते थे. हममें से जो कवि या शायर थे, वह कवि-ताएँ या नज़में पढ़ते. रोज़ रोज़ की मीटिंगों का यह अखंड सिलसिला उसी वक्त टूटता जबकि कोई दूसरी बड़ी आम सभा होती या हम सब के सब शहर के बाहर हाते. एक मुसलमान नौजवान दोस्त की तक्ररीर का एक फ़िरा अब तक मुझे याद रह गया है, हालांकि खुद उनका नाम मुझे याद नहा रहा, वह कहा करते—“हिन्दू और मुसलमान ! तुम दोनों चने की दाल की तरह हो ? जब तक इत्तफ़ाक़ यानी एकता का छिलका तुम दानों के ऊपर रहेगा तब तक तुम सलामत रहोगे, बरना मिट जाओगे.”

दिसम्बर 1905 की बात है, एक दिन मैं बोर्डिंग हाऊस में अपने कमरे में बैठा हुआ था कि एक नौजवान दस्तक देकर भीतर आया. 26-27 बरस की उम्र हागी, गठीला बदन, चेहरे से क्रवत और हिम्मत प्रगट होती थी, आकर पूछा—“तुम्ही सुन्दरलाल हो ?”

मैंने कहा—“हाँ”

“मेरा नाम ज्योतिन बोस है, यहाँ मैं कीडगंज में डहरा हूँ. अरविन्द बाबू ने मुझे तुमसे मिलने भेजा है.

یہ نہیں کہ اس گرم منڈلی میں خالی نوجوان ہی ہوتے تھے۔ بڑے بڑے ہی اندرجی انہی ہماری مدد کرتے اور ہمارے ساتھ پوری ہمدردی رکھتے تھے۔ ان بزرگوں میں مارنگ پور اور پڑوسی کے مشہور سپہاگ بابو رامانند چتر جی، ہندی کے مشہور لہیک پنڈت ہال کرشن بہت، دہلی کلکٹر اور مشہور ودولن پنڈت شری کرشن جوشی اور ان کے علاوہ گورنمنٹ کالج کے سائنس کے ادھیا پک بابو ششی بوشلتر چتر جی تھے۔ رامانند بابو کا سسٹم ہائے شالہ کالج کے پرنسپل تھے۔ پنڈت ہال کرشن بہت اسی کالج میں سنسکرت اور ہندی کے پروفیسر تھے۔ پنڈت شری کرشن جوشی تھے تو دہلی کلکٹر اور سرکاری انسپر لیکن ان کے دل میں اپنے ملک کی آزادی کے لئے ایک قہرپ نہیں۔ ششی بابو ان بزرگوں میں سے تھے جن کی قابلیت اور چہرے نے انہیں لوگوں کی نظروں میں بہت اونچا اٹھا دیا تھا۔ ششی بابو کو سنگیت اور گیتان چرچا کا بے حد شوق تھا۔ یہ بزرگ منڈلی اکثر ان کے یہاں اکٹھا ہوتی تھی۔ کبھی کبھی اُس منڈلی میں اردو کے مشہور شاعر اکبر حسین اور پنڈت مدن موہن مالویہ بھی شامل ہوجاتے تھے۔

نوجوانوں کی ایک گروہ منڈلی میں خالی نوجوان ہی ہوتے تھے۔ بڑے بڑے ہی اندرجی انہی ہماری مدد کرتے اور ہمارے ساتھ پوری ہمدردی رکھتے تھے۔ ان بزرگوں میں مارنگ پور اور پڑوسی کے مشہور سپہاگ بابو رامانند چتر جی، ہندی کے مشہور لہیک پنڈت ہال کرشن بہت، دہلی کلکٹر اور مشہور ودولن پنڈت شری کرشن جوشی اور ان کے علاوہ گورنمنٹ کالج کے سائنس کے ادھیا پک بابو ششی بوشلتر چتر جی تھے۔ رامانند بابو کا سسٹم ہائے شالہ کالج کے پرنسپل تھے۔ پنڈت ہال کرشن بہت اسی کالج میں سنسکرت اور ہندی کے پروفیسر تھے۔ پنڈت شری کرشن جوشی تھے تو دہلی کلکٹر اور سرکاری انسپر لیکن ان کے دل میں اپنے ملک کی آزادی کے لئے ایک قہرپ نہیں۔ ششی بابو ان بزرگوں میں سے تھے جن کی قابلیت اور چہرے نے انہیں لوگوں کی نظروں میں بہت اونچا اٹھا دیا تھا۔ ششی بابو کو سنگیت اور گیتان چرچا کا بے حد شوق تھا۔ یہ بزرگ منڈلی اکثر ان کے یہاں اکٹھا ہوتی تھی۔ کبھی کبھی اُس منڈلی میں اردو کے مشہور شاعر اکبر حسین اور پنڈت مدن موہن مالویہ بھی شامل ہوجاتے تھے۔

نوجوان دوستوں میں پنڈت بाल کृष्ण بھٹ کے پوتہ महादेव भट्ट, और शशि बाबू के सबसे बड़े बेटे नित्यानन्द चटरजी थे. रास बिहारी शुक्ल को हम सब लोग प्रेम से 'राशी' कहकर पुकारते थे. बाद में जमाने ने पलटा खाया, राशी को मजबूर होकर सरकारी नौकरी करनी पड़ी. अपनी क्राबलियत के लिए वह रायसाहब भी बने और सेक्रेटरी-यट में हेल्थ डिपार्टमेंट के सुपरिन्टेन्डेन्ट के पद से रिटायर हुए. टीकाराम त्रिपाठी डिस्ट्रिक्ट बोर्ड के स्कूल के अध्यापक थे लेकिन बाद में उन्हें अपनी अध्यापकी से स्तीफा देना पड़ा. टीकाराम को छोड़कर और सभी साथियों को मौत ने अपनी गोद में समेट लिया है, और जब मैं यह लाइन लिख रहा हूँ, मेरी आँखों के सामने इन देश प्रेमी साथियों के चेहरे घूम रहे हैं.

نوجوانوں کے دوستوں میں پنڈت ہال کرشن بہت کے پوتہ महादेव भट्ट, और शशि बाबू के सबसे बड़े बेटे नित्यानन्द चटरजी थे. रास बिहारी शुक्ल को हम सब लोग प्रेम से 'राशी' कहकर पुकारते थे. बाद में जमाने ने पलटा खाया, राशी को मजबूर होकर सरकारी नौकरी करनी पड़ी. अपनी क्राबलियत के लिए वह रायसाहब भी बने और सेक्रेटरी-यट में हेल्थ डिपार्टमेंट के सुपरिन्टेन्डेन्ट के पद से रिटायर हुए. टीकाराम त्रिपाठी डिस्ट्रिक्ट बोर्ड के स्कूल के अध्यापक थे लेकिन बाद में उन्हें अपनी अध्यापकी से स्तीफा देना पड़ा. टीकाराम को छोड़कर और सभी साथियों को मौत ने अपनी गोद में समेट लिया है, और जब मैं यह लाइन लिख रहा हूँ, मेरी आँखों के सामने इन देश प्रेमी साथियों के चेहरे घूम रहे हैं.

इलाहाबाद में अभी हमारी टोली को संगठित हुए दो महीने भी न बीत पाए थे कि बंगाल में एक ऐसी घटना घटी जिसने सारे मुल्क की निगाहें अपनी तरफ कर लीं. 16 अक्टूबर सन् 1905 को बंगाल के दो टुकड़े कर दिए गये. बंग-भंग ने एक आन्दोलन की शकल ले ली. बंगाल के दो टुकड़े हो गए मगर बंग-भंग के आन्दोलन ने बिखड़े हुए दिलों को मिला दिया.

الہ آباد میں ابھی ہماری ٹولی کو سنگیت ہوئے دو مہینے بھی نہ ہوتے تھے کہ بنگال میں ایک ایسی گھٹنا کہتی جس نے سارے ملک کی نگاہیں اپنی طرف کر لیں۔ 17 اکتوبر سن 1905 کو بنگال کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔ بنگ بھنگ نے ایک آندولن کی شکل لے لی۔ بنگال کے دو ٹکڑے نہ ہوئے مگر بنگ بھنگ کے آندولن نے بچھڑے ہوئے دلوں کو ملا دیا۔

इलाहाबाद में हम नौजवानों की टोली अगला कदम उठाने की तजवीजें करने लगी. हम लोगों ने फैसला किया - 31 अक्टूबर को जमना के किनारे बलुआघाट पर पहला आम जलसा किया जाए. पंडित बालकृष्ण भट्ट की

الہ آباد میں ہم نوجوانوں کی ٹولی اگلا قدم اٹھانے کی تجویزیں کرنے لگی۔ ہم لوگوں نے فیصلہ کیا کہ 31 اکتوبر کو جمنہ کے کنارے بلوا گھاٹ پر پہلا عام جلسہ کیا جائے۔ پنڈت ہال کرشن بہت کی

بھ جمانا ہی ऐसा था जब सियासत और बकालत एक ही तसवीर के दो पहलू थे. उन्ही की सलाह से मैंने इलाहाबाद पहुँचकर ला कालेज में नाम लिखाने का फैसला किया. इत्फाक से मेरे पिता जी को भी यही मशविरा पसंद आया. मगर एक दूसरे नुकतेनजर से. वह चाहते थे कि मैं मुंसिफ बनूँ क्योंकि उस जमाने में मुंसिफों से हाईकोर्ट का जजी तक एक खुला सीधा रास्ता था और मुंसिफों के लिये बकालत पढ़ना जरूरी था. नतीजा यह हुआ कि सन् 1905 में यूनिवर्सिटी खुलने पर मैं इलाहाबाद पहुँच गया और हिन्दू बोर्डिंग हाउस में दाखिल हो गया.

सर सुन्दरलाल और उनके भाई पंडित कन्हैयालाल, जो बाद में हाईकोर्ट के जज बने, मेरे पिता जी के दोस्तों में से थे. पिता जी के हुक्म के मुताबिक इलाहाबाद पहुँचते ही मैं उनसे भी मिलने गया. उन्होंने मुझे सलाह दी कि मैं एम० ए० और लॉ दोनों में ही अपना नाम लिखा लूँ. चुनांचे एम० ए० में फिलासफी और एल-एल० बी० में मैंने अपना नाम लिखा लिया.

पंजाब में उस जमाने में कालेजों और यूनिवर्सिटी के विद्यार्थी आम तौर पर पगड़ी बाँधा करते थे. बाद में पगड़ी की जगह टोपी ने ले ली और अब तो टोपी की जगह नंगा सर ही लोग पसंद करने लगे. मगर उस जमाने में सर खुला रखना तहजीब के खिलाफ बात समझी जाती थी. मालवीय जी एक निराली किस्म की पगड़ी बाँधते थे. वह तरीका मुझे इतना पसंद आया कि लाहौर ही से मैंने मालवीय जी की तरह पगड़ी बाँधनी शुरू कर दी. इतनी अच्छी पगड़ी मैं बाँध लेता था कि मेरे साथी, मालवीय जी के बड़े पुत्र पंडित रामकान्त मालवीय को भी मुझसे ईर्ष्या हाँती थी. किन्तु इस पगड़ी का यह असर पड़ा कि लोग मुझे निहायत नरम बिचारों का समझने लगे, लेकिन धीरे-धीरे लोगों की यह शलसफ़ा दूर हो गई, और लोग यह जान गये कि मालवीय छाप पगड़ी के नीचे एक गरम सिर है.

यूनिवर्सिटी के विद्यार्थियों में गरम खयाल के दो विद्यार्थियों की तरफ मेरी नज़र गई, एक बुरहानपुर के के० पी० भिन्न थे और दूसरे नागपुर निवासी एन० एम० धरमा. दोनों ही मेरे साथ एल-एल० बी० में पढ़ते थे. कुछ महीनों के बाद ही गरम बिचार के नौजवानों की मंडली काफी ताकत पकड़ने लगी और धीरे धीरे इलाहाबाद गरम दल का एक खास अङ्ग बन गया. नए साथियों में बाबू नित्यानन्द चटर्जी, महादेव भट्ट, रास बिहारी शुक्ल, टीका-राम त्रिपाठी और माधा शुक्ल थे. माधा शुक्ल बड़ी लय के साथ अपनी देश-प्रेम से भरी कविताएँ पढ़ते और नौजवानों के दिलों को अपनी ओर कर लेते थे.

वे زمته ہی ایساتا جب سیاست اور وکالت ایک ہی تصویر کے دو پہلو تھے. انہیں کی صلاح سے میں نے اہلآباد پہنچ لا کالج میں نام لکھانے کا فیصلہ کیا. اتفاق سے میرے پتا جی کو بھی یہی مشورہ پسند آیا. مگر ایک دوسرے نقطہ نظر سے. وہ چاہتے تھے کہ میں مصلحت بنوں کیونکہ اُس زمانہ میں ماضی سے مائی کورٹ کی ججی تک ایک کھلا سیدھا راستہ تھا اور ماضی کے ائمہ وکالت پڑھنا ضروری تھا. نتیجتاً یہ ہوا کہ سن 1905 میں یونیورسٹی کھلنے پر میں اہلآباد پہنچ گیا اور ہندو برتنگ ہاؤس میں داخل ہو گیا.

سر سندر لال اور اُن کے بھائی پنڈت کھنیا لال، جو بعد ہی ہائی کورٹ کے جج بنے، میرے پتا جی کے دوستوں میں سے تھے. پتا جی کے حکم کے مطابق اہلآباد پہنچنے ہی میں اُن سے ملنے گیا. انہوں نے مجھے صلاح دی کہ ایم۔ اے اور لا دونوں ہی میں اپنا نام لھالوں. چنانچہ ایم۔ اے میں فلاسفی اور اور ایل۔ ایل۔ بی میں میں نے اپنا نام لھالیا.

پنجاب میں اُس زمانے میں کالجوں اور یونیورسٹی کے وڈبارتھی عام طور پر پگڑی باندھا کرتے تھے. بعد میں پگڑی کی جگہ ٹوپی نے لے لی اور اب تو ٹوپی کی جگہ ننگا سر ہی لگ پسن کر لے لگے. مگر اُس زمانے میں سر کھلا رکھنا تہذیب کے خلاف ہلت سمجھی جاتی تھی. مالویہ جی ایک نوالی قسم کی پگڑی باندھتے تھے. اور وہ طریقہ مجھے اتنا پسند آگیا کہ لاہور ہی سے میں نے مالویہ جی کی طرح پگڑی باندھنی شروع کر دی. اتنی اچھی پگڑی میں باندھ دیتا تھا کہ دوسرے ساتھی مالویہ جی کے بڑے پتر پنڈت رامکانت مالویہ کو بھی مجھ سے ایرشا ہوتی تھی. ہندو اِس پگڑی کا یہ اثر پڑا کہ لوگ مجھے نہایت نرم و چاروں کا سمجھنے لگے. لیکن دھیرے دھیرے لوگوں کی یہ غلط فہمی دور ہوئی اور لوگ یہ جان گئے کہ مالویہ چھاپ پگڑی کے نیچے ایک گرم سر ہے.

یونیورسٹی کے وڈبارتھیں میں گرم خیال کے نوجوانوں کی طرف سے بڑی تھرتھائی. ایک بڑھان پور کے بھائی. مشر تھے اور دوسرے ناگپور نواسی ایل۔ ایم۔ دھرما. دونوں ہی میرے ساتھ ایل۔ ایل۔ بی میں پڑھتے تھے. کچھ مہینوں کے بعد ہی گرم و چار کے نوجوانوں کی مٹائی لانی طاقت پکڑنے لگی اور دھیرے دھیرے اہلآباد گرم دل کا ایک خاص اڈا بن گیا. نئے ساتھیوں میں بابو نیتانند چٹرجی، مہادیو بھٹ، راس بھاری شکل اور تمکا رام تریباٹی اور مادھو شکل تھے. مادھو شکل بڑی لے کے ساتھ اپنی دیہی رویم سے پہری اپنی کونیتانوں پڑھتے اور نوجوانوں کے دلوں کو اپنی اور کرلیتے تھے.

سن 1905 کا سبदेशی آنندولن

اور میرا راج نیتک جیون

پنڈت سندر لال

سن 1905 کی بات ہے !

سی۔ پی۔ کالج لاہور سے بی۔ اے پاس کرنے کے بعد میرے سامنے آگے کی پکار کا سوال تھا۔

لاہور میں لالا لاجپت رائے کے ساتھ بہت ہی نزدیکی تھی۔ ان کے کلموں کے پاس بیٹھ کر میں نے راجنیت کے پہلے پاٹ پڑھے۔ میں نے اپنے پیتا کی طرح پوجہ ماننا تھا اور انہیں مجھ سے بہت سے بھی زیادہ محبت تھی۔ انہیں کی ہدایت کے مطابق سن 1904 میں بی۔ اے کی پوری تعلیم میں اگلے پڑھنے کی سہولت چاہی میں میرا پہلا قدم تھا۔

میرے سامنے سوال تھا کہ میں بی۔ اے پاس کر کے ششما بنوں یا وکالت پاس کر کے راجنیت میں گھراؤں سے حصہ لوں۔ لالہ جی سے میں نے مشورہ کیا۔ ان کی رائے تھی کہ سیاسی زندگی کے لئے وکالت بڑھانے کی ہے۔

[پچھلے صفحے سے آگے]

افلاطون نے ایسور کو ایک بڑے گنڈکے کے روپ میں ہی دیکھا تھا۔ یہی بات ویدانت اور ویدانتوں میں بھی گئی تھی۔ افلاطون کے سوتروں کی پہلی شکل بالکل بھارت کے شری پتھر سے ملتی ہے جس میں ایک انسان انسانی برہم چکر کے روپ میں دکھایا جاتا ہے اور اس کے اندر چار چکر شری پتھر کے دو دوسرے کو گانے ہوئے تریکوں کے روپ میں۔ یہ چکر کبھی کبھی ایک سانپ کی شکل میں بھی دکھایا جاتا ہے جس کا منہ خود اپنی دم کو کھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

یہی سلسلہ یعنی چمکتا ہے۔ یہی مایا یعنی یوم ہے۔

اس طرح پانچ گنڈکے افلاطون دسویں اور ان دونوں کے مزل سے پیدا ہونے والی ساری سوشلی کو تسلیم کرنا ہوا اپنی پستک کو پڑھ کر تھا۔

دھانی ساری سائنس انہیں تہوں کے سہارے قائم ہیں۔

سن 1905 کا سبদেশی آنندولن

اور میرا راج نیتک جیون

پنڈت سندر لال

سن 1905 کی بات ہے !

سی۔ پی۔ کالج لاہور سے بی۔ اے پاس کرنے کے بعد میرے سامنے آگے کی پکاری کا سوال تھا۔

لاہور میں لالہ لاجپت رائے کے ساتھ بہت ہی نزدیکی تھی۔ ان کے قدموں کے پاس بیٹھ کر میں نے راج نیت کے پہلے پاٹ پڑھے۔ میں نے اپنے پیتا کی طرح پوجہ ماننا تھا اور انہیں مجھ سے بہت سے بھی زیادہ محبت تھی۔ انہیں کی ہدایت کے مطابق سن 1904 میں بی۔ اے کی پوری تعلیم میں اگلے پڑھنے کی سہولت چاہی میں میرا پہلا قدم تھا۔

میرے سامنے سوال تھا کہ میں بی۔ اے پاس کر کے ششما بنوں یا وکالت پاس کر کے راج نیت میں گھراؤں سے حصہ لوں۔ لالہ جی سے میں نے مشورہ کیا۔ ان کی رائے تھی کہ سیاسی زندگی کے لئے وکالت بڑھانے کی ہے۔

[پچھلے صفحے سے آگے]

افلاطون نے ایسور کو ایک بڑے گنڈکے کے روپ میں ہی دیکھا تھا۔ یہی بات ویدانت اور ویدانتوں میں بھی گئی تھی۔ افلاطون کے سوتروں کی پہلی شکل بالکل بھارت کے شری پتھر سے ملتی ہے جس میں ایک انسان انسانی برہم چکر کے روپ میں دکھایا جاتا ہے اور اس کے اندر چار چکر شری پتھر کے دو دوسرے کو گانے ہوئے تریکوں کے روپ میں۔ یہ چکر کبھی کبھی ایک سانپ کی شکل میں بھی دکھایا جاتا ہے جس کا منہ خود اپنی دم کو کھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

یہی سلسلہ یعنی چمکتا ہے۔ یہی مایا یعنی یوم ہے۔

اس طرح پانچ گنڈکے افلاطون دسویں اور ان دونوں کے مزل سے پیدا ہونے والی ساری سوشلی کو تسلیم کرنا ہوا اپنی پستک کو پڑھ کر تھا۔

دھانی ساری سائنس انہیں تہوں کے سہارے قائم ہیں۔

اصل حقیقت کھول ایک ہے اور وہ نور ہے، 'نورِ وحی' ہے۔
 وحدت ہے، یون، ہے۔ وہی 'انما' ہے۔ وہی 'سہم سدا'
 یعنی خود اپنا پرمان ہے۔ ساری دنیا اس کے اندر ہے۔
 وہی 'نہیکھن' یعنی ایساوت ہے۔ اور سب 'ساہیکھن' یعنی
 زیلتو' ہے۔ ہر پھر کر بھی انسان کا سدھانت ہے اور یہی
 وحدت کا اصل۔ یہی اصلی 'دیکھن' ہے، یہی پراچین 'پرگھن' ہے۔
 مسلم صحیفوں کے انوسار یہی وحدۃ وجود ہے۔

اچکل کے بڑے بڑے سائنسدانوں کا بیان ویدانت کے اصولوں سے بہت جانا ہے۔ مثال کے لئے سر جے۔ جینس کی 'دی مسٹرپوس ہونی ورس' اور ڈاکٹر الیکسس کیول کی 'میں ہی اُن نون' بڑھاپے یوگ کتابیں ہیں۔ سر جے۔ جینس لکھتا ہے کہ:— "اچکل کی سائنس اسی تہذیب پر پہنچ رہی ہے کہہ دینے کی سب چیزوں کا وجود ایک انسانی اور انسانیت انسان کے من کے اندر ہے، "دنیا کی کھٹنائوں کھٹت نہیں ہوتیں؛ کیول ہم انہیں کھٹت ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ پلایو (اطلاطون) کہتا ہے کہ:— ہم دیکھتے ہیں۔ اور 'ہوگا' کہتے ہیں کہ لیکن سچائی یہ ہے کہ ہمیں کیول' عین ہی کہنا چاہیے۔" اور کے سب رائے سر جے۔ جینس کی کذب سے لیٹے گئے ہیں۔

قادر الیسیکس کپزل نے لکھا ہے کہ: — ”میں ابھی تک ایک ایسے سنسار میں قریب رہ رہے ہیں جسے بے جان مادے کی سائنسوں نے پیدا کیا ہے۔ یہ سنسار ہمارے سمجھ کی غلطی سے پیدا ہوا ہے۔ ہم اپنی اصلی آتما کو نہیں جان پائے اس لئے یہ دنیا بنا ہوئی۔ آجکل کے شہروں کے شور و شر کے اندر بھی جو اپنی انٹر آتما کی شانتی کو قائم رکھتے ہیں، وہ طرح طرح کی دماغی اور دوسری بیماریوں سے بچے رہتے ہیں۔ جو آتما ابھور کے اندر قریب جاتی ہے اسی کی روشنی کے سامنے مروت بھی مسکرا کر رہ جاتی ہے۔“

لیکن آجکل کی سائنس ابھی یہ کہنے کو تیار نہیں ہے کہ وہ اندوی اور اننت 'آما' وہ ہماری سچی 'آما' ہماری انتر 'آما' 'ایشور' وہی ایک آما سب کے اندر ہے۔ اور وہی سب ہے۔ 'توسسی' 'ام پرعماسی' 'العلق جیسی' سچانہاں ابھی تک سائنس کے سمجھ کے دائرے سے دور ہیں۔ اسی لئے ابھی سائنس کو اصلیت تک پہنچنے میں دقت پڑ رہی ہے۔

ممہ کا گنزٹ انک گنزٹ ھے جس میں جرڑ، ہاتی اور شونہ (صفر) سب ہماری کلہانوں ھوں . دیہی کا گنزٹ رکھا گنزٹ ھے، جس میں بانڈٹ پعلی نقطہ، لائن، سطح، کونڈر، ٹوپکر، دائرہ، سمانانڈر سب دارشنگ کلہانوں ھوں . ان میں سے کوئی کہوں اصلی شکل میں دیہی نہیں جا سکتی .

اپنی عمر ہے۔ ہر ایک کا جنم ہے، ہر ایک کی موت ہے اور ہر ایک کا بچ کا زمانہ ہے اور یہ سب بھی دکھایا ہی دکھایا ہے کیونکہ ایک دوسرے سے علیحدگی اور پرہیز کی کرنا ہی انت میں دکھایا ہے، سنایا ہے، مایا ہے۔

پرکرتی یعنی قدرت کے دو پہلو ہیں۔ مूल پرکرتی اور دیوی پرکرتی۔ مूल پرکرتی مادہ ہے اور دیوی پرکرتی شکتی ہے۔ یہ شکتی براہر جنم، سرن عمل، ردعمل کے روپ میں کام کرتی رہتی ہے۔ اس کا چلانے والا برہما کہا جاتا ہے۔ وہی وشو کی آتما ہے۔ جب ایک رچنا (خفقت) ختم ہو جاتی ہے تو اس کی جگہ دوسری جنم لے لیتی ہے۔ ٹھیک جس طرح کچھ آدمی مرتے ہیں تو دوسرے پیدا ہوتے دھتے ہیں۔ جو حالت چھوٹے سے چھوٹے کی ہے وہی حالت بڑے سے بڑے کی بھی ہے۔ جو چھوٹے سے چھوٹے پانڈویں ہے وہی بڑے سے بڑے برہمان میں بھی ہے۔ یہ سب سدا بدلتی ہوئی صورتیں آتما یعنی اصل وجود کا کیوں ایک سہلا ہے۔

آتما ہے کہ انسٹائن کی تھیوری آف ریلیٹیویٹی اور ویدانت انت میں ایک دوسرے کے بہت ٹمٹ دکھائی دیں گے۔ آسانسٹائن کے سدھانت کے اوپر نئے نئے وچاروں کی چونکائیں نکل رہی ہیں ان سے یہ بات اور بھی صاف دکھائی دے جاتی ہے۔

آتما میں کوئی دو سمائناتر رہتھیں ہو ہی نہیں سکتیں، ہیں ہی نہیں۔ سب چھوڑیں چکر لات رہی ہیں یا پیچ کی چوڑیوں کی طرح حرکت کر رہی ہیں۔ دیش، کال اور سنسار سب ناشرمان ہیں، سوسپنی یا پرانے میں جانر این سب کا انت ہو جاتا ہے۔ پاشچت گرت جو سب سے پکی ساہنس گینی جاتی ہے، سب سے کراچی अधिक कल्पनाओं के आधार पर चल रहा है۔ बड़े से बड़े साहंसदानों में मतभेद हैं, बहसे हैं। एडिंगटन कहता है कि आधे बड़े से बड़े साहंसदानों का कहना है कि 'ईश्वर' नाम की चीज का वजूद है, और बाकी आधे बड़े से बड़े साहंसदानों का कहना है कि 'ईश्वर' का कोई वजूद ही नहीं। इसपर एक और विद्वान जोड लिखता है कि इन दोनों का मतलब एक ही है केवल शब्दों का भगड़ा है। सर विलियम ब्रैग कहता है कि:— "हम हर सामवार; बुधवार और शुक्रवार को एक सिद्धान्त से काम लेते हैं और हर मंगलवार, बीरवार और शनिवार को दूसरे सिद्धान्त से काम लेते हैं।"

आहंस्टाइन के सिद्धान्त के वैज्ञानिक नतीजे कुछ भी निकलें वह सिद्धान्त वेदान्त के बिल्कुल निकट और उसके अन्दर शामिल हैं। यह सब जो कुछ हम देखते हैं सापेक्ष है यानी कवल एक दूसरे की मुनासबत से वजूद रखता है।

आशा है कि आहंस्टाइन की थ्योरी आफ रैलेटिविटी और वेदान्त अन्त में एक दूसरे के बहुत निकट दिखाई देंगे। आहंस्टाइन के सिद्धान्त के ऊपर नए-नए विचारकों की जो कितायें निकल रही हैं उनसे यह बात और भी साफ दिखाई दे जाती है।

वास्तव में कोई दो समानान्तर रेखाएँ हो ही नहीं सकती, हैं ही नहीं, सब चीजें चकर काट रही हैं या पेच की चूड़ियों की तरह द्रकत कर रही हैं। देश, काल और संसार सब नाशमान हैं, सुषुप्ति या प्रलय में जाकर इन सब का अन्त हो जाता है, पाश्चात्य गणित जो सब से पकी साहंस गिनी जाती है, सब से फरजी अधिक कल्पनाओं के आधार पर चल रहा है। बड़े से बड़े साहंसदानों में मतभेद हैं, बहसे हैं। एडिंगटन कहता है कि आधे बड़े से बड़े साहंसदानों का कहना है कि 'ईश्वर' नाम की चीज का वजूद है, और बाकी आधे बड़े से बड़े साहंसदानों का कहना है कि 'ईश्वर' का कोई वजूद ही नहीं। इसपर एक और विद्वान जोड लिखता है कि इन दोनों का मतलब एक ही है केवल शब्दों का भगड़ा है। सर विलियम ब्रैग कहता है कि:— "हम हर सामवार; बुधवार और शुक्रवार को एक सिद्धान्त से काम लेते हैं और हर मंगलवार, बीरवार और शनिवार को दूसरे सिद्धान्त से काम लेते हैं।"

आशा है कि आहंस्टाइन की थ्योरी आफ रैलेटिविटी और वेदान्त अन्त में एक दूसरे के बहुत निकट दिखाई देंगे। आहंस्टाइन के सिद्धान्त के ऊपर नए-नए विचारकों की जो कितायें निकल रही हैं उनसे यह बात और भी साफ दिखाई दे जाती है।

वास्तव में कोई दो समानान्तर रेखाएँ हो ही नहीं सकती, हैं ही नहीं, सब चीजें चकर काट रही हैं या पेच की चूड़ियों की तरह द्रकत कर रही हैं। देश, काल और संसार सब नाशमान हैं, सुषुप्ति या प्रलय में जाकर इन सब का अन्त हो जाता है, पाश्चात्य गणित जो सब से पकी साहंस गिनी जाती है, सब से फरजी अधिक कल्पनाओं के आधार पर चल रहा है। बड़े से बड़े साहंसदानों में मतभेद हैं, बहसे हैं। एडिंगटन कहता है कि आधे बड़े से बड़े साहंसदानों का कहना है कि 'ईश्वर' नाम की चीज का वजूद है, और बाकी आधे बड़े से बड़े साहंसदानों का कहना है कि 'ईश्वर' का कोई वजूद ही नहीं। इसपर एक और विद्वान जोड लिखता है कि इन दोनों का मतलब एक ही है केवल शब्दों का भगड़ा है। सर विलियम ब्रैग कहता है कि:— "हम हर सामवार; बुधवार और शुक्रवार को एक सिद्धान्त से काम लेते हैं और हर मंगलवार, बीरवार और शनिवार को दूसरे सिद्धान्त से काम लेते हैं।"

आहंस्टाइन के सिद्धान्त के वैज्ञानिक नतीजे कुछ भी निकलें वह सिद्धान्त वेदान्त के बिल्कुल निकट और उसके अन्दर शामिल हैं। यह सब जो कुछ हम देखते हैं सापेक्ष है यानी कवल एक दूसरे की मुनासबत से वजूद रखता है।

آج کل یورپ میں آئنسٹائن کی 'ظہری آفاق ریلے-ٹیلڈی' کی बहुत चरचा है. मोटे तौर पर इसका अर्थ यह लिया जाता है कि दुनिया की सब चीजों का बजूद जिनमें देश, काल और क्रिया भी शामिल हैं, केवल सापेक्ष यानी दूसरी चीजों की मुनासबत से ही है इनका अपना असल बजूद कुछ नहीं. आइनस्टाइन के इस सिद्धान्त का लेकर योरप में तरह-तरह की चरचाएँ हो रही हैं और बहुत सी किताबें लिखी जा चुकी हैं. कुछ कहना है कि समय कोई चीज नहीं, केवल चौड़ाई, लम्बाई और गहराई की तरह समय भी एक फरजी दिशा है. कुछ का कहना है कि देश यानी जगह अन्त में जाकर मुड़ जाती है यानी गोल हा जाती है. कुछ का कहना है कि समानान्तर यानी सुतबाजी लकीरें अगर काफी दूर तक बढ़ाई जावें तो आखीर में मिल जावेंगी. कुछ कहते हैं कि देश, काल और विश्व सब सान्तक यानी फ़ानी और महदूद हैं. कुछ यह भी कहते हैं कि यह विश्व कहीं बढ़ रहा है, कहीं सिकुड़ रहा है और हर सूरत में इसकी शक्ति के क्षीण होने के साथ साथ यह एक दिन नष्ट हो जावेगा, इत्यादि इत्यादि. कुछ का यह भी कहना है कि विश्व की असलीयत को सिबाय बड़े गहरे साइन्सदानों के और कोई समझ ही नहीं सकता.

इस देश का पुराना दर्शन शास्त्र हमेशा से मानता चला आया है कि देश, काल और क्रिया तीनों तीन हैं, फिर भी इनमें से किसी को एक दूसरे से अलग नहीं किया जा सकता और तीनों एक बराबर माया यानी फरेब हैं. इनका बजूद आदमी के सपने से ज़ियादह हैसियत नहीं रखता. जो दुनियाएँ, चाँद, सूरज वगैरा हमें दिखाई देते हैं इनके बीच बीच में और इनमें को निकलती हुई और भी दुनियाएँ हैं जो बिल्कुल दूसरी ही तरह के मादे से बनी हैं. उन दुनियाओं में देश, काल और हरकत के भी और ही अर्थ होते हैं. यह दुनियाएँ हमारे जागते समय की दुनियाएँ भी हैं और सपने के समय की दुनियाएँ भी हैं. हमारे नीचे भी हैं और ऊपर भी हैं. यूरोपियन विद्वान फूरनियर डी. एलब्रे ने इस विषय पर एक बहुत अच्छी किताब 'द न्यू वर्ल्ड्स' यानी दो नई दुनियाएँ लिखी है. उसके अनुसार इनमें से एक दुनिया वह है जो बिना खुर्दबीन के नहीं देखी जा सकती. वह भी कराङ्क कराङ्क संखदा संख जन्तुओं का दुनिया है. और दूसरी वह दुनिया है जो बिना दूरबीनों के नहीं देखी जा सकती जिस में अरबों छ्राटे, बड़े सितारे, सैयारे, चाँद, सूरज और सूरजों के सूरज शामिल हैं.

योरप का विज्ञान आइनस्टाइन के बाद वेदान्त की इस कल्पना की तरफ़ साक बढ़ रहा है कि अन्त में जाकर सब क्रिया और हरकत गालाकार चक्रों में रह जाती है. इस संसार चक्र का न कोई आदि है और न कोई अन्त. यह हर चीज की

अंजल योरप में आइन्स्टाइन की 'तेहरी अफ़ रिलेटिवी' की कौनसा चरचा है. मर्म पर इस का अर्थ है कि दुनिया की सब चीजों का बजूद जिनमें देश, काल और क्रिया भी शामिल हैं, केवल सापेक्ष यानी दूसरी चीजों की मुनासबत से ही है इनका अपना असल बजूद कुछ नहीं. आइनस्टाइन के इस सिद्धान्त का लेकर योरप में तरह-तरह की चरचाएँ हो रही हैं और बहुत सी किताबें लिखी जा चुकी हैं. कुछ कहना है कि समय कोई चीज नहीं, केवल चौड़ाई, लम्बाई और गहराई की तरह समय भी एक फरजी दिशा है. कुछ का कहना है कि समानान्तर यानी सुतबाजी लकीरें अगर काफी दूर तक बढ़ाई जावें तो आखीर में मिल जावेंगी. कुछ कहते हैं कि देश, काल और विश्व सब सान्तक यानी फ़ानी और महदूद हैं. कुछ यह भी कहते हैं कि यह विश्व कहीं बढ़ रहा है, कहीं सिकुड़ रहा है और हर सूरत में इसकी शक्ति के क्षीण होने के साथ साथ यह एक दिन नष्ट हो जावेगा, इत्यादि इत्यादि. कुछ का यह भी कहना है कि विश्व की असलीयत को सिबाय बड़े गहरे साइन्सदानों के और कोई समझ ही नहीं सकता.

इस दिश का पुराना दर्शन शास्त्र हमेशा से मानता चला आया है कि देश, काल और क्रिया तीनों तीन हैं, फिर भी इनमें से किसी को एक दूसरे से अलग नहीं किया जा सकता और तीनों एक बराबर माया यानी फरेब हैं. इनका बजूद आदमी के सपने से ज़ियादह हैसियत नहीं रखता. जो दुनियाएँ, चाँद, सूरज वगैरा हमें दिखाई देते हैं इनके बीच बीच में और इनमें को निकलती हुई और भी दुनियाएँ हैं जो बिल्कुल दूसरी ही तरह के मादे से बनी हैं. उन दुनियाओं में देश, काल और हरकत के भी और ही अर्थ होते हैं. यह दुनियाएँ हमारे जागते समय की दुनियाएँ भी हैं और सपने के समय की दुनियाएँ भी हैं. हमारे नीचे भी हैं और ऊपर भी हैं. यूरोपियन विद्वान फूरनियर डी. एलब्रे ने इस विषय पर एक बहुत अच्छी किताब 'द न्यू वर्ल्ड्स' यानी दो नई दुनियाएँ लिखी है. उसके अनुसार इनमें से एक दुनिया वह है जो बिना खुर्दबीन के नहीं देखी जा सकती. वह भी कराङ्क कराङ्क संखदा संख जन्तुओं का दुनिया है. और दूसरी वह दुनिया है जो बिना दूरबीनों के नहीं देखी जा सकती जिस में अरबों छ्राटे, बड़े सितारे, सैयारे, चाँद, सूरज और सूरजों के सूरज शामिल हैं.

योरप का विज्ञान आइनस्टाइन के बाद वेदान्त की इस कल्पना की तरफ़ साक बढ़ रहा है कि अन्त में जाकर सब क्रिया और हरकत गालाकार चक्रों में रह जाती है. इस संसार चक्र का न कोई आदि है और न कोई अन्त. यह हर चीज की

آئیسٹاइन کا سیدھانت اور ویدانت

ڈاکٹر بھگوانداس

یہ دنیا کیا ہے ؟

آتما، رُہ یا نی 'میں' کیا ہے اور اناتما یا نی ماسا یا نی یہ سب جو دیکھا دیتا ہے یہ کیا ہے، اور ان دونوں میں کیا سمبندھ ہے ؟ یہی سوال دھارم شاستر (فلسفہ) کا मुख्य سوال ہے اور یہی سوال تہی کے साथ سائینس کا मुख्य سوال ہوتا جا رہا ہے۔

آتما اور اناتما کے مہل کے دو پہلو ہیں۔ اک پہلو ہے جسے ہم دہش، کال، اور کریا، یا نی مکان، زمان اور ہرکت کھکر بیان کرتے ہیں، اور دوسرا پہلو شکتی کے رُپ میں دیکھا دیتا ہے، جسے ہم کریا، پرانی کریا اور کاریہکارن سمبندھ یعنی عمل، رد عمل اور علت اور معلول کا رشتہ کہہ سکتے ہیں۔ دنیا میں ہمارے سارے اونیو انہیں میں آجاتے ہیں۔

جب ہمیں چیزیں ایک دوسرے کے بعد ہوتی معلوم ہوتی ہیں تو کال (سمہ) کی کلہنا پیدا ہوتی ہے۔ بہت سی چیزیں کے ایک ساتھ وجود سے دہش (جکہ) کی کلہنا پیدا ہوتی ہے۔ چیزوں کے ادلہ بدلنے سے کریا (ہرکت) کی کلہنا پیدا ہوتی ہے۔ ان تہوں کال، دہش اور کریا کا ایک دوسرے کے ساتھ اثرات سمبندھ ہے۔

کال (سمہ) کے تین کرم ہیں بھوت، بوشیہ اور دونوں کو ملالے والا ورتمان۔ دہش (جکہ) کے تین یاد (قدم) ہیں۔ اونیو، نیچے اور دونوں کو ملالے والا بیچ۔ انہیں کو پیچھے، آگے اور ملالے والا 'تہاں' ہی کہہ سکتے ہیں۔ انہیں کے رُپ 'مبانی' چیزائی اور گہرائی ہیں۔

کریا (ہرکت) کی تین دشانوں (تین سمت) ہیں۔ انہیں کو تین 'پرکار' ہی کہہ سکتے ہیں۔ 'آگے' پیچھے اور گول چکر دوسرے شہدوں میں پرمنا، سکونا اور سربلا پن۔ یا وہ شکتی جو سب چیزوں کو مرکز کی طرف کھینچتی ہے، وہ جو سب کو مرکز سے دور پھینکتی ہے، اور وہ جو چیزوں کو گولا کر گمانی ہے۔

یہ سب کیول لہلائیں ہیں، تصور ہیں، سب خام خیالی ہیں۔ ان کا رُپ جب بنتا ہے جب ان کے ساتھ کسی درویہ کسی تہو کسی طرح کے ٹیوس ماسہ کا سمبندھ ہوتا ہے۔ سب یہ سب گمانوں تہاں زندگی کے تجربہ بن جاتی ہیں۔

آئیسٹاइन کا سیدھانت اور ویدانت

ڈاکٹر بھگوانداس

یہ دنیا کیا ہے ؟

آتما، روح یعنی 'میں' کیا ہوں اور ان آتما یعنی مادہ یعنی یہ سب جو دیکھا دیتا ہے یہ کیا ہے، اور ان دونوں میں کیا سمبندھ ہے ؟ یہی سوال دھارم شاستر (فلسفہ) کا मुख्य سوال ہے اور یہی سوال تہی کے ساتھ سائینس کا मुख्य سوال ہوتا جا رہا ہے۔

آتما اور ان آتما کے مہل کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو ہے جسم ہم دہش، کال، اور کریا، یعنی مکان، زمان اور حرکت کہہ کر ہم بیان کرتے ہیں، اور دوسرا پہلو شکتی کے رُپ میں دیکھا دیتا ہے، جسے ہم کریا، پرانی کریا اور کاریہکارن سمبندھ یعنی عمل، رد عمل اور علت اور معلول کا رشتہ کہہ سکتے ہیں۔ دنیا میں ہمارے سارے اونیو انہیں میں آجاتے ہیں۔

جب ہمیں چیزیں ایک دوسرے کے بعد ہوتی معلوم ہوتی ہیں تو کال (سمہ) کی کلہنا پیدا ہوتی ہے۔ بہت سی چیزیں کے ایک ساتھ وجود سے دہش (جکہ) کی کلہنا پیدا ہوتی ہے۔ چیزوں کے ادلہ بدلنے سے کریا (ہرکت) کی کلہنا پیدا ہوتی ہے۔ ان تہوں کال، دہش اور کریا کا ایک دوسرے کے ساتھ اثرات سمبندھ ہے۔

کال (سمہ) کے تین کرم ہیں بھوت، بوشیہ اور دونوں کو ملالے والا ورتمان۔ دہش (جکہ) کے تین یاد (قدم) ہیں۔ اونیو، نیچے اور دونوں کو ملالے والا بیچ۔ انہیں کو پیچھے، آگے اور ملالے والا 'تہاں' ہی کہہ سکتے ہیں۔ انہیں کے رُپ 'مبانی' چیزائی اور گہرائی ہیں۔

کریا (ہرکت) کی تین دشانوں (تین سمت) ہیں۔ انہیں کو تین 'پرکار' ہی کہہ سکتے ہیں۔ 'آگے' پیچھے اور گول چکر دوسرے شہدوں میں پرمنا، سکونا اور سربلا پن۔ یا وہ شکتی جو سب چیزوں کو مرکز کی طرف کھینچتی ہے، وہ جو سب کو مرکز سے دور پھینکتی ہے، اور وہ جو چیزوں کو گولا کر گمانی ہے۔

یہ سب کیول لہلائیں ہیں، تصور ہیں، سب خام خیالی ہیں۔ ان کا رُپ جب بنتا ہے جب ان کے ساتھ کسی درویہ کسی تہو کسی طرح کے ٹیوس ماسہ کا سمبندھ ہوتا ہے۔ سب یہ سب گمانوں تہاں زندگی کے تجربہ بن جاتی ہیں۔

چित्रکلا اور ایرانی اور وسط ایشیا کی چित्रکلا کو ملا کر ایک بہت ہی خوبصورت چتر بنائے گئے تھے۔ چتر کو جنم دیا گیا۔ ایرانی اور مध्य ایشیا کے چتروں نے بھارتیہ چتر کاروں کے پاس بہت سے نئے اور زیادہ مانعہ اور سندر بنایا۔ دونوں 'ہندو اور مسلمان' کلاکاروں نے اس نئی شہابی کو یکساں ایڈاپٹ کیا۔ اس سے کسی چتر کو دیکھ کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس کا ہمارے والا ہندو چترکار ہے یا مسلمان چترکار۔ جگہ جگہ اس نئی نئی رنگینداری یا مرکب قائم ہوئے گئے۔ راجپوتانہ کے راجپوت راجاؤں 'کانکڑا' کی ریاستوں اور مध्य ایشیا کے شہسواروں نے اس نئی چترکلا کو بڑھا دیا۔ اس کے علاوہ مختلف صوبوں میں بچپن میں پیدا ہوئے تھے یا آزاد مسلمان راجاؤں نے اپنے اپنے درباروں میں اس نئی نئی کو بڑھا دیا۔ الگ الگ صوبوں میں اور الگ الگ درباروں میں مقامی حالات کی وجہ سے تھوڑا تھوڑا فرق ان چترکاروں کی نئی نئی دیکھائی دیتا ہے لیکن اصلی روح ایک ہی ہے۔ وہی سندرنا وہی چمک دھمک 'وہی رومانی انداز' وہی ریسواں—اس نئی نئی کلا کے روح پروروں میں دیکھائی دیتا ہے اور اس کلا کی ایک نئی نئی دیکھائی ہے۔

سنگیت

سنگیت کلا

کلا میں سنگیت کی ایک خاص جگہ ہے۔ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ مسلمان سنگیت کار اور گویے جس سنگیت کا अभ्याس کرتے ہیں وہ بالکل ہندو کا ہی سنگیت ہے۔ یوں اتر اور بھارت کی سنگیت میں شہابی اور بڑی فرق ہے یا ایک شہابی اور دوسری شہابی میں تھوڑا بہت فرق ہے لیکن یہ اتر مذهب کی وجہ سے نہیں ہے۔ اس کی وجہ صرف مقامی ہے۔ ہندوستانوں نے ہندو سنگیت کی مہارت حاصل کی اور نئے نئے ہاجوں، نئے نئے راگوں، نئی شہابیوں سے سنگیت کے دائرے کو بڑھایا۔ ہندوؤں نے بھی ان نئے ہاجوں اور نئی راگ راگدوں کو اپنے دل سے دیکھا۔ ہندو استادوں کے مسلم شاگرد اور مسلم استادوں کے ہندو شاگرد ایک نام بات تھے۔ استاد اور شاگردوں میں اگر آج ہم کوئی فرق نہ دیکھنا چاہیں تو توہین ناممکن ہے۔ سنگیت اور ناچ کی میں نئی نئی کامیابی کے ساتھ دونوں نسلوں کا میل جول ہوئے گیا۔

لیکن کلچری میل جول کا کوئی بیان اس سے ہم تک پہنچا نہیں ہو سکتا جب تک ہم اس بات کو نہ جان لیں کہ مذہبی دائرے میں ہندو مذهب نے اسلام پر کیا کیا اثرات ڈالے۔ ہم آگے نہیں آسکتے اس مذہبی میل جول کو اور اسلام پر ہندو دھرم کے اثر کو بیان کریں گے۔

[انگریزی سے ترجمہ—وشومہر نامہ پانڈے]

[اگریجی سے تاجو—بیشمبھرناتھ پانڈے]

ہوئے تھے، یہی پلے تھے اور یہی بڑے ہوئے تھے۔ انکی رگ رگ میں ہندوستانیت پھرتی تھی۔ ان کی نگاہ پر ہندوستان کا اثر کیوں نہ پڑتا۔ حالانکہ ان کے زمانے میں ہندوستان میں اور وہ چرٹی کے ٹیکر بھی تھے۔ یہ بھی ان کی چھٹی اور چھٹیوں نے ان عمارتوں پر ہندوستان کی نگاہ صاف چھاپ چھڑی ہے۔ اس طرح اس زمانے کی مسلم عمارتوں پر ہندوستانی کلچر کا گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔ ہر تہذیب میں ہندو طرزِ تعمیر لکھتے ہیں۔ یہ زوردار نظروں میں نہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں رہتے رہتے جن دنوں دن بیتے گئے تھے ان کی نگاہ پر ہندوستان کا گہرا پست چڑھتا گیا۔“

مغلوں کی تामीری کلا

مغلوں کی تामीری کلا کے متعلق یہاں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مغل کا نگار ان کے زمانے میں ہوا۔ ان کے درجے کے ایک خاص ہندوستانی آرٹ کو جنم دیا۔ شامیہاں کا چھٹا ایرانی آرٹ کی طرف تھا۔ لیکن شامیہاں بھی ان کے آرٹ کی روح کو نہ بدل سکا۔ تعمیری نگاہ کے جائزہ والوں کا بیان ہے کہ شامیہاں کی عمارتوں کا ہندو حصہ ایرانی طرز کا ہے لیکن عمارتوں کے بیشتر خاص ہندوستانی کے تھیں۔

اگر ہم اس اصل کو جان لیں کہ ان کے ہاں ذریعہ کسی ملک یا قوم کی آتما کا پتہ چلتا ہے تو یہ اردہ ہے کثرت سچائی ہے کہ منجملے زمانے کے بہار کی تعمیری نگاہ میں ایک ہی آتما اور ایک ہی کلچر کے درشن ملتا ہے۔ پندرہویں صدی کے بعد سے ہندو یا مسلمانوں کی بلوائی ہونی ایک ہی عمارت ایسی نہ ہوگی، چاہے وہ نلے ہو یا محل، مندر ہو یا مسجد جس پر ملی جلی ہندوستانی نگاہ کی چھاپ نہ پڑی ہو۔ ایسی نگاہ جسے مسلمان حکمرانوں کے ساتھ میں ہندو شاہی اور سکندر اشو نے ترقی دی۔ پندرہویں صدی میں گواہ کے راجہ مان سنگھ کے ہوائے ہوئے محل اس بھارتیہ مسلم نگاہ کے سب سے پہلے نمونے ہیں۔ جس طرح مسلمان شاکر کے ہوائے ہوئے مقبروں، محلوں اور مسجدوں پر بھارتیہ ہندو نگاہ کی چھاپ ہے اسی طرح درندوں کے دیشاو ملندوں، ہندو راجاؤں اور سادھوؤں کی سادھوؤں اور چھتریوں پر اور بھارت میں پھیلی ہوئی ہے شمار ہندو عمارتوں پر بھارتیہ مسلم نگاہ کی یعنی ملی جلی بھارتیہ نگاہ کی چھاپ ہے۔

چتر نگاہ

تصویر نگاہ

تصویر نگاہ یا تسمیری نگاہ کے دائرہ میں بھی اسی ملی جلی نگاہ کے ہمیں درشن ملتے ہیں۔ قدیم بھارتیہ

چتر نگاہ یعنی تصویر سازی کے دائرہ میں بھی اسی ملی جلی نگاہ کے ہمیں درشن ملتے ہیں۔ قدیم بھارتیہ

हिन्दुत्वान की कड़कर और इसलाम

हिन्दुस्तान के पुरातत्त्व यानी आर्कियालाजी डिपार्टमेंट के साबिक डाइरेक्टर जनरल सर ज्ञान मार्शल ने 'कम्ब्रज हिस्ट्री आफ इण्डिया' के भाग तीन के 'मुसलिम जमाने की इमारतें' नामक अध्याय में लिखा है:—

“जब हिन्दू और मुसलिम तामारी कला यानी इमारत साजी का समन्वय (मेल) हुआ तो मुसलिम तामारी कला ने हिन्दू तामारी कला से बहुत कुछ साखा. हिन्दू फलसफे को जाहिर करने वाला हिन्दू शकलें, बेज बूटे और नक्काशी किसी न किसी शकल में मुसलिम इमारतों में शामिल कर ली गईं. इस तरह जो हिन्दू चीजें मुसलिम इमारतों में ली गईं उनकी तादाद बेशुमार है. मुसलिम आर्ट के ऊपर हिन्दू शैली का यह करवा ता ठोस और ऊपर दिखाई देता है लाकिन हिन्दुस्तानी मुसलिम आर्ट पर हिन्दू कला की दो बातों ने सबम ज्यादा असर डाला और वे दो बातें हैं—इमारतों का मजबूती और मजबूती के साथ साथ उनका आलाशान हाना. दूसरे मुल्क में मुसलिम तामारी कला की कुछ दूसरी खूबसूरत है. यह मुसलिम मंजरे और सुनहले पत्थरों के स्लेब (बाक) फश पर या कमरा का दीवारों पर लगाये जाते हैं. इरान में मकानों के टाइल बाँधिया से बाँधिया रंग म रंगे जाते हैं. स्पेन की मुसलिम तामारी कला न अजाया गरीब तज्जे पेदा किये लाकिन किसी भी मुल्क में मुसलिम तामारी कला में इमारतों का मजबूती और खूबसूरती का उससे बहुत मेल नहीं बैठाया गया जितना हिन्दुस्तान में. ये दाना खासयत हिन्दुस्तान का अपना है और ये ऐसी खासयत है जिनकी तामारी कला में और दूसरी खासयत से ज्यादा अहमयत है.”

हिन्दुस्तान में पहला मुसलिम इमारत सन 1911 में तामीर हुई. यह 'कुतुबुल इस्लाम' नाम का एक मसजिद है जिस 'कुतुबुद्दीन ऐबक' ने तामीर कराया. इस मसजिद के मुतालिक सर जान भाशल लिखते हैं:—

“इस मसजिद का चाहे भीतर से देखिये चाहे बाहर से, यही मालूम होता है कि यह कोई हिन्दू इमारत है. सिर्फ पीछे दीवार के पाँच मेहराबों को झाँककर इस इमारत में एक भी चिह्न ऐसा नहीं है जिससे इसका मुसलमानी होना जाहिर होता हो.”

कुतुबुद्दीन के दो सौ बरस बाद फ़ीरोज़शाह तुग़लक़ को भी इमारतें बनाने का बेहद शौक हुआ, इतिहास लेखक उसके बनवाये हुये शहरों, क़िला, नालों, मसजिदों और मक़बरों आदि की एक लम्बा फ़ेहरिस्त पेश करते हैं। तुग़लक़ ख़ाने के फ़ने तामीर के मुतालिक़ कहा जाता है कि उस पर से हिन्दू अस्तर कम हो गया था, ताहम—

“जिन संगतराशों और मेमारों ने इन तुरलकी
इमारतों का तामीर किया वे सब के सब हिन्दुस्तान में पैदा

مطالعہ کی طبع اور اسط

ہندستان کے پیرائٹو یلمی آرکیالاجی ڈیپارٹمنٹ کے سابق
ڈائریکٹر جرج وارن ہارشل نے 'ڈیپریس ہسٹری آف انڈیا' کے یہاں
'ہندو' کے 'مسلم زمانے کی عمارتوں' نامک ادھیانے میں لکھا
ہے۔

”جب ہندو اور مسلم تعمیری کا یہی عادت سازی کا مسئلہ (میل) ہوا، تو مسلم تعمیری کا یہ ہندو تعمیری کا یہ بہت کچھ سیکھا۔ ہندو فلسفہ کو ظاہر کرنے والی ہندو شکلیں، پہل بولے اور نقاشی کسی نہ کسی شکل میں مسلم عمارتوں میں شامل کر لی گئیں۔ اس طرح جو ہندو چیزیں مسلم عمارتوں میں آئیں، ان کی تعداد بے شمار ہے۔ مسلم آرٹ کے اوپر ہلکی شیلی کا یہ فرضہ تو ٹھوس اور اوپر دیہائی دیتا ہے لیکن ہندوستانی مسلم آرٹ پر ہندو کا کی دو ہاتھ لے سب میں زیادہ اثر ڈالا اور وہ دو باتیں ہیں—عمارتوں کی مضبوطی اور مضبوطی کے ساتھ ساتھ ان کا عالیشان ہونا۔ دوسرے ملکوں میں مسلم تعمیری کا یہ کچھ دوسری خصوصیتیں ہیں۔ یرو شلم میں ہرے اور سنہلے رنگوں کے سلاوب (چڑے) فرش پر یا کمروں کی دیواروں پر لگے جاتے ہیں۔ ایران میں مکانوں کے قتل ہڑھیا سے بڑھا رنگوں میں رنگے جاتے ہیں۔ اس میں ہی مسلم تعمیری کا یہ عجیب و غریب طرز پیدا ہوا لیکن کسی بھی ملک میں مسلم تعمیری کا یہ عمارتوں کی مضبوطی اور خوبصورتی کا اس سے بہار مالا نہیں بیٹھایا گیا، جتنا ہندوستان میں۔ یہ دونوں خاصیتیں ہندوستان کی اپنی ہیں اور یہ ایسی خاصیتیں ہیں جن کی تعمیری کا میں اور دوسری خاصیتوں سے زیادہ اہمیت ہے۔“

ہندستان میں پہلی مساجد عمارت سن 1191 میں تعمیر ہوئی۔ یہ ’’بقعۃ السلام‘‘ نام کی ایک مسجد ہے جسے قطب الدین ایبک نے تعمیر کرایا۔ اس مسجد کے متعلق سہرہ جہاں مارشل لکھتے ہیں:—

”اِس مسجد کو چاہے بھیتر سے دیکھئے چاہے باہر سے، یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کئی ہندو عمارت ہے۔ صرف پیچھے دیوار کے پانچ سٹرابوں کو چھوڑ کر اِس عمارت میں ایک ہی جگہ ایسا نہیں ہے جس سے اِس کا مسلمانی ہونا ظاہر ہوتا ہو۔“

قطبِ ادب کے دو سو برس بعد قہرور شاہ تعلق کو بھی
عسارتوں ہمالے کا یہ حد شوق ہوا۔ اُنہیں لہک بک کے ہمالے
ہر گم شہروں، دلعز، محلوں، مسجدوں اور مقبروں ادبی فی ایک
لبنی مہرست پردہں لڑتے ہیں۔ تعلق زلمے کے فنِ تعمیر کے
متعلق نہا جاتا ہے نہ اُس پر سے ہندو اثر کم ہو گیا تھا۔
تاہم

”جن سنگتراشوں اور معماروں نے ان قطعی عمارتوں کو تعمیر کیا وہ سب کے سب مہنگانہ میں پیدا

مسلمان اور صوبائی زبانیں

یہاں اس کا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان کی دوسری صوبائی زبانوں کو ترقی دینے میں کوئی کسر باقی نہیں اٹھا رکھی۔ پنجاب، غدی اور ہنگا کی ترقی کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمان نوابوں، امراؤں اور مسلمان مصنفوں اور شاعروں نے ان زبانوں کو ترقی دینے اور مالا مال کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ آج اگر ان زبانوں کو اپنی ترقی پر ناز ہے تو اس کے لئے ہندو اور مسلمان دونوں کو بھائی دینی چاہئے۔ یہ بھی اہم کی ضرورت نہیں کہ ہندو اور مسلمان دونوں کا طرز ادب اور طرز سخن یکساں تھا۔ لوگوں کے لئے یہ بتا سکتا ناممکن ہے کہ ایک نظم کسی مسلمان کی لکھی ہے یا غدی کی۔ پنجابی اور ہنگا کے ہندو اور مسلمان لکھنوں کا لکھنے کا طرز بالکل ایکسا ہے۔ اس میں کسی طرح کا فرق نہیں پایا جاتا۔ دوسروں میں کلچر کی ایک ہی دھارا دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ اگر ہندوستان کے مسلمان لکھنوں اور شاعروں کی رجحانوں اور ایران، قرنی اور مصر کے شاعروں اور لکھنوں کی رجحانوں کا مقابلہ کیا جائے تو صاف فرق نظر آئیگا۔ ہندوستان کے مسلمانوں اور باہر کے مسلمانوں کی فکری، سوچنے کے طریقوں اور لکھنے کے طرز میں بہت فرق ہے۔ انگریزوں کے آئے سے پہلے مختلف صوبوں کے رہنے والے مسلمانوں نے اپنے اپنے صوبوں کی زبانوں اپنا ہی نہیں۔ وہ انہیں میں ہونے لگے انہیں میں لکھتے تھے اور انہیں میں سوچتے تھے۔

مسلم تعمیری نلا

مسلم تاملی کلا

کھتری یا سانسکرتک مہج-جوت کی یہ دھارا سیکر جہان اور ادب تک ہو مہدھ نہی رہی۔ اسکا اسر فکسفا، ساہس، اور آڈٹ پر بھی پڑا۔ گنیت، جیو-تیش، بھوگال، دیکمات، دہم شاسٹر بڑی سبھی باتوں میں ایک دوسری کی اچھی باتوں کا ایک دوسرے سے سیکھا گیا۔ لکین دہنوں کھتریوں کا اچھی مورشان سینگم آڈٹ کے دایرے میں دھیا۔

مسلمانوں نے ہندوستان میں آنے سے پہلے کلا کے دایرے میں ایک نئی طرح کی کلا یا نی آڈٹ کو جنم دیا تھا۔ لکین جب وہ اس ملک میں آ کر بسے، انہوں نے ہندوستان کی نئی خاص خاص باتوں کو اپنی کلا میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ تدرہیں صدی سے لے کر انہیں صدی تک مسلمانوں نے جو عمارتیں، نغمے اور مقبرے بنائے ان میں ایسی ایکٹا اور مول جوں کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ دونوں ملکوں کا سنگم صاف چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

مسلمانوں نے ہندوستان میں آئے سے پہلے کلا کے دائرے میں ایک نئی طرح کی کلا یعنی آڈٹ کو جنم دیا تھا۔ لیکن جب وہ اس ملک میں آ کر بسے، انہوں نے ہندوستان کی نئی خاص خاص باتوں کو اپنی کلا میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ تدرہیں صدی سے لے کر انہیں صدی تک مسلمانوں نے جو عمارتیں، نغمے اور مقبرے بنائے ان میں ایسی ایکٹا اور مول جوں کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ دونوں ملکوں کا سنگم صاف چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

مسلمانوں نے ہندوستان میں آئے سے پہلے کلا کے دائرے میں ایک نئی طرح کی کلا یعنی آڈٹ کو جنم دیا تھا۔ لیکن جب وہ اس ملک میں آ کر بسے، انہوں نے ہندوستان کی نئی خاص خاص باتوں کو اپنی کلا میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ تدرہیں صدی سے لے کر انہیں صدی تک مسلمانوں نے جو عمارتیں، نغمے اور مقبرے بنائے ان میں ایسی ایکٹا اور مول جوں کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ دونوں ملکوں کا سنگم صاف چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

مسلمانان اور ہندوستان کی زبانیں

مسلمانان اور ہندوستان کی زبانیں

اگر ہم باہری باتوں کو छोڑ کر تھوڑی سی، تہذیب، تمدن اور کلتور (سنگت) پر غور کریں، تو ہم دیکھیں گے کہ یہاں بھی اسی طرح کا پہل ملاپ کا سہم ہوا ہے۔ ذرا اس بات پر غور کیا جائے کہ سچے ہندوستانی کلتور کی تعمیر میں مسلمانوں نے کتنی قربانی کی ہے۔ زبان (भाषा) کی ہی مثال کو لیتے ہیں۔ کسی قوم کے جذباتوں اور اس کے خیالوں کو ظاہر کرنے کا سب سے اہم ذریعہ زبان ہی ہے۔ اسلام کی پاک زبان عربی ہے۔ جو حملہ آور مسلمان سب سے پہلے سندھ میں آئے عربی ان کی مادری اور وطنی زبان تھی۔ حالانکہ پڑھے لکھے لوگ عربی کی تعلیم لیتے تھے تاہم عربی ہندوستان کے ہر حصہ میں رائج ہو گئی۔ مدھیہ ایشیا = جو حملہ آور یہاں آئے ان کی مادری زبان ترکی تھی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے آغاز اور خاتمہ کے وقت تک سرکاری زبان فارسی تھی۔ آج ہندوستانی مسلمان ان زبانوں میں سے ایک بھی زبان نہیں بولتے اردو نہ حملہ آوروں نے ہی ہمارے ہونٹوں پر ان زبانوں کو لدا۔

اس کے برعکس مسلمانوں نے ہندوستان کی ساری زبانوں کو اپنا لیا اور اپنی भाषाओं کے شब्दوں اور محاوروں سے انہیں سجایا اور سँوارا۔ پँجاب کے مسلمان پँجاबी بولتے ہیں، بँगال کے مسلمان بँगال بولتے ہیں، गुजरात کے مسلمان गुजराती اور महाराष्ट्र के مسلمان मराठी बोलते हैं، राज यह कि मुसलमान जिस सूबे में रहते हैं उसी सूबे की जुबान बोलते हैं. उस सूबे के हिन्दू और मुसलमान एक ही जुबान में अपने खयालातों का इजहार करते हैं. सिर्फ़ एक ही जुबान रह जाती है और वह है उर्दू. लेकिन उर्दू मुसلمانوں की जुबान है ही नहीं. वह हिन्दुस्तान से बाहर किसी भी मुसलिम मुल्क में नहीं बोली जाती. उसे कोई मुसलिम वजेटा बाहर से यहाँ नहीं लाया. उर्दू हिन्दी भाषा की ही एक रूप है. उसके ज्यादातर अलफाज, उसका व्याकरण सब यहीं से लिया गया. दर अस्त उर्दू का मूल रूप वह भाषा है जो दिल्ली के आस-पास बोली जाती है और जिसे खड़ी बोली कहते हैं. जब मुसलमान दिल्ली और उसके आस पास के इलाक़े में बस गये तो वे भी खड़ी बोली ही बोलने लगे. वही बाद में अवधी ज़बान बन गई. हिन्दू और मुसलमान दोनों ने इसके अवधी का बढ़ाया और सजाया. सब पूछा जाय - तो अंग्रेज़ी के प्रचार के पहले उर्दू हिन्दुस्तान की बोलचाल की ज़बान थी

اُس کے برعکس مسلمانوں نے ہندوستان کی صوبائی زبانوں کو اپنا لیا اور اپنی بھاشاؤں کے شبدوں اور محاوروں سے انہیں سجایا اور سنوارا۔ پنجاب کے مسلمان پنجابی بولتے ہیں، بنگال کے مسلمان بنگالی بولتے ہیں، گجرات کے مسلمان گجراتی اور مہاراشٹر کے مسلمان مراٹھی بولتے ہیں۔ غرض یہ کہ مسلمان جس صوبے میں رہتے ہیں اُس صوبے کی زبان بولتے ہیں۔ اِس صوبے کے ہندو اور مسلمان ایک ہی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ صرف ایک ہی زبان رہ جاتی ہے اور وہ ہے اردو۔ لیکن اردو مسلمانوں کی زبان ہے ہی نہیں۔ وہ ہندوستان کے باہر کسی ملک میں نہیں بولی جاتی۔ اُسے کوئی مسلم وجہتا باہر سے یہاں نہیں لایا۔ اردو ہندی بھاشا کا ہی ایک روپ ہے۔ اُس کے زیادہ تر الفاظ اُس کا دیان سب یہیں سے لیا گیا۔ اصل اردو کا مول روپ وہ بھاشا ہے جو دلی کے اُس پاس بولی جاتی ہے اور جسے بھڑی بولی کہتے ہیں۔ جب مسلمان دلی اور اُس کے اُس پاس کے علاقے میں بس گئے تو وہ بھی بھڑی بولی ہی بولنے لگے۔ وہی بعد میں ادبی زبان بن گئی۔ ہندو اور مسلمان دونوں نے اُس کے ادب کو بڑھایا اور سجایا۔ سچ بوجھا جائے تو انگریزی کے پرجار کے پہلے اردو ہندوستان کی بول چال کی زبان تھی۔

دہد ملگروں کی دھن کے ساتھ ساتھ یہاں تو رہیں ڈالنے ہیں، مسلمانوں میں قاضی قرآن کی آیت پر یہ کر نکاح کرا دیتا ہے۔ چھوٹی عمر میں لڑکیوں کی شادی، دھوا دوا کی روک، عربوں کے اوپر سردوں کا قطعی حق اور پردہ یہ سب باتیں ہندو اور مسلمانوں دونوں میں ایک سی ہیں۔

یہ مصحف ہے کہ مذہبی تیمار، ریت، آبوالس اور روزہ دونوں کے الگ الگ ہیں لیکن ان کے ملانے کا قاعدہ گہت کچھ ایک سا ہے۔ معتمد اور مشہورہ ایک طرح سے منایا جائے گا۔ شبہرات اور شہور آتری، رمضان اور نو آتری، دیوالی اور عید کے آتسو ایک ہی طرح سے ہونے لگے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے مہلے، تیج اور تیمار ہوتے تھے جن میں ہندو اور مسلمان دونوں مل جل کر حصہ لیتے تھے۔ ہزاروں مسلمان ہولی کو بلتے تھے اور لاکھوں ہندو معتمد مناتے تھے۔ مسلمانوں نے مولے کے بعد کے کرپا کرم میں بہت سے ہندو رواج اپنا لئے، جیسے تیجا، دسواں وغیرہ۔ اس کے علاوہ حاملہ عورت کا بیچ ماسا، ست ماسا، اور بچے کی پیدائش کی چھٹ، بچے کی تھیر چٹائی، سال گرہ، مونتن، کن چھندن، ہندو مسلمان دونوں ایک ہی طرح سے مناتے تھے۔ ایسے رسم رواج جو خالص ہندو تھے جیسے مٹی اور جوہر کا رواج، یہ بھی مسلمان عورتیں اپنے خاوند کے مرنے پر کرتی تھیں۔ انہں ہمارے محمد بن تغلق اور عین الملک کی لڑائی کا حال لکھتا ہے، جس میں عین الملک کے ہارنے پر اس کی بیہک نے جوہر بہت کر کے اپنے کو زندہ جل دیا تھا۔ 'جعفر نامہ' میں لکھا ہے کہ بھتیگر کے صوبیدار کمال دین کی بیہک نے اپنے شوہر تیمور کے خلاف لڑائی میں جاتے سمے جوہر بہت کر کے اپنے کو جل ڈالا تھا۔ اس پر خسرو نے اس پر لکھا تھا:—

”چون زن ہندی کسی در عاشقی دیوانہ است،
مرخمن بر شمع شوہر گر آرد پروانہ است!“

لباس اور پہناؤ

کسی بھی سماج کے اندرونی جذبات کی سب سے نمایاں مثال اُس سماج کے لوگوں کی ہرشاک ہے۔ اِس نقطہ نظر سے اگر ہم دیکھیں تو ہمیں پتہ چلیگا کہ کس طرح ہندوستان کے مسلمان نے عرب، ایران اور مدیہ ایشیائی ممالکوں کے لباس اور پوشاکیں کو چھوڑ کر ہندوستان کے لباس اور پہناوے کو قبول کیا۔ عربی عمامہ، جھبہ، رفا، تہمد، نسیم، مدیہ ایشیا کا دلاہ، نیمہ، موز، سب یہاں اُ کر فہم ہو گئے اور اُن کی جگہ ہندو بگڑا، چڑا، کرنا، انگرکھا، پٹکا، قریٹہ، پا جاما اور جوتے نے لے لی۔

ایشیا کی جین اور دوسری مسلمان کڑیوں نے ہندوستان پر حملہ کر کے یہاں کوہاں کر کے اور جینوں کے قریب پانچ سو برس پہلے حکومت کی ان سب کا آج تک نہیں چلتا۔ مسلمان حکمرانوں نے نہ تو اپنے قومی غرور کی پروا کی اور نہ اپنے خون کو پاک بنانے کی۔ انہوں نے ہندوستان کے قومی سمندر میں اپنے آپ کو مٹا دیا۔ مسلم حکومت کے زمانے میں جن قوموں، قریبوں، قریبوں اور خاندانوں کی دھرم تھی آج نہ ان کا چرچا ہے اور نہ کوئی انہیں جانتا ہے۔ وہ سب دل دل کو ایک ہو گئے۔ یہ کام کوئی ایک دو دنوں میں نہیں ہوا، سیکڑوں برسوں تک ساتھ ساتھ۔ ہند کا یہ نتیجہ ہے۔ اسی ملک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بس چلے کی خواہش، اسی شادی بیاہ، مذہب میں تبدیلی، اپنے وطن سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھنا، وغیرہ ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے مسلمان قومی لحاظ سے بالکل ہندوستانی بن گئے۔ ہندو اور مسلمانوں کا مذہب بے شک، جدا جدا ہے مگر رنگ ایک ہے، روپ ایک ہے، شکل ایک ہے اور قلم ایک ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے ہندو باپوں کی ہی طرح اپنا سماجی نظام قائم کیا۔ باہر کے مسلمانوں میں جات پات نہ تھی مگر یہاں کے مسلمانوں نے ہندوؤں کی ہی طرح اپنی اہلک اور پٹائی بنا لی ہیں۔ سیدوں کا رتبہ برہمنوں کی طرح، مغل اور پٹائیوں کا چہرہ برہمنوں کی طرح، شیخ بھٹوں کی طرح اور بنگلہ اور دیگر پیشہ والوں کو شہرہ کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ یہ فرق نہ صرف کام دھندوں اور روپے پیسے کی وجہ سے ہو گئے بلکہ ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کی یہ برادریاں پیداؤںسی ہو گئیں۔ اونچے برادری کے مسلمانوں میں ایک غرور پیدا ہو گیا۔

کلچری میل جول کا سنگم

ہر سماج کے سنگٹن میں اورت کی ایک خاص جگہ ہے۔ اس معاملے میں عربوں، ترقی اور ہندوؤں میں بہت فرق ہے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں نے عربوں اور ترقی کے بریکے کو نہیں بھرتا۔ مسلمان اورتوں نے اپنی ہندو بھائیوں کا ہی چلن اپنا لیا۔ ساج سنگار، پہناؤ، گہنے اور زیور، ملنے جلنے اور روزمرہ کے برتاؤ کی باتوں میں انہوں نے ہندو بھائیوں کا طریقہ برتنا شروع کیا۔ مسلمانوں کے شادی بیاہ بالکل ہندوؤں کی ہی طرح ہونے لگے۔ نسبت، ہندی، مہندی، تیل، منڈوا، بھارت، جلاوا، کلن وغیرہ کی رسمیں مسلمانوں نے جنہوں کی تھیں ہندوؤں سے لیں۔ شادی کی رسم میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں صرف ایک فرق رہ گیا اور وہ یہ کہ ہندوؤں میں ہونے والے کلن کے چاروں طرف دولہا اور دولہن

ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے ہندو بھائیوں کی طرح اپنا سماجی نظام قائم کیا۔ باہر کے مسلمانوں میں جات پات نہ تھی مگر یہاں کے مسلمانوں نے ہندوؤں کی ہی طرح اپنی اہلک اور پٹائی بنا لی ہیں۔ سیدوں کا رتبہ برہمنوں کی طرح، مغل اور پٹائیوں کا چہرہ برہمنوں کی طرح، شیخ بھٹوں کی طرح اور بنگلہ اور دیگر پیشہ والوں کو شہرہ کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ یہ فرق نہ صرف کام دھندوں اور روپے پیسے کی وجہ سے ہو گئے بلکہ ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کی یہ برادریاں پیداؤںسی ہو گئیں۔ اونچے برادری کے مسلمانوں میں ایک غرور پیدا ہو گیا۔

کلچری میل جول کا سنگم

ہر سماج کے سنگٹن میں اورت کی ایک خاص جگہ ہے۔ اس معاملے میں عربوں، ترقی اور ہندوؤں میں بہت فرق ہے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں نے عربوں اور ترقی کے بریکے کو نہیں بھرتا۔ مسلمان اورتوں نے اپنی ہندو بھائیوں کا ہی چلن اپنا لیا۔ ساج سنگار، پہناؤ، گہنے اور زیور، ملنے جلنے اور روزمرہ کے برتاؤ کی باتوں میں انہوں نے ہندو بھائیوں کا طریقہ برتنا شروع کیا۔ مسلمانوں کے شادی بیاہ بالکل ہندوؤں کی ہی طرح ہونے لگے۔ نسبت، ہندی، مہندی، تیل، منڈوا، بھارت، جلاوا، کلن وغیرہ کی رسمیں مسلمانوں نے جنہوں کی تھیں ہندوؤں سے لیں۔ شادی کی رسم میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں صرف ایک فرق رہ گیا اور وہ یہ کہ ہندوؤں میں ہونے والے کلن کے چاروں طرف دولہا اور دولہن

گھڑی اُن کے سامنے سے تیزی کے ساتھ نکل گئی اور نظر سے
مٹ گئی۔

ہرف اب اور زیادہ تھڑی کے ساتھ گر رہا تھا۔ اُس ہرف
میں سے ہی بچپن کے سوال کا جواب آتا ہوا معلوم پڑتا تھا۔
یہ ہرف۔ یہ ہوا اور یہ جواب بچپن کی طرف سے لوٹنے کے
اُس مہمان سے آ رہا تھا جہاں ہرف نام کے گلوں کے 'قریب'
انکسور کی قاصدوں میں، یہی ہرف استخوان کی قدر کے اوپر جما
ہونا چاہتا تھا !

ہندستان کی کلچر اور اسلام

ق. اکثر سود محدود

مسلمانوں پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ چونکہ وہ حملہ آور و دیشیوں کی حمایت سے اِس ملک میں آئے اِس لئے وہ ملک کے لوگوں سے بالکل الگ تہلگ رہے۔ یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کے بیچ کوئی بات میل کی نہیں ہے اِس لئے ملک کی بھائی بھائی کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں اور باہر کے مسلمانوں میں سب باتیں ملتی جلتی اور میل کی ہیں اِس لئے باہر کے مسلمانوں کے ساتھ یہاں کے مسلمانوں کی خوب نہہ سکتی ہے۔ اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ نس معللے میں اُنہاس کیا روشنی ڈالتا ہے ؟

!دوسوں کی مملکت

یہ بات سبھی قبول کریں گے کہ تہذیب سے لوگوں کو چھڑ کر
کے لحاظ سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی بھد یا فرق
ہیں۔ دونوں کی جسمانی ہمارت، گھن، رنگ، روپ، چہرہ
ہر، بالکل یکساں ہے۔ پورے حملہ آور عربوں، ترکوں، اور ایرانیوں کا
جہ ہندستان میں پتہ تک نہیں چلتا۔ جن عرب فوجیں نے ہند
یا قاسم کی جنوبی میں حملہ کے صوبے پر حملہ کیا تھا یا
جن عرب خاندانوں نے حملہ ہو سکے ان برسوں تک حکومت
پا تھی، ان کا آج نام و نشان تک نہیں ملتا۔ قرظی،
اروی، مغل، ترک اور افغانستان کے طور وسط (معدیہ)

افسار رُک گئے اور ہیران ہو کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگے۔

انہیں سے ایک افسار نے پوچھا:—”تुम्हारा भाई कौन है ?“

راहुलचो ने घबराये हुये जबाब दिया—”स्तोथान मैया ! हमारा भाई स्तोथान !“ राहुलचो को इस बात पर अचरज मालूम होता था कि फौजी बरदी पहने हुये कप्तान यह न जानता हो कि स्तोथान उनका भाई है।

अफसर ने फिर हिरान होकर पूछा:—”कौन स्तोथान ?“

कीना ने बड़ी दृढ़ता के साथ जबाब दिया:—”वेतरेन गाँव का रहने वाला स्तोथान !“

अफसर ने अपने साथी से कुछ कहा और फिर बड़े ध्यान के साथ कीना से पूछा:—

”क्या तुम्हारा भाई घुड़सवार फौज में है ?“

बेचारी कीना ने बिना कुछ समझे जबाब दे दिया:—”हाँ, हाँ।“

अफसर ने कहा:—”बेटी ! वह हमारे साथ नहीं है।“

दूसरे अफसर ने बच्चों से कहा:—”गाँव को लौट जाओ, नहीं तो तुम यहाँ सरदी में जम जाओगे।“

यह कहकर दोनों अफसर अपने घोड़े को हॉटर लगाते हुये बाक़ी सवारों के पीछे-पीछे चल दिये।

कीना अब चिल्ला रही थी। राहुलचो के टपाटप आंसू गिर रहे थे। दोनों के हाथ और पैर सरदी से ठिठुर रहे थे। उनके गाल नीले पड़ गये थे। सामने गाँव का रास्ता साफ़ दिखाई दे रहा था। पर उस पर अब कोई आदमी या आदम-जाद न था। सब अपने-अपने घर चले गये थे। शाम हो गई थी। अँधेरा बढ़ रहा था। ठन्डी हवा और ज्यादा काटती हुई मालूम होती थीं। केवल दूर फ़ासले पर घुड़सवारों का वह गिराह एक काले बादल की तरह चला जाता हुआ और गुम होता हुआ नश्वर आता था। ठन्डी हवा के साथ सवारों के गाने की आवाज़ भी बच्चों के कानों में पड़ रही थी। कीना और राहुलचो ने अब अपने गाँव की तरफ़ लौटना शुरू किया।

रात होती जा रही थी। दोनों ने अपने-अपने हाथ अपने कपड़ों में छिपा रखे थे। दोनों धीरे-धीरे रोते हुये चले जा रहे थे। उन्हें बार-बार यह खयाल आ रहा था कि माँ दरवाज़े पर खड़ी हुई मैया की बात जोह रही होगी।

पहाड़ी के पीछे की तरफ़ से एक और गाड़ी आती हुई दिखाई दी जिसमें तीन बाँड़े जुते हुये थे।

कीना ने फिर चिल्लाकर पूछा:—”जनाब ! क्या फौज के कुछ और सिपाही अभी पीछे आ रहे हैं ?“

असर रُک گئے اور حیران ہو کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگے۔

ان میں سے ایک افسر نے پوچھا:—”تمہارا بھائی کون ہے ؟“

راہل چو نے گھبرائے ہوئے جواب دیا:—”استویان !“
ہمارا بھائی استویان !“
راہل چو کو اس بات پر اچرج معلوم ہوتا تھا کہ فوجی وردی پہنے ہوئے کپتان یہ نہ جانتا ہو کہ استویان اُن کا بھائی ہے۔

افسر نے پھر حیرانی ہو کر پوچھا:—”کون استویان ؟“

کیسٹا نے بڑی دڑھکتے ساتھ جواب دیا:—”وتیرین گاؤں کا رہنے والا استویان !“

افسر نے اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور پھر بڑے دھیان کے ساتھ کیسٹا سے پوچھا:—

”کیا تمہارا بھائی گھڑسوار فوج میں ہے ؟“

بے چاری کیسٹا نے بنا کچھ سمجھے جواب دے دیا:—”ہاں“

افسر نے کہا:—”بھئی ! وہ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔“

دوسرے افسر نے بچوں سے کہا:—”گاؤں کو لوٹ جاؤ، نہیں تو تم یہاں سردی میں جم جاؤ گے۔“

یہ کہہ کر دونوں افسر اپنے گھڑوں کو ہڈتے لگاتے ہوئے باقی سواروں کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔

کیسٹا اب چلا رہی تھی۔ راہل چو کے ٹھانپ افسر گر رہے تھے۔ دونوں کے ہاتھ اور پیر سردی سے ٹھہر رہے تھے۔ اُن کے گلے نیلے پڑ گئے تھے۔ سامنے گاؤں کا راستہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ پر اُس پر اب کوئی آدمی یا آدم زاد نہ تھا۔ سب اپنے اپنے گھر چلے گئے تھے۔ شام ہو گئی تھی۔ اُندھیرا بڑھ رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اور زیادہ کٹتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ کپڑے دور نالے پر گھڑ سواروں کا وہ گروہ ایک ڈالے ہال کی طرح چلا جاتا ہوا اور گم ہوتا ہوا نثار آتا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے ساتھ سواروں کے گالے کی آواز بھی بچوں کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔ کیسٹا اور راہل چو نے اب اپنے گاؤں کی طرف لوٹنا شروع کیا۔

رات ہوتی جا رہی تھی۔ دونوں نے اپنے اپنے ہاتھ اپنے کپڑوں میں چھپا رکھے تھے۔ دونوں دھیرے دھیرے روئے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ انہیں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ ماں دروازے پر کھڑی ہوئی بھائی کی بات جوہ رہی ہوگی۔

پہاڑی کے پیچھے کی طرف سے ایک اور گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی جن میں تین گھڑے چلے ہوئے تھے۔

کیسٹا نے پھر چلا کر پوچھا:—”جناب ! کیا فوج کے کچھ اور سپاہی ابھی پیچھے آ رہے ہیں ؟“

ہوئی تھی۔ دو سپاہی انہیں موز پر آئے دکھائی دیئے۔ دونوں کے اوپر گائی برف جمع ہوا تھا۔ بچوں نے انہیں دیکھا۔ استریان ان میں نہیں تھا۔

کینا نے ان سپاہیوں سے پوچھا:—”کیوں جی! کیا فوج اُدھر کر آ رہی ہے؟“

ان میں سے ایک نے جواب دیا:—”اے لڑکی ہمیں نہیں معلوم تم کس کے انتظار میں کھڑی ہو؟“

راڈولچو نے جواب دیا:—”اپنے بھائی کے انتظار میں!“

سپاہی تھکے ہوئے تھے۔ وہ آگے بڑھ گئے۔

کینا نے فیر دور تک دیکھنے کی کوشش کی۔ دونوں کو سر دی لگنے لگی۔ کینا لڑکھانے لگی۔ راڈولچو کو کپکپی لگ گئی۔ پر ان کے استریان بھائی والے تھے، اس لئے وہ دونوں بھیا کا انتظار کرتے رہے۔ انہیں یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ بھیا کو اپنے ساتھ کھڑ نہ لے گئے تو ماں انہیں ڈانٹھکی اور روئے گی۔

سامنے سے ایک گاڑی آئی۔ اس میں دو مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں پہنچ کر کھال کے نیچے گرم کرک پہننے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر اونچے گرم ٹوپیاں تھیں۔ گاڑی جب دونوں بچوں کے برابر میں آئی تو کینا گھڑوں کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے گاڑی میں بیٹھے دو مسافروں سے پوچھا:—”جواب! کیا اُدھر سے کئی فوج آ رہی ہے؟“

مسافروں میں سے ایک نے جواب دیا:—”یاری لڑکی! ہمیں نہیں معلوم۔“ مسافر نے اپنی ٹوپی کو نیچے اونچا کر کے حیرانی کے ساتھ لڑکی کو دیکھا۔ لڑکی سردی سے لال اور نیلی ہو رہی تھی۔

گاڑی آگے بڑھی چلی گئی۔

دونوں بچے اُسی جگہ ڈٹے کھڑے رہے۔ غنٹوں بچت گئے۔ ٹنڈی پہاڑی ہوا اور جیادھ تیز ہوا گیا اور ان کے چہروں پر تھپہ ڈنے لگی۔ ان کے کاندھے ہوا میں اڑنے لگے۔ برف بھی تیزی کے ساتھ گرنا رہا۔ لیکن دونوں بچے وہاں سے نہ ہٹے۔ ان کی آنکھیں سڑک کے موز پر نیکی ہوئی تھیں۔ وہ انتظار میں تھے کہ کئی اور آدمی اُدھر سے آنا ہوا دکھائی دے۔

یہاں تک کینا کا دل آشا سے اچھلنے لگا۔ کچھ گھوسرار موز پر دکھائی دیئے جو انہوں کی طرف آ رہے تھے۔ سوار بہت سے تھے۔ کینا نے سوچا کہ وہاں سے کئی سپاہی آ رہے۔ وہ ٹنڈی لگتے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ سوار آگے بڑھتے گئے اور دونوں بچوں کے سامنے سے جالے لگے۔ ان کے پیچھے دو افسر، معلوم ہوتے تھے۔ کینا نے ہاتھ اٹھا کر ان افسروں کی طرف اشارہ کر کے روتے ہوئے کہا:—”نہاں صاحب! کیا میرا بھیا آ رہا ہے؟“

کینا نے ان سپاہیوں سے پوچھا:—”کیوں جی! کیا فوج اُدھر کر آ رہی ہے؟“

ان میں سے ایک نے جواب دیا:—”اے لڑکی ہمیں نہیں معلوم تم کس کے انتظار میں کھڑی ہو؟“

راڈولچو نے جواب دیا:—”اپنے بھائی کے انتظار میں!“

سپاہی تھکے ہوئے تھے۔ وہ آگے بڑھ گئے۔

کینا نے فیر دور تک دیکھنے کی کوشش کی۔ دونوں کو سر دی لگنے لگی۔ کینا لڑکھانے لگی۔ راڈولچو کو کپکپی لگ گئی۔ پر ان کے استریان بھائی والے تھے، اس لئے وہ دونوں بھیا کا انتظار کرتے رہے۔ انہیں یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ بھیا کو اپنے ساتھ کھڑ نہ لے گئے تو ماں انہیں ڈانٹھکی اور روئے گی۔

سامنے سے ایک گاڑی آئی۔ اس میں دو مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں پہنچ کر کھال کے نیچے گرم کرک پہننے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر اونچے گرم ٹوپیاں تھیں۔ گاڑی جب دونوں بچوں کے برابر میں آئی تو کینا گھڑوں کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے گاڑی میں بیٹھے دو مسافروں سے پوچھا:—”جواب! کیا اُدھر سے کئی فوج آ رہی ہے؟“

مسافروں میں سے ایک نے جواب دیا:—”یاری لڑکی! ہمیں نہیں معلوم۔“ مسافر نے اپنی ٹوپی کو نیچے اونچا کر کے حیرانی کے ساتھ لڑکی کو دیکھا۔ لڑکی سردی سے لال اور نیلی ہو رہی تھی۔

گاڑی آگے بڑھی چلی گئی۔

دونوں بچے اُسی جگہ ڈٹے کھڑے رہے۔ گھنٹوں بچت گئے۔ ٹنڈی پہاڑی ہوا اور جیادھ تیز ہوا گیا اور ان کے چہروں پر تھپہ ڈنے لگی۔ ان کے کاندھے ہوا میں اڑنے لگے۔ برف بھی تیزی کے ساتھ گرنا رہا۔ لیکن دونوں بچے وہاں سے نہ ہٹے۔ ان کی آنکھیں سڑک کے موز پر نیکی ہوئی تھیں۔ وہ انتظار میں تھے کہ کئی اور آدمی اُدھر سے آنا ہوا دکھائی دے۔

یہاں تک کینا کا دل آشا سے اچھلنے لگا۔ کچھ گھوسرار موز پر دکھائی دیئے جو انہوں کی طرف آ رہے تھے۔ سوار بہت سے تھے۔ کینا نے سوچا کہ وہاں سے کئی سپاہی آ رہے۔ وہ ٹنڈی لگتے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ سوار آگے بڑھتے گئے اور دونوں بچوں کے سامنے سے جالے لگے۔ ان کے پیچھے دو افسر، معلوم ہوتے تھے۔ کینا نے ہاتھ اٹھا کر ان افسروں کی طرف اشارہ کر کے روتے ہوئے کہا:—”نہاں صاحب! کیا میرا بھیا آ رہا ہے؟“

اِس سے اُس نے موم بکھاں خریدیں اور انہیں گرچہ میں
سب موم بکھاں کے سامنے چلا کر رکھ دیں۔ خوشی خوشی وہ
گھر لوٹیں۔

— ”اچھا، اچھا“ آج کا دن یہ ہے، کل بڑا دن ہے... ابھی یہی وقت ہے۔ اے پرہیز عیسوی کی ماں! میرا فرشتہ جیسا، قل مجھ تک پہنچا دو... اے پرہیز عیسوی مسیح! میرے مرجھانے ہوئے دل کو خوشی عطا کرو۔“

”کیسا دوروزی ہوئی گھر میں اُنی اور ماں سے کہہ لگی:—
 ”ماں! کٹوں کے کچھ اور نوجوان لڑائی کے مہدان سے لوت آئے
 ہیں۔“

ہوڑی تھیٹھا کر کچھ، غصہ سا آ گیا۔ اُس نے ان ملے دال سے جواب دیا:—”مجھے دوسروں کے سلیڈیں ہی لا کر مت دو“ ہانکے جس طرح اور دوسری لوہیاں اپنے ہاتھوں سے لائے جا رہی ہیں تم بھی جا کر اپنے بھائی کا سواگت کرو۔“

ہالک رادائل چو نے بیچ مہں دخل دے کر کہا:—میں !
میں بھی کیذا مہن کے ساتھ جاؤنگا۔“

دونوں بچے درختے ہوئے ہرف سے قہکی ہوئی کلی نو بار کر گئے۔ وہ گاؤں کے باہر ہی بڑی سڑک تک پہنچ گئے اور سڑک کے اُس پار دیوتوں میں جا کر کھڑے ہو گئے۔

ہوڑھی تسبیحا اپنے دروازے کے باہر کھڑی ہوئی بیتے کا انتظار کرنے لگی ۔

پہاڑ کی طرف سے ٹھنڈی سسٹاتی ہوا چلی آ رہی تھی ۔
پہاڑوں کی چوٹیوں ، گھاٹیوں اور میدان سب ہرف سے سفید ہو
رہے تھے ۔ ہندل گہرے چلے آ رہے تھے ۔ کالے کوٹے سوک کے ادر
پر پتھر پڑا رہے تھے ؛ درختوں کی نئی شاخوں پر بیٹھے ہوئے
تھے ۔ وہ سوک اختیوان کھاتی تک جاتی تھی ۔ سوک پر جگمگ
جگمگ نوجوان لڑکیوں ، بچوں اور بوڑھی عورتوں کے جھنڈ جمع
تھے ۔ عر جھنڈ کسی نہ کسی کے انتظار میں تھا... سہاگی ابھی
تک گھر لوٹ رہے تھے ۔ کوئی اکیلے اکیلے آ رہے تھے اور کوئی نئی نئی
کے گروہ میں ۔ کھنا اور رادل چو پہلے ایک گروہ کی طرف گئے
پھر دوسرے کی طرف ، اور پھر تیسرے کی طرف اور پھر اور آگے بڑھ
گئے ۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ہی استویان کو سب سے پہلے دیکھیں
اور اس سے ملیں۔ انہیں رشواس تھا کہ وہ اسے تربنت ہی پہچان
لیں گے ۔ ہرف پڑنا شروع ہو گیا تھا اور ہرف کے گرتے ہوئے گالے
اُن کی آنکھوں کے سامنے ہار ہار پردہ سا ڈال دیتے تھے ۔

سڑک پہلے ادھر آؤ جاتی تھی اور پھر پھاری کے باجھے
 کم ہو جاتی تھی۔ تو ماں اور رانا چو آس پھاری کی چوٹی
 پر پہنچ گئے۔ ہوا دھل اور بھی زیادہ تیز اور کانٹکی

[4]

[5]

[4]

[5]

'57 ~~xxxx~~

فیر اسنے ون کڑدیوں کو مسخا تیب کرکے کھا :—
”بہتو ! یک مینٹ ٹھہرو۔“

یہ کھڑکے وہ اپنے گھر دھڑی ہوئی گئی اور ایک منٹ کے اندر ایک پتلا راکھا ہاتھ میں لئے ہوئے لوٹ آئی۔ اس نے سر ہوا کے آن قیدی سہا ہوں سے کہا:—”ذرا ٹھہرو، دھڑا دھڑا راکھا پی لو۔“ اس نے انہیں راکھا پینے کو دی۔ باغریہ کا جو سہا پی ان قیدیوں کو لئے جا رہا تھا اس نے مسکرائے سب کو رکنے کی اجازت دے دی۔ تھکے ہوئے قیدی سہا پیوں نے راکھا پی اور تسینا کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ راکھا پی نے ان کی سردی کچھ کم کر دی۔

باغریہ کے سہا پی نے یہ دیکھ کر کہ وہ ہاتھ میں کچھ راکھا پی لے گئی ہے بڑی خوشی کے ساتھ اس نے اپنے منہ میں ڈال لیا اور ہر وہی ماں کو بہت بہت سلام دیا۔

تسینا نے پھر حیران ہو کر کہا:—”یہ سب عسائی ہیں“ سب ایک ہی ایشور کے بندے ہیں۔۔۔۔۔ یہ ایک دوسرے سے لڑتے کیوں ہیں ؟“

اس کے دیکھتے دیکھتے وہ لوگ چلے گئے۔

[3]

جنگ رک گئی۔ صلح کی بات چیت شروع ہو گئی۔

بڑے دن کا توہار نزدیک آئے لگا۔ سہا پی لوگ چھٹی لے کر کھڑے آئے۔ بیٹریں سے گئے ہوئے بہت سے سپاہی بھی لوٹ آئے۔ پر ستریاں ابھی نہیں آئے۔ نہ اس کا کوئی سندھش آیا۔ ہر وہی تسینا کو چیتا ہونے لگی۔ وہ گھبرائے لگی۔ اس کے دل میں بڑے بڑے خیال آئے لگے۔۔۔۔۔ دن گزرتے چلے گئے۔ تسینا کی آنکھیں برابر دروازے کی طرف لگی رہتیں۔ نہ جانے کب آئیں گی۔

اسٹریاں آئے اور دروازہ کھولے۔
رنل استویانوروز لڑائی سے لوٹ کر اس سے ملنے آیا۔ دنکو کا بیٹا پیٹر بھی اس سے ملنے آیا۔ دونوں بھائی اسٹرا میٹلی اس سے ملنے آئے۔ وہ اٹھ کر باہر جا کر لوگوں سے پوچھتی۔ پر استویان کی کسی سے کوئی خبر نہ ملتی۔ ان سب نے سچے دن پہلے استویان کو دیکھا تھا۔ لیکن اس کے بعد ہی انہیں خبر نہ تھی۔

ہر وہی ماں کا دل گھبرائے لگا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ہار ہار استویان آجاتا۔ وہ کھڑے اس پاس چکر کاٹتی اور ہار ہار استویان کو یاد کرتی۔

اس کی بیوی کینا دروازے سے قزق ہوئی آئی اور پلا کر کہنے لگی:—”ماں ! دیمیتھر چا چا لوائی سے آئے!“

ماں فوراً اٹھی اور دیمیتھر کے یہاں گئی۔ دیمیتھر نے یہاں پہنچ کر اس کے کہا:—”دیمیتھر ! سواکت ! استویان کو تم نے کہاں چھوڑا ؟“

جی جا رہا تھا۔ تसेنا اس خط کو پڑھانے کے لیے دوڑ کر اسے اپنے پوروہت کے پاس لے گئی۔

چٹھی یہ تھی:—

“مائی! میں یہ چٹھی تمہیں یہ بتانے کے لیے لکھ رہا ہوں کہ میں زندہ اور خودیت سے ہوں۔ ہم نے سروریا کے لوگوں کو ہرا دیا ہے۔ بلغاریہ زندہ باد! میں اچھی طرح ہوں۔ رگل استوبانور بھی اچھی طرح ہے۔ چچا دیمیترو بھی اچھی طرح سے ہیں اور اپنی ماں کو سلام بھیجتے ہیں۔ سروریا کے لوگ ہمیشہ ایک ساتھ اپنی بلدیوں میں جھڑتے ہیں۔ پو جب ہم جواب میں دے رہا تھا کہ کچھ کر رہے ہیں تو دے کر جاتے ہیں۔ میں اپنا ہسٹر بلدیوں کے یہاں بھول آیا تھا، وہ وہاں سے منگا لیتا۔ بچے اسے کہیں خراب نہ کر دیں۔ نل ہم ترائوگمان کی کھاتیں میں سے تیزی کے ساتھ نکل جائیں گے۔ میں جب گھر لوٹوں گا تو لینا کے لئے نہیں شہر سے کوئی اچھی سی چیز لیتا آؤں گا۔ تمہارے خرچ کے لئے میں ایک لٹو (بلغاریہ کا ایک سکہ) بھیج رہا ہوں۔ جب گھر آؤں گا تو رادل جو کو بٹونگا کہ تپ کے گولہ کس طرح ادا کرتے ہیں۔

ستویان دوہریو

“بڑے پیٹر کو میرا بہت بہت سلام کہنا۔ میں انہیں سروریا کی ایک بلدی بھیجتا چاہتا تھا پر انتظام نہیں کر سکا۔ وہ لوگ بلدی تو بہت دور سے چلتے ہیں پر ان کا نشانہ ٹھوک نہیں بھرتا۔ ماں! استویانگا کو بھی میرا سلام کہنا۔“

تसेنا کا دھڑکنے والا دل ٹپکا۔ اپنے بڑے ہاتھوں میں چٹھی لیتے وہ ستویانکا کے گھر گئی۔ سب کو بڑی خوشی ہوئی۔ پر سب سے زیادہ خوشی رادل جو کو ہوئی۔ وہ خوش ہو کر یہ سوچنے لگا کہ میرا بڑا بیٹا جب گھر لوٹے گا تو مجھے ایک نیا گانا سکھائے گا۔

گلی میں پھرتے ہی تसेنا کو لڑائی کے کڑیوں کا ایک نیا گیت مل گیا۔ ستویانکا کا ایک سipaہی ان کے پیچھے-پیچھے تھا۔ اس سipaہی کی شکل ستویان سے اتنی ملتی ہوئی تھی کہ بار بار تसेنا کو شک ہوا کہ وہ ستویان ہی ہے۔ پر وہ کوئی اور نہ تھا۔ تسینا نے جھٹ سے بڑھ کر اس سے پوچھا چاہا کہ اسے ستویان کی بیوی کچھ خبر ہے یا نہیں۔ پر ملے ہوئے سے پہلے اس کا دھیان سروا کے دھندوں کی طرف گیا۔ جنگ کے فوری اس نے جھڑ میں بہت بار دیکھے تھے۔

تسینا نے ان قیدیوں کی طرف دیکھ کر کہا:—“اے ایشور! کیا یہی سروریا کے لوگ ہیں؟ خاصہ اچھے آدمی ہیں..... ان بچاروں کی ماںیں کہاں ہونگی؟ کیا کہتی ہونگی؟..... انہیں کیا پتہ ان کے بچے کہاں ہیں؟“

क्या वह घर आ रहा है ?

कपड़े उठाए, उनके नीचे से उसने एक सोमवस्ती निकाली और घर के छोटे से उपासनाघर के सामने उस वस्ती को जलाकर दुआ माँगनी शुरू की।

ठीक उस समय डूंग-मान के मैदान में तापें गोले उगल रही थीं। नवम्बर 1885 की चौथी तारीख थी।

[2]

बुढ़िया तसेना ने उस रात को एक सपना देखा:—

एक बहुत बड़ा बादल है, और एक कौज उस बादल के अन्दर घुसी चली जा रही है। स्तोयान भी उसी कौज में है।

तसेना ने सपने ही के अन्दर डरकर कहा:—“ऐ माता मेरी ! ऐ प्रभु ईसा की माँ ! मेरा जी डरता है !”

बादल गरजा, आसमान में बिजली कड़की, धरती हिल गई—जंग की सी हालत मालूम हुई। उसी बादल में स्तोयान गुम हो गया। कहाँ चला गया ! अब क्या होगा !

माँ काँपकर जाग उठी। कांठरी में घुम अँधेरा था, बाहर ठण्डी हवा सन-सन कर रही थी। लड़ाई का नक़्शा माँ की आँखों के सामने से फिर रहा था।

माँ ने कहा:—“ऐ ईश्वर ! ऐ प्रभु ! ऐ ईसा मसीह ! उसका रक्षा करता.....प्रभु ईसा की माँ मेरी ! स्तोयान पर दया करना !”

उसके बाद सुबह तब बुढ़िया तसेना को सोद न आई। सुबह होते ही वह गाँव के सयाने बूढ़े पीटर के पास गई। उसने पीटर से पूछा—“चचा पीटर ! सन में बादल दिखाई देने का क्या मतलब होता है ?”

पीटर ने जवाब दिया:—“बादल वा तरह के हाते हैं। कुछ बादल वह हाते हैं जो बरसते हैं और कुछ बादल वह हाते हैं जो बारिश का इधर-उधर छिटका देते हैं। तसेना ! तुमने सपने में किस तरह का बादल देखा था ?”

तसेना ने अपना सपना बयान कर दिया। बूढ़ा पीटर कुछ देर सांचता रहा। उसे याद नहीं आ रहा था कि उसकी पाथी में उस तरह के बादल का जिक्र है या नहीं। पर जब उसने तसेना के चेहरे पर डर और घबराहट देखी और यह देखा कि तसेना टिकटिका लगाए उसका आर देख रही है, तो उसने तसेना पर दया करके कहा:—“तसेना ! फ़िक्र मत करा, सुन्दारा सपना अच्छा सपना है। बादल का मतलब यहाँ सन्देश है। तुम्हें स्तोयान की बिड्ढा मिलेगी।”

बुढ़िया का चेहरा चमक उठा।

दो दिन के बाद एक वालन्टियर ने जो स्तोयान का दास्त था, स्तोयान की माँ कां स्तोयान की एक बिड्ढो लाकर दी। स्तोयान उस समय सरावया के कुछ युद्ध के कैदियों को

कामे आता है। उन के लिये से उस ने एक मेमबनी लगी और लगे के चेहरे से आसदगोर के सामने उस बत्ती को जला कर देता। अन्तर्गत शुरुआत की।

लौकिक उस से डराकमान के मदान में तबिये को अल रही थी। नवम्बर 1885 की चतुर्थी तारीख थी।

[2]

बुढ़िया तसेना ने उस रात को एक सपना देखा:—

एक बहुत बड़ा बादल है, और एक कौज उस बादल के अन्दर घुसी चली जा रही है। स्तोयान भी उसी कौज में है।

तसेना ने सपने ही के अन्दर डरकर कहा:—“ऐ माता मेरी ! ऐ प्रभु ईसा की माँ ! मेरा जी डरता है !”

बादल गरजा, आसमान में बिजली कड़की, धरती हिल गई—जंग की सी हालत मालूम हुई। उसी बादल में स्तोयान गुम हो गया। कहाँ चला गया ! अब क्या होगा !

माँ काँपकर जाग उठी। कांठरी में घुम अँधेरा था, बाहर ठण्डी हवा सन-सन कर रही थी। लड़ाई का नक़्शा माँ की आँखों के सामने से फिर रहा था।

माँ ने कहा:—“ऐ ईश्वर ! ऐ प्रभु ! ऐ ईसा मसीह ! उसका रक्षा करता.....प्रभु ईसा की माँ मेरी ! स्तोयान पर दया करना !”

उसके बाद सुबह तब बुढ़िया तसेना को सोद न आई। सुबह होते ही वह गाँव के सयाने बूढ़े पीटर के पास गई। उसने पीटर से पूछा—“चचा पीटर ! सन में बादल दिखाई देने का क्या मतलब होता है ?”

पीटर ने जवाब दिया:—“बादल दो तरह के हाते हैं। कुछ बादल वह हाते हैं जो बरसते हैं और कुछ बादल वह हाते हैं जो बारिश का इधर-उधर छिटका देते हैं। तसेना ! तुमने सपने में किस तरह का बादल देखा था ?”

तसेना ने अपना सपना बयान कर दिया। बूढ़ा पीटर कुछ देर सांचता रहा। उसे याद नहीं आ रहा था कि उसकी पाथी में उस तरह के बादल का जिक्र है या नहीं। पर जब उसने तसेना के चेहरे पर डर और घबराहट देखी और यह देखा कि तसेना टिकटिका लगाए उसका आर देख रही है, तो उसने तसेना पर दया करके कहा:—“तसेना ! फ़िक्र मत करा, सुन्दारा सपना अच्छा सपना है। बादल का मतलब यहाँ सन्देश है। तुम्हें स्तोयान की बिड्ढा मिलेगी।”

बुढ़िया का चेहरा चमक उठा।

दो दिन के बाद एक वालन्टियर ने जो स्तोयान का दास्त था, स्तोयान की माँ कां स्तोयान की एक बिड्ढो लाकर दी। स्तोयान उस समय सरावया के कुछ युद्ध के कैदियों को

ان کے ساتھ ایک بلٹن تھی جو ہرمانلی سے آ رہی تھی۔ ہرمانلی میں وہ تڑپ سے لڑنے لگی تھی۔ اب وہ صوفیا کے مردان پر جا رہی تھی جہاں اسے سرویا والوں سے لڑنا تھا۔

رنگروٹوں کو دیکھ کر گاؤں والوں کی भीڑم سے ایک نے کہا:—”وہ دیکھو، جارجی کا بٹا سوتکو جا رہا ہے! خدا حافظ!“

دوسرے نے کہا:—”وہ دیکھو، رگل جا رہا ہے!“

تیسرے نے کہا:—”اور وہ ندلکا کا بیٹا آئیوں جا رہا ہے۔ آئیوں! دیکھو تمہاری ماں تڑپ رہی ہے!“

جلدی جلدی میں بھیڑ میں سے کچھ نے کچھ رنگروٹوں کو پھول دیئے۔ گاؤں کے اوپر سے آنسو بہتے جاتے تھے۔ شہد آدمے منہ سے نکلتے تھے اور آدمے اندر ہی اندر تھک رہے جاتے تھے۔ رنگروت فوج کے ساتھ آگے بڑھتے جاتے تھے۔

انہوں نے کہا:—”وہ دیکھو، رگل جا رہا ہے!“

آٹھ برس کے ایک لڑکے نے جو اسی لڑکی کے پاس کھڑا تھا اپنے ہاتھ رنگروٹوں کی طرف بڑھا کر چلا کر کہا:—”استویان بھیا!“

ماں نے روتے روتے کہا:—”میرے بیٹے! میرے لال!“

کالی آنکھوں والا ایک سندر تندرست نوجوان قطار میں سے باہر نکل پڑا۔ اس نے اپنی ماں کا ہاتھ چومنا، اپنی بہن اور اپنے بھائی کا ہاتھ چومنا، ان سے لے کر کچھ پھول اس نے اپنی چھاتی میں لگائے۔ ایک اور نوجوان لڑکی نے بھی اسے کچھ پھول دیئے۔ انہیں اس نے اپنے کانوں پر دھ لیا۔ پھر جلدی سے دور کر وہ قطار میں جا ملا اور سب کے ساتھ گانا گاتا چلا گیا۔

ماں نے دور سے بھلا کر کہا:—”میرے لال! خدا حافظ!“

بہن نے قریب قریب دھڑکھڑاتے ہوئے چہچہ کر کہا:—”استویان!“

ان سب کی آوازیں گونج کر رہ گئیں۔ استویان ہائی سپاہیوں کے اندر نظر سے اوجھل ہو گیا۔ رنگروت کھرمے کھرمے میں دکھائی دینے لگے۔

ماں کچھ دیر تک انہیں ہاتھ پاز کر اُسی طرف دیکھتی رہی پھر اب دیکھنے کو کچھ نہ تھا۔

نوجوان لڑکی نے اپنی جلدی کا دھارداریلہ اپنے سر پر ڈال لیا۔

گھر لوٹ کر استویان کی ماں بھٹی رہی۔ اس نے ایک پرانا ٹوٹا ہوا صندوق کھولا۔ اس میں سے کچھ قمیضیں اور

क्या वह घर आ रहा है ?

श्री आश्विन वाज्जोव

[1]

सन् १८८५ की बात है, नवम्बर की चौथी तारीख थी।
जंग जर्गी थी। डागोमान के मैदान में तोपें गोले डगल
रही थीं।

बल्लारिया के बेतरेन गाँव में कुहरा छाया हुआ था। चारों तरफ नमी थी, हल्की-हल्की बारिश हो रही थी। गाँव के ओपड़े, मालूम होता था, दबे जा रहे हैं। गलियों में कीचड़ थी। फिर भी लोग जगह-जगह जमा थे और कुछ चिन्ता के साथ बातें कर रहे थे।

गाँव के अन्दर दो छोटी छोटी सराएँ एक दूसरे के सामने सामने थीं. दोनों के बीच की सड़क पर से बैलों के ढकड़े और देहाती धांडेगाड़ियाँ फौजी रसद के सामान से जदी हुई चूँ चूँ करती चली जा रही थीं.

उन्हीं छकड़ों और गाड़ियों के बीच बीच से नए फौजी रंगरूट जा रहे थे। उनमें से कुछ लम्बे-लम्बे फौजी ओवरकोट पहने हुए थे। कुछ मंड की खाल के कोट पहने हुए थे। बहुत से अपने मोटे मोटे कम्बलों की पिछौरियाँ बनाकर उनसे अपनी सरखी दूर कर रहे थे। पैरों में ऊँचे ऊँचे जूते थे। कंधों पर बन्दूकें रखी थीं, जिनके नीचे कारतूस लटक रही थीं। बन्दूकों के पीछे वाले सिरों से थैले लटक रहे थे। थैलों में काफी सामान था। सड़क पर घुटनों घुटनों कीचड़ थी। सरखी काफी थी। बीच बीच में आले भी पड़ रहे थे। फिर भी यह सब रंगरूट हँसते गाते चले जा रहे थे।

एक सराय के दरवाजे पर कुछ किसान, कुछ मुसाफिर और कुछ फौजी अफसर खड़े हुए इन नौ नवान रंगरूटों को न्यान से देख रहे थे.

एक तरफ गाँव की कुछ औरतें, कुछ लड़कियां और कुछ बच्चे भी खड़े थे. इनमें से अधिकतर चौथड़े लपेटे हुए सरदी, से ठिठुर रहे थे. उनके चेहरों पर खून की लाली फैलक रही थी.

यह लोग इसलिये खड़े थे कि जो नौजवान रंगरूढ़ उनके गाँव से भरती होकर जा रहे थे उन्हें आखरी बिदाई दें.

यह सब रैंगरूट सोफियां जा रहे थे.

کیا وہ ٹھہرا رہا ہے؟

شہری آنڈون وازور

[1]

سن 1885 کی بات ہے۔ نومبر کی چوتھی تاریخ تھی۔ جنگ جاری تھی۔ تراکمان کے مہدان میں توپیں گواہ اُگل رہی تھیں۔

بلغاریہ کے دیتیرین گلوں میں کھڑا چہایا ہوا تھا۔ چاروں طرف نمی تھی، ہانکی ہانکی بارش ہو رہی تھی۔ گلوں کے چوڑھوڑے، معلوم ہوتا تھا، دپے جا رہے ہیں۔ گلوں میں کیچڑ نہیں۔ پھر یہی لوگ جگہ جگہ جمع تھے اور کچھ چمٹا کے ساتھ ہاتھوں کر رہے تھے۔

گاؤں کے اندر دو چھوٹی چھوٹی سرائیں ایک دوسرے کے
آگے سامنے تھیں۔ دونوں کے بیچ کی سڑک پر سے بٹلوں کے
چھترے اور دھات کی گھڑیاں فوجی رستہ کے سامان سے ادھ
ھوئی چوں چوں کرتی چلی جا رہی تھیں۔

انہوں چہرے اور گریں کے بیچ بیچ سے نئے نوجی
رنگورٹ جا رہے تھے۔ اُن میں سے کچھ لمبے لمبے نوجی اور کوت
پہنہ ہوئے تھے۔ کچھ بیڑی کی قہال کے کوت پہنہ ہوئے تھے۔
بہت سے اپنے موٹے موٹے کپڑوں کی بیڑیاں پہنا کر اُن سے اپنی
سردی دور کر رہے تھے۔ بیڑوں میں اونچے اونچے جوتے تھے۔
گندھیں پر باندھتیں رکھی تھیں، جن نے کچھ کرتوسوں لٹک
رہی تھیں۔ ہانڈیوں کے پیچھے والے سرے سے تھیلے لٹک رہے
تھے۔ تھیلوں میں کٹنی سامان تھا۔ سڑک پر گھنٹوں گھنٹوں
کچڑ تھی۔ سردی کافی تھی۔ بیچ بیچ میں ارہ بھی
پڑ رہے تھے۔ بار بھی یہ سب رنگورٹ ہلستے گاتے چلے جا
رہے تھے۔

ایک سرائے کے دروازے پر کچھ انسان، کچھ مسافر اور کچھ
فوجی اس پر بڑے ہونٹے ان نوجوان رنگروٹوں کو دھیان سے
دیکھ رہے تھے۔

ایک طرف گاؤں کی کچھ عورتیں، کچھ لڑکیاں اور کچھ بچے بھی کھڑے تھے۔ ان میں سے ادھک تر چھوٹے اور بڑے مردی سے ٹپھر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خون کی لالی جھلک رہی تھی۔

یہ لوگ اس لئے کہتے تھے کہ جو نوجوان رنگریت اُن کے
گڑوں سے پھرتی ہو کر جا رہے تھے انہیں آخری بدنامی دیں ۔
یہ سب رنگریت سونہا جا رہے تھے ۔

क्रौमी एकता को कायम किया था उसकी बुनियादें अभी काफी मजबूत न हो पाई थीं. सदियों की कमजोरियाँ एक पीढ़ी के अन्दर इतनी आसानी से नहीं मिट सकती. सदियों की पुरानी दुशमनियाँ भी अभी कहीं कहीं दिलों में पड़ी सुलग रही थीं. जिन बद्ध कथीलों को सदियों से एक तरह की मनमानी करने का आदत पड़ गई थी, जो किसी मरकजी ताकत (केन्द्रीय शक्ति) के अधीन होकर रहना, या किसी को टैक्स देना जानते ही न थे, इन सब के दिलों में फायदेमन्द सामाजिक और राष्ट्रीय बन्धनों की कद्र अभी पूरी तरह न जमी थी. इसके अलावा इस तरह के खुदशरज और मौकापरस्त लोगों की भी किसी देश या किसी जमाने में पूरी तरह कमी नहीं होती जो अपने चन्द-रोजा फायदों के लिए अपने देश के हितों के खिलाफ़ गैरों की साजिशों में मददगार हो सकें।

یہی اہمیت کو قائم کیا تھا اس کی بنیادیں ابھی کافی مضبوط نہ ہو
اٹیں تھیں۔ صدیوں کی کمزوریاں ایک پیدہ کی اندر اتنی آسانی
سے نہیں مٹ سکتیں۔ صدیوں کی پرانی دشمنیاں بھی ابھی
ہیں کہیں دلوں میں پڑی سلگ رہیں تھیں۔ جن بدو
جہاز کو صدیوں سے ایک طرح کی من مانی کرلے کی عادت
رکھی تھی، جو کسی مرکزی طاقت (کینڈریہ شکتی) کے
دھوکے ہو کر رہتا، یا کسی کو ٹیکس دینا جانتے ہی نہ تھے
ن سب کے دلوں میں قائمہ مند سا جک اور راشتری باندھلوں
کی قدر ابھی پوری طرح نہ جسی تھی۔ اس کے علاوہ اس
طرح کے خودغرض اور موقع پرست لوگوں کی بھی کسی دیہ
کسی زمانے میں پوری طرح کمی نہیں ہوتی جو اپنے چند روزہ
اندوں کے لئے اپنے دیہ کے ہٹوں کے خلاف غوروں کی سازشوں
میں مددگار ہو سکیں۔

[बाक़ी अगले नम्बर में]

[بانی اگلے نمبر میں]

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 50.

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic. the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations or a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

عصر کے بہت سے عرب صوبے ابھی تک رومی سلطنت کے حصہ تھے۔ ان صوبوں کے عربوں میں اسلام کا پرچار کرنے کے لئے محمد صاحب سکڑوں پرچارک بھیج چکے تھے۔ روم کے عیسائی بادشاہوں کی نیتوں میں اس سے مذہبی آزادی کی گنجائش نہ تھی۔ روم کے اس سے کے انہماچوں اور وہاں کی پرچار کی حالت کا ذکر ہم ایک دوسری جگہ کریں گے۔ وہاں نے جن عربوں نے نیا دھرم قبول کیا انہیں رومی شاسکوں نے موت کی سزا دیلی شروع کی۔ محمد صاحب کے بھیجے ہوئے پچاسوں پرچارکوں کو انہوں نے قتل کروا دیا۔ وہاں کے زیادہ تر عربوں میں اس سے نفرت تھی۔ شہری دھرم کے ساتھ پریم اور زیادہ بڑھا۔ بہت سے عرب قبیلوں نے جو عیسائی آبادی تھے، بغاوتی اسلام قبول کر لیا اور رومی سامراج کی اذیتوں سے بچنے کی نئی راہ پر گامزن ہوئے۔ رومی سامراج کے ساتھ اپنا سمبندھ چھوڑ لیا۔ اس پرکار انہیں عیسائی عرب قبیلوں نے بھی روم سے اپنا تعلق توڑ کر مدینہ کی عرب سرکار کے ساتھ چھوڑنا چاہا۔ مدینہ کی دوسری سرکار رومی شہنشاہت کے بھیجے ہوئے انہماچ (لڑائی) تھا۔ محمد صاحب ہی کے سے میں یہ چھوڑ چکا تھا۔ واسکو میں یہ یہ عربوں کی دھارمک اور راجدھتک سوانہیت کا یہ نہ تھا اور اسے جہوت رہنے کے لئے عربوں میں راہبریت ایک ہی بھاؤنا بھی کافی تھا۔

موت سے کچھ دن پہلے محمد صاحب نے رومی سامراج کے مقابلے کے لئے شام کی سرحد پر نئی فوج بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ فوج مدینہ سے باہر میدان میں پہنچ چکی تھی۔ محمد صاحب اپنے ہاتھوں سے فوج کی کمانداری کا جھنڈا لوجوان ہونٹوں کے ہاتھوں میں سونپ چکے تھے۔ ننگر محمد صاحب کی موت کے کارن اس فوج کا جانا رک گیا تھا۔

حلیف: ہونے کے دوسرے دن ابوبکر نے فوج کی کمانداری کا جھنڈا عورتوں کے ہاتھوں میں دے کر اسے فوج کی اور بڑھنے کا حکم دیا۔

ادھر روم کے چالاک حاکموں نے بھی محمد صاحب کی موت سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ پورے عرب میں اور خاص کر ان صوبوں میں جو اس سے پہلے روم یا ایران کے ماتحت رہ چکے تھے، مدینہ کی نئی سرکار کے خلاف سازشوں کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ چاروں اور سے بغاوتوں کی خبریں آئے لکن یہاں تک کہ بغاوتوں کے کئی نئے دعویدار نکلتے ہوئے۔

خلیفہ ہونے کے دوسرے ہی دن ابوبکر نے فوج سے فوج کی کمانداری کا جھنڈا آساما کے ہاتھوں میں دے کر اسے فوج کی اور بڑھنے کا حکم دیا۔

ادھر روم کے چالاک حاکموں نے بھی محمد صاحب کی موت سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ پورے عرب میں اور خاص کر ان صوبوں میں جو اس سے پہلے روم یا ایران کے ماتحت رہ چکے تھے، مدینہ کی نئی سرکار کے خلاف سازشوں کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ چاروں اور سے بغاوتوں کی خبریں آئے لکن یہاں تک کہ بغاوتوں کے کئی نئے دعویدار نکلتے ہوئے۔

32 برس کی کٹھن تپتیا اور قربانیوں کے جریے محمد صاحب نے الگ الگ قبیلوں کی جگہ جس

23 برس کی کٹھن تپتیا اور قربانیوں کے جریے محمد صاحب نے الگ الگ قبیلوں کی جگہ جس

अबूधक मोहम्मद साहब के सबसे शुरु के अनुयायी और बहुत बड़े भक्तों में से थे, मोहम्मद साहब की प्यारी बीबीआयशा के वह पिता थे। इस्लाम कुबूल करने के पहले वह अरब के एक बहुत बड़े धनी सौदागर थे, इस्लाम कुबूल करने के बाद उन्होंने अपनी सारी जायदाद इस्लाम के प्रचार, मुसलमानों की खिदमत और उन मुसलमान गुलामों को खरीद खरीद कर आजाद कर देने में खर्च कर दी थी जिन्हें उनके, पुराना मजहब मानने वाले आक्रा उनके मुसलमान हो जाने के सबब तकलीफें पहुँचाया करते थे।¹⁵ अपने त्याग, अपनी ईश्वर भक्ति, अपनी दूरदेशी, अपनी कानूनीयत और अपने चलन की पाकीजगी के सबब अबूधक अपने सब साथियों के आदर के पात्र थे, कुछ इतिहासकारों के मुताबिक मोहम्मद साहब के बाद अरब और इस्लाम के हक में इससे बेहतर चुनाव न हो सकता था।

जिस दिन मोहम्मद साहब का शरीर धरती को सौंपा गया उसी दिन मशीने की आलीशान मस्जिद में जो मुसलमान जमा हुए उन्हें न अष्ट पढ़ाने के लिये अबूबक मिन्बर पर पहुँचें, मुसलमानों की जमाअत को नमाज पढ़ाना इस्लाम के इतिहास में हमेशा रहनुमाई की निशानी समझी गई है, नमाज से पहले मौजूद लोगों ने एक आवाज से अबूबक को 'खलीफा' मानना मंजूर किया, अबूबक ने खड़े होकर यह सीधी सादी तक्रार की—

“ऐ लोगो ! मैं तुम सबसे बेहतर आदमी नहीं हूँ, फिर भी अब मैं तुम्हारे ऊपर हाकिम हूँ. अगर मैं मताई करूँ तो मेरी मदद करना और अगर बुराई करूँ तो मेरी बुराई बता देना. हमेरा सब के पीछे चलना. यही वकादारी है. मूठ से बचना क्योंकि उसमें दगा है. तुममें से जो कमजोर और दुखी है वह उस वक्त तक मेरे लिये ताकतवर होगा जब तक कि मैं उसके दुखों का दूर न कर सकूँ; और तुममें जो बलवान और जालिम है वह उस वक्त तक मेरे लिए कमजोर होगा जब तक कि, यदि अल्लाह ने चाहा तो, मैं उससे वह सब न ले लूँ जो उसने अत्याचार द्वारा दूसरे से लिया है. अल्लाह की राह में कोशिश करना न छोड़ना. जो जुल्म करेगा उसे बेराक अल्लाह नाचा दिखायेगा. जब तक मैं अल्लाह और उसके रसूल की हिदायतों के मुताबिक चलूँ तुम भी मेरा हुक्म मानना और जहाँ कहीं मैं उनकी हिदायतों पर अमल न करूँ तुम मेरा हुक्म न मानना. अब नमाज के लिये उठ खड़े हो. अल्लाह तुम्हारे साथ है.”

अबूबक की उम्र इस वक्त साठ बरस की थी.

ابوبکر محمد صاحب کے سب سے شروع
کے انویسٹمنٹوں اور بہت بڑے بھکتنوں میں سے تھے۔
محمد صاحب کی پیاری بیوی عائشہ کے وہ پوتا تھے۔
اسلام قبول کرنے کے پہلے وہ عرب کے ایک بہت بڑے دھلی
سوداگر تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنی ساری
جائداد اسلام کے پرچار، مسلمانوں کی خدمت اور ان مسلمان
علاقوں کو خرید خرید کر آزاد کر دینے میں خرچ کر دی تھی جنہیں
ان کے پوتے، مذہب ماننے والے آقا ان کے مسلمان ہو جانے کے
سبب سے نکال دیے گئے تھے۔ 15 اپنے نہاگ، اپنی ایشور
بھکتی، اپنی دراندیشی، اپنی نابھیت اور اپنے چلن کی باکیوں
کے سبب ابوبکر اپنے سب ساتھیوں کے آدر کے پاتر تھے۔ کچھ
اتھارڈز کے مطابق محمد صاحب کے بعد عرب اور اسلام کے
حق میں اس سے بہتر چٹاؤ نہ ہو سکتا تھا۔

جس دن محمد صاحب کا شریعہ دھرتی کو سوہلا گیا اُسی دن مدینہ کی عالیشان مسجد میں جو مسلمان جمع ہوئے انہیں نماز پڑھانے کے لئے ابوبکر صبر پر پہنچے۔ مسلمانوں کی جماعت کو نماز پڑھانا اسلام کے انہاس میں ہمیشہ رعنائی کی نشانی سمجھی گئی ہے۔ نماز سے پہلے موجود لوگوں نے ایک آواز سے ابوبکر کو 'خلیفہ' ماننا منظور کیا۔ ابوبکر نے کہتے ہو کر یہ سیدھی سادی تقریر کی—

”اے لوگو! میں تم سب سے بہتر آدمی نہیں ہوں، یہو
 یہی اب میں تمہارے اوپر حاکم ہوں۔ اگر میں بھگتی کروں
 تو میری مدد کرنا اور اگر ہرانی کروں تو میری ہرانی بتا دینا۔
 ہمیشہ سچ کے پیچھے چلنا۔ یہی وفاداری ہے۔ جہوت سے بچنا
 کیونکہ اُس میں دغا ہے۔ تم میں سے جو کمزور اور نکلی ہے وہ
 اُس وقت تک میرے لئے طاقتور ہوگا جب تک کہ میں اُس کے
 دہوں کو دور نہ کر سکوں؛ اور تم وہ جس کو ظالم ہے وہ
 اُس وقت تک میرے لئے کمزور ہوگا جب تک کہ‘ یسعی اللہ
 نے جانا تو‘ میں اُس سے وہ سب نہ لے لوں جو اُس نے اپنا چار
 دوڑا دوسرے سے لیا ہے۔ اللہ کی راہ میں کوشش کرنا نہ چھوڑنا۔
 جو ظلم کرے گا اُسے اللہ بوشاک نہ جانے گا۔ جب تک میں
 اللہ اور اُس کے رسول کی ہدایتوں کے مطابق چلوں تم بھی میرا
 حکم ماننا اور جہاں کہیں میں اُن کی ہدایتوں پر عمل نہ
 کروں تم میرا حکم نہ ماننا۔ اب نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ اللہ
 تمہارے ساتھ ہے۔

ابوبکر کی عمر اُس وقت ساٹھ برس کی تھی۔

کے پاس ہم سب کو لڑکر جاتا ہے، اگر وہ سب لوگ اسلام قبول کر لیں تو ان سے وہ تینوں چھڑیاں مانگنا جن کی وہ پوجا کرتے ہیں، ان میں سے ایک نمشک کی ہے جس پر سفید اور پتلی چھڑیاں ہیں۔ دوسری ہوت کی طرح گردار ہے اور تیسری ابلوس کی طرح کالی ہے۔ ان تینوں چھڑیوں کو باہر میدان میں لاکر جلا دینا۔“

آپاٹا لکھتا ہے کہ اس نے پیغمبر کی اکھیاں کا ٹھیکہ پالن کیا۔ شامی اور وٹھم کے ساتھ آپے دھرم کا پرچار کیا اور کچھ دنوں میں ہی یمن کے سب لوگوں نے نیا مذہب قبول کر لیا۔

شروع کے دنوں میں انیک پرچاروں کے ناکامیوں کے مصائبیں چھلنے اور مارے جانے کا بھی ذکر آتا ہے، لیکن جس ادھک پاک اور ادھک سول دسارک دشواریوں اور جس اونچے سامراج سنگتوں کو اسلام نے عربوں میں پیدا کیا اس کی قدر لوگوں کے دلوں میں بڑھتی چلی گئی۔ دھیرے دھیرے محمد صاحب کی زندگی میں ہی قریب قریب سب عرب قبیلوں نے نئے مذہب کو قبول کر لیا۔ مدینہ کی بڑھتی ہوئی قومی طاقت اور اسی کے ساتھ ساتھ انک ایک فیملوں کی دھیرے دھیرے بڑھتی ہوئی سمجھتی نے بھی اسلام کے پرچار میں بہت بڑی مدد دی۔

عیاہ لکھتا ہے کہ اس نے پیغمبر کی اکھیاں کا ٹھیکہ پالن کیا۔ شامی اور وٹھم کے ساتھ آپے دھرم کا پرچار کیا اور کچھ دنوں میں ہی یمن کے سب لوگوں نے نیا مذہب قبول کر لیا۔

شروع کے دنوں میں انیک پرچاروں کے ناکامیوں کے مصائبیں چھلنے اور مارے جانے کا بھی ذکر آتا ہے، لیکن جس ادھک پاک اور ادھک سول دسارک دشواریوں اور جس اونچے سامراج سنگتوں کو اسلام نے عربوں میں پیدا کیا اس کی قدر لوگوں کے دلوں میں بڑھتی چلی گئی۔ دھیرے دھیرے محمد صاحب کی زندگی میں ہی قریب قریب سب عرب قبیلوں نے نئے مذہب کو قبول کر لیا۔ مدینہ کی بڑھتی ہوئی قومی طاقت اور اسی کے ساتھ ساتھ انک ایک فیملوں کی دھیرے دھیرے بڑھتی ہوئی سمجھتی نے بھی اسلام کے پرچار میں بہت بڑی مدد دی۔

[۲]

[2]

محمد صاحب ایک معمولی ساریب घर में पैदा हुए। अपनी मौत से पहले वे समूचे अरब के बादशाह थे। नकी बादशाहत संसार में एक अनोखी और नए ढङ्ग की दाशाहत थी। अरब में नए मजहब की उन्होंने बुनियाद रखी और अस्ताह के रसूल की उन्हें पदवी मिली। इस दाशाहत को न उन्होंने अपने पूर्वजों या बुजुर्गों से हासिल किया था और न इसे अपने खानदान में जारी रखने का उनका विचार था। उनका देहान्त होते ही लोगों को इस त की फिर हुई कि मुसलमानों की रहनुमाई और अरब नई कौमी सरकार को चलाने के लिये अब क्या तज्जाम किया जाय ? दूसरा रसूल खुदा तां काई हो न कता था लेकिन मदीने की गहरा के लिये मोहम्मद साहब बारिस चुना जाना भी जरूरी था। कुछ सलाह-एवरे के बाद, जिसकी तकमील में जाना हमारे लिये हरी नहीं है, मदीने के खास खाम लोगों ने जमा होकर, नमें अनुसार और मुहाजर दोनों शामिल थे, एक राय अबूबक्र को मोहम्मद साहब का बारिस चुना और 'लीफतुर रसूल' यानी रसूल के खलीफा (प्रतिनिधि) की खयत से अबूबक्र ने अरबों की इस नई कौमी ताकत बाग होर अपने हाथों में ली।

محمد صاحب ایک معمولی ساریب घर में पैदा हुए۔ اپنی موت سے پہلے وہ سوجھے عرب کے بادشاہ تھے۔ ان کی بادشاہت سنسار میں ایک انوکھی اور نئے ڈھنگ کی بادشاہت تھی۔ عرب میں نئے مذہب کی انہوں نے بنیاد رکھی اور انہ کے رسول کی انہیں پدوی ملی۔ اس بادشاہت کو نہ انہوں نے اپنے بزرگوں یا بزرگوں سے حاصل کیا تھا اور نہ اسے اپنے خاندان میں جاری رکھنے کا ہی ان کا وچار تھا۔ ان کا دیہانت ہوتے ہی لوگوں کو اس بات کی فکر ہوئی کہ مسلمانوں کی رہنمائی اور عرب کی نئی قومی سرکار کو چلانے کے لئے اب کیا انتظام کیا جائے ؟ دوسرا رسول خدا کو کوئی نہ ہو سکتا تھا لیکن مدینہ کی ندی کے لئے محمد صاحب کا وارث چنا جانا بھی ضروری تھا۔ کچھ صلاح مشورے کے بعد جس کی تفصیل میں جانا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے۔ مدینہ نے خاص خاص لوگوں نے جمع ہوکر، جن میں انصار اور محتاجر دونوں شامل تھے، ایک رائے سے ابو بکر کو محمد صاحب کا وارث چنا اور 'خليفة الرسول' یعنی رسول کے خلیفہ (پرہندہ) کی حیثیت سے ابو بکر نے عربوں کی اس نئی قومی طاقت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی۔

کر لیا۔ موہممد ساہب نے اسے اپنے کنبیلے میں جا کر
 پرچار کرنے کی ہدایت دی۔ طفیل کو شروع میں کچھ
 نامیدی ہوئی۔ اس نے مدینہ واپس آ کر محمد صاحب سے
 کہا—”بنو داس مٹتی ہیں، آپ انہیں بدعا دیجئے۔“ محمد
 صاحب نے ایشور سے دعا کی—”اے اللہ! بنو داس کو سچا
 راستہ دکھا۔“ انہوں نے طفیل کو دلاسا اور ہمت دلا کر دھیرج
 وراثت سے اپنا کام جاری رکھنے کی صلاح دی۔ اس بار ایک
 درمتر طفیل کے ساتھ تھا۔ اُن لوگوں نے ایک ایک گھر جا کر شانتی
 کے ساتھ نئے مذہب کا پرچار کیا۔ سن چھ ہجری تک بلو
 ناس قبیلے کے زیادہ تر لوگوں نے نئے مت کو مان لیا، اس کے
 دو برس بعد پورے قبیلے نے اپنے پرانے بتوں کی پرچا کو
 چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ طفیل نے اب لکڑی کے اس لٹکے کو
 جس کو اس قبیلے کے لوگ دیوتا سمجھ کر پوجا کرتے تھے
 سب کی رضامندی سے آگ لگا دی۔ 14

یمن سب کے اسلام قبول کرنے کی کہانی اور
 بھی دلچسپ ہے۔ ذیل سادہ لکھتا ہے کہ موہممد ساہب
 نے ایشور اذہن اربعی اذہن اذہن اذہن نام کے ایک
 شخص کے ہاتھ وہاں کے ہیمیار کنبیلے کے لوگوں کے
 پاس ایک خط بھجوا جس میں اسلام کے خاص خاص
 اصولوں کی طرف اُن کی توجہ دلائی اور
 انہیں نیا مذہب قبول کرنے کی دعوت دی۔ چلتے سے محمد
 صاحب نے عیاش سے کہا—

”جب تم پونچو تو رات میں اُن کے شہر میں داخل
 نہ ہونا۔ صبح ہونے تک شہر کے باہر ہی ٹھہرنا۔ صبح اچھی
 طرح نہا کر دو رکعت نماز پڑھنا اور اللہ سے دعا مانگنا کہ
 تمہیں اپنے مشن میں کامیابی دے اور تمہاری حفاظت کرے۔
 پھر اپنے دامن ہاتھ سے پھرا خط اُن کے دامن ہاتھ میں دینا۔ وہ اسے
 لے لے گا۔ پھر قرآن کی آیتوں کی صورت میں انہیں پتہ کر سنا۔
 تب ختم کر چکو تو کہنا—”محمد نے اس پر وشواس
 کیا ہے اور میں نے ہی وشواس کیا ہے، اللہ چاہے گا تو تم اُن
 کی ہر شکا کا سامنا کر سکو گے۔ اگر وہ کوئی بات کسی غیر
 ہاں میں پوچھیں تو ان سے ترجمہ کرا لینا اور ان سے کہا
 میرے لئے ایک اللہ بس ہے۔ میں اسی کی بھیجی ہوئی
 کتاب میں وشواس کرتا ہوں۔ مجھے انصاف کرنے کا حکم دیا
 گیا ہے۔ اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے دوسروں کا یہل
 ہمیں ملے گا اور تمہارے دوسروں کا نہیں۔ ہم میں اور تم میں
 کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اللہ ہم سب کو ملے دے گا اور اسی

یمن سب کے اسلام قبول کرنے کی کہانی اور
 بھی دلچسپ ہے۔ ذیل سادہ لکھتا ہے کہ موہممد ساہب
 نے ایشور اذہن اربعی اذہن اذہن نام کے ایک
 شخص کے ہاتھ وہاں کے ہیمیار کنبیلے کے لوگوں کے
 پاس ایک خط بھجوا جس میں اسلام کے خاص خاص
 اصولوں کی طرف اُن کی توجہ دلائی اور
 انہیں نیا مذہب قبول کرنے کی دعوت دی۔ چلتے سے محمد
 صاحب نے عیاش سے کہا—

”جب تم پونچو تو رات میں اُن کے شہر میں داخل
 نہ ہونا۔ صبح ہونے تک شہر کے باہر ہی ٹھہرنا۔ صبح اچھی
 طرح نہا کر دو رکعت نماز پڑھنا اور اللہ سے دعا مانگنا کہ
 تمہیں اپنے مشن میں کامیابی دے اور تمہاری حفاظت کرے۔
 پھر اپنے دامن ہاتھ سے پھرا خط اُن کے دامن ہاتھ میں دینا۔ وہ اسے
 لے لے گا۔ پھر قرآن کی آیتوں کی صورت میں انہیں پتہ کر سنا۔
 تب ختم کر چکو تو کہنا—”محمد نے اس پر وشواس
 کیا ہے اور میں نے ہی وشواس کیا ہے، اللہ چاہے گا تو تم اُن
 کی ہر شکا کا سامنا کر سکو گے۔ اگر وہ کوئی بات کسی غیر
 ہاں میں پوچھیں تو ان سے ترجمہ کرا لینا اور ان سے کہا
 میرے لئے ایک اللہ بس ہے۔ میں اسی کی بھیجی ہوئی
 کتاب میں وشواس کرتا ہوں۔ مجھے انصاف کرنے کا حکم دیا
 گیا ہے۔ اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے دوسروں کا یہل
 ہمیں ملے گا اور تمہارے دوسروں کا نہیں۔ ہم میں اور تم میں
 کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اللہ ہم سب کو ملے دے گا اور اسی

یمن سب کے اسلام قبول کرنے کی کہانی اور
 بھی دلچسپ ہے۔ ذیل سادہ لکھتا ہے کہ موہممد ساہب
 نے ایشور اذہن اربعی اذہن اذہن نام کے ایک
 شخص کے ہاتھ وہاں کے ہیمیار کنبیلے کے لوگوں کے
 پاس ایک خط بھجوا جس میں اسلام کے خاص خاص
 اصولوں کی طرف اُن کی توجہ دلائی اور
 انہیں نیا مذہب قبول کرنے کی دعوت دی۔ چلتے سے محمد
 صاحب نے عیاش سے کہا—

وہی طرح کی کوششوں کی جاتی رہی جس طرح کہ اس سے پہلے محمد صاحب کی راج نہتک لڑتا کے دلوں میں کی جاتی تھیں۔ 11 لی. ڈار. ارنلڈ نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں انہی کہناؤں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک ہم نیچے نقل کرتے ہیں :-

جس طرح مکہ میں حضرت عمر ابن خطاب نے اسلام دھرم کو قبول کیا تھا اسی طرح کی کہانی مدینہ میں امر ابن وحب کی ہے۔ قریش نے محمد صاحب کی گہت ہٹا کے ارادے سے عمرو کو بدر کی لڑائی کے بعد مکہ سے مدینہ بھیجا۔ اسلام دھرم کے اصولوں کے بارے میں عمرو کی محمد صاحب سے دیر تک تحصیل میں بات چیت ہوئی۔ شریف زکریا عمرو جو قریشوں کی شاہیں سے محمد صاحب کو قتل کر کے گیا تھا اس بات چیت کے بعد اسلام کا قائل ہو گیا اور ان کا بیعت بن کر مدینہ سے لوٹا۔

عرب کے مختلف قبیلوں کے جو نمائندے دوسرے کاموں کے لیے محمد صاحب سے ملنے مدینہ آتے تھے ان کے ساتھ محمد صاحب کا ہونا اتنا اچھا ہوتا تھا کہ ان کی شکایات کو وہ اندر سے سنا دیتے اور اس طرح انصاف اور خوبصورتی کے ساتھ ان کے آپس کے جھگڑوں کا نتیجہ دیتے تھے کہ محمد صاحب کا نام جلدی ہی سارے عرب میں مشہور اور سرور پڑے ہو گیا اور ایک مہان اور ادارہ شاکس کی حیثیت سے ان کا بھی چاروں اور پہل گیا۔ 12

قبیلوں کے جو نمائندے محمد صاحب سے ملنے آتے تھے ان کے ہاتھ کے لئے ہونے یا جو ایک موقع پر موجود ہوتے تھے ان کے لئے انہی کے بیان عرب کے تالاس میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ کسی دوسرے کام کے لئے آتے تھے ان پر محمد صاحب کی بات چیت کا اتنا اچھا اثر ہوتا تھا کہ وہ مسلمان ہو کر لوٹتے اور پھر خود اپنے قبیلوں میں جا کر اسلام کا پرچار کرتے تھے۔ 13

حبیبہ کی جنگ کے بعد جب عرب کے دکھنی صوبوں کے لوگ مدینہ آئے جاتے تھے یمن کے اتر سے ہندوستان کے کچھ لوگ محمد صاحب سے ملنے آئے۔ محمد صاحب سے پہلے ہی اس قبیلے کے کچھ لوگوں میں اپنی پرانی بت پرستی کے مخالف استوہ اور کسی ادھک سے دھرم کی پہچ پیدا ہو چکی تھی۔ ان میں سے اب ایک طفیل نام کے آدمی نے اسلام قبول

کشیلوں کے جو نمائندے محمد صاحب سے ملنے آتے تھے ان کے ہاتھ کے لئے ہونے یا جو ایک موقع پر موجود ہوتے تھے ان کے لئے انہی کے بیان عرب کے تالاس میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ کسی دوسرے کام کے لئے آتے تھے ان پر محمد صاحب کی بات چیت کا اتنا اچھا اثر ہوتا تھا کہ وہ مسلمان ہو کر لوٹتے اور پھر خود اپنے قبیلوں میں جا کر اسلام کا پرچار کرتے تھے۔ 13

حبیبہ کی جنگ کے بعد جب عرب کے دکھنی صوبوں کے لوگ مدینہ آئے جاتے تھے یمن کے اتر سے ہندوستان کے کچھ لوگ محمد صاحب سے ملنے آئے۔ محمد صاحب سے پہلے ہی اس قبیلے کے کچھ لوگوں میں اپنی پرانی بت پرستی کے مخالف استوہ اور کسی ادھک سے دھرم کی پہچ پیدا ہو چکی تھی۔ ان میں سے اب ایک طفیل نام کے آدمی نے اسلام قبول

حبیبہ کی جنگ کے بعد جب عرب کے دکھنی صوبوں کے لوگ مدینہ آئے جاتے تھے یمن کے اتر سے ہندوستان کے کچھ لوگ محمد صاحب سے ملنے آئے۔ محمد صاحب سے پہلے ہی اس قبیلے کے کچھ لوگوں میں اپنی پرانی بت پرستی کے مخالف استوہ اور کسی ادھک سے دھرم کی پہچ پیدا ہو چکی تھی۔ ان میں سے اب ایک طفیل نام کے آدمی نے اسلام قبول

حبیبہ کی جنگ کے بعد جب عرب کے دکھنی صوبوں کے لوگ مدینہ آئے جاتے تھے یمن کے اتر سے ہندوستان کے کچھ لوگ محمد صاحب سے ملنے آئے۔ محمد صاحب سے پہلے ہی اس قبیلے کے کچھ لوگوں میں اپنی پرانی بت پرستی کے مخالف استوہ اور کسی ادھک سے دھرم کی پہچ پیدا ہو چکی تھی۔ ان میں سے اب ایک طفیل نام کے آدمی نے اسلام قبول

حبیبہ کی جنگ کے بعد جب عرب کے دکھنی صوبوں کے لوگ مدینہ آئے جاتے تھے یمن کے اتر سے ہندوستان کے کچھ لوگ محمد صاحب سے ملنے آئے۔ محمد صاحب سے پہلے ہی اس قبیلے کے کچھ لوگوں میں اپنی پرانی بت پرستی کے مخالف استوہ اور کسی ادھک سے دھرم کی پہچ پیدا ہو چکی تھی۔ ان میں سے اب ایک طفیل نام کے آدمی نے اسلام قبول

11. The Preaching of Islam by T. W. Arnold, P. 33.

12. Life of Mohammed by sir William Muir, vol iv, pp. 107-8.

13. Sprenger, vol iii and Ibn Sad Section 118.

لوگوں دونوں سے کہہ دو کہ تم بھی اس اسلام کو قبول کرتے ہو؟ اگر وہ قبول کر لیں تو وہ سچے راستے پر ہیں اور اگر وہ نہ مانیں تو ان کی مرضی! تمہارا کام صرف سمجھا دینا ہے اور بس۔ اللہ اپنے سب بندوں کے حال کو دیکھتا ہے۔“ 5

”ہم نے ہر کرم کے لیے عطا کیا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 6

”ہم نے ہر کرم کے لیے عطا کیا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 7

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 8

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 9

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 10

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 11

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 12

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 13

5. کورن 3-19.

6. کورن 22-66, 67.

7. کورن 2-256.

8. کورن 48-8, 9.

9. کورن 5-13

10. کورن 8-6.

”ہم نے ہر کرم کے لیے عطا کیا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 5

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 6

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 7

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 8

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 9

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 10

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 11

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 12

”نہیں! تم نے اسے مانا ہے اور اس کے لیے جو کچھ تم نے مانا ہے اس میں سے تم کو دے دیں گے۔“ 13

2. کورن 3-19.

6. کورن 22-66, 67.

7. کورن 2-256.

8. کورن 48-8, 9.

9. کورن 5-13

10. کورن 8-6.

عرب کی کلتور، سہیبتا اور اسلام

بیربرناتھ پانڈے

[1]

اسلام کے پیرامبر موہممد ساہب نے اسلام کے رچار میں کون سے سترکے استمال کئے اور دوسروں کو اس کے متعلق کیا ہدائیں دیں اس سلسلے میں قرآن کی کچھ آیتیں غور کرنے کے قابل ہیں۔

”اے پیرامبر لوگوں کو اپنے رب کی راہ میں بلاؤ تو عقلمندی کی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے بلاؤ اور جب ان کے ساتھ بحث کرو تو اس طرح کرو کہ ان کے جی کو بہانہ نہ ہو۔“ 1

”اگر وہ کچھ بیجا بات نہ سے کہیں تو اُسے صبر کے ساتھ برداشت کرو اور سوجھنے کے ساتھ انک ہٹ جاؤ۔“ 2

”پھر اگر لوگ تمہارے سمجھانے پر بھی تم سے ماہ موز لیں تو ان کو تمہارا کام قبول صاف صاف سمجھا دینا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔“ 3

”لیکن اگر تمہارے سمجھانے پر بھی لوگ نہ مانیں تو ہم نے تمہیں ان کا سترشک بنا کر نہیں بھیجا ہے تمہارا کام کھل اتلا ہی ہے کہ تم ان نک ہمارا سترشک پہنچا دو اور پس۔“ 4

اوپر کی آیتوں اس سمے کی ہیں جب کہ محمد صاحب مکہ میں تھے اور انہوں اور ان کے انویانہوں کو اپنے دھارمک وچاروں کے سبب بے حد پائنائیں ہوگئی ہیں۔ جس سمے مدینہ میں پورے عرب کے انویانہ شاکک کی حیثیت سے محمد صاحب کی حالت اپنی چوٹی پر تھی اُس سمے بھی قرآن کی اس نوبتی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

”اگر دے نہ سے جیچا کریں تو ان سے نہ دو کہ میں نے اور جو بھی میرا انویانی ہے اُس نے ایک اللہ کے سامنے سترک چکا دیا ہے۔ یہی اسلام شہد کا ارتھ ہے۔ جن لوگوں کے پاس اس سے پہلے کے ایشوری گرنہ یا الہامی کتابیں موجود ہیں ان سے اور عرب کے انویانہ

عرب کی کلتور، سہیبتا اور اسلام

وشوہیر ناتھ پانڈے

[1]

اسلام کے پیرامبر محمد صاحب نے اسلام کے پورچار میں کون سے طریقہ استعمال کئے اور دوسروں کو اُس کے متعلق کیا ہدائیں دیں اس سلسلے میں قرآن کی کچھ آیتیں غور کرنے کے قابل ہیں۔

”اے پیرامبر لوگوں کو اپنے رب کی راہ میں بلاؤ تو عقلمندی کی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے بلاؤ اور جب ان کے ساتھ بحث کرو تو اس طرح کرو کہ ان کے جی کو بہانہ نہ ہو۔“ 1

”اگر وہ کچھ بیجا بات نہ سے کہیں تو اُسے صبر کے ساتھ برداشت کرو اور سوجھنے کے ساتھ انک ہٹ جاؤ۔“ 2

”پھر اگر لوگ تمہارے سمجھانے پر بھی تم سے ماہ موز لیں تو ان کو تمہارا کام قبول صاف صاف سمجھا دینا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔“ 3

”لیکن اگر تمہارے سمجھانے پر بھی لوگ نہ مانیں تو ہم نے تمہیں ان کا سترشک بنا کر نہیں بھیجا ہے تمہارا کام کھل اتلا ہی ہے کہ تم ان نک ہمارا سترشک پہنچا دو اور پس۔“ 4

اوپر کی آیتوں اس سمے کی ہیں جب کہ محمد صاحب مکہ میں تھے اور انہوں اور ان کے انویانہوں کو اپنے دھارمک وچاروں کے سبب بے حد پائنائیں ہوگئی ہیں۔ جس سمے مدینہ میں پورے عرب کے انویانہ شاکک کی حیثیت سے محمد صاحب کی حالت اپنی چوٹی پر تھی اُس سمے بھی قرآن کی اس نوبتی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

”اگر دے نہ سے جیچا کریں تو ان سے نہ دو کہ میں نے اور جو بھی میرا انویانی ہے اُس نے ایک اللہ کے سامنے سترک چکا دیا ہے۔ یہی اسلام شہد کا ارتھ ہے۔ جن لوگوں کے پاس اس سے پہلے کے ایشوری گرنہ یا الہامی کتابیں موجود ہیں ان سے اور عرب کے انویانہ

1. قرآن 16-125.

2. قرآن 10-73.

3. قرآن 16-28.

4. قرآن 42-48.

1. قرآن 16-125.

2. قرآن 10-73.

3. قرآن 16-28.

4. قرآن 42-48.

کس سے	صفحہ نمبر	کس سے
1. اعراب کی کلتور، سہیتا اور اسلام —ویرامبرناث پانڈے	193	1. عرب کی کلتور، سہیتا اور اسلام —شومبر نات پانڈے
2. کیا وہ گھر آ رہا ہے؟ —آئی آئی بن باجیو	201	2. کیا وہ گھر آ رہا ہے؟ —شری آنون دلورو
3. ہندوستان کی کلتور اور اسلام —ڈاکٹر سید محمد	210	3. ہندوستان کی کلتور اور اسلام —ڈاکٹر سید محمد
4. آئی سٹائن کا سیدھانت اور ویدانت —ڈاکٹر مہا باندا	218	4. آئی سٹائن کا سیدھانت اور ویدانت —ڈاکٹر مہا باندا
5. سن 1905 کا سیدھی آندولن —پنڈت سندرلال	223	5. سن 1905 کا سیدھی آندولن —پنڈت سندرلال
6. رواجیات مہیہ —آئی 'مہیہ'	231	6. رواجیات مہیہ —آئی 'مہیہ'
7. کچھ کتاہیں	237	7. کچھ کتاہیں
8. ہماری رات— —پشیا کے گلے میں پہنڈا؛ ہندی اور پاجابی کا جگرا —پنڈت سندرلال	239	8. ہماری رات— —پشیا کے گلے میں پہنڈا؛ ہندی اور پاجابی کا جگرا —پنڈت سندرلال

ہندوستان

نمبر 5

نمبر 5 نمبر 24 جلد 24 جلد

نمبر 1957

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 سٹیج، لکھنؤ

145 سٹیج، لکھنؤ

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editor

Suresh Ramabhai

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.

Can be had from—

Manager, NAYA HIND

15, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD

نیا چہرہ

اس نمبر کے خاص لیکر اس نمبر کے خاص لیکر

عرب کی کلچر سمیٹا اور اسلام

—پروفیسر ناظم پانڈے

—پروفیسر ناظم پانڈے

ہندوستان کی کلچر اور اسلام

—پروفیسر ناظم پانڈے

—ڈاکٹر سید محمد

—ڈاکٹر سید محمد

آئسٹائن کا سائنس اور ویدانت

—ڈاکٹر بھگوانداس

—ڈاکٹر بھگوانداس

سن 1905 کا سربویشی آنڈولن

—پروفیسر ناظم پانڈے

سن 1905 کا سربویشی آنڈولن

—پروفیسر ناظم پانڈے

21 400 357

हिन्दी घर

ہندی گھر

कलचर पर हर तरह की किताबें मिलने का एक बड़ा केन्द्र—पाठक हिन्दी, उर्दू, अंग्रेज़ी की अपनी मन-पसन्द किताबों के लिये हमें लिखें।

हमारी नई किताबें

महात्मा गान्धी की वसीयत

(हिन्दी और उर्दू में)

लेखक—गान्धीवाद के माने जाने

विद्वान : २२० श्री मंजर अली सांख्ता

सफे 225, कीमत दो रुपया

—:०:—

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

लेखिका—क्रुदसिया जैदी

भूमिका—पण्डित जवाहरलाल नेहरू

मोटा कागज, मोटा टाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें

दाम दो रुपया

—:०:—

पण्डित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सफे, दाम ढाई रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सफे, दाम बारह आने

महात्मा गान्धी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत बार आने

बंगाल और उससे सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुद्रोगंज इलाहाबाद

کلیچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کیندر—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھی دات کے مانے جانے

ویدوان : ۲۲۰ شری منجر علی سانکھتا

صفحہ 225، قیمت دو روپیہ

—:۰:—

گاندھی بابا

(بچوں کے لئے بہت دلچسپ کتاب)

لکھک—کرسٹینہ زیدی

بھومیکا—پنڈت جواہر لال نہرو

موتا کاغذ، موٹا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویریں

دাম دو روپیہ

—:۰:—

پنڈت سندھ لال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور قرآن

275 صفحہ، دام ڈھائی روپیہ

ہندو مسلم ایکتا

100 صفحہ، دام بارہ آئے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

قیمت بارہ آئے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آئے

بنگلہ اور اس سے سبق

قیمت دو آئے

ہندوستانی کلیچر سوسائٹی

۱۴۵ مودر گنج ایلہ آباد

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے
ہندوستان کے مذہب اور اس کا اثر میں ہندوستان کے مذہبوں کے بارے میں ایک نیا اور دلچسپ کتاب ہے۔

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

گنگا سے گوہاٹی تک

(پراچین تاریخ کا سفر نامہ)

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

آگ اور آواز

(پراچین تاریخ کا سفر نامہ)

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

(پراچین تاریخ کا سفر نامہ)

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

مکتبہ سائنس و ادب

ہندوستانی کتب خانہ سوسائٹی

145 میونسپل، کراچی

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے
ہندوستان کے مذہب اور اس کا اثر میں ہندوستان کے مذہبوں کے بارے میں ایک نیا اور دلچسپ کتاب ہے۔

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

گنگا سے گوہاٹی تک

(پراچین تاریخ کا سفر نامہ)

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

آگ اور آواز

(پراچین تاریخ کا سفر نامہ)

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

ہندوستان میں مذہب اور اس کا اثر

(پراچین تاریخ کا سفر نامہ)

لکھنؤ—پروفیسر سید احمد خان، مکتبہ—دو روپے

”آج اپنا کونسی قبول کرتے ہیں کہ ان پالیسیوں کے
میں خود غرض اور قانونی ہوتے ہیں۔ جس دل کا جو
میں ہوتا ہے وہ آئے بہت کر کے اسی دل کو وٹ دیتا ہے کیونکہ
تسلیم کے خیال سے وہ ایسا کرنے کے لئے مجبور ہے۔“

پارلیمنٹ کی حکومت کے طریقے کے لئے مرنے دم تک لگن تھی
جی کی یہ رائے تھی اور انہوں نے پیشین گوئی کی کہ اگر ہندوستان
میں پارلیمنٹری راج قائم ہو گیا تو اس ملک کو بہادری سے
کڑی نہیں بچا سکتا۔

گاندھی جی کا دل اور دماغ دونوں غیر معمولی تھے۔ اُن کے سوچنے اور محسوس کرنے کے طریقے بے شمار اور بے انت تھے۔ دراصل وہ ایک شاعر یا کوی تھے لیکن ایسے کوی جن کی ڈھلنا شکتی کی آواز چھوڑ دینا حروفِ مہوں نہیں دیکھائی دیتی بلکہ لاکھوں اور کروڑوں محنت کرنے والے انسانوں کی زندگی میں چھلکتی ہے۔ گاندھی جی ایک سچے فلسفہ تھے لیکن اُن کا دماغ خیالی دنیا کی فرضی تصویریں نہیں گڑھتا۔ اُن کا دماغ انسانوں اُدرشوں اور اُن کی خواہشوں کو ایک سانچے میں ڈھالتا ہے۔ وہ ایک بہت بڑے نگار تھے لیکن رنگ یا -ور کے نگار نہیں۔ وہ نا اُمیدوں کے چہروں کو آشا اور امنگوں کے رنگ سے چمکا دیتے تھے اور اُن کے سینوں اور دلوں میں سیکھے اور سربلے گیت بھر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سارا ہندوستان نضر کے ساتھ کہتا تھا کہ گاندھی جی کا بڑا پس سارے ملک کا بڑا پس ہے اور اُن کا پس سارے ہندوستان کا پس ہے۔

اُنھے آج اِس موقع پر ہم اپنے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر یہ چٹان بین کریں کہ کہاں تک گاندھی جی کی تعلیم پر ہم نے عمل کیا ہے یا کر رہے ہیں یا کرے والے ہیں۔ اِس جواب پر ہر ہندوستان کی قسمت کا دارومدار ہے۔

لاندھی چوہلی۔

—وشمیر فائز دانند .

2. 10. 57

کاربھر، خود کرے۔ اسکے لیے وہ چاہے کہ حکومت کی طاقت ایک جگہ جما نہ ہو کر چاروں طرف دور دور بٹک بٹک جاوے، دہرا کو اتنے چھوٹے-چھوٹے حصوں میں بانٹا دیا جاوے کہ طاقت اپنے اپنے جانے بڑے آدمی کو پرانیتانیہ چن سکے۔

پارلیمنٹی حکومت میں نوساہندگی کا ڈانگ تو ہے ہی اسسے بھی بڑا کر چناو کا ڈانگ ہے۔ چناو کا آجکل کا ڈانگ جناتا کو برباد کرنے والا ہے۔ اس میں ہر طرح کی بے ایمانی، دھوکا، فریب، جرم، زانی، انہماک، فصول، خرچی اور دشمنی کا ایک سونا کپل جاتا ہے۔ ان چلاؤ نے دیہی کے دیہی برباد کر دیئے۔ ان کی برائیاں دنوں دن بڑھتی جا رہی ہیں۔ گاندھی جی اس کے سدھار کا ہیچہ لکھا تھلک بتاتے تھے:—

(1) بوٹروں کی جانکاری کو اور ان کے چلن کو، ان میں سے نہکی-بندی اور بھلے-بھلے کے بیکار کو اتنا اُٹھا کر دیا جائے کہ وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو دت دیں جو نیک ہیں، نیک ہی ہوں، دوسروں کی سیوا اور بھلائی کرنے والے ہوں اور جن میں ایمانداری، صداقت اور نیکوئی ہو۔

(2) جنات میں اتنی طاقت ہو کہ وہ اپنے ان نمائندوں سے سچی سیوا لے سکے اور۔

(3) جب چاہے انہیں بدل سکے گا بھی چلتا کو حق ہو۔

پارلیمنٹی طریقے میں چناو سے بھی بڑی اسکی دلبندی ہے جسے پارٹی سسٹم کہا جاتا ہے۔ وہ پارٹیوں کا ہانا پارلیمنٹی حکومت میں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اسکے بنا یہ طریقہ چل نہیں سکتا۔ ان پارٹیوں کا یہ بنیادی حق ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اتنی مٹاتی دےیں۔ اس پارٹی، بازی سے دیہی کو جو دھکا پہونچتا ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پارٹی بازی دیہی بھر میں پھیل پھول کر لگوں لگوں اور تولے تولے پھیل جاتی ہے۔ ہر شخص کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ انصاف غیر انصاف سچ جوت، ایمانداری بے ایمانی کا خیال نہ کرتے ہوئے اپنی پارٹی والے کو جتائے۔ اس لئے گاندھی جی کو پچھلی طریقے کی اس پارلیمنٹری حکومت سے سخت نفرت تھی۔ ’ہندو سراج‘ میں وہ لکھتے ہیں:—

’انگلیٹ نی اس میں جو حالات ہے اسے دیکھ کر تو سچ دیا آتی ہے اور میں تو ایشور سے ملتا ہوں کہ بھارت کی ایسی حالت کہی نہ ہو۔ جسے آپ پارلیمنٹ کی ماں کہتے ہیں وہ انگلیٹ کی پارلیمنٹ تو ایک بانستم اور دہشہا ہے۔ یہ دونوں لکھ کرے میں پر اس پر پوری طرح لگوں ہوتے ہیں۔‘

پارلیمنٹی حکومت میں نوساہندگی کا ڈانگ تو ہے ہی اس سے بھی بڑا کر چناو کا ڈانگ ہے۔ چناو کا آجکل کا ڈانگ جناتا کو برباد کرنے والا ہے۔ اس میں ہر طرح کی بے ایمانی، دھوکا، فریب، جرم، زانی، انہماک، فصول، خرچی اور دشمنی کا ایک سونا کپل جاتا ہے۔ ان چلاؤ نے دیہی کے دیہی برباد کر دیئے۔ ان کی برائیاں دنوں دن بڑھتی جا رہی ہیں۔ گاندھی جی اس کے سدھار کا ہیچہ لکھا تھلک بتاتے تھے:—

(1) بوٹروں کی جانکاری کو اور ان کے چلن کو، ان میں سے نہکی-بندی اور بھلے-بھلے کے بیکار کو اتنا اُٹھا کر دیا جائے کہ وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو دت دیں جو نیک ہیں، نیک ہی ہوں، دوسروں کی سیوا اور بھلائی کرنے والے ہوں اور جن میں ایمانداری، صداقت اور نیکوئی ہو۔

(2) جنات میں اتنی طاقت ہو کہ وہ اپنے ان نمائندوں سے سچی سیوا لے سکے اور۔

(3) جب چاہے انہیں بدل سکے گا بھی چلتا کو حق ہو۔

پارلیمنٹی طریقے میں چناو سے بھی بڑی اسکی دلبندی ہے جسے پارٹی سسٹم کہا جاتا ہے۔ وہ پارٹیوں کا ہانا پارلیمنٹی حکومت میں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اسکے بنا یہ طریقہ چل نہیں سکتا۔ ان پارٹیوں کا یہ بنیادی حق ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اتنی مٹاتی دےیں۔ اس پارٹی، بازی سے دیہی کو جو دھکا پہونچتا ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پارٹی بازی دیہی بھر میں پھیل پھول کر لگوں لگوں اور تولے تولے پھیل جاتی ہے۔ ہر شخص کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ انصاف غیر انصاف سچ جوت، ایمانداری بے ایمانی کا خیال نہ کرتے ہوئے اپنی پارٹی والے کو جتائے۔ اس لئے گاندھی جی کو پچھلی طریقے کی اس پارلیمنٹری حکومت سے سخت نفرت تھی۔ ’ہندو سراج‘ میں وہ لکھتے ہیں:—

’انگلیٹ نی اس میں جو حالات ہے اسے دیکھ کر تو سچ دیا آتی ہے اور میں تو ایشور سے ملتا ہوں کہ بھارت کی ایسی حالت کہی نہ ہو۔ جسے آپ پارلیمنٹ کی ماں کہتے ہیں وہ انگلیٹ کی پارلیمنٹ تو ایک بانستم اور دہشہا ہے۔ یہ دونوں لکھ کرے میں پر اس پر پوری طرح لگوں ہوتے ہیں۔‘

چھ مہینوں میں۔ مہینوں ایک بہت بڑے باپ کا چھ مہینوں میں۔ مہینوں کی مہینوں کے مزدور دوسروں کے غم میں۔ مہینوں میں کام کرنے والی عورتوں کی حالت اور بھی دردناک ہے۔ اگر مہینوں کا خط ہمارے دیہ میں بومکا گیا تو یہ دیہ بڑا دکھی دیہ ہو جائیگا۔ ممکن ہے مہینوں کے کہنے کو لوگ کفر سمجھیں لیکن میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ ہمارے لئے ہندوستان کے اندر مہینوں کی تعداد بڑھانے کے بجائے یہ زیادہ اچھا ہے کہ ہم مانیچسٹر کا نمک پڑا استعمال کریں اور اپنا روپیہ مانیچسٹر بھیجیں۔ مانیچسٹر کا پڑا استعمال کرنے سے ہم اپنا دھن نشٹ کرتے ہیں لیکن ہندوستان کو مانیچسٹر بنانے سے ہمارا ایمان اور انسانیت لٹت ہو جائیگی۔“

یوگوپ کے رشتہ سادی یا آرٹھک سنگٹن کا ڈاؤن بڑے شہروں کی بنیاد پر کرایم دھڑا ہے اسکے خلیاک ہندوستانی سبھتا کا کنڈر (سرکض) گاؤں ہے۔ گاؤں جی کہتے تھے کہ ہم اپنی آرٹھک اور تمبری بوجنا کراسوں کے ایہوگ دھندوں پر ہی قائم کرنی ہو گی ورنہ گارن شہروں کے چنکل میں پھنس کر برباد ہوتے رہیں گے اور ہندوستان مالی نقطہ نظر سے کہی پلپ نہ سکیگا۔

گاندھی جی اور پارلیمنٹری راج

گاندھی جی اور پارلیمنٹری راج

دنیاء کے عام لوگوں میں پارلیمنٹری راج کی ہتونی چاہ کویں ہے اسکا سبب یہ ہے کہ یہ راج عام جنٹا کا راج سمجھا جاتا ہے۔ اس میں جنٹا اس طرح راجا بنائی جاتی ہے کہ لاہوں آدمی اپنا ایک نمائندہ چنتے ہیں۔ سو پچھ پچھارے نہ آئے جانتے ہیں اور نہ پہچانتے ہیں پھر وہ ان کا نمائندہ بنا جاتا ہے۔ چاہے چاہے کے بعد یہ نمائندہ ان کی بات بھی نہیں پوچھتا۔ وہ انہیں اصلی نمائندہ ہی نہیں پہنچا سکتا کیونکہ وہ تو سیکڑوں نمائندوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ اس طرح ایک راجا ہوتا کہ سیکڑوں راجا بن جاتے ہیں اور سیکڑوں کی شکل میں دس دس بادشاہ بن جاتے ہیں۔ جنٹا پچھارے دی لوندی اور داسی بنی رہتی ہے۔ راج کچ چلا۔ کا خرچہ پہلے سے سیکڑوں گنا ہوتا جاتا ہے۔ سرکاری نوکروں کی گنتی، نظروں اور پچھ آنپ سلاپ ہوتا جاتے ہیں۔ انسروں، سیکڑوں اور راشٹریکی کی شان شوکت کے اتمہر پرانے بادشاہوں کو بھی شرماتے ہیں اور یہ کہنا ہے 'جنٹا کا راج'!

گاندھی جی بولی، جنٹا کو ٹھیکہ والے اس پارلیمنٹری حکومت کے مایا چال کو جو سے بدل دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے کو 'چھٹا دیو کرپٹ' یعنی سچا لوک ملتری کہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جنٹا سچ سچ راجا بنے اور اپنا

گاندھی جی بولی، جنٹا کو ٹھیکہ والے اس پارلیمنٹری حکومت کے مایا چال کو جو سے بدل دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے کو 'چھٹا دیو کرپٹ' یعنی سچا لوک ملتری کہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جنٹا سچ سچ راجا بنے اور اپنا

گاندھی جی بولی، جنٹا کو ٹھیکہ والے اس پارلیمنٹری حکومت کے مایا چال کو جو سے بدل دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے کو 'چھٹا دیو کرپٹ' یعنی سچا لوک ملتری کہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جنٹا سچ سچ راجا بنے اور اپنا

करने के बजाय जबर्दस्ती की और बनावटी एकता कायम करना है।"

गाँधी जी कहा करते थे अहिंसा कमजोर से कमजोर इंसान को भी फौजवाद की सी ताकत दे देती है। उनकी अहिंसा के अचरज भरे नतीजे हमने हिन्दुस्तान में सत्याग्रह की लड़ाइयों में देखे। भारत की स्त्रियाँ बहुत कमजोर और पिछड़ी हुई समझी जाती थीं। गाँधी जी ने उन्हें भी सत्याग्रह में शामिल होने की दावत दी। लोगों ने साचा गाँधी जी दिक्कतों को नहीं समझ रहे, मगर उन्हें क्या पता था कि गाँधी जी के सामने आने वाले हिन्दुस्तान की सही तस्वीर है।

थोड़े ही दिनों के बाद नमक सत्याग्रह की लड़ाई में लोगों ने अचरज भरा नजारा देखा। हजाराँ स्त्रियाँ घरों की ममता छोड़कर आजादी की लड़ाई में कूद पड़ीं। जो स्त्रियाँ कभी चौके-चूल्हे से बाहर नहीं निकली थीं, जिन औरतों ने जानानखाने की बन्द रोशनी के बाहर कभी कदम नहीं रखा था, जो शायद ही कभी आम रास्तों पर चली हों, पुराने दक्कियानूसी रीत-रिवाजों में फँसा हुई औरतें, शर्मीली और लजीली औरतें, जो घूँघट हटाने की बात न सोच सकती थीं, पुरानी तहजीब पर एतकाद रखने वाली बुजुर्ग औरतें—सब की सब ताकत और हिम्मत बटोर कर जनता के समुन्दर में कूद पड़ीं। बेपदी हाँते हुये भी जगह जगह उन्होंने सत्याग्रह कमेटियों की सदारत की। कमजोर होते हुये भी उन्होंने सत्याग्रहियों के जख्यों की कमानों की। उन्होंने पुलिस और उनकी लाठियों का सामना किया। धूप और बारिश में बैठकर पिकटिंग की। जेल के सीखचों के भीतर सजायें काटीं, और बाज मौकों पर मशीनगन की गोलियों का भी सामना किया। गाँव की औरतें हँसते हुये अपने खाविन्दों, बेटे और बेटियों को टीका लगाकर जेलखाने भेजतीं। सदियों की दबी और सताई हुई हिन्दुस्तानी नारी ने अपनी कुर्बानी और हिम्मत से सारी दुनिया को अचरज में डाल दिया। यह करिश्मा महान् गाँधी जी की अहिंसा की वजह से हा पाया।

गाँधी जी खादी और गाँव के धन्धों के इसलिये हक में थे कि वे समझते थे कि कल कारखाने और मशीनें शोषण की जड़ हैं। गाँधी जी ने 'हिन्द स्वराज' में लिखा है—

"मशीनों ने ही हिन्दुस्तान को कंगाल कर दिया। मैनचेस्टर की ही वजह से हिन्दुस्तान की कारीगरी करीब करीब लोप हो चुकी है। मशीनों ने यूरोप को भी बरबाद करना शुरू कर दिया है। बरबादी इस समय अंग्रेजों के दरवाजे खटखटा रही है। आजकल की सभ्यता का खास

कल के बजाये उद्योगों की ओर ध्यान देना चाहिये।"

गान्धी जी कहा करते थे अहिंसा कमजोर से कमजोर इंसान को भी फौजवाद की सी ताकत दे देती है। उनकी अहिंसा के अचरज भरे नतीजे हमने हिन्दुस्तान में सत्याग्रह की लड़ाइयों में देखे। भारत की स्त्रियाँ बहुत कमजोर और पिछड़ी हुई समझी जाती थीं। गाँधी जी ने उन्हें भी सत्याग्रह में शामिल होने की दावत दी। लोगों ने साचा गाँधी जी दिक्कतों को नहीं समझ रहे, मगर उन्हें क्या पता था कि गाँधी जी के सामने आने वाले हिन्दुस्तान की सही तस्वीर है।

थोड़े ही दिनों के बाद नमक सत्याग्रह की लड़ाई में लोगों ने अचरज भरा नजारा देखा। हजाराँ स्त्रियाँ घरों की ममता छोड़कर आजादी की लड़ाई में कूद पड़ीं। जो स्त्रियाँ कभी चौके-चूल्हे से बाहर नहीं निकली थीं, जिन औरतों ने जानानखाने की बन्द रोशनी के बाहर कभी कदम नहीं रखा था, जो शायद ही कभी आम रास्तों पर चली हों, पुराने दक्कियानूसी रीत-रिवाजों में फँसा हुई औरतें, शर्मीली और लजीली औरतें, जो घूँघट हटाने की बात न सोच सकती थीं, पुरानी तहजीब पर एतकाद रखने वाली बुजुर्ग औरतें—सब की सब ताकत और हिम्मत बटोर कर जनता के समुन्दर में कूद पड़ीं। बेपदी हाँते हुये भी जगह जगह उन्होंने सत्याग्रह कमेटियों की सदारत की। कमजोर होते हुये भी उन्होंने सत्याग्रहियों के जख्यों की कमानों की। उन्होंने पुलिस और उनकी लाठियों का सामना किया। धूप और बारिश में बैठकर पिकटिंग की। जेल के सीखचों के भीतर सजायें काटीं, और बाज मौकों पर मशीनगन की गोलियों का भी सामना किया। गाँव की औरतें हँसते हुये अपने खाविन्दों, बेटे और बेटियों को टीका लगाकर जेलखाने भेजतीं। सदियों की दबी और सताई हुई हिन्दुस्तानी नारी ने अपनी कुर्बानी और हिम्मत से सारी दुनिया को अचरज में डाल दिया। यह करिश्मा महान् गाँधी जी की अहिंसा की वजह से हा पाया।

गाँधी जी खादी और गाँव के धन्धों के इसलिये हक में थे कि वे समझते थे कि कल कारखाने और मशीनें शोषण की जड़ हैं। गाँधी जी ने 'हिन्द स्वराज' में लिखा है—

"मशीनों ने ही हिन्दुस्तान को कंगाल कर दिया। मैनचेस्टर की ही वजह से हिन्दुस्तान की कारीगरी करीब करीब लोप हो चुकी है। मशीनों ने यूरोप को भी बरबाद करना शुरू कर दिया है। बरबादी इस समय अंग्रेजों के दरवाजे खटखटा रही है। आजकल की सभ्यता का खास

جس ایک ہی ہے اور یہ سب ایک دوسرے کے
مندر ہیں۔ اور جب کبھی آپ سے میں یہ کہتا ہوں کہ
آپ اپنے دہن سے چھوٹ چھوٹ کو نکال باہر کریں تو میں آپ
سے بھی چاہتا ہوں۔ اس سے کم کچھ نہیں کہ آپ
سموچی انسانی قوم کی برابری اور بلندی یکتا میں وشراس
کریں۔ ایشر ایک ہے۔ وہی سب کا ایشر ہے اور میں سب
سے کہتا ہوں کہ آپ اسے بھول جائے کہ ایک ایشر کے بچوں
میں کوئچ، نیچ کا کوئی فرق ہو سکتا ہے۔“ (ہریجن 16
فروری 1934)۔

آگے चलकर गान्धी जी ने कहा—“जब ऐसा पाक
और शुभ दिन आयेगा तब स्टेशनों के ऊपर हिन्दू पानी
और मुसलिम पानी या हिन्दू चाय और मुसलिम चाय
की शर्मनाक आवश्यकें सुनाई न देंगी. तब स्कूलों और
कालिजों में हिन्दुओं और गैर हिन्दुओं के अलग-अलग
पढ़ने का इन्तजाम न होगा, न अलग-अलग बरतन होंगे,
तब न जात पाँत या फ़िरकों के नाम पर स्कूल या कालिजों
के नाम होंगे और न मुसलिम, हिन्दू, जैन सम्प्रदायों के
नाम के अस्पताल होंगे.” (कन्स्ट्रक्टिव प्रोग्राम, सफ़ा 4,
दिसम्बर 18, 1941).

गुजरात विद्यापीठ में तक़रीर करते हुये एकबार गाँधी
जी ने कहा था—

“मैं यह नहीं चाहता कि मेरे मकान के चारों तरफ़ ऊँची
दीवारें खड़ी हों और सब तरफ़ की खिड़कियाँ ठँस-ठँस कर
बन्द कर दी गई हों. मैं चाहता हूँ कि मेरे मकान के चारों
तरफ़ सब मुल्कों की कलचर खुली हवा की तरह पूरी
आजादी के साथ बहती रहें लेकिन मैं यह नहीं चाहता कि
कोई हवा मेरे पाँव उखाड़ दे. मैं यह नहीं चाहता कि पुरानी
कलचर पर ही हम गुजारा करते रहें बल्कि हम एक ऐसी
नई कलचर की तामीर करना चाहते हैं कि जिसकी जड़ें
मुल्क की तहख़ीब की पुरानी गहराइयों में हों और जो
हमारे अब तक के तजक़बों से मालामाल हो. हम उन सब
कलचरों के समन्वय और मेल के तरफ़दार हैं कि जो हिन्दु-
स्तान में बाहर से आकर बस गई, जिन्होंने यहाँ की जिन्दगी
पर असर डाला और जिन पर खुद यहाँ की घरती का
असर पड़ा. ह्रुदरती तौर पर हमारा यह कलचरी मेल जोल
और समन्वय स्वदेशी ढंग का होगा जिसमें हर कलचर को
मुनासिब जगह मिलेगी. यह अमरीकी ढंग का न हांगा
जिसमें ज्यादा तादाद वाले लोगों का या जिनका जोर है
उनकी कलचर और सब कलचरों को अपने अन्दर हضم
किये हुये है और जहाँ समन्वय या मेल का मक़सद सब
राग रागिनियों को मिलाकर एक मधुर सुरीला राग पैदा

جو ایک ہی ہے اور یہ سب ایک دوسرے کے
مندر ہیں۔ اور جب کبھی آپ سے میں یہ کہتا ہوں کہ
آپ اپنے دہن سے چھوٹ چھوٹ کو نکال باہر کریں تو میں آپ
سے بھی چاہتا ہوں۔ اس سے کم کچھ نہیں کہ آپ
سموچی انسانی قوم کی برابری اور بلندی یکتا میں وشراس
کریں۔ ایشر ایک ہے۔ وہی سب کا ایشر ہے اور میں سب
سے کہتا ہوں کہ آپ اسے بھول جائے کہ ایک ایشر کے بچوں
میں کوئچ، نیچ کا کوئی فرق ہو سکتا ہے۔“ (ہریجن 16
فروری 1934)۔

آگے چل کر گاندھی جی نے کہا—“جب ایسا پاک اور
شعبہ دن آئیگا تب اسٹوشنوں کے اوپر ہندو پانی اور مسلم
پانی یا ہندو چائے اور مسلم چائے کی شرمناک آوازیں سنائی
نہ دینگی۔ تب اسکولوں اور کالجوں میں ہندوؤں اور غیر
ہندوؤں کے الگ الگ پڑھنے کا انتظام نہ ہوگا، نہ الگ الگ
برتن ہونگے تب نہ ذات پات کا یا فرقوں کے نام پر اسکول یا
کالج کے نام ہونگے اور نہ مسلم، ہندو، جین سمبرداؤں کے
نام کے اسپتال ہوں گے۔“ (کنسٹرکٹو پروگرام، صفحہ 4، دسمبر
13، 1941)۔

گجرات ودیا پیٹھ میں تقریر کرتے ہوئے ایکبار گاندھی جی نے
کہا تھا—

“میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے مکان کے چاروں طرف
آرنچی دیو رہیں کھڑی ہوں اور سب طرف کی کھڑکیاں ٹھونس
ٹھونس کر بند کر دی گئیں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے
مکان کے چاروں طرف سب ملکوں کی کلچر کھلی ہو کہ طرح
پوری آزادی کے ساتھ بہتی رہیں لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ
کوئی ہوا میرے پاؤں اکھاڑ دے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ پرانی
کلچر پر ہی ہم گزارا کرتے رہیں بلکہ ہم ایک ایسی نئی
کلچر کی تصویر کرنا چاہتے ہیں کہ جس کی جڑیں ملک
کی تہذیب کی پرانی گہرائیوں میں ہوں اور جو ہمارے اب
نک کے تجربوں سے مالا مال ہو۔ ہم ان سب کلچروں کے
سوا اور مہل کے طرفدار ہیں کہ جو ہندستان میں باہر سے
آ کر بس گئیں، جنہوں نے یہاں کی زندگی پر اثر ڈالا اور جن
پر خود یہاں کی دھرتی کا اثر پڑا۔ قدرتی طور پر ہمارا یہ
کلچری میل جول اور سمیو شودیشی تھنگ کا ہوا جس میں
ہر کلچر کو مناسب جگہ ملیگی۔ یہ امریکی تھنگ کا نہ ہو
جس میں زیادہ تعداد والے لوگوں کا یا جن کا زور ہے
ان کی کلچر اور سب کلچروں کو اپنے اندر ہضم کئے
ہوئے ہیں اور جنہیں ہم مل کا مقصد سب راگ
راگینوں کو مل کر ایک مधुर सुरीला राग पैदा

रंग, जाति, या मजहब का कोई सबाल नहीं। हमें सबके साथ एकसा मोहब्बत का बर्ताब करना चाहिये। अपने सब कामों में सब की भलाई को मद्दे नज़र रखना चाहिये। हरिजन आन्दोलन का जिक्र करते हुये गान्धी जी ने सन् 1934 में कहा था :—“अपनी ठलती हुई जिन्दगी के दौर में मैं कोई ऐसा साम्प्रदायिक काम हाथ में नहीं ले सकता जिससे आम जनता को कोई नुकसान पहुँचे। हरिजनों की सेवा में भी मेरे दिल की गहराई में यह खादिश मौजूद है कि इससे सारी अनन्ता और सब लोगों का भला हो। क्यों कि मैं यह नहीं मानता कि इनसान की जिन्दगी कोई ऐसी अलग-अलग कोठरियों में बन्द है जिनमें एक की दूसरे को हवा न लग सके या इनसानी जिन्दगी के टुकड़े किये जा सकते हैं। इसके खिलाफ़ इनसानी समाज का जीवन एक ऐसी समूची चीज़ है जिसके न अलग-अलग टुकड़े हैं और न टुकड़े किये जा सकते हैं। इसलिये जो चीज़ एक के सबे भले की है या हो सकती है वह जरूर सब के भले की होगी। यह कसौटी कभी धाँखा नहीं दे सकती।

“मैंने अपनी जिन्दगी भर सबकी भलाई के इस डसूल में विश्वास किया है। इसी लिये मैंने कभी भी कोई ऐसा काम, फिरके बाराना या राष्ट्रीय, हाथ में नहीं लिया जो पूरी इनसानी क़ौम के हित को नुकसान पहुँचाने वाला हो। जब मैंने यह अच्छी तरह देख लिया कि आजकल हिन्दुओं में जिस तरह की छुआ छूत बरती जाती है वह सिर्फ़ हिन्दुओं की आगे की तरफ़ी के रास्ते में ही रुकावट नहीं है बल्कि आम तौर पर सब लोगों की तरफ़ी के रास्ते में रुकावट है। सरसरी नज़र से देखने वाला भी यह अच्छी तरह देख सकता है कि इस छुआछूत ने न सिर्फ़ ऊँची जाति के हिन्दुओं को बल्कि हिन्दुस्तान में रहने वाले सब मजहबों के लोगों को मुसलमानों, ईसाइयों और दूसरों को भी उसी तरह जकड़ रखा है जिस तरह साँप किसी को अपनी कुन्डलियों में जकड़ लेता है। छुआ छूत के इस पिशाच से युद्ध करने में मेरे दिल के अन्दर यह खादिश नहीं है कि सिर्फ़ हिन्दुओं हिन्दुओं में ही भाई चारा क़ायम हो जाय, मेरी दिली खादिश यह है कि इनसान-इनसान के बीच भाई चारा क़ायम हो जाय जिसमें हिन्दु, मुसलमान, ईसाई, पारसी, और यहूदी सब एक समान शामिल हों क्योंकि मुझे बुनिया के सब बड़े-बड़े मजहबों की बुनियादी सबाई में विश्वास है। मुझे विश्वास है कि ये सब मजहब ईश्वर के दिये हुये हैं। और मुझे विश्वास है कि ये सब मजहब उन लोगों के लिये जरूरी थे जिन्हें ये ईश्वर से मिले। मुझे इस बात का भी विश्वास है कि अगर हम सब अलग-अलग धर्म-मजहबों की किताबों को उन धर्मों के मानने वालों की निगाह से पढ़ें तो हमें पता चलेगा कि इन सब धर्मों की

कोई सवाल नहीं है। हमें सब के साथ एक सा महबत का बर्ताब करना चाहते हैं। अपने सब कामों में सब की भलाई को मद्दे नज़र रक्खा चाहते हैं। हरिजन आन्दोलन का जिक्र करते हुये गान्धी जी ने सन् 1934 में कहा था :—“अपनी ठलती हुई जिन्दगी के दौर में मैं कोई ऐसा साम्प्रदायिक काम हाथ में नहीं ले सकता जिससे आम जनता को कोई नुकसान पहुँचे। हरिजनों की सेवा में भी मेरे दिल की गहराई में यह खादिश मौजूद है कि इससे सारी अनन्ता और सब लोगों का भला हो। क्यों कि मैं यह नहीं मानता कि इनसान की जिन्दगी कोई ऐसी अलग-अलग कोठरियों में बन्द है जिनमें एक की दूसरे को हवा न लग सके या इनसानी जिन्दगी के टुकड़े किये जा सकते हैं। इसके खिलाफ़ इनसानी समाज का जीवन एक ऐसी समूची चीज़ है जिसके न अलग-अलग टुकड़े हैं और न टुकड़े किये जा सकते हैं। इसलिये जो चीज़ एक के सबे भले की है या हो सकती है वह जरूर सब के भले की होगी। यह कसौटी कभी धाँखा नहीं दे सकती।

मैंने अपनी जिन्दगी भर सबकी भलाई के इस डसूल में विश्वास किया है। इसी लिये मैंने कभी भी कोई ऐसा काम, फिरके बाराना या राष्ट्रीय, हाथ में नहीं लिया जो पूरी इनसानी क़ौम के हित को नुकसान पहुँचाने वाला हो। जब मैंने यह अच्छी तरह देख लिया कि आजकल हिन्दुओं में जिस तरह की छुआ छूत बरती जाती है वह सिर्फ़ हिन्दुओं की आगे की तरफ़ी के रास्ते में ही रुकावट नहीं है बल्कि आम तौर पर सब लोगों की तरफ़ी के रास्ते में रुकावट है। सरसरी नज़र से देखने वाला भी यह अच्छी तरह देख सकता है कि इस छुआछूत ने न सिर्फ़ ऊँची जाति के हिन्दुओं को बल्कि हिन्दुस्तान में रहने वाले सब मजहबों के लोगों को मुसलमानों, ईसाइयों और दूसरों को भी उसी तरह जकड़ रखा है जिस तरह साँप किसी को अपनी कुन्डलियों में जकड़ लेता है। छुआ छूत के इस पिशाच से युद्ध करने में मेरे दिल के अन्दर यह खादिश नहीं है कि सिर्फ़ हिन्दुओं हिन्दुओं में ही भाई चारा क़ायम हो जाय, मेरी दिली खादिश यह है कि इनसान-इनसान के बीच भाई चारा क़ायम हो जाय जिसमें हिन्दु, मुसलमान, ईसाई, पारसी, और यहूदी सब एक समान शामिल हों क्योंकि मुझे बुनिया के सब बड़े-बड़े मजहबों की बुनियादी सबाई में विश्वास है। मुझे विश्वास है कि ये सब मजहब ईश्वर के दिये हुये हैं। और मुझे विश्वास है कि ये सब मजहब उन लोगों के लिये जरूरी थे जिन्हें ये ईश्वर से मिले। मुझे इस बात का भी विश्वास है कि अगर हम सब अलग-अलग धर्म-मजहबों की किताबों को उन धर्मों के मानने वालों की निगाह से पढ़ें तो हमें पता चलेगा कि इन सब धर्मों की

کا خون بہا کر अगर آقاہی ملتی ہے تو یہی آقاہی نہیں چاہیے۔ اسی لئے انہوں نے چوری چورائے قتل عام کے بعد ستھارہ کی لڑائی ہلا کر دی۔ درجنوں ہار انہوں نے لمحہ لمحہ اپنا اور فائدہ لئے اور رو کر ایشور سے دعاؤں مانگی۔

انسانی تاریخ میں شاید پہلی بار جماعت کی حیثیت سے ہمیں یہ بتایا گیا کہ ہمارا کام دوسروں کو قتل کرنا نہیں ہے بلکہ خود اپنے آپ کو ہلاک کر دینا ہے اور پھر ہوں آخر میں ہم تکسواب ہو گئے۔ گاندھی جی کا یہ کٹا شاندار پیغام تھا۔ کسی سیاسی مقصد کو حاصل کرنے کا یہ پیغام نہیں تھا بلکہ انسانی قوم کی بھائی کا بنیادی پیغام تھا۔ جس جنگ میں سچائی کی کوئی جگہ نہ ہو اس میں مرنا مانو اپنی ہستی کو مٹا دینا ہے۔ ہر سمت اور اہلس کی پدم میں کچھ بات باقی رہ جاتی ہے۔ اس میں ہار جالے پر بھی جیت ہوتی ہے اور مر جالے پر بھی اُسر جیون ملتا ہے۔

گاندھی جی کی سب سے بڑی خاصیت یہ تھی کہ وہ ایک بہت بڑے سیاست دان تھے، بہت بڑے نیتا تھے، بہت بڑے سماج سمارک تھے، لیکن ان سب سے زیادہ وہ ایک بڑے انسان تھے۔ ہدیٰ سماج کے فائدے کے لئے کسی قربانی کا ودھان کرتے تو سب سے پہلے اپنے آپ پر عمل کر کے دیکھ لیتے۔ اگر کوئی نیا یوگ چاہتے تو سب سے پہلے اس کی تکلیف خود برداشت کر کے دیکھ لیتے۔ اپنا سب کچھ تیاگ کر تب دوسروں کو تیاگ کرنے کا ایدیش دیتے۔

گاندھی جی ہر قدم پر اپنے آپکو کسوتی پر کھاتے تھے۔ کھانے میں، پینے میں، کسی سے بات کرنے میں، بھس کرنے میں، کوئی بھی بڑا قدم اٹھانے میں، ہر بات اور فقرے میں وہ برابر اندر ہی اندر دیکھتے رہتے تھے کہ کہیں وہ بے صبر نہ ہوں؟ کوئی بات خوشی یا کمند کے اثر میں تو نہیں کر رہے ہیں؟ دوسرے کا حق تو نہیں چھین رہے ہیں؟ ذائقہ کے لئے تو نہیں کھا رہے ہیں؟ سچائی سے ہال برابر تو نہیں ہٹ رہے ہیں؟ دل کے اندر کہیں غصہ کی رمق تو نہیں ہے؟ اہلس کے اصل سے تو نہیں ڈگ رہے ہیں؟ وغیرہ۔

گاندھی جی جو بھی کام کرتے اُسے تامل کر دیکھ لیتے کہ وہ ساری انسانی قوم کے فائدے کے لئے ہے کہ نہیں! ہادستان کی جنگ کے ذریعہ ہی وہ ساری انسانی قوم کی خدمت کرنے کی بات سوچتے۔ انہوں نے ایک اصل ہلا لیا تھا کہ ساری انسانی قوموں کا ایک ہی خاندان ہے۔ دنیا کے سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ اس میں ہمیں

گاندھی جی کو بھی کام کرتے اُسے تول کر دیکھ لیتے کہ وہ ساری انسانی قوم کے فائدے کے لئے ہے کہ نہیں! ہادستان کی جنگ کے ذریعہ ہی وہ ساری انسانی قوم کی خدمت کرنے کی بات سوچتے۔ انہوں نے ایک اصل ہلا لیا تھا کہ ساری انسانی قوموں کا ایک ہی خاندان ہے۔ دنیا کے سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ اس میں ہمیں

گاندھی جی کو بھی کام کرتے اُسے تول کر دیکھ لیتے کہ وہ ساری انسانی قوم کے فائدے کے لئے ہے کہ نہیں! ہادستان کی جنگ کے ذریعہ ہی وہ ساری انسانی قوم کی خدمت کرنے کی بات سوچتے۔ انہوں نے ایک اصل ہلا لیا تھا کہ ساری انسانی قوموں کا ایک ہی خاندان ہے۔ دنیا کے سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ اس میں ہمیں

گاندھی جی کو بھی کام کرتے اُسے تول کر دیکھ لیتے کہ وہ ساری انسانی قوم کے فائدے کے لئے ہے کہ نہیں! ہادستان کی جنگ کے ذریعہ ہی وہ ساری انسانی قوم کی خدمت کرنے کی بات سوچتے۔ انہوں نے ایک اصل ہلا لیا تھا کہ ساری انسانی قوموں کا ایک ہی خاندان ہے۔ دنیا کے سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ اس میں ہمیں

گاندھی جی کو بھی کام کرتے اُسے تول کر دیکھ لیتے کہ وہ ساری انسانی قوم کے فائدے کے لئے ہے کہ نہیں! ہادستان کی جنگ کے ذریعہ ہی وہ ساری انسانی قوم کی خدمت کرنے کی بات سوچتے۔ انہوں نے ایک اصل ہلا لیا تھا کہ ساری انسانی قوموں کا ایک ہی خاندان ہے۔ دنیا کے سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ اس میں ہمیں

گاندھی جی کو بھی کام کرتے اُسے تول کر دیکھ لیتے کہ وہ ساری انسانی قوم کے فائدے کے لئے ہے کہ نہیں! ہادستان کی جنگ کے ذریعہ ہی وہ ساری انسانی قوم کی خدمت کرنے کی بات سوچتے۔ انہوں نے ایک اصل ہلا لیا تھا کہ ساری انسانی قوموں کا ایک ہی خاندان ہے۔ دنیا کے سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ اس میں ہمیں

ہر شوقن کو جنم دیتی ہے۔ اس لئے انسان 'آپ گری' ہلے بلی
چاندان کے اوپر سے مالکانہ حق چھوڑ دے۔ سب کی کٹائی سب کے
لئے ہو۔ اُن کی ساتویں ہدایت تھی کہ آپسی ملکی اور انتر
راشتری سب جھگڑے ہمدردی، برہم بھائی چارے کی بھاؤں اور بنا
خون بہائے اٹھسا کے اصول پر حل کئے جائیں۔ ہر انسان ایشور
کی اولاد ہے اور ایشور کہی یہ پسند نہ کریگا کہ ہم اپنی خودغرضیوں
کے لئے اس کی مصلحتوں کو ایذا پہنچائیں یا اُن کا خون بہائیں۔
اُن کی آٹھویں ہدایت تھی کہ انسان انسان کے پیچ نہ کوئی
چھوٹا ہے اور نہ بڑا۔ ایشور کہی یہ پسند نہ کریگا کہ ہم اپنے غرور
یا کھلمت میں کسی کو چھوٹا یا حقیر سمجھیں۔ ایک ہی
ایشور کی سنتان ہونے کے ناتے ہر انسان برابر کا دعویدار ہے۔
دراصل ہمیں اور پلٹ سمجھے جانے والے انسانوں کے پیچ میں
ہی ایشور نواس کرتا ہے۔ جو غرور کرتا ہے اُس کا سر ٹیچا
ہوتا ہے۔ جو تلوار اٹھاتا ہے وہ اُسی تلوار سے مرگ جاتا ہے۔
چھوٹے بڑے اور امیر غریب کے سب بھید نفلی ہیں۔ اپنے
کھلمت میں انسان نے اُن بھیدوں کی بنیاد ڈالی ہے۔ اُن کی
غریب ہدایت تھی کہ انسان ہر طرح کی چوری سے بچے۔ اُسے
وہ 'اسیتھ' کہتے تھے۔ چار روٹی کی بھوک ہے اور اگر ہم چھ
روٹی کھاتے ہیں تو ہم نے دو روٹی کی چوری کی۔ غریبوں کے
مٹے سے اُلٹے کوہ ہم نے چھین لئے۔ اگر ہمارا کام تین کڑوں سے
چلتا ہے اور ہم چھ کڑے اپنے لئے جمع کرتے ہیں تو ہم چوری
کرتے ہیں۔ ہم ایک بھائی کو تنگ رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔
سب انسانوں کے برابر ہی ہمارا حق ہے؛ اگر ہم زیادہ لیتے
ہیں تو ہم چوری کرتے ہیں، امانت میں خیانت کرتے ہیں۔
اُن کی دسویں ہدایت تھی کہ سب بڑے بڑے مذہبوں میں
ایک سی سچائیاں ہوں۔ اس لئے سب مذہبوں کا آدر کرو۔
ایشور اور اللہ ایک ہیں۔ انسان نے اپنی بیوقوفی میں ایشور
میں بھی فرق کرنے کی بدتمیزی کی۔ اُن کی گیارہویں ہدایت
تھی کہ کوئی کام اُنچا نہیچا نہیں ہے۔ سچا برہمن راج وہی
ہے جو سچا مہتر ہے۔ ہر یجنوں کو چھوٹا سمجھ کر، اُن کے
ساتھ نفرت کر کے ہم انسانوں کی برابری کے دعویدار نہیں بن
سکتے۔ ہر طرح کا شرم برابر ہے چاہے وہ راشٹری کا کام ہو اور
چاہے بھلی کا۔ اپنے ہر قدم کو گندھی جی نے انہیں اصولوں
کی روشنی میں جاچا اور پرکھا۔ گندھی جی کی سب سے
بڑی خاصیت یہ تھی کہ فوراً کام ہلانے کے لئے اپنی زندگی کے
اُن بنیادی اصولوں کے ساتھ انہوں نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔
انہوں نے بار بار کہا کہ سچائی کو تھاک کر اگر سوراخ
آتا ہے تو ایسا سوراخ سچے نہیں چلے گا۔ دوسروں

ہر شوقن کو جنم دیتی ہے۔ اس لئے انسان 'آپ گری' ہلے بلی
چاندان کے اوپر سے مالکانہ حق چھوڑ دے۔ سب کی کٹائی سب کے
لئے ہو۔ اُن کی ساتویں ہدایت تھی کہ آپسی ملکی اور انتر
راشتری سب جھگڑے ہمدردی، برہم بھائی چارے کی بھاؤں اور بنا
خون بہائے اٹھسا کے اصول پر حل کئے جائیں۔ ہر انسان ایشور
کی اولاد ہے اور ایشور کہی یہ پسند نہ کریگا کہ ہم اپنی خودغرضیوں
کے لئے اس کی مصلحتوں کو ایذا پہنچائیں یا اُن کا خون بہائیں۔
اُن کی آٹھویں ہدایت تھی کہ انسان انسان کے پیچ نہ کوئی
چھوٹا ہے اور نہ بڑا۔ ایشور کہی یہ پسند نہ کریگا کہ ہم اپنے غرور
یا کھلمت میں کسی کو چھوٹا یا حقیر سمجھیں۔ ایک ہی
ایشور کی سنتان ہونے کے ناتے ہر انسان برابر کا دعویدار ہے۔
دراصل ہمیں اور پلٹ سمجھے جانے والے انسانوں کے پیچ میں
ہی ایشور نواس کرتا ہے۔ جو غرور کرتا ہے اُس کا سر ٹیچا
ہوتا ہے۔ جو تلوار اٹھاتا ہے وہ اُسی تلوار سے مرگ جاتا ہے۔
چھوٹے بڑے اور امیر غریب کے سب بھید نفلی ہیں۔ اپنے
کھلمت میں انسان نے اُن بھیدوں کی بنیاد ڈالی ہے۔ اُن کی
غریب ہدایت تھی کہ انسان ہر طرح کی چوری سے بچے۔ اُسے
وہ 'اسیتھ' کہتے تھے۔ چار روٹی کی بھوک ہے اور اگر ہم چھ
روٹی کھاتے ہیں تو ہم نے دو روٹی کی چوری کی۔ غریبوں کے
مٹے سے اُلٹے کوہ ہم نے چھین لئے۔ اگر ہمارا کام تین کڑوں سے
چلتا ہے اور ہم چھ کڑے اپنے لئے جمع کرتے ہیں تو ہم چوری
کرتے ہیں۔ ہم ایک بھائی کو تنگ رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔
سب انسانوں کے برابر ہی ہمارا حق ہے؛ اگر ہم زیادہ لیتے
ہیں تو ہم چوری کرتے ہیں، امانت میں خیانت کرتے ہیں۔
اُن کی دسویں ہدایت تھی کہ سب بڑے بڑے مذہبوں میں
ایک سی سچائیاں ہوں۔ اس لئے سب مذہبوں کا آدر کرو۔
ایشور اور اللہ ایک ہیں۔ انسان نے اپنی بیوقوفی میں ایشور
میں بھی فرق کرنے کی بدتمیزی کی۔ اُن کی گیارہویں ہدایت
تھی کہ کوئی کام اُنچا نہیچا نہیں ہے۔ سچا برہمن راج وہی
ہے جو سچا مہتر ہے۔ ہر یجنوں کو چھوٹا سمجھ کر، اُن کے
ساتھ نفرت کر کے ہم انسانوں کی برابری کے دعویدار نہیں بن
سکتے۔ ہر طرح کا شرم برابر ہے چاہے وہ راشٹری کا کام ہو اور
چاہے بھلی کا۔ اپنے ہر قدم کو گندھی جی نے انہیں اصولوں
کی روشنی میں جاچا اور پرکھا۔ گندھی جی کی سب سے
بڑی خاصیت یہ تھی کہ فوراً کام ہلانے کے لئے اپنی زندگی کے
اُن بنیادی اصولوں کے ساتھ انہوں نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔
انہوں نے بار بار کہا کہ سچائی کو تھاک کر اگر سوراخ
آتا ہے تو ایسا سوراخ سچے نہیں چلے گا۔ دوسروں



گاندھی جی کے جنم دن پر

گاندھی جی کے جنم دن پر

دو اکتوبر سن 1957 کو سارے ہندوستان نے راجا پیتا महात्मा गांधी کے جنم دن کو منایا۔ انہیں ہم سے بیسویں صدی کے بڑے ترین رہنما کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ ان دنوں ہندوستان کے لیے گاندھی جی کی یاد کی جاتی ہے کہ انہوں نے ہندوستان کو ایک متحد اور آزاد ملک بنانے میں کیا کردار ادا کیا۔ انہوں نے 1917 سے 1947 تک ہندوستان کی سیاست پر گہرا اثر ڈالا۔ انہوں نے ہندوستان کو ایک متحد اور آزاد ملک بنانے میں کیا کردار ادا کیا۔ انہوں نے 1917 سے 1947 تک ہندوستان کی سیاست پر گہرا اثر ڈالا۔ انہوں نے ہندوستان کو ایک متحد اور آزاد ملک بنانے میں کیا کردار ادا کیا۔

دو اکتوبر سن 1957 کو سارے ہندوستان نے راجا پیتا महात्मा गांधी کے جنم دن کو منایا۔ انہیں ہم سے بیسویں صدی کے بڑے ترین رہنما کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ ان دنوں ہندوستان کے لیے گاندھی جی کی یاد کی جاتی ہے کہ انہوں نے ہندوستان کو ایک متحد اور آزاد ملک بنانے میں کیا کردار ادا کیا۔ انہوں نے 1917 سے 1947 تک ہندوستان کی سیاست پر گہرا اثر ڈالا۔ انہوں نے ہندوستان کو ایک متحد اور آزاد ملک بنانے میں کیا کردار ادا کیا۔

پوری पुस्तक छै खंडों और उननचास अध्यायों में बांटी गई है. पहले खंड में भारतीय अर्थशास्त्र की पृष्ठ भूमि यानी पसे मंजर दिया गया है. दूसरे खंड में अर्थशास्त्र के विषय को समझाया गया है. तीसरे खंड में इस्तेमाल और जरूरत के उसूल को समझाया गया है. चौथे खंड में पैदावार की मुखलिक शक्तों को दिखाया गया है. पांचवें खंड में अदल-बदल के सिद्धान्त पर राशनी डाली गई है और छठे खंड में पैदावार के बटवारे को समझाया गया है. इसी खंड में समाजवादी ढांचा और आर्थिक बराबरी के उसूलों पर बहस की गई है. पुस्तक को ईसावास्य मिदम् सर्वम्—उपनिषद् के श्लोक से शुरू किया गया है और सम्प्रतिदान से खत्म किया गया है. कीमती आंकड़ों के सहारे पुस्तक में दिये हुये उसूल समझाये गये हैं.

नये नुक्त नजर से लिखी गई केला जी की यह पुस्तक हिन्दी अर्थशास्त्र की दिशा में एक तारीफ के लायक कदम है. हमें उम्मीद है और दूसरी जवानों में भी इसका तर्जुमा होगा.

—वि. ना. पांडे

پوری پستک چہ کھلتوں اور آئکھاس احمیاہیں میں ہانگی گئی ہے۔ پہلے کھلت میں ہارتھ ارتھ شاستر کی پرستہ یومی پعلی پس منظر دیا گیا ہے۔ دوسرے کھلت میں ارتھ شاستر کے مشتم کو سمجھایا گیا ہے۔ تیسرے کھلت میں استعمال اور ضرورت کے اصول کو سمجھایا گیا ہے۔ چوتھے کھلت میں پیداوار کی مختلف شکلوں کو دکھایا گیا ہے۔ پانچویں کھلت میں ادل بدل کے سدءائمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور چھٹے کھلت میں پیداوار کے بتوارے کو سمجھایا گیا ہے۔ اسی کھلت میں سماج وادی تھانچہ اور ارتھک ہرادی کے اصولوں پر بحث کی گئی ہے۔ پستک کو 'ایسا واسیہ مدم سروم'—آنھد کے شلوک سے شروع کیا گیا ہے اور 'پتی دان' سے ختم کیا گیا ہے۔ تھمکی آنکڑوں کے سہارے پستک میں دیئے ہوئے اصول سمجھائے گئے ہیں۔

لئے نقطہ نظر سے اٹھی گئی کیلے جی کی یہ پستک ہندی ارتھ شاستر کی دشا میں ایک تعریف کے لایق قدم ہے۔ ہمیں امید ہے اور دوسری زبانوں میں بھی اسکا ترجمہ ہو گا۔

—وی. نا. پانڈے

بیکار ہوں سو سہی۔ اکیلے رہا جا سکے تو سب سے اچھا۔
جیسے اکیلے رہنے میں تو کھڑے ہیں بچوں کے لئے سوتیلی
مائی کے لئے میں بھی کھڑا ہوں۔ اب تم تیرے ساتھ بھائی کے ساتھ رہ سکو۔
میں ہر بار ایسا موقع نہ ملتا۔ دل کی صفائی کر لیا۔ کوئی چلنا
نہ کرنا۔ سکھ دیکھ تو دھوپ چھاؤں کی طرح آتے ہی رہتے
ہیں۔ سلسلہ مایا سے بھرا ہے۔ تھوڑی مایا والہ کو تھوڑا دیکھ۔
اس لئے مایا اور چٹھال بڑھانے میں کوئی لالہ نہیں۔

دچار ہوں سو صحیح۔ اکیلے رہا جا سکے تو سب سے اچھا۔
جیسے اکیلے رہنے میں تو کھڑے ہیں بچوں کے لئے سوتیلی
مائی کے لئے میں بھی کھڑا ہوں۔ اب تم تیرے ساتھ بھائی کے ساتھ رہ سکو۔
میں ہر بار ایسا موقع نہ ملتا۔ دل کی صفائی کر لیا۔ کوئی چلنا
نہ کرنا۔ سکھ دیکھ تو دھوپ چھاؤں کی طرح آتے ہی رہتے
ہیں۔ سلسلہ مایا سے بھرا ہے۔ تھوڑی مایا والہ کو تھوڑا دیکھ۔
اس لئے مایا اور چٹھال بڑھانے میں کوئی لالہ نہیں۔

”کوئی نہ کرو، کوئی نہ کرو، کوئی نہ کرو، کوئی نہ کرو،
انٹ کالے چروں اکیلا، ساتھ ساتھ لے پاپ جی۔“

”کوئی نہ کرو، کوئی نہ کرو، کوئی نہ کرو، کوئی نہ کرو،
انٹ کالے چروں اکیلا، ساتھ ساتھ لے پاپ جی۔“

یانی—”کس کے بڑے-بڑے، کس کی جائداد اور کس کے
کس کے ماں-باپ، آخر میں تو اکیلے ہی جانا پڑے گا۔ ساتھ میں
سرف نہ کی اور بدی ہی جائیگی۔“

یانی—”کس کے بڑے-بڑے، کس کی جائداد اور کس کے
کس کے ماں-باپ، آخر میں تو اکیلے ہی جانا پڑے گا۔ ساتھ میں
سرف نہ کی اور بدی ہی جائیگی۔“

جواہر لال جی کے بارے میں سردار کی رائے دیکھیں
(صفحہ 255) —”جواہر لال جی کی سچائی پرستی اور
انہیسا پریم ایسا تھا کہ وہ ناپاک سادہانوں کو برداشت نہیں
کرتے تھے۔“

جواہر لال جی کے بارے میں سردار کی رائے دیکھیں
(صفحہ 255) —”جواہر لال جی کی سچائی پرستی اور
انہیسا پریم ایسا تھا کہ وہ ناپاک سادہانوں کو برداشت نہیں
کرتے تھے۔“

وہابی گت سنگھ کے سلسلے میں سردار جب پھر پرورد
جیل پہنچے تو گندھی جی کے بچائے دوسری ہی منڈلی
دہاں تھی۔ سردار نے اس پر لکھا:—

وہابی گت سنگھ کے سلسلے میں سردار جب پھر پرورد
جیل پہنچے تو گندھی جی کے بچائے دوسری ہی منڈلی
دہاں تھی۔ سردار نے اس پر لکھا:—

”اس بار کی منڈلی دوسری ہی طرح کی ہے اسلئے باپو
کے ساتھ کا رس جس نے چکھا ہو وہی جان سکتا ہے۔ پھر بھی
یہ سمجھ کر دن گات رہا ہوں:—

”اس بار کی منڈلی دوسری ہی طرح کی ہے اسلئے باپو
کے ساتھ کا رس جس نے چکھا ہو وہی جان سکتا ہے۔ پھر بھی
یہ سمجھ کر دن گات رہا ہوں:—

”تولسی یا سانسار میں ہانتی ہانتی کے لوگ،
سب سے ہل مل کر چلو نادی ناوب سہیوگ۔“

”تولسی یا سانسار میں ہانتی ہانتی کے لوگ،
سب سے ہل مل کر چلو نادی ناوب سہیوگ۔“

اسی طرح کے سینکڑوں پرستوں سے لہستک ہڑی پڑی
ہے۔ آزاد ہندستان کے انہیں کو سمجھنے کے لئے اس لہستک
سے کافی مدد ملے گی۔

اسی طرح کے سینکڑوں پرستوں سے لہستک ہڑی پڑی
ہے۔ آزاد ہندستان کے انہیں کو سمجھنے کے لئے اس لہستک
سے کافی مدد ملے گی۔

بھارتیہ ارتھ شاستر

بھارتیہ ارتھ شاستر

لکھنؤ شری بھگوان داس کےلا، پرکاشک بھارتیہ ارتھ-
شاستر دارا گنج، 651، مول پاچہ کپیا۔

لکھنؤ شری بھگوان داس کےلا، پرکاشک بھارتیہ ارتھ-
شاستر دارا گنج، 651، مول پاچہ کپیا۔
شاستر کے اوپر لکھا جی نے بھارتیہ نقطہ نظر سے ہندی بھاشا
میں جتنا اور جو کچھ لکھا ہے اتنا اور کسی نے نہیں۔ اس بڑی
شاستر میں اتنا نظریہ گندھی جی کا نظریہ ہے۔ اس بڑی
کتب کو بھی انہوں نے سرورسہ کی نگاہ سے لکھا ہے۔ اتنا دعویٰ
ہے کہ یہی ارتھ شاستر بھارتیہ چلنا کے ہمت اور کلان کا ارتھ
شاستر ہے۔

بھارتیہ ارتھ شاستر کے اوپر کےلا جی نے بھارتیہ
نقطہ نظر سے ہندی بھاشا میں جتنا اور جو کچھ لکھا
ہے اتنا اور کسی نے نہیں۔ اس بڑی
شاستر میں اتنا نظریہ گندھی جی کا نظریہ ہے۔ اس بڑی
کتب کو بھی انہوں نے سرورسہ کی نگاہ سے لکھا ہے۔ اتنا دعویٰ
ہے کہ یہی ارتھ شاستر بھارتیہ چلنا کے ہمت اور کلان کا ارتھ
شاستر ہے۔

برصغیر جیل میں ایک بار گاندھیजी ने कहा—'रक्खा हुआ सॉप भी काम का'—पूछने पर कि यह कहावत कैसे चली ? बापू ने कहा—'एक बुढ़िया के यहाँ सॉप निकला. उसे मार दिया गया. बुढ़िया ने उसे फेंकने के बजाय छप्पर पर रख दिया. एक बकरी हुई चील ने, जो कहीं से मोतियों का हार ले आई थी, उसे देखा. हार से सॉप उसे ज्यादा क्रीमती लगा. इसलिये हार तो उसने छप्पर पर ढाल दिया और सॉप चठा ले गई. इस तरह बुढ़िया को सॉप संग्रह करने से हार मिला.'

सरदार ने कहा—'बापू ! इसका मूल दूसरा है !'

बापू ने पूछा—'क्या ?'

सरदार बोले :—'एक बनिये के यहाँ सॉप निकला. उसे मारने वाला कोई मिलावा न था और बनिये की हिम्मत नहीं होती थी. इसलिये उसने सॉप को पतीली के नीचे ढाँक दिया. रात को चोर आये. वे कुतूहल से पतीली उघाड़ने लगे तो सॉप ने काट लिया और चोरी करने के बजाय स्वर्ग सिंघार गये.' (सफा 117).

14 जून 32. गरमी में नीबू मँहगे हो गये. बापू बोले—'हम नीबू के बजाय इमली लें.'

बल्लभ भाई बोले—'इमली के पानी से वायु बढ़ेगी और हड्डियों में दर्द होगा.'

बापू 'लेकिन जमनालाल तो पीते हैं ?'

बल्लभ भाई—'जमना लाल की हड्डियों तक इमली को घुसने का रास्ता नहीं.'

बापू—'मगर एक बार मैंने इमली बहुत खाई है.'

बल्लभ भाई—'उस समय आप पत्थर भी हजम कर सकते थे. आज तो बूढ़े हैं.'

एक बार बापू ने बरवदा जेल में नारियल की रस्सी की खाट अपने सोने के लिये मँगवाई. बल्लभ भाई निवाड़ की खाट के पक्ष में थे. बापू ने कहा—'मुझे याद है कि हमारे यहाँ बचपन में इस तरह की नारियल की रस्सी की खाटें काम में आती थीं. मेरी माँ उन पर अदरक छीलती थी.'

बल्लभ भाई—'इसी लिये तो कहता हूँ कि इस पर निवाड़ लगवा लीजिये. बरना मुट्ठी भर हड्डियों की चमड़ी छिल जायगी.'

गान्धी जी ने जब हरिजन अवार्ड के खिलाफ उपवास किया तो बल्लभ भाई को नासिक जेल में हटा दिया गया. इस पर बापू ने कहा—'पिंजड़ा तो है पर पंखी उड़ गया.'

सरदार के पारिवारिक जीवन की माँ की अपनी लड़की मनि बहिन के नाम लिखे इस खत में देखें—'फिर से अश्वत्थ के बारे में डाया भाई (सरदार के बेटे) के जो

यूरोप जेल में अिकार कलह जी ले कहा—'रक्खा हुआ सॉप भी काम का'—पूछने पर कि यह कहावत कैसे चली ? बापू ने कहा—'एक बुढ़िया के यहाँ सॉप निकला. उसे मार दिया गया. बुढ़िया ने उसे फेंकने के बजाय छप्पर पर रख दिया. एक बकरी हुई चील ने, जो कहीं से मोतियों का हार ले आई थी, उसे देखा. हार से सॉप उसे ज्यादा क्रीमती लगा. इसलिये हार तो उसने छप्पर पर ढाल दिया और सॉप चठा ले गई. इस तरह बुढ़िया को सॉप संग्रह करने से हार मिला.'

सरदार ने कहा—'बापू ! इस का मूल दूसरा है.'

बापू ने पूछा—'क्या ?'

सरदार बोले—'एक बनिये के यहाँ सॉप निकला. उसे मारने वाला कोई मिलावा न था और बनिये की हिम्मत नहीं होती थी. इसलिये उसने सॉप को पतीली के नीचे ढाँक दिया. रात को चोर आये. वे कुतूहल से पतीली उघाड़ने लगे तो सॉप ने काट लिया और चोरी करने के बजाय स्वर्ग सिंघार गये.' (सफा 117).

14 जून 32. गरमी में नीबू मँहगे हो गये. बापू बोले—

'हम नीबू के बजाय इमली लें.'

बापू बोले—'इमली के पानी से वायु बढ़ेगी और हड्डियों में दर्द होगा !'

बापू बोले—'लेकिन जमनालाल तो पीते हैं ?'

बापू बोले—'जमनालाल की हड्डियों तक इमली को घुसने का रास्ता नहीं.'

बापू—'मगर एक बार मैंने इमली बहुत खाई है.'

बापू बोले—'उस समय आप पत्थर भी हजम कर सकते थे. आज तो बूढ़े हैं.'

एक बार बापू ने बरवदा जेल में नारियल की रस्सी की खाट अपने सोने के लिये मँगवाई. बापू ने कहा—'मुझे याद है कि हमारे यहाँ बचपन में इस तरह की नारियल की रस्सी की खाटें काम में आती थीं. मेरी माँ उन पर अदरक छीलती थी.'

बापू बोले—'इसी लिये तो कहता हूँ कि इस पर निवाड़ लगवा लीजिये. बरना मुट्ठी भर हड्डियों की चमड़ी छिल जायगी.'

गान्धी जी ने जब हरिजन अवार्ड के खिलाफ उपवास किया तो बापू ने कहा—'पिंजड़ा तो है पर पंखी उड़ गया.'

सरदार के पारिवारिक जीवन की माँ की अपनी लड़की मनि बहिन के नाम लिखे इस खत में देखें—'फिर से अश्वत्थ के बारे में डाया भाई (सरदार के बेटे) के जो

گمان-بہان کے خواجیوں کے لیے پستک کافی دل-
چسپ ہے

مہمان مہواری

لکھک श्री रामोदरदास मूँदड़ा, प्रकाशक सर्व सेवा
संघ, राजघाट, काशी; सफे 312, मोल दो रुपया आठ
आने.

लेखक आचार्य विनोबा के पटुशिल्प और सेक्रेटरी के
और इस नाते भूदान आन्दोलन के आराज के चरमदीव
गवाह थे. तेलंगाना के पहले भूदान से लेकर सेवागाँव
पहुँचने तक विनोबा के राज-बराज के काम, बातचीत और
उपदेशों की दिलचस्प भाँकी हमें इस जायरी में देखने को
मिलती है. पढ़ने वाले के दिल पर भूदान की अहमियत
साफ नक्श हो जाती है. विनोबाजी के बेशक्रीमत उपदेशों
का अमृत इसमें मिलता है. भूदान आन्दोलन को समझने
वाले हर शाख के लिये यह किताब बड़े काम की है.

सर्वोदय पदयात्रा

लेखक, प्रकाशक वही. स.फे 225; मोल एक रुपया.

विनोबा जी ने अपनी पद यात्रा के सिलखिले में जो
अनमोल उपदेश दिये वह इस किताब में इकट्ठा करके
छापे गये हैं. आजकल की दुनिया और हिन्दुस्तान की
सियासत की रोशनी में विनोबा जी के इस पुस्तक में जाहिर
किये हुए विचार सही रास्ता दिखाने का काम करेंगे. पुस्तक
सबके पढ़ने लायक है. छपाई, सफाई को देखते हुये पुस्तक
सस्ती है.

सरदार वल्लभ भाई (दूसरा भाग)

सम्पादक नरहरि डा० परीख, प्रकाशक—नवजीवन
प्रकाशन मन्दिर, अहमदाबाद, स.फे 651, जिल्दवाली
पुस्तक के दाम पाँच रुपये.

सरदार वल्लभ भाई पटेल की सबाने उमरी यानी
जीवन चरित्र की यह दूसरी जिल्द है. इस जिल्द में सन
30 के नमक सत्याग्रह से लेकर सन 42 के भारत छोड़ो
आन्दोलन तक के 12 बरसों के उन बाक्रयात का चिक है
जिनका ताल्लुक सरदार पटेल की चिन्तनी से था. इसमें
कोई शक नहीं कि ये बारह बरस मुल्क की सियासी चिन्त-
नी के लिहाज से बहुत ही अहम थे. लेखक ने छोटी-छोटी
घटनाओं को भी शामिल कर लिया है, ऐसी घटनाएँ जिन-
से सरदार के चरित्र पर रोशनी पड़ सकती थी. ये घटनाएँ
काफी दिलचस्प, शिक्षा देने वाली और वसूलों से ताल्लुक
रखने वाली हैं. इनसे गान्धीजी. और जवाहर लाल जी
के साथ सरदार के मीठे ताल्लुकात की भाँकी मिलती है.

भूदान गुरु

लेखक श्री रामोदरदास मूँदड़ा, प्रकाशक सर्व सेवा
संघ, राजघाट, काशी; स.फे 312, मोल दो रुपया आठ
आने.

लेखक आचार्य विनोबा के पटुशिल्प और सेक्रेटरी के
और इस नाते भूदान आन्दोलन के आराज के चरमदीव
गवाह थे. तेलंगाना के पहले भूदान से लेकर सेवागाँव
पहुँचने तक विनोबा के राज-बराज के काम, बातचीत और
उपदेशों की दिलचस्प भाँकी हमें इस जायरी में देखने को
मिलती है. पढ़ने वाले के दिल पर भूदान की अहमियत
साफ नक्श हो जाती है. विनोबाजी के बेशक्रीमत उपदेशों
का अमृत इसमें मिलता है. भूदान आन्दोलन को समझने
वाले हर शाख के लिये यह किताब बड़े काम की है.

सर्वोदय पदयात्रा

लेखक श्री रामोदरदास मूँदड़ा, प्रकाशक सर्व सेवा
संघ, राजघाट, काशी; स.फे 312, मोल दो रुपया आठ
आने.

लेखक श्री रामोदरदास मूँदड़ा, प्रकाशक सर्व सेवा
संघ, राजघाट, काशी; स.फे 312, मोल दो रुपया आठ
आने.

लेखक श्री रामोदरदास मूँदड़ा, प्रकाशक सर्व सेवा
संघ, राजघाट, काशी; स.फे 312, मोल दो रुपया आठ
आने.

سکڑے کھانسیوں سے کامیاب توفان ،
جننتا کے अधिकारों की गरजती हुई लहर बनकर बह रहा है !

सिपाही और सैनिकों की कम्पनियाँ यके बाद दीगरे जा रही हैं !

आखिर में उन्हें याद आता है कि उनकी भी मातृ-भूमि है !

यह क्या कम है कि अपने बस भर वे लड़े जनता की आजादी के लिये और अपने फौजी नाम के लिये !

ईश्वर, उम्मीद और इतिहास तीनों हिन्दुस्तानियों की तरफ थे !

पुस्तक की छपाई बरौरह अच्छी है. अंगरेजीवाँ हर देशभक्त से हमारी यह प्रार्थना है कि वह इस पुस्तक को जरूर पढ़े,

न जाने राम और उसके साथियों का अभियान

मूल रूसी ज़बान के लेखक एन० नसोव; मूलरूसी से अनुवादक श्री अर्जुन गोस्वामी; अनुवाद की भाषा के सम्पादक-डाक्टर महादेव साहा; प्रकाशक ईस्टर्न ट्रेडिंग कम्पनी, 64 ए धरमवत्सला स्ट्रीट, कलकत्ता-13, मोल तीन रुपया. छपाई, सफाई, जिल्द सब अच्छी.

बच्चों के साहित्य की यह रूसी पुस्तक रूस में बहुत नाम कमा चुकी है. सरल कहानी के रूप में लेखक ने विज्ञान के चमत्कारों को बड़ी दिलचस्पी से बच्चों को समझाने की कोशिश की है. एक बार हाथ में उठा लेने से बच्चे इसे पूरा पढ़कर ही छाँड़ते हैं. प्रकाशक बधाई के हक्कदार हैं कि बच्चों के लिये ऐसी सरल वैज्ञानिक ईजादों की पुस्तक उन्होंने शायद की. रंगीन चित्रों से पुस्तक की उपयोगिता बेहद बढ़ गई है.

मानव जाति का उद्भव

मूल रूसी लेखक गगुरेव, अनुवादक और प्रकाशक वही ऊपर की पुस्तक के; क्रोमट एक रुपया बासठ नए पैसे. सफे 133; सचित्र; छपाई, सफाई अच्छी.

१३३ सफों की इस किताब में विद्वान लेखक ने इस बात की छान-बीन की है कि इनसानी नस्ल का आराध क्या था ? पाँच करोड़ बरस पहले उसकी क्या शक्ल थी ? फिर दरजेदार उसने कैसे तरक्की की और आखिर में किस तरह बन्दर की योनि और जिस्म में तब्दील होते-होते कैसे वह इनसान बना. लेखक ने पुस्तक के सफों में जो बाबे पेश किये हैं उनका समझाने के लिये तस्वीरें भी दी हैं. दूसरे वैज्ञानिक मतों को पेश करके उनकी तार्किक या मुखालिफत की है. डार्विन और एंगल्स की राय को लेखक ने अस्वीकार है और नई खोजों के आधार पर अपनी रायों पर अपनी बलीलों को कायम किया है.

سکڑوں کے اڑنے والوں کے کامیاب طوفانی !
جننتا کے اڈھیکاروں کی گر جتی ہوئی لہریں کرہے رہا ہے !
سیپاہی اور سٹونوں کی کپٹانان یکے بعد دیگرے جاگ رہی ہیں !
آکھڑ میں آکھڑ پاؤں آنا ہے کہ انکی ہوں ماتر بھوسی ہیں !
یہ کیا کم ہے کہ اپنے بس بھر وہ لڑے
جننتا کی آزادی کے لئے اور اپنے فوجی نام کے لئے !

پستک کی چھپائی وغیرہ اچھی ہے ! ہر انگریزی دان دیکھ بھکت سے ہماری یہ پرارتہا ہے کہ وہ اس پستک کو ضرور پڑھے .

نچا نے رام اور اُس کے ساتھیوں کا ابھیان

مؤل روسی زبان کے لیکھک این. نسوؤ؛ مؤل روسی سے انوادک شری اردھیندو گوسوامی؛ انواد کی بھاشا کے سھادک ڈاکٹر مھادیو ساھا؛ پرکاشک ایسٹرن ٹریڈنگ کمپنی؛ 64-A دھرم تلہ اسٹریٹ؛ کلکتہ-13؛ مؤل تین روپیہ؛ چھپائی؛ صفائی؛ جلد سب اچھی .

بچوں کے ساھتھ کی یہ روسی پستک روس میں بہت نام کما چکی ہے . سؤل کہانی کے روپ میں لیکھک نے دکھان کے چٹکاروں کو بڑے دلچسپ طریقے سے بچوں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے . ایک بار ہاتھ میں اُٹھا لیٹے سے بچے اسے پورا پڑھکر ہی چھوڑتے ہیں . پرکاشک بھاشائی کے حقدار ہیں کہ بچوں کے لئے ایسی سؤل دیکھانک ایجادوں کی پستک انھوں نے شائع کی . رنگین چٹروں سے پستک کی آپھوگتا بے حد بڑھ گئی ہے .

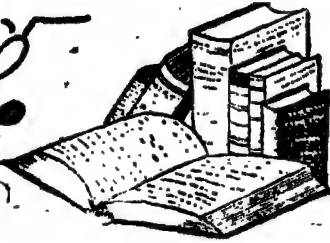
مانو جاننی کا اڈھو

مؤل روسی لیکھک گ. گروریو؛ انوادک اور پرکاشک وہی اڈور کی پستک کے ! قیمت ایک روپیہ باسٹھ نئے پوسے . صفحہ 133؛ چھپائی؛ صفائی اچھی .

133 صفحوں کی اس کتاب میں ودوان لیکھک نے اس بات کی چھان بین کی ہے کہ انساننی نسل کا آغاز کیا تھا؟ پانچ کروڑ برس پہلے اُس کی کیا شکل تھی پھر درجہوار اُس نے اُسی ترقی کی اور آخیر میں کس طرح ہندر کی یونی اور جسم سے تبدیل ہوتے ہوئے کیسے وہ انسان بنا . لیکھک نے پستک کے صفحوں میں جو دعویٰ پیش کئے ہیں اُن کو سمجھانے کے لئے تصویروں بھی دی ہیں . دھرم تلہ دیکھانک متوں کو پیش کر کے اُن کی ناہید یا مخالفت کی ہے . ڈارون اور لہٹکس کی رائے کو لیکھک نے سراھا ہے اور نئی کوجوں کے

آدھار پر انھوں رائوں پر اپنی دلیلوں کو قائم کیا ہے . گھان دکھان کے کھوجوں کے لئے پستک کئی دلچسپا ہے .

کتابچہ کتابیں



The Revolt of Hindostan—লেখক **অর্নেস্ট**
জোন্স. সম্পাদক **শ্রী স্নেহাশু কান্ত** আচার্য্য और **श्री महा-**
देश प्रसाद साहू, प्रकाशक **ईस्टर्न ट्रेडिङ्ग कम्पनी, 64, A**
धर्मतल्ला स्ट्रीट, कलकत्ता-13, क्रीमत तीन रुपया, पृष्ठ
संख्या 55.

चार्टिस्ट नेता **अर्नेस्ट चार्ल्स जोन्स** का मशहूर काव्य
ग्रन्थ 'रिवोल्ट आफ हिन्दुस्तान' का यह हिन्दुस्तानी पडो-
शन बड़े मौके से छाप कर प्रकाशित किया गया जबकि
मुल्क सन 1853 की शताब्दी मना रहा था. कविता के
साथ साथ जोन्स के सन 1807 के मुताल्लिक लेख भी
पुस्तक के आखीर में दिये गये हैं. सम्पादक अपनी भूमिका
में लिखते हैं :—“जबकि हिन्दुस्तान में देश भर में सन
1857 की शताब्दी मनाई जा रही है यह याद करके खुशी
होती है कि कम से कम एक अङ्गरेज तो था जो 1857 के
विद्रोह को न केवल मुनासिब और ठीक समझता था बल्कि
उसे होके रहने वाली घटना मानता था.” जोन्स 26
जनवरी 1859 को पैदा हुआ और 21 जनवरी 1869 को
मरा. जोन्स ने ब्रिटिश शासन नीति की जबरदस्त मुजाल-
फत की. उसके विद्रोही विचारों के सबब उसे 6 जून सन
1848 को गिरफ्तार कर लिया गया और 9 जुलाई सन्
1850 तक उसे जेल में रहना पड़ा. जिस काल कोठरी में
उसे तनहाई में रखा गया वह 13 फुट लम्बी और सिर्फ
6 फुट चौड़ी थी. इतनी खुली हुई थी कि बारिश का पानी
और बरफिले तूफानों के थपेड़े इधर में उधर निकल जाते
थे. जोन्स की सेहत बेहद खराब हो गई. वहीं उस काल
कोठरी में जोन्स ने 'दि न्यू वर्ल्ड' नाम की कविता लिखी
जो बाद में सन 1857 में 'दि रिवोल्ट आफ हिन्दुस्तान
आर न्यू वर्ल्ड' नाम से छपकर शायी हुई. जेल में लिखने
का सामान नहीं था. जोन्स ने एक पुरानी किताब के हाशि-
यों पर अपने खून से वह कविता लिखी. पूरी की पूरी
नम बेहद सुन्दर है. एक नमूना देखें :—

The Revolt of Hindostan लिखक **अर्नेस्ट**

जोन्स 'सुवादक' शही असहानشو का न्त आचार्य और शही
महा देश प्रसाद साहू, प्रकाशक ईस्टर्न ट्रेडिङ्ग कम्पनी, 64, A
धर्मतल्ला स्ट्रीट, कलकत्ता-13, क्रीमत तीन रुपया, पृष्ठ
संख्या 55.

चार्ल्स जोन्स अर्नेस्ट चार्ल्स जोन्स का मशहूर काव्य
ग्रन्थ 'रिवोल्ट ऑफ हिन्दुस्तान' का यह हिन्दुस्तानी पडो-
शन बड़े मौके से छाप कर प्रकाशित किया गया जबकि
मुल्क सन 1853 की शताब्दी मना रहा था. कविता के
साथ साथ जोन्स के सन 1807 के मुताल्लिक लेख भी
पुस्तक के आखीर में दिये गये हैं. सम्पादक अपनी भूमिका
में लिखते हैं :—“जबकि हिन्दुस्तान में देश भर में सन
1857 की शताब्दी मनाई जा रही है यह याद करके खुशी
होती है कि कम से कम एक अङ्गरेज तो था जो 1857 के
विद्रोह को न केवल मुनासिब और ठीक समझता था बल्कि
उसे होके रहने वाली घटना मानता था.” जोन्स 26
जनवरी 1859 को पैदा हुआ और 21 जनवरी 1869 को
मरा. जोन्स ने ब्रिटिश शासन नीति की जबरदस्त मुजाल-
फत की. उसके विद्रोही विचारों के सबब उसे 6 जून सन
1848 को गिरफ्तार कर लिया गया और 9 जुलाई सन्
1850 तक उसे जेल में रहना पड़ा. जिस काल कोठरी में
उसे तनहाई में रखा गया वह 13 फुट लम्बी और सिर्फ
6 फुट चौड़ी थी. इतनी खुली हुई थी कि बारिश का पानी
और बरफिले तूफानों के थपेड़े इधर में उधर निकल जाते
थे. जोन्स की सेहत बेहद खराब हो गई. वहीं उस काल
कोठरी में जोन्स ने 'दि न्यू वर्ल्ड' नाम की कविता लिखी
जो बाद में सन 1857 में 'दि रिवोल्ट आफ हिन्दुस्तान
आर न्यू वर्ल्ड' नाम से छपकर शायी हुई. जेल में लिखने
का सामान नहीं था. जोन्स ने एक पुरानी किताब के हाशि-
यों पर अपने खून से वह कविता लिखी. पूरी की पूरी
नम बेहद सुन्दर है. एक नमूना देखें :—

میں نہ کھانا، دھنڈ اور مسلمان ہائیو، اپنے چھوٹے تفرقوں کو بھول جاؤ اور میدان جنگ میں ایک چھانڈے کے نیچے کھڑے ہو جاؤ۔ جو بھی شخص اس قومی جنگ کی مخالفت کریگا وہ خود اپنے سر پر کلہاڑی مارے گا اور خودکشی کا گناہ کریگا۔“

اس نوٹ سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ دہش کی سیاسی تصویر اس سمجھ بھی لوگوں کے سامنے اتنی صاف تھی کی جتنی آج ہے۔

دہلی کے پورے دنوں میں انقلابی فہمائوں میں آپس میں سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا اشارہ 'پیام آزادی' میں چھپی سمرات بہادر شاہ ظفر کی ایک نظم کے اس شعر سے ملتا ہے۔

”کافس میں ہے کیا فایدا شہرے گول سے
خسارو کرو کچھ رہائی کی باتیں۔“

اخبار کے گراہک فائسی کے تختے پر

اوپر کے بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ 'پیام آزادی' ہمارے کاسب سے پہلا راشدی پتر تھا۔ سر ولیم ہارڈ نے لکھا ہے کہ "دلی پر قبضہ کرنے کے بعد 'پیام آزادی' نے سپہادک مرزا بہادر بخت کے بدن پر سو کی چھبی مل کر انہیں پھانسی دے دی تھی۔" سر ہولمز، کٹن اپلی پستک 'انڈین ایلمنٹ ہوم سیمایرس' میں لکھتے ہیں کہ "انگریزوں کے دلی پر قبضہ کرنے کے بعد وہ سبھی لوگ پھانسی پر لٹکا دیئے جاتے تھے جن کے گھروں میں 'پیام آزادی' کا کوئی نمبر ملتا تھا۔" دنیا کے اخباری انہاس میں شاید کسی بھی اخبار کے پانہکوں کو پانہک ہونے کے بعد ایسی ظالمانہ سزا نہ ملی ہو گی۔

میں نہ کھانا، دھنڈ اور مسلمان ہائیو، اپنے چھوٹے تفرقوں کو بھول جاؤ اور میدان جنگ میں ایک چھانڈے کے نیچے کھڑے ہو جاؤ۔ جو بھی شخص اس قومی جنگ کی مخالفت کریگا وہ خود اپنے سر پر کلہاڑی مارے گا اور خودکشی کا گناہ کریگا۔“

اس نوٹ سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ دہش کی سیاسی تصویر اس سمجھ بھی لوگوں کے سامنے اتنی صاف تھی کی جتنی آج ہے۔

دلی کے گھروں کے دنوں میں انقلابی فہمائوں میں آپس میں سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا اشارہ 'پیام آزادی' میں چھپی سمرات بہادر شاہ ظفر کی ایک نظم کے اس شعر سے ملتا ہے۔

”کافس میں ہے کیا فائدہ شہر و غل ہے؟
اگر کرو کچھ رہائی کی باتیں۔“

اخبار کے گراہک فائسی کے تختے پر

اوپر کے بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ 'پیام آزادی' ہمارے کاسب سے پہلا راشدی پتر تھا۔ سر ولیم ہارڈ نے لکھا ہے کہ "دلی پر قبضہ کرنے کے بعد 'پیام آزادی' نے سپہادک مرزا بہادر بخت کے بدن پر سو کی چھبی مل کر انہیں پھانسی دے دی تھی۔" سر ہولمز، کٹن اپلی پستک 'انڈین ایلمنٹ ہوم سیمایرس' میں لکھتے ہیں کہ "انگریزوں کے دلی پر قبضہ کرنے کے بعد وہ سبھی لوگ پھانسی پر لٹکا دیئے جاتے تھے جن کے گھروں میں 'پیام آزادی' کا کوئی نمبر ملتا تھا۔" دنیا کے اخباری انہاس میں شاید کسی بھی اخبار کے پانہکوں کو پانہک ہونے کے بعد ایسی ظالمانہ سزا نہ ملی ہو گی۔

بہادر شاہ کا اعلان

'لنڈن ٹائمز' نے سر ویلیام رسل کو ہی سن 1956 ک جंगे आजादी की रिपोर्ट देने के लिए अपना खास संवाददाता बनाकर यहाँ भेजा था. उन्होंने 'लنڈन टाइम्स' के सम्पादक जान डिलेन के नाम लखनऊ से अपने एक पत्र के साथ 'पयामे आजादी' में प्रकाशित सम्राट बहादुरशाह का एक ऐलान भी भेजा था जिसे पढ़कर इसमें जरा भी शुबहा नहीं रह जाता कि सन 57 का युद्ध भारत की स्वाधीनता का संग्राम था और 'पयामे आजादी' उस युद्ध का मुख पत्र था. वह ऐलान इस प्रकार है:—

'हिन्दुस्तान के हिन्दुओं और मुसलमानों' उठो ! भाइयों, उठो ! खुदा ने इनसान को जितनी बरकतें अता की हैं उनमें सब से कीमती बरकत आजादी की है. वह खालिम नाकस जिसने धोका दे दे कर हम से यह बरकत छीन ली है क्या हमेशा के लिए हमें उससे महरूम रख सकेगा ? क्या खुदा की मरजी के खिलाफ इस तरह का काम हमेशा जारी रह सकता है ? नहीं, कभी नहीं, फिरंगियों ने इतने जुल्म किये हैं कि उनके गुनाहों का प्याला लबरेज हो चुका है... खुदा अब नहीं चाहता कि तुम खामोश रहा क्योंकि उसने हिन्दुओं और मुसलमानों के दिलों में अंग्रेजों को अपने बतन से बाहर निकालने की खाहिश पैदा कर दी है और खुदा के फजल से और तुम लोगों की बहादुरी से जल्द ही अंग्रेजों को इतनी कामिल शिकस्त मिलेगी कि हमारे इस मुल्क हिन्दुस्तान में उनका जरा भी निशान न रह जायगा. हमारी इस कौज में छोटे बड़े की कोई तमीज न हांगी. सब के साथ बराबरी का बर्ताव किया जायगा. इस पाक जंग में शरीक होने वाले सब आपस में भाई-भाई हैं. उनमें छोटे-बड़े का कोई फर्क नहीं. मैं अपने तमाम हिन्दी भाइयों से दरखास्त करता हूँ कि वह खुदा के बताये हुए इस पाक फर्ज को पूरा करने के लिए मैदाने जंग में कूद पड़े."

जी० बी० मालेसन ने अपनी पुस्तक 'दि रेड पैम्फलेट' में 'पयामे आजादी' के एक सम्पादकीय नोट का चित्र किया है जिसमें लिखा है कि "हिन्दू के बाशिन्दों. अरसे से जिसका इन्तजार था आजादी की वह पाक घड़ी आन पहुँची है..... हिन्दुस्तान के बाशिन्दे अब तक धोंके में आते रहे और अपनी ही तलवारों से अपने ही गले काटते रहे. अब हमें मुल्क फरोशी के इस गुनाह का कुप्रकारा (प्रायश्चित्त) करना चाहिये. अंग्रेज अब भी अपनी पुरानी दशावाजी से काम लेंगे. वे हिन्दुओं को मुसलमानों के खिलाफ और मुसलमानों को हिन्दुओं के खिलाफ उभारने की कोशिश करेंगे. लेकिन भाइयों, उनके जाल और फरेबों

"लन्डन टाइम्स" ने सर विलियम रسل को ही सन 1958 की एक आजादी की रिपोर्ट देने के लिए अपना खास संवाददाता बना कर भेजा था. उन्होंने 'लन्डन टाइम्स' के सम्पादक जान डिलेन के नाम लखनऊ से अपने एक पत्र के साथ 'पयामे आजादी' में प्रकाशित सम्राट बहादुरशाह का एक ऐलान भी भेजा था जिसे पढ़कर इसमें जरा भी शुबहा नहीं रह जाता कि सन 57 का युद्ध भारत की स्वाधीनता का संग्राम था और 'पयामे आजादी' उस युद्ध का मुख पत्र था. वह ऐलान इस प्रकार है.

"هندستان کے ہندو اور مسلمانز! اٹھو ! بھائیو اٹھو ! خدا انسان کو جتنی برکتیں عطا کی ہیں ان میں سب سے بڑی برکت آزادی کی ہے . وہ ظالم ناکس جس نے دھوکا دیا کہ ہم سے یہ آزادی چھین لی ہے کیا ہمیشہ کے لئے ہمیں اس سے محروم رکھ سکتا ہے ؟ کیا خدا کی مرضی کے خلاف اس کا کام ہمیشہ جاری رہ سکتا ہے ؟ نہیں، کبھی نہیں، ہمیں نے اتنے ظلم کئے ہیں کہ ان کے گناہوں کا پیالہ لبریز ہو گیا ہے... خدا اب نہیں چاہتا کہ تم خاموش رہو کیونکہ اس ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں میں انگریزوں کو اپنے وطن باہر نکالنے کی خواہش پیدا کر دی ہے اور خدا کے فضل اور لوگوں کی بہادری سے جلد ہی انگریزوں کو اتنی کمال سخت ملیگی کہ ہمارے اس ملک ہندستان میں ان کا ذرا نشان نہ رہ جائیگا . ہماری اس فوج میں چھوٹے بڑے کی تمیز نہ ہو گی . سب کے ساتھ برابری کا برتاؤ دیا جائیگا . ن ہاک جنگ میں شریک ہونے والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں . ان میں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں . میں ہندی بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ خدا کے بتائے ہوئے اس پاک فرض کو پورا کرنے کے لئے مہدان جنگ میں پڑیں ."

جی. جی. ملسن نے اپنی پہلی ہسٹک 'نی ریڈ پمفلٹ' میں 'پام آزادی' کے ایک سمپادکی نوت کا ذکر کیا ہے جس میں ہے کہ "ہند کے باشندے . عرصے سے جس کا انتظار تھا آزادی . وہ پاک کھڑی آن پہنچی ہے... ہندستان کے باشندے اب ہندوؤں میں آئے رہے اور اپنی تلواروں سے اپنے ہی گلے کاٹنے . اب ہمیں ملک فروشی کے اس گناہ کا کفارہ 'پراشچیت' چاہئے . انگریز اب بھی اپنی پرانی دغا بازی سے کام لیتے . ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف بھارتی کی کوشش کرینگے لیکن بھائیو! ان کے جال فریبوں

میدان میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی کتاب 'دی وار اینڈ کریمنی' میں انجیولسٹا کی بااثر شکیست کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ 'بھارت میں راج فیک اخباروں کے نہ ہونے سے انگریزوں کے لیے یہاں کی صورت حال کا پتہ نہ چلتا تھا۔' ان کے کچھ اخباری بھائی جی چرجا کرتے ہوئے سرعام نے لکھا ہے کہ "ایک یورپی اور لستہائی بھاشاؤں سے واقف بھارتیہ آزادی کے اس سندھیں واک میں پکڑا گئی وہ سبھی خاصیتوں موجود نہیں جو انہیں یورپ کی کسی پر مہم بھاشا کا مشہور اور بااثر اخبار نویس بنا سکتی ہیں۔"

تاریخی سلسلے کی وہ کڑیاں ٹوٹ گئی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ بھارت واپس آکر انجیولسٹا نے کون سا خاص کارنامہ اپنے ہاتھوں میں لیا، پر 'پيامِ آزادي' کے جو نمبر برٹش ستمبر 1936 میں سن 1936 تک، سورکشت تھے ان سے پتہ چلتا ہے کہ 'پيامِ آزادي' کے دوسرے نمبر میں بھارتی نریشن کی ایکٹ کے متعلق انگریزوں کا ایک بیان چھاپا تھا۔ انہیں انہوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بھارت کے اس سب سے پہلے اور سچے راشنری پٹر کا پرکاشن فروری سن 1857 کے قریب شروع ہوا تھا اور مرزا بدر بخت کے دستخطی ہونے سے یہ چھاپا کرنا تھا۔ پہلی آج کل کے معمرن میں بادشاہ کے حکم سے مرزا بدر بخت اس پٹر کے 'سمپادک' اور 'پرکاشک' تھے۔

'پيامِ آزادي' کے نمبروں سے سن 1757 کے स्वाधीنتا خرام پر خاسی انگریزوں کی دہائی پڑتی ہے۔ سن 1858 میں لندن سے چھپی ہوئی 'دی نیشنل ریویو آف انڈین ریویو' نامک کتاب میں 'پيامِ آزادي' کا ایک تذکرہ دیا گیا ہے جس میں 'بھارت کی پلٹوں سے آزادی کی جگہ میں شامل ہونے کی اپیل کی گئی تھی۔' اس میں لکھا ہے :-

"بھائیو، دہلی میں فرنگیوں کے ساتھ آزادی کی جگہ ہو رہی ہے۔ انگریزوں کی دہائی سے ہم نے انہیں جو پہلی شکتی دی ہے اس سے وہ اتنا گھبرا گئے ہیں جتنا کسی دوسرے وقت وہ دس شکتیوں سے بھی نہ گھبراتے۔ پرشما ہندوستانی بھائیو دلی میں ان کو جمع ہو رہے ہیں۔ ایسے موقع پر اگر آپ کو پتہ نہ ہو تو ہم ان کو دہلی میں آ کر دھونڈیں گے۔ ہمارے کان اس طرح آپ کی اور لگے ہوئے ہیں جس طرح دروں کے کان موڈن کی آذان کی طرف لگے رہتے ہیں۔ ہم آپ کی قیادت کی آواز سننے کے لیے پڑے ہیں۔ ہماری آواز آپ کی دہائی کی آواز کی طرح ہے۔ آپ کی آواز ہے کہ فوراً اٹھو۔ ہمارا گھر آپ کا گھر ہے۔ ہمارا آپ کی آمد کے لیے ہمارے گھر میں ہونا ہے۔"

میدان میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی کتاب 'دی وار اینڈ کریمنی' میں انجیولسٹا کی بااثر شکیست کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ 'بھارت میں راج فیک اخباروں کے نہ ہونے سے انگریزوں کے لیے یہاں کی صورت حال کا پتہ نہ چلتا تھا۔' ان کے کچھ اخباری بھائی جی چرجا کرتے ہوئے سرعام نے لکھا ہے کہ "ایک یورپی اور لستہائی بھاشاؤں سے واقف بھارتیہ آزادی کے اس سندھیں واک میں پکڑا گئی وہ سبھی خاصیتوں موجود نہیں جو انہیں یورپ کی کسی پر مہم بھاشا کا مشہور اور بااثر اخبار نویس بنا سکتی ہیں۔"

تاریخی سلسلے کی وہ کڑیاں ٹوٹ گئی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ بھارت واپس آکر انجیولسٹا نے کون سا خاص کارنامہ اپنے ہاتھوں میں لیا، پر 'پيامِ آزادي' کے جو نمبر برٹش ستمبر 1936 میں سن 1936 تک، سورکشت تھے ان سے پتہ چلتا ہے کہ 'پيامِ آزادي' کے دوسرے نمبر میں بھارتی نریشن کی ایکٹ کے متعلق انگریزوں کا ایک بیان چھاپا تھا۔ انہیں انہوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بھارت کے اس سب سے پہلے اور سچے راشنری پٹر کا پرکاشن فروری سن 1857 کے قریب شروع ہوا تھا اور مرزا بدر بخت کے دستخطی ہونے سے یہ چھاپا کرنا تھا۔ پہلی آج کل کے معمرن میں بادشاہ کے حکم سے مرزا بدر بخت اس پٹر کے 'سمپادک' اور 'پرکاشک' تھے۔

'پيامِ آزادي' کے نمبروں سے سن 1857 کے स्वाधीنتا خرام پر خاسی انگریزوں کی دہائی پڑتی ہے۔ سن 1858 میں لندن سے چھپی ہوئی 'دی نیشنل ریویو آف انڈین ریویو' نامک کتاب میں 'پيامِ آزادي' کا ایک تذکرہ دیا گیا ہے جس میں 'بھارت کی پلٹوں سے آزادی کی جگہ میں شامل ہونے کی اپیل کی گئی تھی۔' اس میں لکھا ہے :-

"بھائیو، دہلی میں فرنگیوں کے ساتھ آزادی کی جگہ ہو رہی ہے۔ انگریزوں کی دہائی سے ہم نے انہیں جو پہلی شکتی دی ہے اس سے وہ اتنا گھبرا گئے ہیں جتنا کسی دوسرے وقت وہ دس شکتیوں سے بھی نہ گھبراتے۔ پرشما ہندوستانی بھائیو دلی میں ان کو جمع ہو رہے ہیں۔ ایسے موقع پر اگر آپ کو پتہ نہ ہو تو ہم ان کو دہلی میں آ کر دھونڈیں گے۔ ہمارے کان اس طرح آپ کی اور لگے ہوئے ہیں جس طرح دروں کے کان موڈن کی آذان کی طرف لگے رہتے ہیں۔ ہم آپ کی قیادت کی آواز سننے کے لیے پڑے ہیں۔ ہماری آواز آپ کی دہائی کی آواز کی طرح ہے۔ آپ کی آواز ہے کہ فوراً اٹھو۔ ہمارا گھر آپ کا گھر ہے۔ ہمارا آپ کی آمد کے لیے ہمارے گھر میں ہونا ہے۔"

سن ۱۷۵۷ سے لے کر سن ۱۷۶۰ تک भारत کے بطن پرست اخباروں کی سرکاری کا इतिहास कमोवेश भारतीय राष्ट्रीयता की तरफ़की का इतिहास समझा जा सकता है. इस लम्बे दौर में एक ओर भारतीय पत्रकारों को अगर रुपये पैसों की जबरदस्त दिक्कत का सामना करना पड़ा तो दूसरी ओर भयंकर सरकारी दमन का भी. फिर भी जिस निडरता के साथ त्यागमय सेवाभाव लेकर भारतीय पत्रकारों ने नागरिक स्वाधीनता, विचारों की आजादी और राजनीतिक आजादी के भावों का प्रचार किया वह संसार की पत्रकार कला के इतिहास का एक शानदार अध्याय है. देशव्यापी कोशिशों से आजादी का जो चमकदार भवन आज हम अपने देश में तामीर कर रहे हैं उसकी नींव में शहीदों के साथ-साथ पत्रकारों के भी अस्थिपंजर पड़े हुए हैं. سن ۱۷۵۷ से लेकर سن ۱۷۶۰ ई० तक भारतीय اخبار नवीसी और बतन परस्ती दोनों का एक ही मतलब रहा है.

‘पयामे आजादी’

सच्चे अर्थ में जो सब से पहला राष्ट्रीय पत्र हमारे देश में प्रकाशित हुआ वह ‘पयामे आजादी’ था. यह फरवरी १८५७ से दिल्ली में छपना और शाये होना शुरू हुआ. यह नागरी और उर्दू दोनों लिपियों में लीथो पर छपा करता था. पर इसके प्रकाशन की कोई तैयारी न थी. कभी सबेरें छपता था तो कभी शाम को, कभी रोज़ छपता था तो कभी एक दिन के अंतर पर. इस पत्र के प्रकाशन की योजना नाना साहब धुंधपन्त के मंत्री और सलाहकार तथा سن १८५७ की महान् क्रांति के संयोजक अजीमुल्ला ने बनाई थी. सितम्बर سن १८५७ में मौसी से ‘पयामे आजादी’ का एक मराठी एडिशन भी प्रकाशित होने लगा था. उसकी केवल एक ही कापी ब्रिटिश म्यूजियम में मिलती है.

सन १८५४ में अजीमुल्ला पेशवा नानासाहब के वकील की हैसियत से विलायत गये थे, पर उनका असली मकसद यूरोप के जनमत को भारतीय स्वाधीनता का समर्थक बनाना था और रूस तथा इटली से खास तौर पर जंगे इनकलाब के लिये हथियारों और सैनिकों की सहायता हासिल करना था. अपने इसी सफर में अजीमुल्ला ने यूरोपीय भाषाओं के कई ख़बार्ओं के जरिये भारतीय आजादी के सवाल को यूरोपीय जनता के सामने रखा था. ग़ालिबन इसी सफर में उन्होंने ‘पयामे आजादी’ के लिए प्रेस आदि का इन्तज़ाम भी किया था.

‘लन्डन टाइम्स’ के विशेष प्रतिनिधि सर विलियम हावर्ड रसल से अजीमुल्ला की भेंट क्रिमिया के लड़ाई के

سن 1857 سے لے کر سن 1930 تک भारत کے وطن پرست اخباروں کی ترقی کا انہاس کم و بیش تاریخی راستوں کی ترقی کا انہاس سمجھا جاسکتا ہے۔ اس لمبے دور میں ایک اور تاریخی پتروں کو اگر روئے پیسوں کی زبردست دقت کا سامنا کرنا پڑا تو دوسری اور پھیلنے سرکاری دمن کا بھی؛ پھر بھی جس قدر نڈر کے ساتھ ٹھاک سے سیوا ہوا لے کر ہارتھ پتروں نے ناگزیر سوا دھلتا، دچاروں کی آزادی اور راج ٹیک آزادی کے ہاؤں کا پوجار کیا وہ سنسار کی پتوکار کلا کے انہاس کا ایک شاندار ادھیڑ ہے۔ دیہی ویابی کوششوں سے آزادی کا جو چمکدار بیون آج ہم اپنے دیہی میں تعمیر کر رہے ہیں اس کی نیو میں شہریدوں کے ساتھ ساتھ پتروں کے بھی استہی پلجور پڑے ہوئے ہیں۔ سن 1905 سے لے کر سن 1930 عیسوی تک ہارتھ اخبار نویسی اور وطن پرست دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔

‘پيام آزادی’

سچے اُرتہ میں جو سب سے پہلا راشتریہ پتر ہمارے دیہی میں پرکاشت ہوا وہ ‘پيام آزادی’ تھا۔ یہ فروری 1857 سے دلی میں چھپنا اور شائع ہونا ہوا۔ یہ ڈاکو اور اردو دونوں ادب میں لکھو پر چھپا کرتا تھا۔ ہر اس کے پرکاشن کی کوئی صلہ شدہ تاریخیں نہ تھیں۔ کبھی سویرے چھپتا تھا تو کبھی شام کو، کبھی روز چھپتا تو کبھی ایک دن کے انتر پر۔ اس پتر کے پرکاشن کی بیچنا نانا صاحب دھند پنت کے ملقبی اور صاحبکار تھا سن 1857 کی مہاں کرائتی کے سنیوچک عظیم اللہ نے بنائی تھی۔ ستمبر سن 1857 میں چھانسی سے ‘پيام آزادی’ کا ایک مراٹھی ایڈیشن بھی پرکاشت ہوا۔ لکھا تھا۔ لیکن اس کی کول ایک ہی کاپی برٹش میوزیم میں ملتی ہے۔

سن 1854 میں عظیم اللہ پشوا نانا صاحب کے وکیل کی حیثیت سے ولایت گئے تھے۔ پر ان کا اصلی مقصد یورپ کے جن مت کو ہارتھ سوادھینا کا سمرٹھک، ہانا تھا اور روس تھا اگلی سے خاص طور پر جنگ انقلاب کے لئے ہتھیاروں اور سنیوں کی سہاینا حاصل کرنا تھا۔ اپنے اسی سفر میں عظیم اللہ نے یورپی ہتھیاروں کے کئی اخباروں کے ذریعہ ہارتھ آزادی کے سوال کو یورپی جملتا کے سامنے رکھا تھا۔ غالباً اسی سفر میں انہوں نے ‘پيام آزادی’ کے اٹھ پریس آدمی کا انتظام بھی کیا تھا۔

‘لندن ٹائمز’ کے رشیہ ہرٹیندی سرولم ہارتھ رسل سے عظیم اللہ کی پھیلت کریمیا کے لڑائی کے

شاہیہ آجظم بھادورشاہ کی یاد میں

एक दिन एक फिरंगी रंगून की सड़क पर जा रहा था. उसे मालूम था कि बाबरशाह का मजार वहीं पर है. उसे उसने एक मिट्टी का टीला समझकर "बूट" की एक ठोकर जमा दी. उस बेचारे को क्या मालूम था कि एक आजादी का पुजारी उसमें हमेशा की नींव सो रहा है.

हमारे हर दिल अजीज नेताजी सुभाष जब रंगून गये तब उस मजार की मिट्टी को उन्होंने अपने माथे पर लगाया और गद्दी बहादुरशाह की कब्र पर बिपटकर अक्रीदत (भक्ति) के आँसू चढ़ाये. बहुत देर तक वे आँसू बहाते रहे, हाँ, बहादुर हमेशा बहादुर की इज्जत करता है! भारत के हिन्दू मुसलमान भाइयों को बहादुरशाह की बहादुरी पर नाज (गर्व) होना चाहिये.

हिन्दू मुसलमान एकता जिन्दाबाद!
शाहीदे आजम बहादुरशाह जिन्दाबाद!

شهید اعظم بہادر شاہ کی یاد میں

ایک دن ایک فرنگی رنگون کی سڑک پر جا رہا تھا. اسے معلوم نہ تھا کہ بادشاہ کا مزار وہیں پر ہے. اسے اس نے ایک مٹی کا ٹیلا سمجھ کر "بوت" کی ایک ٹھوکر جمانی. اس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ ایک آزادی کا بھاری اس میں ہمیشہ کی نہاد سو رہا ہے.

ہمارے ہر دلہیز نہتا جی سوباش جب رنگون گئے تب اس مزار کی مٹی کو انہوں نے ماتھے پر لگایا اور شہید بہادرشاہ کی قبر پر اہٹ کر عقودت (بھکتی) کے آنسو چڑھائے. بہت دیر تک وہ آنسو بہاتے رہے. ہاں، بہادر ہمیشہ بہادر کی عزت کرتا ہے! بھارت کے ہندو مسلمان بھائیوں کو بہادر شاہ کی بہادری پر ناز (گرو) ہونا چاہئے.

ہندو مسلم ایکتا زندہ باں!
شہید اعظم بہادرشاہ زندہ باں!

۱۷۵۷ کا देशभक्त अखबार 'पयामे आजादी'

विश्वम्भरनाथ पांडे

भारत की आजादी की लड़ाई के लम्बे दौर में भारतीय समाचार पत्रों, खासकर देशी भाषाओं के समाचार पत्रों का सहयोग उतना ही शानदार है जितना कि उसके लिये आत्मबलि देने वाले शहीदों का। आजादी के इतिहास के पन्नों में उनके सहयोग का जिक्र अकसर किया नहीं जाता. सच तो यह है कि आजादी की शानदार इमारत की नींव में शहीदों के साथ अनेक शहीद पत्रकारों की भी हड्डियाँ पकी हुई हैं. १८५७ के ऐसे एक बहादुर अखबार के बलिदान की अमर कहानी यहाँ दी जा रही है, जबकि अनेक शहीदों की यादगारें जहाँ तहाँ खड़ी की जा रही हैं तब क्या इस साथी पत्रकार की कोई यादगार खड़ी नहीं की जा सकती?

1857 का देशभक्त अखबार 'पयामे آزادی'

دشمبر نانہ پانڈے

بھارت کی آزادی کی لڑائی کے لمبے دور میں ہمارے سماچار پتروں، خاص کر دیشی بھاشاؤں کے سماچار پتروں کا سہوگ اتنا ہی شاندار ہے جتنا کہ اس کے لئے آتم بلی دینے والے سہودوں کا آزادی کے انہوں کے ہاتھوں میں ان کے سہوگ کا ذکر انہوں نے کیا. سچ تو یہ ہے کہ آزادی کی شاندار عمارت کی نڈو میں سہودوں کے ساتھ انہوں نے سہود پتروں کی بھی ہڈیاں پڑی. 1857 کے ایسے ایک بہادر اخبار کے بلیدان کی امر کہانی یہاں دی جا رہی ہے. جب کہ انہوں نے سہودوں کی یادگاریں جہاں جہاں تھیں ان کی جا رہی ہیں تب کیا اس سانہی پتروں کی کوئی یادگار کوئی نہیں کی جا سکتی!

शाह के खयालों से खूब वाकिफ थे। बहादुर शाह ने चारों तरफ़ करमान भेजे, वे लोग अपने घतन की इच्छत ब आवश्यक बचाने के लिये तलवार की धार पर चलने का भी तैयार थे। “बाड़े जान ही चली जाय मगर आन नहीं” यही उनका वसूल था। उन लोगों की जद्दोजिद्द से ही सिपाहियों की आजादी की लड़ाई शुरू हो गयी ! फिरंगियों की नज़र में यह “रादर” था “म्यूटिनी” थी ! मगर अजादी के मतवालों के लिये यह “जंगे आजादी” का पहला क़दम था। इसने हिन्दुस्तान की तबारीख़ को और भी रौशन कर दिया था ! फिरंगियों के साथ लड़ाई होने लगी। लेकिन हुआ क्या ? “घर का भेदी लंका ढावे” वाली मसल सच निकली ! बादशाह का समधी इलाही बख़्श फिरंगियों से मिल गया। उनकी चालों से बादशाह तंग आ चुके थे और आखिर हुमायूँ के मक़बरे में गिरफ़्तार कर लिये गये।

उनकी गिरफ्तारी के बाद हडसन ने बादशाह के बेटों को गोली मार दी.

बादशाह के बेटों के सिर एक तश्त में रख कर हडसन उन्हें बादशाह के सामने ले गया और कहा—“बादशाह खलामत की खिदमत में कम्पनी की आर से यह नजर पेश है !” उस जालिम ने ढंके सिरों पर से कपड़ा हटा दिया ! बादशाह ने मुँह फेर कर कहा—“अलहम्दोलिल्लाह ! (ईश्वर महान हैं) तैमूर की औलाद इसी तरह सुखरू (प्रतिष्ठित) होकर अपने बाप के सामने आया करती थी !”

देश के दुश्मनों ने कहा—

“दमदमों में दम नहीं अर खँर माँगो जान की।

ऐ ज़फ़र ठंडी हुई शमगीर हिन्दुस्तान की !

बादशाह ने जवाब दिया—

“गाज़ियों में बू रहेगी जब तलक ईमान की,

तख़्ते लन्दन तक चलेगी, तेग़ हिन्दुस्तान की !”

बादशाह गिरफ्तार हुए और रंगून भेजे गये, वहाँ उन पर जो कुछ बीती वह बयान से बाहर है। उनकी हालत पर पत्थर भी रां देगा, उनको दाने-दाने के लिये तरसना पड़ा ! रंगून में बादशाह में एक बड़ा तमाय्युर (परिवर्तन) हुआ, तब का एक शेर सुनिये—

“पैसे मर्ग मेरे मज़ार पर जो दिया किस्म ने जला दिया,

उसे आह दामन बाद ने सरे शाम से ही बुझा दिया.

मेरी आँख झपकी थी एक पल, तभी दिख ने कहा कहीं उठके बच।
 दिले बेज़ारार ने आनकर मुझे चुटकी लेके भगा दिया,
 पसे मर्ग कज वै ऐ 'जुफर' पदे फतिहा कोई आनकर
 वो जो दूडी कज का था निशॉ उसे ठोकरों से मिटा दिया

شاہ کے بھائیوں سے خوب واقف تھے۔ بہادر شاہ نے چاروں طرف فرما دیا۔ وہ لوگ اپنے وطن کی عزت و آبرو بچانے کے لئے تلوار کی کھات پر چلے کو رہے تھے۔ چاہے جان ہی چلی جائے مگر اُن نہیں، یہیں اُن کا اصول تھا۔ اُن لوگوں کی جذبہ جہد سے ہی سپاہیوں کی آزادی کی لڑائی شروع ہو گئی! فرنگیوں کی نظر میں یہ ”غدر“ تھا، ”مہمندی“ نہیں! مگر آزادی کے متوالوں کے لئے یہ ”جنگ آزادی کا“ پہلا قدم تھا۔ اِس نے ہندوستان کی تاریخ کو اور بھی روشن کر دیا تھا! فرنگیوں کے ساتھ لڑائی ہونے لگی۔ لیکن ہوا کیا؟ ”مگر کا بھیدی لنگا دیا“ والی مثل سچ نکلی! بہادر شاہ کا سمدھی الہی بخش فرنگیوں سے مل گیا۔ اُن کی چالوں سے بہادر شاہ تنگ آچکے تھے اور آخر ہمایوں کے مقبرہ میں گرفتار کر لئے گئے۔

اُن کی گرفتاری کے بعد حسن نے بادشاہ کے بھتیوں کو گولی مار دی۔ بادشاہ کے بھتیوں کے سر ایک طشت میں رکھ کر حسن انہیں بادشاہ کے سامنے لے گیا اور کہا—”بادشاہ سلامت کی خدمت میں کہانی کی اور سے یہ نذر پیش ہے!“ اُس ظالم نے قہقہے سروں پر سے اُڑا ہٹا دیا ! بادشاہ نے منہ بھر کر کہا—”الحمد للہ !“

(”ابشور مہان ہے“) تہمور کی اولاد! اسی طرح سرخرو (پر آشفتہ) ہو کر اپنے باپ کے سامنے آیا کرتی تھی!

”دسموں میں دم نہیں اب خیر، منگو جان کی !
لو ظفر تھلکتی ہوئی شمشیر ہندستان کی !“

بادشاہ نے جواب دیا —

دیش کے دشمنوں نے کہا—

”عازبوں میں یہ رہیگی جب فلک ابدان کی“

تخت لندن تک چای کی پیغ ہندستان کی!

بادشاہ گرفتار ہوئے اور رنگین بیوی کے لئے وہاں اُن پر جو
اچھوتی رہی وہاں سے باہر ہے۔ اُن کی حالت پر پتھر بھی
رہ گیا۔ اُن کو دالے دالے کے لئے لٹا دیا اور رنگین میں
بادشاہ میں ایک ہوا تھوڑا (پروردگار) ہوا۔ تب کا ایک شعر
—

بس مرگ میرے مزار پر جو دیا کسو نے جلا دیا،

اے آہ دامنِ ہاں نے سرِ شام سے ہی بچھا دیا۔

میری آنکھ چاہی تھی ایک پل، تبھی دل لے کہا

کہیں آتے تھے چلے

دل بے قرار ہے اُن کو مجھ سے چٹکی لے کے جگا دیا۔

پس مرگ قبر پہ اے 'ظفر' پڑھے فاتحہ کہنی اُن کر۔

وہ جو توبہی قبر کا تھا اسی سے تھوکروں سے متا دیا۔

بھادورشاہ بھارے نام بادشاہ ہے۔ اپنی جیندگی کی شروعات میں ہی وہ رنجوسم کے شکار ہو چکے تھے۔ ان کے والد (پتا) بھی ان سے ناراض تھے۔ وہ اپنے دوسرے فرزند (پتر) کو راجدئی دینا چاہتے تھے۔ اس لئے بھادورشاہ کو گھر سے اخراج کر دیا گیا۔ وہ "کن و حکمت" (کلاکاری) کے کھڑے تھے۔ وہ عطاہر جی کے شاگرد تھے۔ بھادورشاہ کی شاہی میں نیچی مہجوریوں کی جھلک دیکھ پڑتی ہے۔

‘میری آواز بند ہی جب تھلک،
وہ نجر میں نرے-بملاں تھا،
کھلی آواز تو بے خبر رہی،
کی وہ خواب یا کی خیال تھا،
میرے دل میں تھا کی کھڑے گا،
جو یہ دل پہ رنجو-ملاں ہے،
وہ جب آ گیا میرے سامنے،
ن تو رنج یا ن ملاں تھا۔

بھادورشاہ کی بے بسی کے دنوں میں ان کی بیگم زینت محل میں رہتی تھیں۔ بیگم سیاست کی گہلی ٹھیک ٹھیک سلجھاتی تھیں۔ اس لئے انگریزوں سے خبردار تھے۔ بیگم زینت محل میں نے اپنے پیارے بادشاہ کے لئے اپنے عیش و آرام کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھادورشاہ کے ساتھ انقلاب میں کود پڑی اور جیل میں قید رہ کر آخری دم تک بھادورشاہ کے ساتھ مصروف رہیں۔

بھادورشاہ نے اپنے پیارے بادشاہ کے لئے اپنے پیر-ب-آرام کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھادورشاہ کے ساتھ جیل میں قید رہ کر آخری دم تک بھادورشاہ کے ساتھ مصروف رہیں۔

بھادورشاہ کا بھٹا جواں بخت تھا، جو انگریزوں کی چال بازی اور مکاری سے خوب واقف تھا۔ اس لئے انگریزوں سے اسے جاملے تھے۔ اس لئے اسے ولی عہد ماننے سے انہیں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ کے اہل بیت کے دو چیرا تھے۔ ایک جواں بخت تھا اور دوسرا جینت-مہل! جینت-مہل بھادورشاہ کی جیندگی میں جگمگاتا نور بن کر چمکیں۔ جواں بخت ان کی جیندگی کا ارمان تھا۔ وہ تھے بڑے نام کے بادشاہ۔ ان کو کوئی آزادی نہ دی گئی۔ انگریزوں کی یہ کڑوت بھادورشاہ کی خود داری کے لئے ایک چیلنج تھی۔ لڑے ایلن ہروگورنر جیلر ہوا اس نے بادشاہ کو قید اور ان کے جیلر دن میں نذر دینے کی جو رسم تھی اسے بند کر دیا۔ بادشاہ کی حالت بڑی دردناک تھی۔

بھادورشاہ بڑے نام بادشاہ تھے۔ اپنی زندگی کی شروعات میں ہی وہ رنجوسم کے شکار ہو چکے تھے۔ ان کے والد (پتا) بھی ان سے ناراض تھے۔ وہ اپنے دوسرے فرزند (پتر) کو راجدئی دینا چاہتے تھے۔ اس لئے بھادورشاہ کو گھر سے اخراج کر دیا گیا۔ وہ "کن و حکمت" (کلاکاری) کے کھڑے تھے۔ وہ عطاہر جی کے شاگرد تھے۔ بھادورشاہ کی شاہی میں نیچی مہجوریوں کی جھلک دیکھ پڑتی ہے۔

‘میری آواز بند ہی جب تھلک،
وہ نجر میں نور جمال تھا۔
کھلی آواز تو نہ خبر رہی،
کہ وہ خواب تھا کہ خیال تھا۔
میرے دل میں تھا کہ کھڑے گا،
جو یہ دل پہ رنج و ملال ہے۔
وہ جب آ گیا میرے سامنے،
نہ تو رنج تھا نہ ملال تھا۔

بھادورشاہ کی بے بسی کے دنوں میں ان کی بیگم زینت محل میں رہتی تھیں۔ بیگم سیاست کی گہلی ٹھیک ٹھیک سلجھاتی تھیں۔ اس لئے انگریزوں سے خبردار تھے۔ بیگم زینت محل میں نے اپنے پیارے بادشاہ کے لئے اپنے عیش و آرام کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھادورشاہ کے ساتھ انقلاب میں کود پڑی اور جیل میں قید رہ کر آخری دم تک بھادورشاہ کے ساتھ مصروف رہیں۔

بھادورشاہ کا بھٹا جواں بخت تھا جو انگریزوں کی چال بازی اور مکاری سے خوب واقف تھا۔ اس لئے انگریزوں سے اسے جاملے تھے۔ اس لئے اسے ولی عہد ماننے سے انہیں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ کے اہل بیت کے دو چیرا تھے۔ ایک جواں بخت تھا اور دوسرا جینت-مہل! جینت-مہل بھادورشاہ کی جیندگی میں جگمگاتا نور بن کر چمکیں۔ جواں بخت ان کی جیندگی کا ارمان تھا۔ وہ تھے بڑے نام کے بادشاہ۔ ان کو کوئی آزادی نہ دی گئی۔ انگریزوں کی یہ کڑوت بھادورشاہ کی خود داری کے لئے ایک چیلنج تھی۔ لڑے ایلن ہروگورنر جیلر ہوا اس نے بادشاہ کو قید اور ان کے جیلر دن میں نذر دینے کی جو رسم تھی اسے بند کر دیا۔ بادشاہ کی حالت بڑی دردناک تھی۔

‘اڑا کر اٹھانے مصر لے رہا،
کیا صاف اس قدر تلکا نہ پایا۔

اب تک فرنگیوں کا پیر خوب جم چکا تھا۔ لہذا ان کے برابر واحد ملی شاہ کا تصف جہن لہ گیا! جہانسی کا حق ٹھکر لیا گیا! اب بھارت پھر سے جاگ اٹھا! اننا صاحب کی پوٹھی ہاتھ ہو چکی تھی۔ وہ بھادور

بھادورشاہ کی بے بسی کے دنوں میں ان کی بیگم زینت محل میں رہتی تھیں۔ بیگم سیاست کی گہلی ٹھیک ٹھیک سلجھاتی تھیں۔ اس لئے انگریزوں سے خبردار تھے۔ بیگم زینت محل میں نے اپنے پیارے بادشاہ کے لئے اپنے عیش و آرام کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھادورشاہ کے ساتھ انقلاب میں کود پڑی اور جیل میں قید رہ کر آخری دم تک بھادورشاہ کے ساتھ مصروف رہیں۔

اب تک فرنگیوں کا پیر خوب جم چکا تھا۔ لہذا ان کے برابر واحد ملی شاہ کا تصف جہن لہ گیا! جہانسی کا حق ٹھکر لیا گیا! اب بھارت پھر سے جاگ اٹھا! اننا صاحب کی پوٹھی ہاتھ ہو چکی تھی۔ وہ بھادور

میں کبھی کو پیٹ کا بومک ہوں،
میں فکرت کے دھل کا گیار ہوں۔
وہ ہنسی کے دن وہ خوشی کے دن،
گئے 'ہسرتے' باقی رہ گئی،
کبھی یاد آئے-ناج با،
مگر اب میں اس کا آثار ہوں۔

میں کبھی کو پیٹ کا بومک ہوں،
میں فکرت کے دھل کا گیار ہوں۔
وہ ہنسی کے دن وہ خوشی کے دن،
گئے حسرتیں باقی رہ گئی۔
کبھی یاد آئے جام ناز تھا،
مگر اب میں اس کا آثار ہوں۔

اگر کوئی سچا شاعر شاعرانہ دل لے کے بہادر شاہ کے سوار کے پاس ٹہلتا ہو تو وہاں کی سرد ہوا میں یہی آواز سنائی دے گی! معمولی شاعر کو اپنی حیثیت خوب معلوم ہے پر بہادر شاہ بادشاہ تھے۔ بہادر اکبر اور اورنگزیب کے تخت و تاج کو روشن کرنے والے تھے۔ ان جیسے بادشاہ کو معمولی انسان سے بھی زیادہ تکلیف دہ زندگی بسر کرنا پڑی ہو، تو اس کا اندازہ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔

اگر کوئی سچا شاعر شاعرانہ دل لے کے بہادر شاہ کے سوار کے پاس ٹہلتا ہو تو وہاں کی سرد ہوا میں یہی آواز سنائی دے گی! معمولی شاعر کو اپنی حیثیت خوب معلوم ہے پر بہادر شاہ بادشاہ تھے۔ بہادر اکبر اور اورنگزیب کے تخت و تاج کو روشن کرنے والے تھے۔ ان جیسے بادشاہ کو معمولی انسان سے بھی زیادہ تکلیف دہ زندگی بسر کرنا پڑی ہو، تو اس کا اندازہ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔

چاراگر ہر ن صبح میرے جیگر کے ناسور،
اک گار بند کیا دھرا رोजن نکلا۔

چارہ گر ہر نہ سکے میرے جگر کا ناسور،
ایک گم بند کیا دھرا روزن نکلا۔

بہادر شاہ کو 72 سال کی عمر میں "راجگدی" ملی۔ وہ بھی کیسی؟ اکبر شاہ کے زمانے میں ہی کمپنی نے ان کے ہاکو-ہاکو (اधिकार) کو ختم لیا، جن کا "سامکوت" کمپنی کے ہاکو-ہاکو نے بادشاہ شاہجہاں سے کیا تھا۔ اکبر شاہ نے پیرامی کے واسطے راجا رام موہن رائے کو وکیل بنا کر انگلستان بھجوا دیا۔ وہیں راجہ صاحب کا انتقال ہو گیا، تو معاملہ جیوں کا نہیں رہ گیا۔ اکبر شاہ کی شکست (ہار) ہو چکی تھی، اب انگریزوں نے اور بھی ظلم شروع کئے۔

بہادر شاہ کو 72 سال کی عمر میں "راجگدی" ملی۔ وہ بھی کیسی؟ اکبر کے زمانے میں ہی کمپنی نے ان کے حق و حقوق (ادھیکار) کو چھین لیا جن کا "سمجھوتہ" کمپنی کے حاکموں نے بادشاہ شاہ عالم سے کیا تھا۔ اکبر شاہ نے پیرامی کے واسطے راجا رام موہن رائے کو وکیل بنا کر انگلستان بھجوا دیا۔ وہیں راجہ صاحب کا انتقال ہو گیا، تو معاملہ جیوں کا نہیں رہ گیا۔ اکبر شاہ کی شکست (ہار) ہو چکی تھی، اب انگریزوں نے اور بھی ظلم شروع کئے۔

جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے، تب بھی فرنگیوں کا رویہ جاری رہا۔ خاص موقع پر جو تحفہ (پریزٹ) نذر کی طور پر بادشاہ کو دینے جاتے تھے، موقوف (ہند) ہو چکے تھے۔ جب چارلس میٹنگ ریپریزٹ ہوئے تو اس نے سلام کر رکھ کر سب ختم کر دیا۔ منزل سلطنت کے زوال (کرنٹی) کے دن نزدیک آگئے تھے۔

جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے، تب بھی فرنگیوں کا رویہ جاری رہا۔ خاص موقع پر جو تحفہ (پریزٹ) نذر کی طور پر بادشاہ کو دینے جاتے تھے، موقوف (ہند) ہو چکے تھے۔ جب چارلس میٹنگ ریپریزٹ ہوئے تو اس نے سلام کر رکھ کر سب ختم کر دیا۔ منزل سلطنت کے زوال (کرنٹی) کے دن نزدیک آگئے تھے۔

فرنگیوں نے جو ہرزائی کی تھی اسے بہادر شاہ جیسے آزادی کے متوالہ کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ ان کی عمر زیادہ ہو چکی تھی۔ بڑھاپے کے حال میں بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری۔

فرنگیوں نے جو ہرزائی کی تھی اسے بہادر شاہ جیسے آزادی کے متوالہ کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ ان کی عمر زیادہ ہو چکی تھی۔ بڑھاپے کے حال میں بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری۔

سلیفے تو سہی—

سلیفے تو سہی—

یوں ہی تباہیت اپنی ہویں ہر لگی ہوئی،
مکھی کی جیسے تاک مگس پر لگی ہوئی،
آجیاد کب کرے ہمیں صیاد دیکھئے،
رہتی ہے آجیاد کدے-کدے پر لگی ہوئی۔

یوں ہی تباہیت اپنی ہویں ہر لگی ہوئی،
مکھی کی جیسے تاک مگس پر لگی ہوئی،
آجیاد کب کرے ہمیں صیاد دیکھئے،
رہتی ہے آجیاد کدے-کدے پر لگی ہوئی۔

شुभाक्ष दिव्स में मी माँसी की रानी से लेकर भगत सिंह, राजगुरु, सुखदेव, आदि शाहीदों ने जंगे आजादी का पेलान किया. हमारे सामने शाहीदों में कोई फर्क नहीं है. सबों का मकसद आजादी था !

बहादुरशाह भी आजादी के लिये काम आए. वे सल्तनते मुगलिया के आखिरी चिराग थे. वे बादशाह होते हुए भी बतन-परस्ती (देश-भक्ति) के शायर थे. उनकी शायरी में जोश था. जज्बाती लहरें (भावना की तरंगें) उमड़ उठती थीं. बहादुरशाह के बारे में जानना हरेक का फर्ज है.

बहादुरशाह 'उर्दू' के एक ऊँचे शायर थे. उन्होंने 'जफर' के तखल्लुस (उनाम) से शेरों शायरी की. सब से ज्यादा भारत की आजादी को कायम रखने के लिये उन्होंने जो कुरबानी की थी वह हमेशा ज़िन्दा-जावेद (सदैव के लिये) रहेगी.

बहादुरशाह की शायरी में गहरे जज्बात थे और ज़िन्दाविली थी. असल में उनके जमाने तक उर्दू अदब (साहित्य) का रवैया इश्क-हकीकती या "मजाजी" के नाम पर ही बहुत कुछ गुलो बलबुल तक मश्रूर (सीमित) था. दीगर (अन्य) शायरों की तरह उन्हें भी "उर्दू शायरी" में रबीफ काफिये की तंगी में ज्यादा मजा आता था. उन्होंने 'जफर' के नाम से बहुत कुछ लिखा है. आजादी के लिये उन्हें जो तकलीफ उठानी पड़ी उन्हें सुनकर पत्थर का कलेजा भी दो बूँद आँसू गिरा देगा.

अब उनका कलाम सुनिये—

"न पूछ मुझसे 'जफर' त मेरा हकीकते हाल,
अगर कहूँगा अभी तुमको मैं उला दूँगा."

जफर ने अपनी हकीकत (वास्तविकता) को साफ़ तौर से बयान किया है. फिर भी तवारीख़ (इतिहास) ने भी उनकी ज़िन्दगी की दर्दनाक-हालत पर आँसू की बूँदें बहायी हैं—

"जो खिज़ाँ हुई वो बहार है.
जो उतर गया वो ख़ुमार है,
जो बिगाड़ गया वह नसीब है,
जो रुक गया वो क्षिगार है.
मेरा हाल काबिले-दीद है,
कि न आस है न उमीद है,
मेरी घुट के हसरते रह गयी,
मैं उन हसरतों का मज़ार हूँ.
मैं कहाँ रहूँ, मैं कहाँ बसूँ,
न ये मुझसे. बस न वो मुझसे. बस,

شمال ہند میں بھی جہانسی کی رائی سے لہر بہکت
سنگم، راج گرو، سکھو، آدمی شہیدوں نے جنگ آزادی کا اعلان
کیا. ہمارے سامنے شہیدوں میں کوئی فرق نہیں ہے. سبوں کا
مقصد آزادی تھا !

بہادر شاہ بھی آزادی کے لئے کام آئے. وہ سلطنت مغلیہ
کے آخری چراغ تھے. وہ بادشاہ ہوتے ہوئے بھی وطن پرستی
(دیش بھکتی) کے شاعر تھے. ان کی شاعری میں جوش
تھا. جذباتی لہروں (بھانوں کی ترنگوں) اُتر اُٹھتی تھیں.
آبہادر شاہ کے بارے میں جاننا ہر ایک کا فرغ ہے.

بہادر شاہ 'اردو' کے دلچسپ شاعر تھے. انہوں نے "ظفر"
کے تخلص (آپ نام) سے شعر و شاعری کی. سب سے زیادہ
بہارت کی آزادی کو قائم رکھنے کے لئے انہوں نے جو قربانی کی
نہی وہ ہمیشہ زندہ جاوید (سدا کے لئے) رہیگی.

بہادر شاہ کی شاعری میں گہرے جذبات اور زندہ دلی تھی.
اصل میں ان کے زمانے تک اردو ادب (ساعتیہ) کا رویہ "عشق حقیقی"
یا "مجازی" کے نام پر ہی سہی بہت کچھ گل و بلبل تک ہی
محدود (سمت) تھا. دیگر (انور) شاعروں کی طرح انہیں
بھی "اردو شاعری" میں ردیف-تائید کی تلکی میں زیادہ مزا
آتا تھا. انہوں نے "ظفر" کے نام سے بہت کچھ لکھا ہے. آزادی
کے لئے انہیں جو تکلیفیں اُٹھانی پڑیں سن کر پتھر کا کلیجہ
بھی دو ہونٹ آنسو گرا دیگا.

اب ان کا کلام سنئیے—

"نہ پوچھ مجھ سے 'ظفر' تو میرا حقیقت حال,
اگر کہوں گا ابھی تجھ کو میں رولا دوں گا."

ظفر نے اپنی حقیقت (واستحکات) کو صاف طور سے بیان
کیا ہے. یہ بھی تواریخ (انہاس) نے بھی ان کی زندگی کی
دردناک حالت پر آنسو کی ہونٹیں بہانوں ہیں—

جو خزاں ہوئی وہ بہار ہوں
جو اُتر گیا وہ خمار ہوں.
جو بکڑ گیا وہ نصیب ہوں
جو اُچڑ گیا وہ سنگار ہوں.
میرا حال قابل دید ہے
کہ نہ آس ہے نہ اُمید ہے.
مہرِ محبت کے حشرتوں رہ گئیں
میں ان جسرتوں کا مزار ہوں.
میں کہاں رہوں، میں کہاں بسوں
نہ یہ مجھ سے. نہ وہ مجھ سے. خوشی.

ہم تو اپنی اچلتاؤں میں مگن ہیں
تم فلسفی غبارے آراتے رہو
پھر نہ کہنا جو یہ "ایٹمی شہدا" 8
خود تمہارا نشیمن 9 چلے لے !

ہم تو ایک صبح ہیں صبح امن و امان،
 اپنا پیغام ہے ”روشنی، روشنی۔“
 اے اندھوں، اُجالہ میں آجاؤ اب،
 ہمارے ہاں در 10 جگہ گائے لے!

[نوٹ:— 1857 کے سول فترا سلگرام کے شائدی مہر پر
لال نالے میں ہونے مشاعرے میں یہ نظام 16 اگست 1957 کو
پڑھی گئی۔]

شہید اعظم بہادر شاہ کی یاں میں

شری قی. راجن

جو وطن کی آزادی یا مذہب کے لئے مر مکتا ہے وہ شہید ہے۔ آزادی کے لئے قربانی کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی "دیش بھکت" ہندوستان کی آزادی کے لئے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں قربان ہو چکے ہیں۔ دراصل ہماری آزادی کی "اسر کہانی" شہیدوں کے خون سے لکھی گئی ہے۔ کنیا کماری سے ہمالیہ تک نئی وطن پرست دیش بھکت بھارت کی آزادی کی لڑائی میں کون پڑے۔ کنیا کماری دھن میں ہے۔ اس لئے پہلے اُس کا نام لیا ہے، دھن میں ہی پہلے بھل سنٹوں کے یریم دھرم نے جنم لیا اور آخر تک شلکر، رامانج، مدھوا چاریہ، دیشور اور شہو دھرم کے سنٹوں نے اپنی اشرت بانی سنائی۔ آخر میں بھی نئی سنت، لوگ پیدا ہوئے۔

آزادی کی لڑائی میں بھی انہیں کبھی ہلچل نہیں دھا۔
 نمرن راجا اسے منگ ویر چیمبرم و۔ و۔ آر، حیدر، ٹیڈ،
 ٹریوٹ کنون جیسے شہیدوں نے ہمیشہ کے لئے آزادی کی اس
 جہنمی جگتی تھی۔

1. نمر = پرکاش، 2. نکبت = سوگند، 3. بزم = سبھا،
4. شعبہ = دھپ، مہربانی، 5. گل نشاں = پھول کا گھنٹا،
6. مستقل = استعفیٰ، 7. مشغلہ = کام کام، 8. شعبدا =
جانور کا کھیل، 9. نشہ من = گھونسا، 10. ہام و در = کوفہ
پر دروازہ۔

चिरागों के सिलसिले (अंग्रेजों से खिताब)

श्री सलाम मखलीशहरी

नूर-ओ-नकह्तर की खातिर जो कुरबाँ हुए,
जिनको तुमने यह समझा ठिकाने लगे,
फूल बनकर वही मुस्कराने लगे,
चाँद बनकर वही जगमगाने लगे.

बात उलझी सी है, मैं दिवाना जो हूँ,
लैर, अब तुम जरा यह बताओ मुझे
क्या कहेंगे उसे जो बुझे दीप से,
बज्र की ताजा शमये जलाने लगे ?

तुमने भारत से ताजे जफ़र ले लिया,
हमको भारत ने गान्धी जवाहर दिया.
तुमने इस लाल किले में शोले भरे,
परचमे गुलफिशों हम उड़ाने लगे.

तुमने माँसी की रानी का सर ले लिया,
देश की गोद में नायडू आ गईं.
तुमने इस शहर दिल्ली को वीरां किया,
जन्नते हर तरफ हम सजाने लगे.

बूँ बुझे दीप से दीप जलते रहे,
और हम मुस्तकिल रंशनी बन गए.
फिर भी पिछले अंधेरे सबी बाद भी—
भाज क्या जाने क्यों याद आने लगे ?

बात यह है कि हम अहले हिन्दास्ताँ,
एक आदर्श रखते हैं तहजीब का.
हम तो उस दम भी तुम से गले ही मिले,
जब यहाँ से, हुजूर ! आप जाने लगे.

परे, इतना तो बतलाओ ये दोस्तो !
भाजकल क्या मरामाले हैं, क्या हाल है ?
फोई कदुला या तुम छिप के बरदे में फिर,
अपने हिन्द पर गुल खिलाने लगे.

चिरागों के सिलसिले (अंग्रेजों से खिताब)

शरी सलाम मखलीशहरी

नूर و نهکت 2 کی خاطر جو قربان ہوئے،
جن کو تم نے یہ سمجھا ٹھکانے لگے .
پھول بن کر وہی مسکرائے لگے—
چاند بن کر وہی جگمگائے لگے !

بات اُلجھی سی ہے، میں دیوانہ جو ہوں،
خیر، اب تم ذرا یہ بتاؤ مجھے .
کیا کہو گے اُسے جو بجھے دیپ سے،
بزم 3 کی نازہ شمعیں 4 جلائے لگے !

تم نے بھارت سے تازہ ظفر لے لیا،
ہم کو بھارت نے گاندھی جواہر دیا .
تم نے اِس لال قلعے میں شولے بھرے .
پرچم گل نشانی 5 ہم اُڑائے لگے !

تم نے جھانسی کی رانی کا سر لے لیا،
دیش کی گود میں نائیڈو آگئیں !
تم نے اِس شہر دلی کو ویراں کیا .
جنتیں ہر طرف ہم سجائے لگے !

ہیں بجھے دیپ سے دیپ جلتے رہے،
اور ہم مستقل 9 روشنی بن گئے !
پھر ہی پچھلے اندھیرے صدی بعد ہی .
آج کیا جائے کہیں یاں آئے لگے !

بات یہ ہے کہ ہم اہل ہندستان،
ایک آدرش رکھتے ہیں تہذیب کا .
ہم تو اِس دم بھی تم سے گلے ہی ملے،
جب یہاں سے حضور ! آپ جانے لگے !

خیر، اتنا تو بتاؤ اُسے دوستو !
آجکل کیا مشغلے 7 ہیں، کیا حال ہے ؟
کوئی کہتا تھا تم چپ کے پردے میں بھرے،
سرحدوں پر گل کھلائے لگے !

انسان کی زندگی بھی نئی ہے۔ قسمت تک تو کسی کو جینا نہیں۔ پھر وچن کی مدت قیامت تک کہیں؟

جہوں ہی میں اُس کو وہ سب ملنا چاہئے جو اُس کا حق اور حصہ ہے۔ پھر اُس میں دیری کہیں۔ اور سلوک کہیں ہیں؟

خالی وعیدیں ہی وعیدیں پر تو انسان جی نہیں سکتا اور نہ پرہیزار ہی پال سکتا ہے۔

یہ کہیں سا انصاف اور انسانیت ہے کہ ایک پرہیزار نے ادھار پر کھول ایک سیاسی تھائی اپنا جہوں ہلائے۔ کیا ایک اٹھا پرہیزار کو ایک اٹھا لہا جائے والا ”تباہی“ ہوتا ہے آج کے راج کے آڑے میں؟

آخر یہ ہوائی وعدے کب تک اُڑان رہتے رہیں گے اور کب تک چھوٹے وچن سے باغ دکھاتے رہیں گے؟

جن میں نہ آشاؤں کی کھل، نہ آزادی کے پھل پھولے۔

کھل کاتے ہی کاتے۔

لیکن اُس نے وہ کاتے ہی کاتے ہیں اپنے دامن میں آزادی کے لباس کی شوہا بڑھانے کے لئے۔ اور اسی لئے وہ ’خار وطن‘ ہیں اور وطن کے خار سے پدار ہوتا ہے ہر سچے دیہی بھکت کو۔

وچن کے چن کے پھول بھی اُس کے سامنے آدھک سے آدھک میں اور رنگ رنگ کے۔

دیکھتے ہیں بڑے سندر، بڑے دل کش، بڑے نثار فریب۔

مگر نہ یو نہ مہک۔

ابھتے تیز رنگت۔

لیکن وہ رنگت کب تک؟

وچن کے پھولوں کی شوخی اور اُن کی زندگی ہی کتنی؟

پانی کے کنارے کراچی کی ناہ کی عمر ہی کیا؟

نئی نئی ترکھوں اور بانوں سے عوام کو لہائے رکھنا اور وچنوں کے مہلے سہلوں میں چھائے رکھنا۔ عجیب اُنویہو ہے راجپتی کا یہ بات کتنی وچتر ہے کہ آزاد ہوتے ہوئے وچنوں کے رنگیں پھلوں میں عوام گرفتار ہیں۔ یعنی آزادی میں قید ہیں۔ پھر بھی وچن اُن دن تک نہ جتن کرتے ہی رہتے ہیں اور چٹنا کے ساتھ شطرانہ چالیں چلتے ہیں کوئی کد کسر باقی نہیں رکھ رہے۔ اِس پرکار اب تک جتن بھی جتن ہوئے اور ہو رہے ہیں اُن پر جتن بھی ماتم کیا جائے کم ہے اور جتن شوق ملایا جائے ٹھیک ہے۔

آجکال انسان کا بھی کھڑا دھڑکا ہے آزادی میں اور کھڑا رکھ ہے جندویریت میں—پر انکو اننتا کے دوسرے دھ سے کھیا باستا، اور کھوں باستا ہو ؟

فیر داہا بھی کرتے ہیں اہیسا کا۔

بچن بھی دتے ہیں سےوا کا۔

کیتنا اہجیہ تماراا ہے یھ اور کیتنا ہسیں کرےہ !

انکا داہا دھوٹا اور بچن رالت ساہیت ہو گیا۔ اس کی میناہ بھی خاتم ہو گئی۔ اس کی بھی میناہ ہوتی ہے۔ اہجکے پیمانے کو کب تک روکا جا سکتا ہے—اور کب تک ہشواسی اننتا سیااسی مھڑ اور کرےہ کا پالان کر سکتی ہے—جب کسی بھی انسان کا بچن بھبھن ہو جاتا ہے تو فیر اسکا خد کا کھیں بچن نہیں رھتا۔ اسکی جیندگی میں اور سماج میں—انسان سرحاہی اور ہشواس کے بات پر اہجک اور رھاہت پاتا ہے—انسان کی اہجک اور کرمات اس کے ٹاوس ہشواس میں ہوتی ہے۔ ہشواس خاتم ہوتے ہی وہ بھی جیسے سورج ڈھلے ہی دین خاتم ہو جاتا ہے اور انھیرا اہا جاتا ہے۔

بھت کسی کی پرہاہ نہیں کرتا۔ نہ کسی کی ترکداری کرتا ہے۔ متلہب یہ کہ بھت فیرکاہرست نہیں ہوتا۔ وہ انساہرست ہوتا ہے اور نھیاہ کرتا ہے۔ وہ اپنے اپنے اسخ-تیار سے اپنا کھسلا خد ساہیر کرتا ہے۔ اسکا کھسلا اسکا نیاہم ہڈی کی سورہ کی نوک پر رھتا ہے۔ جو بھی اسکی اہد میں آ جاتا ہے "کسےہاااد" اہن کے اہن میں پوس ڈالتا ہے۔ کس دتا ہے اہساہ کے شیکجے میں۔ وہ کسی کی رھریاہت نہیں رھتا۔ نہ کسی کی سیکارہس سہو-کار کرتا ہے—کیتنے ہمنہیوں کو اس نے اہن کا اہن میں سلا دیا ہے۔ کیتنے تاناہاہ اور نوتاہاہ کوکے پکے ہیں انکے چرہوں میں۔

بچن انسان کو گراتا بھی ہے، وٹاتا بھی ہے، بناوتا بھی ہے ہیگاڈتا بھی ہے—اپنی اہجک، اپنا ویکار، اپنی بات، اپنی ساخ کرایم رھنے کے لیے اسکا کھسلا۔ خد انسان کے اسختیار میں ہے کہ وہ اپنے لیے کھیا نیرکھ کرتا ہے ؟

کسی بھی انسان کا بھپن بھ سے بھ اہاہدے میں نہیں ہوتا۔ اور نہ اسکا بھپن بھ سے بھ ہنگلے میں رھتا ہے۔ انسان کا بھپن کھات بات کی سرحاہی، سداہار کی سندرتا اور کیردار کی مہجہوتی اور پاکیزگی میں ہوتا ہے۔ جس میں یہ گھ نہیں گھیا ہوتے ہوں بھی اور ہاری ہوتے ہوں بھی ہلکا ہے۔

آخر جلتا کا بھی کھ حصہ ہے آزادی میں اور کھ حصہ ہے جمہوریت میں—پر ان کو جلتا کے دھ سے کھیا واسطہ، اور کھوں واسطہ ہو ؟

یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں اہلسا کا۔

بچن بھی دیتے ہیں سہوا کا۔

کھتا مہجہب تماشہ ہے یہ اور کھتا ہسین فریب !
ان کا دعویٰ جب دھو کا اور بچن غلط ثابت ہو گیا۔ اس کی مہد بھی ختم ہو گئی۔ اس کی بھی مہد ہوتی ہے۔ اہجکے پیمانے کو کب تک روکا جا سکتا ہے—اور کب تک وشواس کی جلتا سہاسی جہوت اور فریب کا پالان کر سکتی ہے۔ جب کسی بھی انسان کا وچن پرورن ہو جاتا ہے تو یہ اس کا خود کا کوئی وچن نہیں رھتا اس کی زندگی میں اور سماج میں—انسان صرف سچائی اور وشواہ کے بل پر عزت اور سواہت پاتا ہے۔ انسان کی عزت اور قیمت اس کے قہرس وشواس میں ہوتی ہے۔ وشواس ختم ہوتے ہی وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جسے سورج ڈھلے ہی دن ختم ہو جاتا ہے اور اندھیرا چھا جاتا ہے۔

وقت کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ نہ کسی کی طرفداری کرنا، مطلب یہ کہ وقت فرقہ پرست نہیں ہوتا۔ وہ انصاف پرست ہوتا ہے اور نہایت کرتا ہے۔ وہ اپنے اختیار سے اپنا فیصلہ خود صادر کرتا ہے۔ اس کا فیصلہ اور اس کا نظام گھڑی کی سوئی کی نوک پر رھتا ہے۔ جو بھی اس کی زد میں آ جاتا ہے "کسے ہاااد" چہن چہن میں پوس ڈالتا ہے، اس دیتا ہے انصاف کے شیکجے میں۔ وہ کسی کی رو رعات نہیں رھتا۔ نہ کسی کی سفارہی سونکار کرتا—کھتا کھتا کھتا کو اس نے ان کی ان میں خاک میں ملا دیا ہے۔ کھتا تاناہاہ اور نہتا شاہ جھکے ہڑے میں اس کے چرہوں میں۔

وچن انسان کو کرتا بھی ہے اٹھاتا بھی ہے۔ ہلانا بھی ہے ہارنا بھی ہے—اپنی عزت، اپنا وکار، اپنی بات، اپنی سلاہ قایم رکھنے کے لیے اس کا فیصلہ خود انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنے لئے کھیا نیرکھ کرتا ہے ؟

کسی بھی انسان کا ہڑن ہڑے سے ہڑے ہڑے میں نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کا ہڑن ہڑے سے ہڑے ہڑے میں رھتا۔ انسان کا ہڑن کھول ہات کی سچائی، سداہار کی سندرتا اور کردار کی مہجہوتی اور پاکیزگی میں ہوتا ہے—جس میں یہ کن نہیں وہ ہڑا ہوتے ہوں بھی چھوٹا اور ہاری ہوتے ہوں بھی ہلکا ہے۔

کیتنے انمول موتی اور نایاب جواہر نقدری اور سامہودائے
کے دھار میں بہ گئے۔ اور کتنے کٹی ملی ذائقے دامن میں
سمٹ کاٹتے ہو گئے۔ راجہ نے وہ دھن کھپا جو قوم کی
مایہ تھا اور اُس مایہ سے ماتم دھویا جو جاگر کبھی واپس
نہیں آتی۔

دیکھتے دیکھتے اور ان ہی ان میں کتنے نکسب بدلے
ختم ہو گئے۔ کتنے پربور اٹیٹھے کی اونچی دیوار پھاند گئے۔
کتنی بے چین آفتابیں جمہوریت کے لپٹاؤنے اور رنگین جال کے
پہلوں سے نکل کر آزاد فضا میں گھل مل گئیں۔

یہ دل شکن نظارہ دیکھ کر قومی طور پر اُس ٹوٹی۔ اُس
کے ٹوٹے ہی آشاؤں کے تار بھی ٹوٹ گئے۔ اور ان تاروں سے
دھاریں پھوٹ نکلیں تیز تیز جذبات اور لال لال غصے کی۔

کہاں گئے اب وہ تھائی اور سیوک جن کے اندر سے ہمدردی کا
ایک ہوا بھی نہ ابھرا۔ اور دہمی انسانیت پر جن کی آنکھوں
سے ایک چھوٹا آنسو بھی نہ ٹپکا۔ جن کی آتما انسانیت کے
نیچے مولا لکڑی پڑی ہے اب تک۔

کہاں ہیں وہ جن سے ہوک جن کی زبانوں پر آتما اور
مہاتما کی رت دھو کا دیتی رہی ہے انسانیت کو اور انسانوں
کی اچھی تعلیمت کو—یعنی ماتم کو اور ماتم کی سند
شرعہ کو۔

آزادی کے دس درہم کم نہیں ہوتے۔ دس درہم کے کال
میں دس نہی پیڑیاں جنم لے سکتی ہیں۔ دس نئے آکااش
بھولند ہو سکتے ہیں—سماں کی لہریاں، بویاں اور پستی
یا بھولند کا نام کےवल۔ خوشحالی اور پریشانی کے
پیمانے سے ہوتی ہے۔ موسیبات اور تکرلوق کا ایک درہم تو
بہت ہوتا ہے۔ ایک دن بھی अधिक और बहुत अधिक ہوتا
ہے—وہ اسکا ایک-ایک مینٹ شتابدیاؤں کی विशालता और
गहराई अपने अन्दर रखता है लेकिन उसका वही जानते
और समझते हैं जिन पर मुसाबत के पहाड़ टूटते हैं या दुख
के दिन बीतते हैं۔

سوال یہ ہے ان تمام چیزوں کی ذمہ داری کس پر ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون دے دینے والوں پر۔

اس سبلی अपराधी कौन हैं ?

جिन्होंने आशावादियों के दिलों को खाक करके और
उनकी आशाओं की दीवारें गिराकर उन पर अपने भवन
खड़े किये۔

जिन्होंने सारीचों का हक मारकर अपने जीवन को
बहाल ही और अपने जबाई को मोटरकार की۔

جہاں نے آتما وادیاؤں کے دلوں کو خاک کر کے اور ان
کی آشاؤں کی دیواروں کو گرا کر ان پر ٹٹے ہوئے کھڑے گئے۔
جہاں نے غریبوں کا حق مار کر اپنے جہوں کو بہار دی اور اپنے
جہوں کو موٹرکار کی۔

جہاں ہیں وہ جن سے ہوک جن کی زبانوں پر آتما اور
مہاتما کی رت دھو کا دیتی رہی ہے انسانیت کو اور انسانوں
کی اچھی تعلیمت کو—یعنی ماتم کو اور ماتم کی سند
شرعہ کو۔

آزادی کے دس درہم کم نہیں ہوتے۔ دس درہم کے کال
میں دس نہی پیڑیاں جنم لے سکتی ہیں۔ دس نئے آکااش
بھولند ہو سکتے ہیں—سماں کی لہریاں، بویاں اور پستی
یا بھولند کا نام کےवल۔ خوشحالی اور پریشانی کے
پیمانے سے ہوتی ہے۔ موسیبات اور تکرلوق کا ایک درہم تو
بہت ہوتا ہے۔ ایک دن بھی अधिक और बहुत अधिक ہوتا
ہے—وہ اسکا ایک-ایک مینٹ شتابدیاؤں کی विशालता और
गहराई अपने अन्दर रखता है लेकिन उसका वही जानते
और समझते हैं जिन पर मुसाबत के पहाड़ टूटते हैं या दुख
के दिन बीतते हैं۔

سوال یہ ہے ان تمام چیزوں کی ذمہ داری کس پر ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون دے دینے والوں پر۔

اس سبلی अपराधी कौन हैं ?

जिन्होंने आशावादियों के दिलों को खाक करके और
उनकी आशाओं की दीवारें गिराकर उन पर अपने भवन
खड़े किये۔

जिन्होंने सारीचों का हक मारकर अपने जीवन को
बहाल ही और अपने जबाई को मोटरकार की۔

سوال یہ ہے ان تمام چیزوں کی ذمہ داری کس پر ہے ؟

ان کی ذمہ داری کون دے دینے والوں پر۔

اس سبلی अपराधी कौन हैं ?

जिन्होंने आशावादियों के दिलों को खाक करके और
उनकी आशाओं की दीवारें गिराकर उन पर अपने भवन
खड़े किये۔

بھ شامیت پورجی جیون پاکر سولامی اور آجادی کا
انتر سمکھ سکتی. آجادی کی کدر کرمیت جان سکتی
اور اپنا کرمیت پھچان سکتی.

پر نیا جودا نیا جیون تو دूर की बात, आजादी
के मतवालों को फाकों की नौबत तक पहुँचा दिया
गया. कितनी पुरानी गुलामी और कितनी पुरातों की गरीब
जनता की फटी पुरानी लंगोटी तक बिक गई.

क्या यही आजादी का बरदान इन गरीब और बेजुबान
इंसानों के लिए है ?

क्या यही है जमहूरियत का न्याय दलित बहुमत
के लिये ?

यह गरीब दुखी वह लोग हैं जो अपनों के बच्चों पर
भरोसा किये और "सन्तोष की सिल" छाती पर रखे वर्षों
से खामोश बैठे रहे हैं और ताकते रहे हैं आने वाले अच्छे
दिनों की ओर.

लेकिन इन किसमत के मारों का दुर्भाग्य तो देखो कि
इनके अच्छे दिनों का भी रास्ते से चुरा ले गये कोई चोर.

अगर उनसे कुछ कहा जाय तो कहने वाला भी हैरान
होकर रह जाय जब "उलटा झोटे कोतवाल को चोर"

यही वह नामुराद और निराश जनता है कि आजादी
के नाम पर खुशहाली के सपने देखते देखते जिसकी आँखें
पथरा गईं. दिल बैठ गये. आशायें मर गईं, हसरतों का
खून हो गया—गोदियाँ खाली हो गईं. भोलियाँ सड़-गल
गईं. कितनों ने अपने अजीब प्यारों तक की हड्डियाँ दफन
कर दीं या खाक बनाकर उड़ा दीं.

आशा ही आशा में बेकार रहते-रहते कितने काम के
हाथ शल पड़ गये. कितने जौलानी दिमाग ठस पड़ गये.
कितनी योग्यतायें कना हो गईं और अन्दर ही
अन्दर धुल-धुल कर अपने जौहर खो बैठीं—योग्यतायें
मूल्य में बरदान होती हैं कुदरत की ओर से किसी कौमी
राज्य के लिये यह वह भारी नुकसान है जिसका बदल
कठिन—लेकिन इस महान नुकसान को केवल चिन्दा,
क्राविल, इक पसन्द और इन्साफ परवर हकूमतें ही समझती
हैं—जौहर की क्रीमत केवल जौहरी ही जानता है और उनकी
नाकदरी पर उसी का मातम और सदमा भी बजा !

नाकदरी, बेगौरी और बेपरवाही का कारण सभ्यता और
इतिहास के ज्ञानियों की हिम्मत और साहस को भी
ठस पहुँचाती है और उनकी कार्य शक्ति का उस पर प्रभाव
पड़ता है. सहजीब और कल्चर के अनमोल भन्डार और
प्राचीन संस्कृति के अनेक अनेक चित्र और खजाने दुनिया
के सामने आते-आते रह जाते हैं और दुनिया उनके लाभ
से महकम हो जाती है. अच्छी, तरक्की-पसन्द और कृपालु
हकूमतों का कर्म होता है कि वे ऐसी योग्यताओं को कदर
करें और कौमी गुण गान को सम्मान दें.

शान्ति पुरन जौन पाकर पुरी और आजादी का अन्तर
नैकी. आजादी की कदर तिमित जान सक्ती और अपना कर्मित पहेचन
नैकी.

पर निया जौदा और निया जौन तो दूर की बात, आजादी
के मतवालों को फाकों की नौबत तक पहुँचा दिया गया. कितनी पुरानी गुलामी और कितनी पुरातों की गरीब
जनता की फटी पुरानी लंगोटी तक बिक गई.

क्या यही आजादी का बरदान इन गरीब और बेजुबान
इंसानों के लिए है ?

क्या यही है जमहूरियत का न्याय दलित बहुमत
के लिये ?

यह गरीब दुखी वह लोग हैं जो अपनों के बच्चों पर
भरोसा किये और "सन्तोष की सिल" छाती पर रखे वर्षों
से खामोश बैठे रहे हैं और ताकते रहे हैं आने वाले अच्छे
दिनों की ओर.

लेकिन इन किसमत के मारों का दुर्भाग्य तो देखो कि
इनके अच्छे दिनों का भी रास्ते से चुरा ले गये कोई चोर.

अगर उनसे कुछ कहा जाय तो कहने वाला भी हैरान
होकर रह जाय जब "उलटा झोटे कोतवाल को चोर"

यही वह नामुराद और निराश जनता है कि आजादी
के नाम पर खुशहाली के सपने देखते देखते जिसकी आँखें
पथरा गईं. दिल बैठ गये. आशायें मर गईं, हसरतों का
खून हो गया—गोदियाँ खाली हो गईं. भोलियाँ सड़-गल
गईं. कितनों ने अपने अजीब प्यारों तक की हड्डियाँ दफन
कर दीं या खाक बनाकर उड़ा दीं.

आशा ही आशा में बेकार रहते-रहते कितने काम के
हाथ शल पड़ गये. कितने जौलानी दिमाग ठस पड़ गये.
कितनी योग्यतायें कना हो गईं और अन्दर ही
अन्दर धुल-धुल कर अपने जौहर खो बैठीं—योग्यतायें
मूल्य में बरदान होती हैं कुदरत की ओर से किसी कौमी
राज्य के लिये यह वह भारी नुकसान है जिसका बदल
कठिन—लेकिन इस महान नुकसान को केवल चिन्दा,
क्राविल, इक पसन्द और इन्साफ परवर हकूमतें ही समझती
हैं—जौहर की क्रीमत केवल जौहरी ही जानता है और उनकी
नाकदरी पर उसी का मातम और सदमा भी बजा !

پاک آبادی رسول کے پاس آیا اور پوچھا کہ:—
'کھا میں اپنے کُٹ کی داگو کو باؤں دے اور اٹلاہ پر
اٹلاہ کھ (خوگ دے) یا میں کُٹ کو خولا رہنے دے
اور اٹلاہ پر کُٹ دے؟' پھر اٹلاہ نے جواب دیا—
'کُٹ کی داگو کو باؤں دے اور پھر اٹلاہ پر کُٹ
دے۔'

—انس، تیرمچی.

محمد صاحب نے کہا:—'سچی آغاہی یا نی
بیتاہنی ہی دین ہے۔'

—ابو ہریرہ، تیرمچی، شامیہ، شامیہ، شامیہ،
ابوہریرہ، نساہ.

محمد صاحب نے کہا:—'اے ابوبکر! خبردار رہو تمہارے
اندر کمزوری آئے نہ پاورے۔ میں جو اپنے لئے چاہتا ہوں وہی
تمہارے لئے چاہتا ہوں۔ کبھی دو آدمیوں کے بیچ میں یہ فیصلہ
نہ کرو کہ کون اچھا ہے اور کون برا۔ اور کبھی بھیموں کے مال
پر قبضہ نہ کرو۔'

—ابوبکر، ابوبکر، نساہ.

[ڈاکٹر میرزا ابوالفضل کی انگریزی کتاب سے ترجمہ۔
—'نورک شری مجیب رضوی']

ایک آدمی رسول کے پاس آیا اور پوچھا کہ:—
میں اپنے کُٹ کی داگو کو باؤں دے اور پھر اٹلاہ پر
کُٹ دے (خوگ دے) یا میں کُٹ کو خولا رہنے دے
اور اٹلاہ پر کُٹ دے؟' پھر اٹلاہ نے جواب دیا:—
'کُٹ کی داگو کو باؤں دے اور پھر اٹلاہ پر کُٹ
دے۔'

—انس، تیرمچی.

محمد صاحب نے کہا کہ:—'سچی آغاہی یا نی
بیتاہنی ہی دین ہے۔'

—ابو ہریرہ، تیرمچی، شامیہ، شامیہ، شامیہ،
ابوہریرہ، نساہ.

محمد صاحب نے کہا:—'اے ابوبکر! خبردار رہو تمہارے
اندر کمزوری آئے نہ پاورے۔ میں جو اپنے لئے چاہتا ہوں وہی
تمہارے لئے چاہتا ہوں۔ کبھی دو آدمیوں کے بیچ میں یہ فیصلہ
نہ کرو کہ کون اچھا ہے اور کون برا۔ اور کبھی بھیموں کے مال
پر قبضہ نہ کرو۔'

—ابوبکر، ابوبکر، نساہ.

[ڈاکٹر میرزا ابوالفضل کی انگریزی کتاب سے ترجمہ۔
—'نورک شری مجیب رضوی']

بچن اور جتن

ابوہریرہ، تیرمچی، شامیہ، شامیہ، شامیہ،
ابوہریرہ، نساہ.

آجادی حاصل کرتے وقت بچن دینے والوں کا کربہ تھا
اور راج کی کرسی پر تھانے سے بچنے والوں پر لازم تھا کہ غلامی
سے رہائی اور آزادی کی پراپتی پر صدیوں کی فلم جلتا کو
آزادی کا نیا جہز پہنایا جاتا اور آزادی کے دیہک سے ان نے
اندھیرے گہروں میں اچلا لیا جاتا۔ غلام اور ترستی جلتا کو
شانتی کا پیغام دیا جاتا۔ نیا جہز لیا پر ان دیا جاتا۔ پر شک

بچن اور جتن

ابوہریرہ، تیرمچی، شامیہ، شامیہ، شامیہ،
ابوہریرہ، نساہ.

آزادی حاصل کرتے وقت بچن دینے والوں کا کربہ تھا
اور راج کی کرسی پر تھانے سے بچنے والوں پر لازم تھا کہ غلامی
سے رہائی اور آزادی کی پراپتی پر صدیوں کی فلم جلتا کو
آزادی کا نیا جہز پہنایا جاتا اور آزادی کے دیہک سے ان نے
اندھیرے گہروں میں اچلا لیا جاتا۔ غلام اور ترستی جلتا کو
شانتی کا پیغام دیا جاتا۔ نیا جہز لیا پر ان دیا جاتا۔ پر شک

مُحَمَّدؐ ساہب کے کلمہ اُپر دہرا

کر دوسرے کان سے نیکال دیا۔ اس آدمی نے دوبارہ ابوبکرؓ کا ایمان
ابوبکر نے پھر وہی کوئی پرواہ نہ کی۔ اُس آدمی نے دوسری
ابوبکرؓ کا اُسی طرح ایمان کیا۔ اِس پر ابوبکرؓ نے اُس کا
طرح کے شہدوں میں جواب دیا۔ یہ دیکھ محمدؐ صاحب
ہو گئے اور وہاں سے چلے آئے۔ اِس پر ابوبکرؓ نے پوچھا:—
”اللہ کے رسولؐ! کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے؟“ یغص
جواب دیا:—”نہیں! لیکن جب اِس آدمی نے پہلے
ہارا ایمان کیا تھا تو ایک فرشتہ اُسے جہنم کے لئے آسمان سے
اُتار دیا لیکن جب تم نے اُس کا اُسی طرح جواب دے دیا
وہ فرشتہ چلا گیا اور اُس کی جگہ شیطان تمہارے پاس
بیٹھا۔ اِس لئے جب تک شیطان یہاں بیٹھا ہے میں نہیں
لو سکتا۔“

—ابن مسعودؓ، ابوداؤد۔

محمدؐ صاحب نے کہا:—”قرآن پڑھو اور لوگوں کو پڑھاؤ۔
ہر نکتہ سچ میں کہل ایک آدمی میں اور ایک دن تمہارے
پچ سے اُٹھا لیا جائیگا۔“

—ابن مسعودؓ، دارقطنی۔

محمدؐ صاحب نے کہا:—”قرآن میں پانچ طرح کی
چیزیں آئی ہیں: ایک معروف یعنی وہ چیزیں جن کا کرنا
جائز ہے، دوسرے منکر یعنی وہ چیزیں جن کا کرنا ناجائز
ہے، تیسرے وہ چیزیں جو صاف اور صریح ہیں، چوتھے وہ چیزیں
جو مشابہت یعنی تشبیہ (الذکار) کے روپ میں کہی گئی ہیں
اور پانچویں وہ چیزیں جو کہانیوں کی شکل میں ہیں۔ اِس
لئے جن چیزوں کو جائز بتایا گیا ہے انہیں جائز مانو، جنہیں
ناجائز بتایا گیا ہے اُن سے بچو، جو سیدھی صاف ہدایتیں
ہیں اُن پر عمل کرو، جو تشبیہ یعنی الذکار کے طور پر کہی
گئی ہیں انہیں ویسا ہی مانو، اور جو کہانیاں کہی گئی ہیں
اُن سے سبق سیکھو۔“

—ابو ہریرہؓ، بیہقی۔

محمدؐ صاحب نے کہا:—”سچ میں اللہ اپنے لوگوں کے لئے
ہر سو سال کے شروع میں ایک ایسا آدمی پیدا کر دیتا جو
لوگوں کے دین کو تازہ کر دیتا۔“

—ابو ہریرہؓ، ابوداؤد۔

بھی छोڑ دے گا تو وہ برباد ہو جائیگا۔ اس کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا جب کہ اس زمانے کے لوگوں میں سے اگر کوئی اس میں سے دسویں حصے پر بھی عمل کرے گا تو وہ نجات پائے گا۔“

—ابو ہریرہ، ترمذی۔

یہی چہرہ دے گا تو وہ برباد ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا جب کہ اس زمانے کے لوگوں میں سے اگر کوئی اس میں سے دسویں حصے پر بھی عمل کرے گا تو وہ نجات پائے گا۔“

—ابو ہریرہ، ترمذی۔

محمّد صاحب سے پوچھا گیا کہ :—”آدمیوں میں سے کون سے آدمی کون ہے ؟“ محمد صاحب نے جواب دیا :—”ہر وہ آدمی جو دل کا صاف ہے اور زبان کا سچا۔“ پھر پوچھا گیا :—”زبان کا سچا کون ہے یہ ہم سمجھ سکتے ہیں“ لیکن دل کا صاف کون ہے یہ ہم کیسے جانیں ؟“ پیغمبر نے جواب دیا :—”دل کا صاف وہ ہے جو پاک ہو، نیک ہو، پاپ نہ کرتا ہو، کوئی نہ کرنا ہو اور کسی کے ساتھ نہ بغض (دوٹھ) رکھتا ہو اور نہ کسی سے حسد (یرشا) کرے ہو۔“

—عبداللہ بن عمرو، ابن ماجہ، بیہقی۔

محمّد صاحب نے کہا :—”آدمی کے لئے دوسرے سے جھگڑنے پرہیز اور جھگڑا بند نہ کرنا کافی بڑا گناہ ہے۔“

—عبداللہ بن عمرو، ابن ماجہ، بیہقی۔

محمّد صاحب نے کہا :—”آدمی کے لئے دوسرے سے جھگڑنے پرہیز اور جھگڑا بند نہ کرنا کافی بڑا گناہ ہے۔“

—ابن عباس، ترمذی۔

محمّد صاحب نے کہا :—”آدمی کے لئے دوسرے سے جھگڑنے پرہیز اور جھگڑا بند نہ کرنا کافی بڑا گناہ ہے۔“

—ابن عباس، ترمذی۔

محمّد صاحب نے کہا :—”اللہ کی نظروں میں سب سے زیادہ نفرت انگیز آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ جھگڑتا اور تکرار کرتا ہے۔“

—عائشہ، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی۔

محمّد صاحب نے کہا :—”اللہ کی نظروں میں سب سے زیادہ نفرت انگیز آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ جھگڑتا اور تکرار کرتا ہے۔“

—عائشہ، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی۔

محمّد صاحب نے کہا :—”کوئی کبھی قوم جسے ایک بار ہدایت مل گئی تھی اس وقت تک گمراہ نہیں رہتی جب تک اس قوم کے لوگوں نے آپس میں جھگڑنا شروع نہیں کر دیا۔“

—ابو امامہ، ترمذی، ابن ماجہ، احمد۔

محمّد صاحب نے کہا :—”کوئی کبھی قوم جسے ایک بار ہدایت مل گئی تھی اس وقت تک گمراہ نہیں رہتی جب تک اس قوم کے لوگوں نے آپس میں جھگڑنا شروع نہیں کر دیا۔“

—ابو امامہ، ترمذی، ابن ماجہ، احمد۔

ایک دن محمد صاحب اپنے صحابوں (ساتھیوں) کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی نے اٹھ کر پھر کا کچھ اُٹھایا۔ لیکن ابوبکر نے ایک کفن سے سن

ایک دن محمد صاحب اپنے صحابوں (ساتھیوں) کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی نے اٹھ کر پھر کا کچھ اُٹھایا۔ لیکن ابوبکر نے ایک کفن سے سن

محمد صاحب کے کچھ ابدیش

ڈاکٹر موزا ابوالفضل

محمد صاحب نے کہا:—”اپنی نسل یا خاندان کے گھنٹے میں کوئی کسی کو برا نہ کہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور اسی طرح ایک دوسرے کے برابر ہو جس طرح ایک ماپ دوسرے ماپ کے برابر ہوتا ہے اور تم میں سے کوئی بھی ماپ میں پورا نہیں ہے۔ کوئی کسی بات میں دوسرے سے برا نہیں ہے۔ سوائے ان کے کہ جو نیکی اور دھارمکتا میں بڑھے ہوئے ہیں۔ آدمی کے لئے گھنٹہ ہونا، پشیم ہونا یا کلبجوس ہونا بہت بری بات ہے۔“

—عقبہ بن عامر، احمد، بھٹی۔

محمد صاحب نے کہا:—”ان سب ترکوں کو جو اپنی نسل کا گھنٹہ کرتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا یہ تھے اور وہ تھے، انہیں چاہئے کہ اس طرح کا گھنٹہ کرنا بند کر دیں۔ اس طرح کا گھنٹہ انہیں دروغ کی آگ کے کوئلے بنا دیگا۔ اس طرح کا گھنٹہ کر کے اللہ کی نظروں میں وہ اُس کدو سے بھی زیادہ ذلیل ہونگے جو مہلے پر اپنی ناک رکھتا ہے۔ سچے سچ اس طرح کا گھنٹہ جہالت کے دنوں کے کی چھائی تھی۔ اللہ نے اب اُسے تمہارے لئے ناجائز کر دیا ہے۔ آدمی یا تو نیک اور ایمان والا ہوتا ہے اور یا بد اور گنہ گار۔ سب آدمی آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنا ہوا تھا۔“

—ابو ہریرہ، ترمذی، ابوداؤد۔

محمد صاحب نے کہا:—”جو کوئی اپنے بیٹائی کا خط بنا اُس کی اجازت کے پڑھتا ہے وہ دروغ کی آگ میں پڑتا ہے (اور اُس میں پھینکا جائیگا)۔“

—ابن عباس، ابوداؤد۔

—ابو ہریرہ، ترمذی، ابوداؤد۔

محمد صاحب نے کہا:—”سچے سچ آجکل تم ایک ایسے زمانے میں رہ رہے ہو جس میں جو کچھ کر کے تمہیں ہم دیا جا رہا ہے۔ اُس میں سے اگر کوئی مسول حصہ

محمد صاحب نے کہا:—”سچے سچ آجکل تم ایک ایسے زمانے میں رہ رہے ہو جس میں جو کچھ کر کے تمہیں ہم دیا جا رہا ہے۔ اُس میں سے اگر کوئی مسول حصہ

یہ تو بڑی بڑی باتیں۔ روز مرہ کے جہوں میں بھی اس طرح کی اُمتی ہونا گودھولی کے ستاروں کی طرح چل مل کرتی رہتی ہے۔ بھارت میں صدیوں سے صوفی بدوں کے بے شمار ہندو سرید رہے اور اب بھی ہیں۔ مغلیہ بادشاہوں نے کئی ویدانتی گرو ہڈائے ہڈی اور دارا شکوہ اور اکبر بادشاہ نے جو ویدانت اسلام کا مولک اور اُتھنت مہتو یوں سمنوئے کیا ہے، اسکے اثر شاید ہم کچھ صدیوں کے بعد سمجھ سکیں گے۔ جب ان زمانوں اور ان بدوہش شریشتوں کا کھرا اُتھاس کھلے گا اور جلتا کے سامنے بے دھوک بیٹھ گیا جائیگا۔

کلاشوں کے دایرے میں ویدانت-اسلام کے تلبھ اکمیک میں چول-میلکر کھلھ اُجھب کھبھسورتی پیدھ کر گئے! انکا اُجھب ہمارا جیندگی میں ایسا ویاپک ہو گیا ہے کہ ہیندھ سنجییتکار سھج ہی بھل بھٹتا ہے، 'جی، میں تو ہیندھستانی तरीके से गाता हूँ' اور اسے دین بھر بھی بھان نہی ہوتا کہ وہ کس اُجھبھت سگم اور سمن-بھب کا پرتیک بنا ہوا ہے۔

اُفسوس ہے کہ آج کے اُستھابھیکہ میں اُس اُصل اور سندر سگم سمنوئے کی کوئی جھلک نظر نہی آتی۔ ہم نے جو صدیوں کے بدوہشازوں سے کھایا ہے، سو ہمیں اُس طرح بھولک نہ دینا چاہیئے۔ اُس سے ہمارا ہی نہی تمام دینا کا بھاری نقصان ہوگا۔ ہم بھارتیوں کو بڑا ناز ہونا چاہئے کہ ساری دینا کے دیشوں میں ایک بھارت ہی ہے جو سچے سچے سمنوں میں سگم دیش رہا ہے! اور آج کے لڑتے جھکڑتے، مارنے کاٹنے، جلاتے، بھارتے، بھارتے-کاٹتے، جلاتے-بھارتے سانسار میں سگم-راؤبھ بننے کا اُجھبھار رھتا ہے۔

'اُسمت' شبد اُجھبھستان سے آگیا ہے مگر 'اُسمت' بھارت میں ہی آگیا اور پلٹا ہے۔ یہ ہی ہمارا سچا، سنان-تن اور اُجھبھر کیرسا (کیراسن) ہے، ہم بھارتیوں کو اس کے لایاکر بننے کی بھرسک کوشیش کرتے رھنا ہے، اور اسے سنجییت رھبھر اس کے بھدانے اور بھدانے میں اُجھبھہ جان اور جیبن لگا دینا ہے۔

اللہ کرے ایسا ہی ہو!

اللہ ہمیں سددھبھ بھشم!

اللہ ہمیں مدد کرے!

اُمین!

[سگم-پربھات سے]

اللہ کرے ایسا ہی ہو!
اللہ ہمیں سددھبھ بھشم!
اللہ ہمیں مدد کرے!
اُمین!

[سگم-پربھات سے]

[سگم-پربھات سے]

ہی، پھر جہاں تک مجھے یاد ہے کہ، 'ابن عباس رضی اللہ عنہما، جو مسجداں لگا کر مریضوں کو کھانا دینا شروع کیا، ان کے ہاتھوں میں کھانا دینا شروع کیا۔ تم جتنا جمع کر سکو، کر لو۔ اور اگر تم کو یاد ہو کہ تم نے کھانا دینا شروع کیا، تو تم کو یاد ہو کہ تم نے کھانا دینا شروع کیا۔' ہمارے بابا جان برسوں بڑا تھا اور بھائی میں غریب مسکینوں، تانہ والوں، کھانہ والوں، کاریگروں و ہر طرح کے پیدائشوں سے پانی پوسہ جمع کرتے رہے۔ نہ گرمی دیکھی نہ سردی، نہ دن دیکھا نہ رات۔ ہمیں کی موسلا دھار ہوا میں، ٹنڈوں تک کے کچھڑوں میں پھینکا ہوا پانی پورے اور آخر ایک دن ان کا کام ختم ہوا۔ مہاراج نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے (میں کئی چھوٹی تھی) کہ ایک صبح ہمارے باغ کے پھانک پر محل کا سولہ آگیا ہوا۔ میں نے دور در پھانک پھولا۔ مہاراج کی طرف سے امانت آگیا تھا۔ میں چٹختی چلائی بابا جان اما جان کی طرف دروی: 'مہاراج کا چوک آیا ہے، مہاراج کا چوک آیا ہے'۔

مسیحی بنی، بڑا بڑا کی پورانی مسیحی میں ایک: کھانا لٹا کر دینا تھا، جو برسوں کھانا محفوظ بند پڑا تھا۔ بڑے جیوس، بڑی دھرم دھام اور شان کے ساتھ وہ قرآن پاک مسجد میں لایا گیا اور ایک بھڑائی پور کے ہاتھوں نے کمر میں اسکی لپیٹا ہوا ہوئی۔ وہ جیوس، وہ استہیانا، وہ مسجد میں پہلی نماز، وہ پھر صاحب کی امانت، وعظ (دروازہ) میں کئی نہیں بولیں گی۔ لیکن سب سے زیادہ چمکدار تصویر میری آنکھوں اور دل میں ہے۔ سوائے کہ زبردست شاندار جیوس کے سامنے مہاراج کے مکہ ہاتھوں پر زین ہونے پر، زین کھڑے سے قہ کا ہوا وہ قرآن پاک مسجد کی اور جا رہا ہے اور اس کے پیچھے ہمارے مہاراج، پور صاحب کے ساتھ اپنی سلمیٰ انباری میں اپنے شاندار ہاتھوں کی پٹھ پر جا رہے ہیں۔

بڑا بڑا میں ایک بڑا عجیب و غریب تھا۔ پرانے زمانے سے وہاں کے ایک بڑے نوابی خاندان کی راجہ دربار میں بڑی پرکشش تھی۔ قصہ میں نے یہ سنا تھا کہ پرانے زمانے میں اس نوابی خاندان کے درباروں نے اس زمانے کے گلیوار کو دشمنوں کے سامنے مدد کی تھی، جس سے راجہ اپنی گردی پر حکومت رہے۔ چنانچہ اس نوابی خاندان کو بہت کچھ پرسنگ کے ساتھ یہ ادھیکر حاصل ہوا کہ درباروں میں وہ گلیوار کے ساتھ سنگھاسن پر دراجیں، اور ان کے صدر دروازے کے سامنے ہاتھوں ڈولتے رہیں۔ ایک گلیوار کے لئے تو یہ بھی سنا تھا کہ وہ مسجد میں جمعہ کی نماز میں کئی بار شریک رہتے تھے۔ میں نے عمر پھر اس امتی و انارن کا مزہ لوٹا ہے۔ ہندو، لالائی، عیسائی، زرتشتی، سہی، نہوہار مل جلکر ملاتے جاتے تھے۔ بھارت سنگھ دیکھ ہے، تو بڑا ہرور سنگم راج تھا۔ اور دعا ہے کہ اب بھی وہی حال ہوگا اور مدد دے گا۔

ہی، پھر جہاں تک مجھے یاد ہے کہ، 'ابن عباس رضی اللہ عنہما، جو مسجداں لگا کر مریضوں کو کھانا دینا شروع کیا، ان کے ہاتھوں میں کھانا دینا شروع کیا۔ تم جتنا جمع کر سکو، کر لو۔ اور اگر تم کو یاد ہو کہ تم نے کھانا دینا شروع کیا، تو تم کو یاد ہو کہ تم نے کھانا دینا شروع کیا۔' ہمارے بابا جان برسوں بڑا تھا اور بھائی میں غریب مسکینوں، تانہ والوں، کھانہ والوں، کاریگروں و ہر طرح کے پیدائشوں سے پانی پوسہ جمع کرتے رہے۔ نہ گرمی دیکھی نہ سردی، نہ دن دیکھا نہ رات۔ ہمیں کی موسلا دھار ہوا میں، ٹنڈوں تک کے کچھڑوں میں پھینکا ہوا پانی پورے اور آخر ایک دن ان کا کام ختم ہوا۔ مہاراج نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے (میں کئی چھوٹی تھی) کہ ایک صبح ہمارے باغ کے پھانک پر محل کا سولہ آگیا ہوا۔ میں نے دور در پھانک پھولا۔ مہاراج کی طرف سے امانت آگیا تھا۔ میں چٹختی چلائی بابا جان اما جان کی طرف دروی: 'مہاراج کا چوک آیا ہے، مہاراج کا چوک آیا ہے'۔

مسیحی بنی، بڑا بڑا کی پورانی مسیحی میں ایک: کھانا لٹا کر دینا تھا، جو برسوں کھانا محفوظ بند پڑا تھا۔ بڑے جیوس، بڑی دھرم دھام اور شان کے ساتھ وہ قرآن پاک مسجد میں لایا گیا اور ایک بھڑائی پور کے ہاتھوں نے کمر میں اسکی لپیٹا ہوا ہوئی۔ وہ جیوس، وہ استہیانا، وہ مسجد میں پہلی نماز، وہ پھر صاحب کی امانت، وعظ (دروازہ) میں کئی نہیں بولیں گی۔ لیکن سب سے زیادہ چمکدار تصویر میری آنکھوں اور دل میں ہے۔ سوائے کہ زبردست شاندار جیوس کے سامنے مہاراج کے مکہ ہاتھوں پر زین ہونے پر، زین کھڑے سے قہ کا ہوا وہ قرآن پاک مسجد کی اور جا رہا ہے اور اس کے پیچھے ہمارے مہاراج، پور صاحب کے ساتھ اپنی سلمیٰ انباری میں اپنے شاندار ہاتھوں کی پٹھ پر جا رہے ہیں۔

بڑا بڑا میں ایک بڑا عجیب و غریب تھا۔ پرانے زمانے سے وہاں کے ایک بڑے نوابی خاندان کی راجہ دربار میں بڑی پرکشش تھی۔ قصہ میں نے یہ سنا تھا کہ پرانے زمانے میں اس نوابی خاندان کے درباروں نے اس زمانے کے گلیوار کو دشمنوں کے سامنے مدد کی تھی، جس سے راجہ اپنی گردی پر حکومت رہے۔ چنانچہ اس نوابی خاندان کو بہت کچھ پرسنگ کے ساتھ یہ ادھیکر حاصل ہوا کہ درباروں میں وہ گلیوار کے ساتھ سنگھاسن پر دراجیں، اور ان کے صدر دروازے کے سامنے ہاتھوں ڈولتے رہیں۔ ایک گلیوار کے لئے تو یہ بھی سنا تھا کہ وہ مسجد میں جمعہ کی نماز میں کئی بار شریک رہتے تھے۔ میں نے عمر پھر اس امتی و انارن کا مزہ لوٹا ہے۔ ہندو، لالائی، عیسائی، زرتشتی، سہی، نہوہار مل جلکر ملاتے جاتے تھے۔ بھارت سنگھ دیکھ ہے، تو بڑا ہرور سنگم راج تھا۔ اور دعا ہے کہ اب بھی وہی حال ہوگا اور مدد دے گا۔

उम्मत

कुमारी रेहाना तैयबजी

ये लक्षण, 'उम्मत' कितना प्यारा लक्षण है! अरबी लक्षण 'अुम्म' का मतलब है 'माँ'; अुम्मत यानी 'एक माँ-बाप के बच्चे'। इसलिये अल्लाह पाक को विश्व का परम पिता मानकर, इस्लामी जमात को उम्मत कहा गया है। लेकिन कोई अरुही नहीं कि उम्मत महज इस्लामियों की हो। जहाँ आपसी प्रेम, हमदर्दी, सहकार और नेक खाहिरा होती है, वहाँ 'उम्मत' होती ही है। देखा गया है कि निजी साधना में भी जैसे-जैसे दिल की सफाई और चरित्र-सुधार होने लगता है, वैसे-ही-वैसे प्रेम, खुशी और सभ्यता भी बढ़ने लगती है—बल्कि सफल साधना की पहली निशानी प्रेम और प्रसन्नता की बढ़ती ही होती है। जिस तरह से हम किसी इन्सान का बर्ताव देखकर उसकी साधना का खूबी फ़ैसला सहज ही करते हैं, उसी तरह किसी सभ्यता की का फ़ैसला भी उसके नैतिक और आध्यात्मिक प्रभावसे होता है। जब हम दुनिया भर से शिकायतें सुनते हैं कि मरारिबी संस्कृति से स्वार्थ, हरफाई (स्पर्धा) और दुश्मनी, चालबाजी बढ़ती है, तो हमारे दिल में इस तहजीब के लिए एक नफ़ात पैदा होना कुरदरी ही है। ऐसी संस्कृति बुराई फैलाने वाली होती है। इसका सबूत आज सारी दुनिया के पीड़ित देश और दुखी प्रजायें दे रही हैं।

ऐसे आसुरी बातावरण में उम्मत भावना के सितारे कुछ अजब नूर से चमक उठते हैं। तीन-चार रोज़ से बरेली के मंदिर की दिल फड़का देने वाली बात जब से सुनी है मेरा दिल बार-बार बना हुआ है। एक मन्दिर, और एक मुस्लिम के हाथ से उसकी नींव डाली जाय, और सुना कि मूर्ति-साज भी मुस्लिम ही है जिसने तीन सौ रुपये मन्दिर को भेंट दिये हैं। रहमान साहब ने जो आर्थिक मदद दी, सो बेशक क़ाबिले तारीफ़ है; मगर मन्दिरवालों और रहमान साहब ने जो दिली उम्मत की शानदार इबादतगाह खड़ी की है, उसमें हर भारतीय का ही क्या, हर इन्सान का दिल सिल्वे में मुक सकता है। जहाँ प्रेम है वहाँ खुदा है, जहाँ एका है वहाँ खुदा है!

बरेली का मन्दिर मुझे बड़ीदे की मस्जिद की याद दिलाता है, मैं बिलकुल बच्चा थी तब बाबाजान से शिकायतें सुनती रहती थी कि बड़ोदे में कोई जामा मस्जिद नहीं। एक टूटी मस्जिद थी सही, पर वह किसी के काम न आती थी। बाबाजान ने हमारे महाराज से शिक किया। महाराज ने बड़ी सद्भावभूति से बाबाजान की बात सुनी, अपनी सहमति

अम्त

कुमारी रेहाना तैयबजी

ये لفظ 'अम्त' कتنا प्यारा لفظ है! عربی لفظ 'اُم' کا مطلب ہے 'ماں'؛ اُمّت یعنی 'ایک ماں باپ کے بچے'۔ اُسلمِ اللہ پاک کو دُشُو کا یرم پنا مان کر، اسلامی جماعت کو اُمّت کہا گیا ہے۔ لیکن کوئی ضروری نہیں کہ اُمّت محض اسلاموں کی ہو۔ جہاں ایسی یریم، ہمدردی، سہکار اور نیکی خواہش ہوتی ہے، وہاں 'اُمّت' ہوتی ہی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ نجی سادھنا میں بھی جوسے جوسے دل کی صفائی اور چوڑے سدھار ہونے لگتا ہے، ویسے ہی ویسے یریم، خوشی اور سہیبتا بھی بڑھنے لگتی ہے—بلکہ سہیل سادھنا کی پہلی نشانی یریم اور یرسملکتا کی بڑھتی ہی ہوتی ہے۔ جس طرح سے ہم کسی انسان کا بڑاؤ دیکھ کر اسکی سادھنا کا فیصلہ سہج ہی کرتے ہیں، اسی طرح کسی سہیبتا کی خوبی کا فیصلہ بھی اُسکے نیکی اور ادھیانتک یربڑاؤ سے ہوتا ہے۔ جب ہم دنیا ہر سے شکایتیں سننے میں کہ مغربی سنسکرتی سے سوارت، حربائی (سورڈھا) اور دشمنی، چالبازی بڑھتی ہے تو ہمارے دل میں اس تہذیب کے لئے ایک نفرت پیدا ہونا قدرتی ہی ہے۔ ایسی سنسکرتی بڑائی بڑلائے والی ہوتی ہے۔ اسکا ثبوت آج ساری دنیا کے پھوڑ دیہی اور دکھی یرجائیں دے رہی ہیں۔

ایسے آسوری واندربن میں اُمّت بھارنا کے ستارے کچھ عجب نور سے چمک اُٹھتے ہیں۔ تین چار روز سے بربلی کے مندر کی دل پڑکا دیئے والی بات جب سے سنی ہے مہرا دل باغ باغ ہلکا ہوا ہے۔ ایک مندر، اور ایک مسلم کے ہاتھ سے اسکی نفو قالی جائے، اور سنا کہ مورتی ساز بھی مسلم ہی ہے جسٹہ تین سو روپیہ مندر کو بیونک دیئے ہیں۔ رحمان صاحب نے جو اُرتھک مدد دی، سو بیشک قابل تعریف ہے؛ مگر مندر والوں اور رحمان صاحب نے جو دلی اُمّت کی شاندار عبادت گاہ کھڑی کی ہے، اس میں ہر بھارتیہ کا ہی کیا، ہر انسانی کا دل سجدے میں جھک سکتا ہے۔ جہاں یریم ہے وہاں خدا ہے، جہاں ایکا ہے وہاں خدا ہے!

بربلی کا مندر سچے بڑودے کی مسجد کی یاد دلانا ہے۔ میں ہلکل بچہ تھی تب بابا جان سے شکایتوں سامنی رہتی تھی کہ بڑودے میں کوئی جامع مسجد نہیں۔ ایک ٹولی مسجد تھی سہی، پر وہ کسی کے کام نہ آتی تھی، بابا جان نے ہمارے مہاراج سے ذکر کیا۔ مہاراج نے بڑی سہترہوتی سے بابا جان کی بات سنی، اپنی سہیبتی

इसमें गेती १९ बल के रहेंगी
फूल दुलहन के खिल के रहेंगे
फर्कें मरातिब २० छठ जायेगा
जलवे वह महफिल के रहेंगे

कस्ले खिशां जाती है 'नखीर' ! अब
चाके गरीबों २१ सिल के रहेंगे !

१. वक्रदे = समस्याएँ, २. हवादिस = दुर्घटनाएँ,
३. मंचिल के होकर रहना = संचिल पर पहुँच जाना,
४. अजमते आदम = आदमी का महत्व, ५. मसलि के
आदस = आदमी के जीवन का लक्ष्य, ६. मुसतकविल =
मविल्य, ७. गुँचे = कलियों, ८. अजम = संकर,
९. कोह-शिकन = पहाड़ तोड़ने वाला, १०. ककल = महल,
११. जावद = काम का दफ्तर, १२. खिजाँ = पतन,
१३. जोया = खोजी, १४. साहिल = किनारा, १५. जन्दाँ =
हमते हुए, १६. मरहले = कठनाइयाँ, १७. ऐबाँ = महल
१८. चारा = इलाज, १९. गेती = घरती, २०. फर्कें
मरातिब = इतने का फर्क यानी ऊँच-नीच, २१. चाके
गरीबों = फटा हुआ गरीबों.

حسن میں گیتی 19 قتل کے رہے گی
پھول دایں کے کھل کے رہیں گے
فرق مراتب 20 آنہ جائے گا
چلوں وہ محفل کے رہیں گے

فصل خزاں جاتی ہے 'نظیر' ! اب
چاک گریباں 21 مل کے رہیں گے !

1. عقدہ = سمسائیں, 2. حوادث = درگفتاویں, 3. منزل
کے ہو کر رہنا = منزل پر پہنچ جانا, 4. عظمت آدم = آدمی
کا مہتو, 5. مسلک آدم = آدمی کے جہوں کا لکھن, 6.
مستقبل = پیشہ, 7. غلجے = کلیاں, 8. عزم = سکتاپ, 9. کوہ
شکن = پہاڑ توڑنے والا, 10. نصر = محل, 11. جادہ = کام کا
تھلک, 12. خزاں = پت جہا, 13. چربا = کھرجی, 14.
ساحل = کنارہ, 15. خلدان = ہلستے ہوئے, 16. مرحلے =
کھٹائیاں, 17. ایوان = محل, 18. چارہ = علی, 19. گیتی =
دعوتی, 20. فرق مراتب = رتبہ کا فرق یعنی اونچ نیچ
21. چاک گریباں = پٹا عوا گریباں.

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic. the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.
—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.
—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.
—Blitz Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it
—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.
—Indian Express, Madra.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations...a tomorrow which is theirs.
—Vigil, Delhi

गज़ल

श्री सच्चादत्त नजीर पं० प०

कब तक दुरमन दिल के रहेंगे ?
हमसे वह आखिर मिलके रहेंगे
कब चक्रदे१ मुश्किल के रहेंगे ?
आखिर दिल हिल मिल के रहेंगे
लाख हवाविस २ राह में आयें
हम हाँके मंजिल ३ के रहेंगे
खितने भी तुम तफरके डालो !
साथी साथी मिल के रहेंगे
अजमत ४ आदम ! मसलिके ५ आदम !!
तौर यह मुस्तक़बिल ६ के रहेंगे
गरम हवा के झोंकों में भी
गुंवे ७ दिल के खिल के रहेंगे
अजमत ८ हमारा कोहशिकन ९ है
क़त्ल १० तुम्हारे हिल के रहेंगे
एक हो जावा ११, एक हो मंजिल
दिल भी फिर तो मिल के रहेंगे
लाख खिजाँ १२ आँखें दिखलाए
चिड़ी गुंवे खिल के रहेंगे
जुल्म किये जा ! जौर किये जा !
हौसले ऊँचे दिल के रहेंगे
लाख धिरे तूफाने बला में
हम जोया १३ साहिल के रहेंगे
तय करेंगे खन्दाँ-खन्दाँ १४
मरहले १६ जो मुश्किल के रहेंगे
फलबला वह है आनबाला
आपके देवाँ १७ हिल के रहेंगे
रोर से १८ राम का न होगा
अजमत हरे सब दिल के रहेंगे

अक्टूबर '५७

ग़ज़ल

शरी सعادत نظیر ایم ۱۰۰

कब तक دشمن دل के रहیں گے ?
ہم سے وہ آخر مل کے رہیں گے
کب عقدہ ۱ مشکل کے رہیں گے ?
آخر دل دل مل کے رہیں گے
۲ کہ حوادث راہ میں آئیں
ہم ہو کے منزل ۳ کے رہیں گے
جانم بھی تم تفرقہ ڈالو !
ساتھی ساتھی مل کے رہیں گے
عظمت ۴ آدم، مسلک ۵ آدم !!
طور یہ مستقبل ۶ کے رہیں گے
گرم ہوا کے چھوٹوں میں بھی
غنیچے ۷ دل کے کھل کے رہیں گے
مزم ۸ ہمارا کوہ شکن ۹ ہے
قصر ۱۰ تمہارے حل کے رہیں گے
ایک ہو جائے ۱۱ ایک ہو منزل
دل بھی پھر تو مل کے رہیں گے
۱۲ کہ خزاں آنکھیں دکھائے
صدی غنیچے کھل کے رہیں گے
ظلم کئے جا ! جور کئے جا !
حوصلے اُرنچے دل کے رہیں گے
۱۳ کہ گہری طوفان ہا میں
ہم جو یا ۱۳ ساحل کے رہیں گے
طہ کریں گے 'خندان خدداں ۱۵
مرحلے ۱۶ جو مشکل کے رہیں گے
زلزلہ وہ ہے آنے والا
آپ کے اپوں ۱۷ مل کے رہیں گے
غیر سے چارہ ۱۸ غم کا نہ ہوگا
زخم ہرے سب دل کے رہیں گے

(154)

اکتوبر ۱۹۵۷

گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقات

گاندھی جی نے سون لیا۔ اس সময় کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنے मित्रों के साथ किसी तरह की खबरदारी करना ठीक न समझते थे۔ अगले दिन सुबह को उन्होंने कुछ आश्रमवासियों से कहा—“अहमदाबाद के भंगी बाड़े में जाओ, वहाँ कोई मकान या जगह देखो। अपना आश्रम हम वहीं उठाकर ले आयेंगे और वहाँ के रहने वाले जो खाना हमें अपने हाथों से लाकर देंगे वही हम खा लेंगे या मजदूरी करके पेट भर लेंगे, जो मिलने आएगा वहीं आकर हमसे मिल लेगा。” जगह ढूँढ़ी जाने लगी। उन धनवान मित्रों के कानों तक यह खबर पहुँची। हो सकता है उन्होंने आपस में कुछ सलाह की हो। आकर गान्धी जी से मिले। उन्होंने अपने दो दिन पहले के सुझाव की माफी माँगी। आश्रम, आश्रम-वासियों, आश्रम प्रेमियों और आश्रम में आने-जाने वालों के लिये छूत छ्वात हमेशा के लिये मिट गई। यह था गान्धी जी और उनके आश्रम का दर्जे बदर्जे लेकिन काफी तेजी के साथ विकास।

گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقاتیں

گاندھی جی نے سون لیا۔ اس سے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنے मित्रों के साथ किसी तरह की खबरदारी करना ठीक न समझते थे۔ अगले दिन सुबह को उन्होंने कुछ आश्रमवासियों से कहा—“अहमदाबाद के भंगी बाड़े में जाओ, वहाँ कोई मकान या जगह देखो। अपना आश्रम हम वहीं उठाकर ले आयेंगे और वहाँ के रहने वाले जो खाना हमें अपने हाथों से लाकर देंगे वही हम खा लेंगे या मजदूरी करके पेट भर लेंगे, जो मिलने आएगा वहीं आकर हमसे मिल लेगा。” जगह ढूँढ़ी जाने लगी। उन धनवान मित्रों के कानों तक यह खबर पहुँची। हो सकता है उन्होंने आपस में कुछ सलाह की हो। आकर गान्धी जी से मिले। उन्होंने अपने दो दिन पहले के सुझाव की माफी माँगी। आश्रम, आश्रम-वासियों, आश्रम प्रेमियों और आश्रम में आने-जाने वालों के लिये छूत छ्वात हमेशा के लिये मिट गई। यह था गान्धी जी और उनके आश्रम का दर्जे बदर्जे लेकिन काफी तेजी के साथ विकास।

یہ شاہد میں یاد سے ہی لکھ رہا ہوں ہر شاہد ہی ایک وہ شاہد کا فکڑ ہو۔ اس سے اسل متلہ میں فکڑ بیلکول نہیں پڑ سکتا۔

میں اسے پڑھ کر کھڑے ہوا۔ گاؤں جی کو پڑھ کر سنا دیا اور پڑھا یہ کیا؟ انہوں نے تیرنٹ جواب دیا—
"یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔ اسے رکھ دو۔ تم آشرم والی ہو تو اسے نہ ماننا۔ میں کہاں ماننا ہوں؟ تم اسے رکھ دو۔ تم اپنے کام کی بات کرو۔"

ان کے یہ فکڑے بھی میں یاد سے لکھ رہا ہوں۔ میں سمجھ گیا کہ گاندھی جی اور ان کا آشرم دونوں ایسی وکاس کی حالت میں تھے، ابھی کھل رہے تھے اور روپ لے رہے تھے۔

روٹ ایکٹ کے خلاف سٹاکر شروع ہونے کے بعد سے گاندھی جی سارے دیہے کے سامنے دیہے کے سب سے بڑے اور اعلیٰ تھکے روپ میں آگئے۔ مہلے اور مہرے جیسے وچاروں کے بہت سے پرانے کام کرتے رہیں۔ اب دیکھ لیا کہ اپنے نئے طریقے سے گاندھی جی نے جو جان، جو بھاری، جو جوش اور جو تھاک کی بھاری دیہے میں پیدا کر دی تھی وہ ہم اپنے پرانے طریقوں سے نہ کر پائے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ مہرا ان سے ہر ہر جگہ جگہ ملنا، ساتھ رہنا اور ساتھ سفر کرنا تھوڑی کے ساتھ بڑھتا چلا گیا۔

ساہرمتی (احمد آباد) آشرم میں بمبئی میں اور جگہ-جگہ ان سے ملنا ہوا۔ کبھی کبھی کچھ پتھر ہاتھ جو یاد میں باقی رہ گئے ہیں یہاں سے رہا ہوں۔

یہاں ایک بات گاندھی جی سے سنی ہوئی لکھ رہا ہوں۔

ساہرمتی آشرم قائم ہو چکا تھا۔ پہلے سٹاکر میں اس کی بنیاد پڑی۔ وہ سٹاکر آشرم ہی کہلاتا تھا۔ کئی ہزار روپے مہلے کا خرچ تھا۔ گاندھی جی کے کچھ دھنواں مٹر اور پریمی جو سب یا ادھکتر گجراتی تھے آشرم کا خرچ چلاتے تھے۔ کھانا بنانے والے ہندو تھے۔ ان دھنواں مٹروں میں سے بھی کوئی کوئی اور ان کے گھر والے جب تب آشرم میں آکر بوجھ کر لیتے تھے۔ انہیں ایسا کرنے میں بڑی خوشی ہوتی تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں ایک مہتر پریمو آشرم میں آکر ٹھہر گیا اور گاندھی جی کے حکم سے اور سب کی طرح رسوائی میں آئے جانے اور سب کے ساتھ کھانے پینے کا۔ بہت سے غیر ہندو مہمان بھی آشرم میں آئے۔ رکھ اور بنا ہونے والے سب کے ساتھ کھانے پینے لگے۔ آشرم کا خرچ چلانے والے کچھ دھنواں بھائیوں کے لئے یہ نئی بات تھی۔ وہ اس کے علاوہ نہ تھے۔ انہیں اور ان کے گھر والوں کو آشرم میں کھانے میں ملکیچ ہونے لگا۔ انہیں نے گاندھی جی کے پاس آکر بڑی نرمی سے یہ سمجھایا کہ کم سے کم ان کی خاطر آشرم کی رسوائی کو ذرا چھوٹی ذات لوگوں اور غیر ہندوؤں سے الگ رکھا جائے۔

یہ شاہد میں یاد سے ہی لکھ رہا ہوں ہر شاہد ہی ایک وہ شاہد کا فکڑ ہو۔ اس سے اسل متلہ میں فکڑ بیلکول نہیں پڑ سکتا۔

میں اسے پڑھ کر کھڑے ہوا۔ گاؤں جی کو پڑھ کر سنا دیا اور پڑھا یہ کیا؟ انہوں نے تیرنٹ جواب دیا—
"یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔ اسے رکھ دو۔ تم آشرم والی ہو تو اسے نہ ماننا۔ میں کہاں ماننا ہوں؟ تم اسے رکھ دو۔ تم اپنے کام کی بات کرو۔"

ان کے یہ فکڑے بھی میں یاد سے لکھ رہا ہوں۔ میں سمجھ گیا کہ گاندھی جی اور ان کا آشرم دونوں ایسی وکاس کی حالت میں تھے، ابھی کھل رہے تھے اور روپ لے رہے تھے۔ روٹ ایکٹ کے خلاف سٹاکر شروع ہونے کے بعد سے گاندھی جی سارے دیہے کے سامنے دیہے کے سب سے بڑے اور اعلیٰ تھکے روپ میں آگئے۔ مہلے اور مہرے جیسے وچاروں کے بہت سے پرانے کام کرتے رہیں۔ اب دیکھ لیا کہ اپنے نئے طریقے سے گاندھی جی نے جو جان، جو بھاری، جو جوش اور جو تھاک کی بھاری دیہے میں پیدا کر دی تھی وہ ہم اپنے پرانے طریقوں سے نہ کر پائے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ مہرا ان سے ہر ہر جگہ جگہ ملنا، ساتھ رہنا اور ساتھ سفر کرنا تھوڑی کے ساتھ بڑھتا چلا گیا۔

ساہرمتی (احمد آباد) آشرم میں بمبئی میں اور جگہ-جگہ ان سے ملنا ہوا۔ کبھی کبھی کچھ پتھر ہاتھ جو یاد میں باقی رہ گئے ہیں یہاں سے رہا ہوں۔

یہاں ایک بات گاندھی جی سے سنی ہوئی لکھ رہا ہوں۔ ساہرمتی آشرم قائم ہو چکا تھا۔ پہلے سٹاکر میں اس کی بنیاد پڑی۔ وہ سٹاکر آشرم ہی کہلاتا تھا۔ کئی ہزار روپے مہلے کا خرچ تھا۔ گاندھی جی کے کچھ دھنواں مٹر اور پریمی جو سب یا ادھکتر گجراتی تھے آشرم کا خرچ چلاتے تھے۔ کھانا بنانے والے ہندو تھے۔ ان دھنواں مٹروں میں سے بھی کوئی کوئی اور ان کے گھر والے جب تب آشرم میں آکر بوجھ کر لیتے تھے۔ انہیں ایسا کرنے میں بڑی خوشی ہوتی تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں ایک مہتر پریمو آشرم میں آکر ٹھہر گیا اور گاندھی جی کے حکم سے اور سب کی طرح رسوائی میں آئے جانے اور سب کے ساتھ کھانے پینے کا۔ بہت سے غیر ہندو مہمان بھی آشرم میں آئے۔ رکھ اور بنا ہونے والے سب کے ساتھ کھانے پینے لگے۔ آشرم کا خرچ چلانے والے کچھ دھنواں بھائیوں کے لئے یہ نئی بات تھی۔ وہ اس کے علاوہ نہ تھے۔ انہیں اور ان کے گھر والوں کو آشرم میں کھانے میں ملکیچ ہونے لگا۔ انہیں نے گاندھی جی کے پاس آکر بڑی نرمی سے یہ سمجھایا کہ کم سے کم ان کی خاطر آشرم کی رسوائی کو ذرا چھوٹی ذات لوگوں اور غیر ہندوؤں سے الگ رکھا جائے۔

मैं ही काट कर काफी कुछ और मुझे के साथ जबाब दिया—“मैं तुम्हारी सभा का सदर नहीं बनूंगा. मैं अपनी मंजूरी वापिस लेता हूँ ! तुम तो मेरे सत्याग्रह को बिल्कुल ही नहीं समझे. अब जाओ, जो ठीक समझो करो, मैं सदर नहीं. यह मेरा सत्याग्रह नहीं है.”

मैं सुनकर चबरा गया और हल्के से उनकी इस नाराजगी का कारण पूछा. उन्होंने फिर कहा—“मुझे कोई दूसरा प्रतिज्ञा पत्र नहीं चाहिये. मुझे पंडित मोतीलाल जी नहीं चाहिये. मुझे कोई बड़ा आदमी नहीं चाहिये. इलाहाबाद के अगर चार मेहतर मिलकर मेरे प्रतिज्ञा पत्र पर दसखत कर देंगे और अपनी सत्याग्रह सभा बनायेंगे तो मैं उनका सदर बन जाऊँगा. तुम्हारी सभा का सदर बनना मुझे नागंजूर है. तुम तो सत्याग्रह को समझे ही नहीं.”

अब मैंने उनसे कहा—“आप नाराज न होइये. मेरी अपनी निजी राय भी यही थी जो आपकी है. कुछ और साधियों की राय वह थी जिस पर आप को इतना दुख हुआ. मैंने पहले से आप को अपना और दूसरों का यह फर्क बताना ठीक नहीं समझा. अब हम वहीं करेंगे जो आप चाहते हैं. आपके बिना सत्याग्रह कैसा ? आप ही रास्ता बतायें तो हम चल सकते हैं. दूसरा प्रतिज्ञा पत्र नहीं होगा. और कोई आप, चाहे न आप.”

गांधीजी ने थोड़ा सोचा. मेरी तरफ को बार-बार देखा एक दो और छोटी-मोटी बात हुई. उनका रास्ता ठंडा हुआ फिर खुश होकर कहा—“जाओ काम करो, मैं तुम्हारा सदर और तुम सिक्रेटरी.”

उसी दिन शाम को या अगले दिन मैं इलाहाबाद के लिये चल पड़ा. यू० पी० सत्याग्रह सभा का विधान छप गया. गांधीजी सदर, मैं और मंजर अली सिक्रेटरी. मेम्बरों की फेहरिस्त शायद तीस के करीब रही होगी, जिसमें एक नाम जवाहरलाल जी का भी था.

[5]

मेरी उसी अहमदाबाद यात्रा की एक और छोटी सी घटना मुझे याद आ रही है.

शायद तीसरे पहर का वक़्त था. मैं गांधीजी के पास बैठा हुआ था. उनके सत्याग्रह आश्रम की नियमावली छप चुकी थी. छोटे साइज की पाँच सात सफे की छोटी सब थी. एक काफी बड़ी कहीं आस-पास पड़ी हुई थी. मेरी निगाह उस पर गई. मैं उसे पढ़ गया. उसमें एक नियम यह छपा हुआ था—“बर्ण आश्रम धर्म को बाधा न पहुँचे इस-लिये आश्रमवासी जब कभी आश्रम से बाहर जायेंगे तो केवल फल या दूध लाकर ही रहेंगे.”

मैं ही काट कर काफी कुछ और मुझे के साथ जबाब दिया—“मैं तुम्हारी सभा का सदर नहीं बनूंगा. मैं अपनी मंजूरी वापिस लेता हूँ ! तुम तो मेरे सत्याग्रह को बिल्कुल ही नहीं समझे. अब जाओ, जो ठीक समझो करो, मैं सदर नहीं. यह मेरा सत्याग्रह नहीं है.”

मैं सुनकर चबरा गया और हल्के से उनकी इस नाराजगी का कारण पूछा. उन्होंने फिर कहा—“मुझे कोई दूसरा प्रतिज्ञा पत्र नहीं चाहिये. मुझे पंडित मोतीलाल जी नहीं चाहिये. मुझे कोई बड़ा आदमी नहीं चाहिये. इलाहाबाद के अगर चार मेहतर मिलकर मेरे प्रतिज्ञा पत्र पर दसखत कर देंगे और अपनी सत्याग्रह सभा बनायेंगे तो मैं उनका सदर बन जाऊँगा. तुम्हारी सभा का सदर बनना मुझे नागंजूर है. तुम तो सत्याग्रह को समझे ही नहीं.”

अब मैंने उनसे कहा—“आप नाराज न होइये. मेरी अपनी निजी राय भी यही थी जो आपकी है. कुछ और साधियों की राय वह थी जिस पर आप को इतना दुख हुआ. मैंने पहले से आप को अपना और दूसरों का यह फर्क बताना ठीक नहीं समझा. अब हम वहीं करेंगे जो आप चाहते हैं. आपके बिना सत्याग्रह कैसा ? आप ही रास्ता बतायें तो हम चल सकते हैं. दूसरा प्रतिज्ञा पत्र नहीं होगा. और कोई आप, चाहे न आप.”

गांधीजी ने थोड़ा सोचा. मेरी तरफ को बार-बार देखा. एक दो और चोटी-मोटी बात हुई. उनका रास्ता ठंडा हुआ. फिर खुश होकर कहा—“जाओ काम करो, मैं तुम्हारा सदर और तुम सिक्रेटरी.”

उसी दिन शाम को या अगले दिन मैं इलाहाबाद के लिये चल पड़ा. यू० पी० सत्याग्रह सभा का विधान छप गया. गांधीजी सदर, मैं और मंजर अली सिक्रेटरी. मेम्बरों की फेहरिस्त शायद तीस के करीब रही होगी, जिसमें एक नाम जवाहरलाल जी का भी था.

[5]

मेरी उसी अहमदाबाद यात्रा की एक और छोटी सी घटना मुझे याद आ रही है.

शायद तीसरे पहर का वक़्त था. मैं गांधीजी के पास बैठा हुआ था. उनके सत्याग्रह आश्रम की नियमावली छप चुकी थी. छोटे साइज की पाँच सात सफे की छोटी सब थी. एक काफी बड़ी कहीं आस-पास पड़ी हुई थी. मेरी निगाह उस पर गई. मैं उसे पढ़ गया. उसमें एक नियम यह छपा हुआ था—“बर्ण आश्रम धर्म को बाधा न पहुँचे इस-लिये आश्रमवासी जब कभी आश्रम से बाहर जायेंगे तो केवल फल या दूध लाकर ही रहेंगे.”

پونکر سیدھے جا کر اسی دالان میں ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ کسی نے ان کے اشارے پر تھک کر ایک کپڑا ان کے سر اور ماتھے پر رکھ دیا۔ ان کے سر اور ماتھے پر رکھ دیا۔ میں ذرا دور بیٹھ کر دیکھتا رہا۔ چاہتا تھا وہ تھوڑا آرام کر لیں تو پاس بیٹھیں۔ ایک بل کے اندر انہوں نے میری طرف کو آنکھ پھری اور اشارہ کر کے اپنی چارپائی کے پاس بلایا۔ میں پاس جا کر بیٹھ گیا۔ کہنے لگے—”سب حال سلاؤ۔“ میں نے جواب دیا—”ابھی آپ بہت تھکے ہیں ذرا آرام کر لیجئے۔“ جواب ملا—”نہیں، شروع کر دو۔“

میں نے سارا حال کھ سنا یا۔ کےवल پنڈت موतीलال اور دوسرے प्रतिज्ञا पत्र की बात अभी नहीं कही।

इसके बाद मैंने कहा—”आप हमारी यू० पी० सत्या-प्रज्ञा सभा के सदस्य बनना मंजूर कीजिये।“

उन्होंने जवाब दिया—”मुझे बड़ी खुशी से मंजूर है। मैं तुम्हारी सभा का सदस्य बन गया। तुम सिक्रेटरी हो न ?“

मैंने कहा—”हाँ, मैं और मंजूर अली दो सिक्रेटरी हूँ।“

गांधीजी ने पसन्द किया और कहा—”काम शुरू कर दो।

इससे कुछ पहले गांधीजी ने देश भर से उन लोगों के नाम माँगे थे जो अपने आप को कानून तोड़कर जेल जाने के लिये पेश करें। इस पर मैं और मंजूर अली दोनों अपने नाम भेज चुके थे। यह नाम बम्बई के अखबारों में छपते जाते थे।

गांधीजी से उनके सदस्य होने और अपने और मंजूर अली के सिक्रेटरी होने की बात तय करने के बाद मैंने उनसे दूसरे प्रतिज्ञा पत्र की बात छेड़ी। मैंने उनसे कहा—”पण्डित मोतीलाल जी को आपका प्रतिज्ञा पत्र मंजूर नहीं। उनके लिये और उन जैसे विचार वालों के लिये हमने एक दूसरा प्रतिज्ञा पत्र बना लिया है।“

यहाँ मैंने उन्हें दूसरा प्रतिज्ञा पत्र पढ़ सुनाया और कहा—”यह पण्डित मोतीलाल जी को मंजूर है। हम चाहते हैं वह हमारी सभा के नायब सदस्य हो जायें। इसलिये हमने सोचा है कि जो आवामी दोनों में से किसी एक भी प्रतिज्ञा पत्र पर दसखत कर दे वह हमारी सभा का सदस्य बन सके। मोतीलाल जी के आजाने से जवाहरलाल जी का आना आसान हो जायगा, और फिर शायद हम तीन सिक्रेटरी हो जायेंगे।“

मैंने देखा कि मेरे यह सब बात कहते-कहते गांधीजी के चेहरे का रंग बदल गया, उन्होंने तुरन्त मेरी बात बीच

میں نے سارا حال کہہ سنا یا۔ کیوں پنڈت موٹی لال اور دوسرے پرتکھاں پتر کی بات ابھی نہیں کہی۔

اس کے بعد میں نے کہا—”آپ ہماری یو۔ پی۔ سٹیٹہ سبھا کے صدر بننا منظور کیجئے۔“

انہوں نے جواب دیا—”مجھے بڑی خوشی سے منظور ہے۔ میں تمہاری سبھا کا صدر بن گیا۔ تم سرکاری ہو نہ ؟“

میں نے کہا—”ہاں، میں اور منظر علی دو سرکاری ہیں۔“

گاندھی جی نے پسند کیا اور کہا—”کام شروع کر دو۔“

اس سے کچھ پہلے گاندھی جی نے دیس بھر سے ان لوگوں کے نام مانگے تھے جو اپنے آپ کو قانون توڑ کر جیل جانے کے لئے پیش کریں۔ اس پر میں اور منظر علی دونوں اپنے نام بھیج چکے تھے۔ یہ نام بھائی کے اخباروں میں چھپتے جاتے تھے۔

گاندھی جی سے ان کے صدر ہونے اور اپنے اور منظر علی کے سرکاری ہونے کی بات عام کرنے کے بعد میں نے ان سے دوسرے پرتکھاں پتر کی بات چیری۔ میں نے ان سے کہا—”پنڈت موٹی لال جی کو آپ کا پرتکھاں پتر منظور نہیں۔ ان کے لئے اور ان جیسے وچاروالوں کے لئے ہم نے ایک دوسرا پرتکھاں پتر بنا لیا ہے۔“

یہاں میں نے انہیں دوسرا پرتکھاں پتر پڑھ سنا یا اور کہا—”یہ پنڈت موٹی لال جی کو منظور ہے۔ ہم چاہتے ہیں وہ ہماری سبھا کے نائب صدر ہو جائیں اس لئے ہم نے سوچا ہے کہ جو آدمی دونوں میں سے کسی ایک بھی پرتکھاں پتر پر دستخط کر دے وہ ہماری سبھا کا ممبر بن سکے۔ موٹی لال جی کے آجانے سے جواہر لال جی کا آنا آسان ہو جائیگا اور یہ شاید ہم تین سرکاری ہو جائیں۔“

میں نے دیکھا کہ میرے یہ سب بات کہتے کہتے گاندھی جی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے توجہ میری بات

सरकार के बिनाक सत्याग्रह शुरू करने से पहले लोग उपवास और प्रार्थनाओं के जरिये अपनी आरमाओं को शुद्ध कर लें. बड़ों-बड़ों का भन्दाबा यह था कि मुमकिन है बड़े-बड़े राहों में आधी पकती हडताल हो जावे. पर यह एक इतिहासी घटना है कि उस दिन हिमालय से लेकर रासकुमारी तक दूर से दूर किसी गाँव में भी हल नहीं चला.

अहमदाबाद से खबर आते ही इलाहाबाद होम रुल लीग के दफ्तर में जिसका मैं एक मन्त्री था, मैंने कुछ मित्रों को जमा किया. एक यू. पी. सत्याग्रह सभा कायम हुई. गांधीजी को उसका सदर रखने की तजवीज हुई. मैं और मंत्ररअली सोचता उसके सिक्रेटरी बने. अहमदाबाद जाकर गांधीजी को इसकी इत्तला देने, उनसे हिदायतें लेने और सदर बनाने के लिये राजी करने का काम मुझे सौंपा गया.

इस बीच एक और छोटी सी घटना हुई. गांधीजी ने देश भर के सत्याग्रहियों के लिये एक प्रतिज्ञा पत्र निकाला था जो सब अखबारों में छप चुका था. यू० पी० सत्याग्रह सभा के मेम्बरों के लिये भी इस प्रतिज्ञा पत्र पर दसखत करना जरूरी थे. हम में से कुछ लोग चाहते थे कि पंडित मोतीलाल नेहरू यू० पी० सत्याग्रह सभा के नायब सदर हों. पंडित मोतीलाल जी को गांधीजी का प्रतिज्ञा पत्र पसन्द न था. वह कानून तोड़ने और शांति के तैयार थे, पर अपनी नकेल दूसरे के हाथ में देने को पसन्द न करते थे. कुछ साथियों की सलाह से एक दूसरा प्रतिज्ञा पत्र लिखा गया जिसे पंडित मोतीलाल जी ने पसन्द कर लिया. वह उस पर दसखत करने को राजी हो गये. तब हुआ कि यू० पी० सत्याग्रह सभा का जो मेम्बर चाहे गांधीजी वाले प्रतिज्ञा पत्र पर दसखत कर दे और जो चाहे इस नये प्रतिज्ञा पत्र पर. दोनों बराबर के मेम्बर समझे जायें. पर इस सबके लिये भी गांधीजी की सलाह और इनामत जरूरी थी. यह इजाजत हासिल करना भी मेरे सुपुर्द हुआ.

गांधीजी से मिलने के लिये मैं अहमदाबाद पहुँचा. हाल ही में अहमदाबाद और बीरमगम में बलबे हो चुके थे. इन शख्सों के बहुत से घायल अहमदाबाद के किसी अस्पताल या अस्पतालों में पड़े हुए थे. जिस वक्त मैं आश्रम पहुँचा गांधीजी इन घायलों को देखने गये हुए थे. मैं बैठकर इन्तजार करने लगा.

थोड़ी देर बाद गांधीजी आए. मालूम होता था बेहद थके हुए हैं. पाँव लकड़वाते से पड़ रहे थे. मैंने नमस्कार किया. मुझे देखकर खुरा हुए. पूछा कब आए ? मेरा जवाब

میں نے اپنے لوگ آپناؤں اور پرانہوں کے ذریعہ اپنی آتماؤں کو دھ کر لیں. بڑوں بڑوں کا اندازہ یہ تھا کہ ممکن ہے بڑے بڑے شہروں میں آندھی پونہ ہو جائے. پر یہ ایک انتہائی گھٹا ہے کہ اُس دن ہوائیہ سے لیکر راس کماری تک دور سے دور کسی گڑ میں بھی ہل نہیں چلا.

احمدآباد سے خبر آتی ہی اہلآباد ہوم رول لیگ کے دفتر میں جس کا میں ایک منتری تھا، مہلہ کچھ متروں کو جمع کیا. ایک یو. پی. سٹیباگرہ سبھا قائم ہوئی. گاندھی جی کو اُس کا صدر رکھنے کی تجویز ہوئی. میں اور مظاہر علی سوختہ اُس کے سکریٹری بنے. احمدآباد جا کر گاندھی جی کو اُس کی اطلاع دیدے ان سے ہدایتیں لیں اور صدر بنانے کے لئے راضی کرنے کا کام مجھے سونپا گیا.

اِس بیچ ایک چھوٹی سی گھٹنا ہوئی. گاندھی جی نے دیہی بہر کے سٹیباگرہوں کے لئے ایک پرنکیاں پتر نکالا تھا جو سب اخباروں میں چھپ چکا تھا. یو. پی. سٹیباگرہ سبھا کے ممبروں کے لئے ہی اِس پرنکیاں پتر پر دستخط کرنا ضروری تھے. ہم میں سے کچھ لوگ چاہتے تھے کہ پلذت موتی لال نہرو یو. پی. سٹیباگرہ سبھا کے نائب صدر ہوں. پلذت موتی لال جی کو گاندھی جی کا پرنکیاں پتر پسند نہ تھا. وہ قانون توڑنے اور جیل جانے کو تیار تھے پر اپنی نکیل دوسرے کے ہاتھ میں دینا پسند نہ کرتے تھے. کچھ ساتھیوں کی صلاح سے ایک دوسرا پرنکیاں پتر لکھا گیا جسے پلذت موتی لال جی نے پسند کر لیا. وہ اُس پر دستخط کرنے کو راضی ہو گئے. چلے ہوا کہ یو. پی. سٹیباگرہ سبھا کا جو ممبر چاہے گاندھی جی والے پرنکیاں پتر پر دستخط کر دے اور جو چاہے اِس نئے پرنکیاں پتر پر. دوسرے ہر ایک کے ممبر سمجھے جاتے. پر اِس سب کے لئے بھی گاندھی جی کی صلاح اور اجازت ضروری تھی. یہ اجازت حاصل کرنا بھی میرے سہرہ ہوا.

گاندھی جی سے ملنے کے لئے میں احمدآباد پہونچا. حال ہی میں احمدآباد اور دیم گم میں بلوے ہو چکے تھے. اِن زخمیوں کے بہت سے گھائل احمدآباد کے کسی امواتل یا امواتلوں میں پڑے ہوئے تھے. جس وقت میں آشرم پہونچا گاندھی جی اِن گھائلوں کو دیکھتے ہوئے تھے. میں دیم کو انتظار کرتے تھا.

پہریں دیر بعد گاندھی جی آئے. معلوم ہوتا تھا بے حد تھکے ہوئے ہیں. پاؤں لڑکھڑاتے سے پڑ رہے تھے. میرے نمسکار کیا. میرے دیم کو بے حد خوش ہوئے. پوچھا کب آئے ? میرا جواب

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھا جسے اس کتاب کے دشن نہیں کرائے گئے
 اور انگریز جوائنٹ مجسٹریٹس تک کو پڑھنے کو دی گئی ۔
 مجھے اس کتاب کو دیکھنے اور اس میں اپنا نام اور حال پڑھنے
 کا سہیاگہ ملا تھا ۔ اب سوال تھا کہ اس سب کو اور اسی طرح
 کے اردوں کو انگریزی راج کی راہ کے دروزوں کو کس طرح متایا
 جائے ۔ خزانہ اور تجربہ کار افسروں کی ایک کمیٹی مقرر
 ہوئی ۔ اس نے ایک بہت بڑی رپورٹ اس بلت کی تیار کی کہ
 انگریزی راج کے خلاف کب کب کہاں کہاں اور کس کس طرح
 بغاوت کے خیال پیدا ہوئے ہوتے تھے کہاں اور کیا لیا کششیں
 ہوتیں ۔ اس رپورٹ کے اعداد پر اور اس کمیٹی کی صلاح کے
 مطابق پورے لاکھ کی کونسل میں دو نئے قانون پھیل گئے ۔
 یہ دونوں قانون رولٹ ایکٹ کہلاتے تھے اور دیہی میں اس
 سے 'کالے قانونوں' کے نام سے مشہور تھے ۔ ان نئے قانونوں میں
 دیہی کے چھوٹے سے چھوٹے پراس انسروں کو وہ زبردست ادھکار
 دے دیئے گئے جن کے دہتے دیہی کے اندر نرم یا گرم کسی
 طرح کے راجگاہی آندولن کا چل سکنا بھی ناممکن تھا ۔ نرم
 آل کے پورے سے بڑے نہیں تھے انہیں دیکھ کر چھرائی ، استغش
 اور غصہ سے بھر گئے ۔ لاکھ صاحب کی کونسل کے اندر ان
 قانونوں کے خلاف مانڈے شریوں اس شاستری اور مسٹر ایم ۔ اے ۔
 جناح کی جو زوردار تقریریں ہوئیں وہ ایک بار سارے دیہی
 میں کوئج گئیں ۔ قانون پاس ہو گئے ۔ سارا دیہی غصہ اور
 پچھلی سے بھر گیا ۔ گاندھی جی کسے چپ رہ سکتے تھے ؟
 ان کے لئے یہ بھوکاں کا دیا ہوا موقع تھا ۔

اس گرم گرمی کے شروع کے دنوں میں گاندھی جی
 احمد آباد میں سخت بیمار پڑے ہوئے تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ
 ایک بار ان کے بچنے کی بھی آشا کم دکھائی دی گئی تھی ۔ وہ
 سمجھتے تھے کہ ان کی بیماری شری کی کم اور سن کی ادھک
 ہی ہو ۔ ہو سکتا ہے ان کی آتما اندر سے کربہ بتم کا دروازہ
 کھلنے کے لئے بے چین رہی ہو ۔ جو ہو ' دیہی کے روگ کے
 سامنے وہ اپنا روگ بھول گئے ۔ احمد آباد سے ہی انہوں نے
 نئے کالے قانونوں کے خلاف سٹرا کر کے یعنی کھلے طور پر
 سرکار کا کوئی نہ کوئی قانون توڑنے اور اس کی سوا میں جھل
 جانے کا پروگرام دیہی کے سامنے رکھا ۔ دیہی بھر کے لئے ایک
 سٹرا کر سہا ہڈی گئی جس کے گاندھی جی صدر تھے ۔ گاندھی
 جی نے خود ہمیں جاکر ضبط کتابوں کو کھلے عام بیچ کر
 سٹرا کر شروع کیا ۔ دیہی پر اس کا کتنا گہرا اثر ہوا اس کا
 پلے سے کسی کو گمان بھی نہ ہو سکتا تھا اور اب بھی اندازہ
 لاسکتا تھیں ۔ 6 اپریل 1919 کے لئے ہرنال لعلی
 ہو چکی تھی ۔ گاندھی جی کا اس سے مقصد یہ تھا کہ

اس گرم گرمی کے دنوں میں گاندھی جی
 احمد آباد میں سخت بیمار پڑے ہوئے تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ
 ایک بار ان کے بچنے کی بھی آشا کم دکھائی دی گئی تھی ۔ وہ
 سمجھتے تھے کہ ان کی بیماری شری کی کم اور سن کی ادھک
 ہی ہو ۔ ہو سکتا ہے ان کی آتما اندر سے کربہ بتم کا دروازہ
 کھلنے کے لئے بے چین رہی ہو ۔ جو ہو ' دیہی کے روگ کے
 سامنے وہ اپنا روگ بھول گئے ۔ احمد آباد سے ہی انہوں نے
 نئے کالے قانونوں کے خلاف سٹرا کر کے یعنی کھلے طور پر
 سرکار کا کوئی نہ کوئی قانون توڑنے اور اس کی سوا میں جھل
 جانے کا پروگرام دیہی کے سامنے رکھا ۔ دیہی بھر کے لئے ایک
 سٹرا کر سہا ہڈی گئی جس کے گاندھی جی صدر تھے ۔ گاندھی
 جی نے خود ہمیں جاکر ضبط کتابوں کو کھلے عام بیچ کر
 سٹرا کر شروع کیا ۔ دیہی پر اس کا کتنا گہرا اثر ہوا اس کا
 پلے سے کسی کو گمان بھی نہ ہو سکتا تھا اور اب بھی اندازہ
 لاسکتا تھیں ۔ 6 اپریل 1919 کے لئے ہرنال لعلی
 ہو چکی تھی ۔ گاندھی جی کا اس سے مقصد یہ تھا کہ

गांधी जी के साथ पहली मुलाकात

दोपहर को मैं मुन्हें बुलाऊंगा, तब तुमसे बातें होंगी।" मैंने उनकी आज्ञा मान ली।

दोपहर बाद उन्होंने मुझे ऊपर के एक कमरे में बुलाया। वह और मैं ही थे। फर्श पर बैठकर लगभग दो घंटे तक फिर बातें होती रहीं। वह सब बातें मुझे अब याद नहीं रहीं। इतना याद है कि गांधी जी को हिन्दुस्तान भर की एक-एक छावनी के बारे में यह जानकारी थी कि किसमें कितनी फौज है, कितनी बंसी और कितनी अंगरेजी, और कितने हथियार हैं, और कहाँ कोई बराबत या आन्दोलन खड़ा हो जाने पर सरकार कितना मुकाबला कर सकती है। उन्होंने इन चीजों को अच्छी तरह पढ़ रखा था। फौजों के इधर से उधर आने जाने को भी वह ध्यान से पढ़ते सुनते रहते थे। मुझ पर यह भी असर पड़ा कि किसी एक जगह को अपने आन्दोलन के लिये या सत्याग्रह के लिये चुनते समय यह सब चीजें उनकी निगाह में रहती हैं। उस दिन की दो घंटे की बात-चीत से दो बातें मेरे दिल पर जम गईं। एक यह कि अंगरेज सरकार की हिंसा करने की शक्ति की कितनी अच्छी जानकारी गांधी जी का थी उसनी हमारे पुराने क्रान्तिकारी दल में किसी का न थी। दूसरी यह कि विदेशी हुकूमत से नफ़रत और मुक्त की आजादी के लिये तड़प भी गांधीजी में किसी दूसरे से कम न थी। कुछ ऐसा भी लगा कि उनकी धर्म, पाप और अहिंसा की बातें केवल वक्त की जरूरत थीं और वह बड़ी मेहनत के साथ कोई नया रास्ता ढूँढ़ रहे थे या बना रहे थे।

मेरा दिल बदला, मैं गहरें साँच में पड़ गया। फिर भी अधिक न ठहरा। शाम की गांधी से मैं इलाहाबाद के लिये रवाना हो गया।

इस तरह मेरी गांधी जी की दूसरी मुलाकात खतम हुई।

[4]

पहली जंग के खतम होने से पहले-पहले देश में नई जान और नई बसों पैदा हो रही थीं। गांधी जी के छोटे-छोटे नये तज़रबे भी बहुत सों का ध्यान अपनी तरफ़ खींच रहे थे। सरकार इन सब बातों को देख और समझ रही थी बढ़ता हुई बेचैनी और आजादी की प्यास को कुचलने की तरकीबें सोची जाने लगीं। देश भर के कुछ चुने हुए काम करने वालों या आजादी के प्रेमियों की एक क्रैडिस्त तैयार करके हर एक का थोड़ा-थोड़ा हाल देते हुए अंगरेजी में एक छोटी सी किताब तैयार की और गुप्त रीति से उसे हिन्दुस्तान भर के सब अंगरेज अफसरों के हाथों में पहुँचाया गया। मुझे मासूम है कि बाज-बाज जिलों में जहाँ हिन्दुस्तानी

गांधी जी के साथ पहली मुलाकात

दोपहर को मैंने उनसे मिली। तब मैंने उनसे मिली।

दोपहर बाद उन्होंने मुझे ऊपर के एक कमरे में बुलाया। वह और मैं ही थे। फर्श पर बैठकर लगभग दो घंटे तक फिर बातें होती रहीं। वह सब बातें मुझे अब याद नहीं रहीं। इतना याद है कि गांधी जी को हिन्दुस्तान भर की एक-एक छावनी के बारे में यह जानकारी थी कि किसमें कितनी फौज है, कितनी बंसी और कितनी अंगरेजी, और कितने हथियार हैं, और कहाँ कोई बराबत या आन्दोलन खड़ा हो जाने पर सरकार कितना मुकाबला कर सकती है। उन्होंने इन चीजों को अच्छी तरह पढ़ रखा था। फौजों के इधर से उधर आने जाने को भी वह ध्यान से पढ़ते सुनते रहते थे। मुझ पर यह भी असर पड़ा कि किसी एक जगह को अपने आन्दोलन के लिये या सत्याग्रह के लिये चुनते समय यह सब चीजें उनकी निगाह में रहती हैं। उस दिन की दो घंटे की बात-चीत से दो बातें मेरे दिल पर जम गईं। एक यह कि अंगरेज सरकार की हिंसा करने की शक्ति की कितनी अच्छी जानकारी गांधी जी का थी उसनी हमारे पुराने क्रान्तिकारी दल में किसी का न थी। दूसरी यह कि विदेशी हुकूमत से नफ़रत और मुक्त की आजादी के लिये तड़प भी गांधीजी में किसी दूसरे से कम न थी। कुछ ऐसा भी लगा कि उनकी धर्म, पाप और अहिंसा की बातें केवल वक्त की जरूरत थीं और वह बड़ी मेहनत के साथ कोई नया रास्ता ढूँढ़ रहे थे या बना रहे थे।

मेरा दिल बदला, मैं गहरें साँच में पड़ गया। फिर भी अधिक न ठहरा। शाम की गांधी से मैं इलाहाबाद के लिये रवाना हो गया।

इस तरह मेरी गांधी जी की दूसरी मुलाकात खतम हुई।

[4]

पहली जंग के खतम होने से पहले-पहले देश में नई जान और नई बसों पैदा हो रही थीं। गांधी जी के छोटे-छोटे नये तज़रबे भी बहुत सों का ध्यान अपनी तरफ़ खींच रहे थे। सरकार इन सब बातों को देख और समझ रही थी बढ़ता हुई बेचैनी और आजादी की प्यास को कुचलने की तरकीबें सोची जाने लगीं। देश भर के कुछ चुने हुए काम करने वालों या आजादी के प्रेमियों की एक क्रैडिस्त तैयार करके हर एक का थोड़ा-थोड़ा हाल देते हुए अंगरेजी में एक छोटी सी किताब तैयार की और गुप्त रीति से उसे हिन्दुस्तान भर के सब अंगरेज अफसरों के हाथों में पहुँचाया गया। मुझे मासूम है कि बाज-बाज जिलों में जहाँ हिन्दुस्तानी

میں گوجرات پہنچا۔ گاندھی جی اس وقت بمبئی کے اناتھالیہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں ان سے وہیں ملنے کے لئے گیا۔ مہرے ان کی یہ دوسری ملاقات تھی۔

صبح کا وقت تھا۔ گاندھی جی اناتھالیہ کے حال کے ایک کمرے میں ٹھہرے کے اوپر ایک کمرہ بچھائے بیٹھے ہوئے تھے۔ آٹھ دس کام کرنے والے ان کے داڑھے-باڑھے اور سامنے تھے۔ ان سے دو کی یاد میرے اندر ابھی تک باقی ہے۔ ایک شکر لال ہیڈنگ اور دوسرے واہ بھائی پٹیل۔ گاندھی جی میں اور ان میں باتیں ہو رہی تھیں۔ کچھ گجراتی میں اور کچھ ہندوستانی میں ملی جلی۔ میں جاکر نسکار کیا۔ گاندھی جی نے مجھے پہچان لیا۔ پوچھا کہ میں وہی ہوں نہ جو ان سے احمدآباد میں مل چکا تھا۔ میرے ہاں کرلے پر انہوں نے پریم کے ساتھ مجھے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ ان کی باتیں سننے لگا۔ لگ بھگ دو گھنٹے باتیں ہوتی رہیں۔ میں گجراتی اور ہندوستانی دونوں سمجھ رہا تھا۔ مجھے اب ان باتوں کی تفصیل تو یاد نہیں رہی پر اتنا اچھی طرح یاد ہے کہ دو گھنٹے تک لگاتار گاندھی جی ان سب کام کرنے والوں کو طرح طرح سے بھی سمجھاتے رہے کہ دھرم پر قائم رہنا، پاپ نہیں کرنا، کسی کو مارنا نہیں، کسی کو دھوکہ بھی نہیں پہنچانا، انیسویں کے ساتھ ہی دل میں پریم رکھنا اور پریم کے ساتھ ہی ان سے برتنا وغیرہ وغیرہ۔ میں دھیان سے سنتا رہا۔ کبھی کبھی مہارے بات کو صاف کرنے کے لئے کوئی چھوٹا سا سوال بھی کر لیا۔ ہر بات کا وہی جواب۔ انہیں اتنی اس بات کی چٹنا نہیں تھی کہ کسانوں کا ایسائے دور ہو جتنی اس کی کہ کسی بھی سرکاری آدمی یا سرکاری نوکر کو خیرا سا بھی دھوکہ نہ پہنچا ہو۔ تو میرے من میں گاندھی جی کی طرف سے پھر وہی بھڑا اُٹھ رہا جو ایک سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ دو تین گھنٹے کی باتیں سن کر اور اچھے سے چھ کام کرنے والوں کے ساتھ مجھ میں پھر ان کی طرف سے ناراضا اور ایک طرح کی نفرت ہی جاگی۔ بھانے کا وقت آ رہا تھا۔ سب کھڑے ہو گئے۔ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ میں نے گاندھی جی سے کہا—”میں پہلے ہی آپ سے ملنے آیا تھا اور اُن دنوں بعد پھر آیا ہوں۔ اب میں اسی دوپہر کی گڑی سے لرت جاؤنگا۔ صرف اتنا عرض کر دوں کہ میں اُن ہی disappointed (ناراض) اور disgusted (بیزار) (بیزار) جا رہا ہوں جتنا پہلی بار۔“

گاندھی جی پھر مسکرائے۔ کچھ اور لوگ بھی دیکھ رہے تھے۔ مجھے کہ—”ابھی اور ٹھہرو۔“ میں نے جواب دیا—”مجھے ٹھہرنے سے کوئی ذمہ دہائی نہیں دینا۔“ گاندھی جی نے کہا—”اُن دنوں سے آئے ہو۔ میرے کہنے سے کچھ دیر اور ٹھہرو جاؤ۔ تم بھی کھانا کھا لو، میں بھی کھا لوں۔ پھر

میں گوجرات پہنچا۔ گاندھی جی اس وقت بمبئی کے اناتھالیہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں ان سے وہیں ملنے کے لئے گیا۔ مہرے ان کی یہ دوسری ملاقات تھی۔

صبح کا وقت تھا۔ گاندھی جی اناتھالیہ کے حال کے ایک کمرے میں ٹھہرے کے اوپر ایک کمرہ بچھائے بیٹھے ہوئے تھے۔ آٹھ دس کام کرنے والے ان کے داڑھے-باڑھے اور سامنے تھے۔ ان سے دو کی یاد میرے اندر ابھی تک باقی ہے۔ ایک شکر لال ہیڈنگ اور دوسرے واہ بھائی پٹیل۔ گاندھی جی میں اور ان میں باتیں ہو رہی تھیں۔ کچھ گجراتی میں اور کچھ ہندوستانی میں ملی جلی۔ میں جاکر نسکار کیا۔ گاندھی جی نے مجھے پہچان لیا۔ پوچھا کہ میں وہی ہوں نہ جو ان سے احمدآباد میں مل چکا تھا۔ میرے ہاں کرلے پر انہوں نے پریم کے ساتھ مجھے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ ان کی باتیں سننے لگا۔ لگ بھگ دو گھنٹے باتیں ہوتی رہیں۔ میں گجراتی اور ہندوستانی دونوں سمجھ رہا تھا۔ مجھے اب ان باتوں کی تفصیل تو یاد نہیں رہی پر اتنا اچھی طرح یاد ہے کہ دو گھنٹے تک لگاتار گاندھی جی ان سب کام کرنے والوں کو طرح طرح سے بھی سمجھاتے رہے کہ دھرم پر قائم رہنا، پاپ نہیں کرنا، کسی کو مارنا نہیں، کسی کو دھوکہ بھی نہیں پہنچانا، انیسویں کے ساتھ ہی دل میں پریم رکھنا اور پریم کے ساتھ ہی ان سے برتنا وغیرہ وغیرہ۔ میں دھیان سے سنتا رہا۔ کبھی کبھی مہارے بات کو صاف کرنے کے لئے کوئی چھوٹا سا سوال بھی کر لیا۔ ہر بات کا وہی جواب۔ انہیں اتنی اس بات کی چٹنا نہیں تھی کہ کسانوں کا ایسائے دور ہو جتنی اس کی کہ کسی بھی سرکاری آدمی یا سرکاری نوکر کو خیرا سا بھی دھوکہ نہ پہنچا ہو۔ تو میرے من میں گاندھی جی کی طرف سے پھر وہی بھڑا اُٹھ رہا جو ایک سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ دو تین گھنٹے کی باتیں سن کر اور اچھے سے چھ کام کرنے والوں کے ساتھ مجھ میں پھر ان کی طرف سے ناراضا اور ایک طرح کی نفرت ہی جاگی۔ بھانے کا وقت آ رہا تھا۔ سب کھڑے ہو گئے۔ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ میں نے گاندھی جی سے کہا—”میں پہلے ہی آپ سے ملنے آیا تھا اور اُن دنوں بعد پھر آیا ہوں۔ اب میں اسی دوپہر کی گڑی سے لرت جاؤنگا۔ صرف اتنا عرض کر دوں کہ میں اُن ہی disappointed (ناراض) اور disgusted (بیزار) (بیزار) جا رہا ہوں جتنا پہلی بار۔“

گاندھی جی پھر مسکرائے۔ کچھ اور لوگ بھی دیکھ رہے تھے۔ مجھے کہ—”ابھی اور ٹھہرو۔“ میں نے جواب دیا—”مجھے ٹھہرنے سے کوئی ذمہ دہائی نہیں دینا۔“ گاندھی جی نے کہا—”اُن دنوں سے آئے ہو۔ میرے کہنے سے کچھ دیر اور ٹھہرو جاؤ۔ تم بھی کھانا کھا لو، میں بھی کھا لوں۔ پھر

बलसे मैंने उससे यह भी कहा—“मेरी आप से एक ही प्रार्थना है, ईश्वर के लिये आप और जो चाहे कीजिये, हिन्दुस्तान की राजनीति में दखल न दीजिये, नहीं तो आप इस देश को और मिटा देंगे。” वह सुनकर मुस्कराए और कहने लगे—“अच्छा, अभी तो और फर भी आभागे。”

मैंने—“देखिये—नमस्कार !” कह कर बिदा ली. स्टे-
शन आया. सोलन के लिये वापिस चल दिया.

मैं रास्ते भर यही सोचता आया कि इतना लम्बा सफ़र और इतना ख़ूब सब बेकार गया.

सोलन पहुँचकर मैंने इसी मजमून के खत अपने दोस्तों को लिख दिये.

कुछ दिनों के बाद मुझे मालूम हुआ कि गाँधीजी जब पहले पहल दक्खिन अफरीका से हिन्दुस्तान आए थे तब मिस्टर गोखले ने, जिन्हें गाँधीजी अपने गुरु की तरह मानते थे, यह वायदा ले लिया था कि वह यहाँ आने के एक साल बाद तक इस देश की हालत का चुपचाप बैठकर देखेंगे और समझेंगे और किसी तरह को कोई अमली कदम कम से कम उस साल तक नहीं उठाएँगे। मैं जब गाँधीजी से पहली मरतबा मिला तो यह उसी एक साल के अन्दर का दिन था।

[3]

पहली मुलाकात हुए लगभग दो साल बीत चुके थे। पहला महायुद्ध खतम होने पर आ रहा था, जो हज़ारों हिन्दुस्तानी सिपाहों को लड़ाई के मैदानों से लौट-लौट कर आ रहे थे और जो ख़बरें लड़ाई की देश भर में फैल रही थीं उनकी बढ़ी हुई एक नई उमंग और आज़ादी की नई लगन देश भर में फैलती जा रही थी। मैं पहाड़ छोड़ कर इलाहाबाद आ चुका था। अभी आगे के काम के लिये दास्ताँ से सलाह ही कर रहा था कि इतने में सुना कि उन्हीं मिस्टर गाँधी ने चम्पारन बिहार में वहाँ के गरीब किसानों पर निलहे गोरों के अत्याचारों के खिलाफ कुछ आन्दोलन शुरू किया है। गाँधी जी के अपने पहले तजरबे से मुझे इतना जोश भी न आ सका कि बिहार, जो इलाहाबाद से बहुत दूर न था, जाकर उनके आन्दोलन को देखूँ।

आंके दिन और बीते. सुना कि गुजरात में खेड़ा जिला के किसानों की फसलें खराब हो गईं थीं. सरकार उनसे जबरदस्ती लगान बसूल कर रही थी. इस अन्याय के खिलाफ गाँधी जी ने गुजरात में एक नया आन्दोलन खड़ा किया है.

نکلا تھا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی شاید پانچ چھ برس کی رہی ہوگی، ان کے آگے بیٹھی تھی۔ مجھے جہاں تک یاد ہے لڑکی جی اس کے سر سے جوڑیں بین بن کر پاس رکھے ہوئے ہائی کے کمرے میں ڈالے جاتے تھے۔ اسی سچ دھج کے ایک دو اور آدمی کمرے کے پاس سے آتے جاتے دھائی دیتے۔ میں کمرے میں گھسا۔ معلوم کر کے کہ یہی مسٹر گاندھی ہیں کچھ اچنبھا سا لگا۔ انہوں نے ذات کا ایک ٹکڑا میری طرف کر کے مجھے ہاتھ کو دیا۔ میں ہنسا گیا۔ ہاتھیں شروع ہوئیں۔

میں نے اپنا اور حال کی دہائی کی آواز کی کوششوں کا حال جو میں جانتا تھا۔ سب انہوں نے تفصیل سے کہہ سنایا۔ معلوم ہوتا تھا بڑے دھیان سے سن رہے ہیں اور جو جو میں کہتا ہوں سب دیکھ جاتے ہیں۔ بیچ بیچ میں انہوں نے کئی سوال بھی کئے۔ اس بات چیت میں کئی گھنٹے لگے دوپہر سے شام ہونے آئی۔ کبھی کبھار وہ آٹھ دو گرام بھی کرتے رہے۔ پر جب جب میں ان سے ان کی رائے پوچھی اور ان سے آگے کے لئے صلاح لینا چاہتا تو لگ بھگ ہر بات پر وہ کچھ ایسا ہی جواب دیتے تھے۔ ”میں تو راجستھانی نہیں سمجھتا۔ میں تو دھرم جانتا ہوں۔ سب کو اپنے دھرم پر رہنا چاہئے۔ اپنا دھرم پالنا چاہئے۔ پاپ تو نہیں کرنا چاہئے۔ کسی کو مارنا تو پاپ ہے“ وغیرہ وغیرہ۔ مولے بار بار اور طاح طرح سے ان سے پوچھنا چاہا کہ آخر ہندوستان کو آزادی کیسے مل سکتی ہے۔ ہر بار وہ کوئی نہ کوئی اسی طرح کا فقرہ دہرا دیتے تھے۔ مجھ پر یہ اثر ضرور پڑا کہ وہ مجھ میں اور میری باتوں میں رس لے رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں مجھے بار بار ایک الٹا سلیپ اور ایلا پن دھائی دیتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا وہ چاہتے ہیں میں اور قریبوں اور ان سے باتیں کروں۔ ہر بار طاح کی طرح رٹے ہوئے ان نے وہی فقرے سن کر۔ ”میں تو دھرم جانتا ہوں۔ پاپ تو نہیں کرنا چاہئے۔ سب کو اپنا دھرم پالنا چاہئے“ میں اکتا گیا۔ مگر اس پوچھنے پر بھی کہ آخر دھرم ہے کیا چیز؟ وہ میری قلمی کا جواب نہ دے سکے۔ مجھے ان سے ایک طرح کی نفرت ہو گئی۔ میں پوچھتا تھا کہ دھرم اور دھرم کے جن دھانوس خیالوں نے اس ملک کو برباد کیا ہے اور اسے غلامی کے یہ دن دھائے ہیں وہی خیال اس آدمی کے اندر کب کب کوٹ کر پھرے ہوئے ہوں۔ مگر میں مل کر لیا کہ شلم کی گڑی سے سولن لپٹ جایا جائے۔ آخر میں میں نے ان سے کہا کہ میں آج ہی سولن واپس جا رہا ہوں۔ میں نے ان سے یہ بھی صاف کہہ دیا کہ میں آپ سے disappointed اور disgusted یعنی نراہی ہو کر اور ہزار ہو کر جا رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ میں انہوں کے ہی یہی دونوں شہد اہوگ کیے تھے۔ چلے

نکلا تھا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی شاید پانچ چھ برس کی رہی ہوگی، ان کے آگے بیٹھی تھی۔ مجھے جہاں تک یاد ہے لڑکی جی اس کے سر سے جوڑیں بین بن کر پاس رکھے ہوئے ہائی کے کمرے میں ڈالے جاتے تھے۔ اسی سچ دھج کے ایک دو اور آدمی کمرے کے پاس سے آتے جاتے دھائی دیتے۔ میں کمرے میں گھسا۔ معلوم کر کے کہ یہی مسٹر گاندھی ہیں کچھ اچنبھا سا لگا۔ انہوں نے ذات کا ایک ٹکڑا میری طرف کر کے مجھے ہاتھ کو دیا۔ میں ہنسا گیا۔ ہاتھیں شروع ہوئیں۔

میں نے اپنا اور حال کی دہائی کی آواز کی کوششوں کا حال جو میں جانتا تھا۔ سب انہوں نے تفصیل سے کہہ سنایا۔ معلوم ہوتا تھا بڑے دھیان سے سن رہے ہیں اور جو جو میں کہتا ہوں سب دیکھ جاتے ہیں۔ بیچ بیچ میں انہوں نے کئی سوال بھی کئے۔ اس بات چیت میں کئی گھنٹے لگے دوپہر سے شام ہونے آئی۔ کبھی کبھار وہ آٹھ دو گرام بھی کرتے رہے۔ پر جب جب میں ان سے ان کی رائے پوچھی اور ان سے آگے کے لئے صلاح لینا چاہتا تو لگ بھگ ہر بات پر وہ کچھ ایسا ہی جواب دیتے تھے۔ ”میں تو راجستھانی نہیں سمجھتا۔ میں تو دھرم جانتا ہوں۔ سب کو اپنے دھرم پر رہنا چاہئے۔ اپنا دھرم پالنا چاہئے۔ پاپ تو نہیں کرنا چاہئے۔ کسی کو مارنا تو پاپ ہے“ وغیرہ وغیرہ۔ مولے بار بار اور طاح طرح سے ان سے پوچھنا چاہا کہ آخر ہندوستان کو آزادی کیسے مل سکتی ہے۔ ہر بار وہ کوئی نہ کوئی اسی طرح کا فقرہ دہرا دیتے تھے۔ مجھ پر یہ اثر ضرور پڑا کہ وہ مجھ میں اور میری باتوں میں رس لے رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں مجھے بار بار ایک الٹا سلیپ اور ایلا پن دھائی دیتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا وہ چاہتے ہیں میں اور قریبوں اور ان سے باتیں کروں۔ ہر بار طاح کی طرح رٹے ہوئے ان نے وہی فقرے سن کر۔ ”میں تو دھرم جانتا ہوں۔ پاپ تو نہیں کرنا چاہئے۔ سب کو اپنا دھرم پالنا چاہئے“ میں اکتا گیا۔ مگر اس پوچھنے پر بھی کہ آخر دھرم ہے کیا چیز؟ وہ میری قلمی کا جواب نہ دے سکے۔ مجھے ان سے ایک طرح کی نفرت ہو گئی۔ میں پوچھتا تھا کہ دھرم اور دھرم کے جن دھانوس خیالوں نے اس ملک کو برباد کیا ہے اور اسے غلامی کے یہ دن دھائے ہیں وہی خیال اس آدمی کے اندر کب کب کوٹ کر پھرے ہوئے ہوں۔ مگر میں مل کر لیا کہ شلم کی گڑی سے سولن لپٹ جایا جائے۔ آخر میں میں نے ان سے کہا کہ میں آج ہی سولن واپس جا رہا ہوں۔ میں نے ان سے یہ بھی صاف کہہ دیا کہ میں آپ سے disappointed اور disgusted یعنی نراہی ہو کر اور ہزار ہو کر جا رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ میں انہوں کے ہی یہی دونوں شہد اہوگ کیے تھے۔ چلے

کار کے سیکڑوں برس تک بھی اس بپجائے کو نہیں جاسکتا تھا۔ کچھ برسوں کے بعد ہی اس طرح دکھا دیا کہ یہ راستہ بھرا بہت انگریزوں کے دلوں میں ہندوستانوں کا ڈر بڑھ ہی پیدا کر دے، نہ جلتا میں جان بھونک سکتا تھا نہ انہیں آزادی کی لڑائی کے لئے تیار کر سکتا تھا اور نہ دیہی کو آزاد کر سکتا تھا۔ اس دل کے عام لوگوں میں ایک گہری نراشا چھائی ہوئی تھی۔

سن 1908 میں لاکمانیہ تلک کے جیل بھجے جانے سے اس دل کو خاصہ دھکا پہونچایا تھا۔ سن 1910 میں اردن ہارو کے کنگہ چھوڑ کے بھاگنے سے دل کی ہمتیں اور پست ہو گئیں۔ اردن ہارو کے اس آخری دن میں کنگہ میں ہی تھا اور کئی گھنٹے اُن کے ساتھ رہا۔ سن 1912 کے بعد دل کے بہت سے لوگ ادھر ادھر آسام کی سرحد پر یا ہمالیہ کی ترانی میں چھپے کسی طرح دن رات رہتے تھے جس گلی سے وہ چل رہے تھے وہ آگے بند دکھائی دیتی تھی اور دوسرا کئی راستہ ہی مڑ کر آزادی کی منزل تک پہونچنے کا دکھائی نہ دیتا تھا۔

اس سلسلے میں سن 1912 سے 1916 تک کے دن سولن میں لائے۔ دل کے اندر گہری نراشا تھی۔ جاپان، روس، آئرلینڈ اور فرانس کے انتہائی کے خواہشوں پر اپنے دیہی کی آزادی کا کوئی راستہ دکھائی نہ دیا۔

[2]

سولن میں آیا کہ مسٹر گاندھی نام کے ایک سچوں اس سال ہندستان آئے ہیں۔ دیہی افریقہ میں وہ وہاں کے ہندوستانوں کے ادھیکاروں کے لئے لڑتے رہے ہیں اور کلبانی کے ساتھ لڑتے رہے ہیں۔ وہاں کی ہندوستانی جلتا لے ہی اُن کا خوب ماتہ دیا ہے۔ قدرتی طور پر اُن سے ملنے کی خواہش دل میں پیدا ہوئی، اس امید میں کہ اُن کی صلاح سے شاید اپنے دیہی کی آزادی کے لئے کوئی آگے کا راستہ سوچے۔

میں اکیلا سولن سے چلا۔ سیدھا احمد آباد پہونچا۔ پتہ لگا کر معلوم ہوا کہ مسٹر گاندھی شہر کے باہر کسی چھوٹے سے ہنگامے میں رہ رہے ہیں۔ میں وہاں پہونچا۔ موری گاندھی جی کی یہ پہلی ملاقات تھی۔

مجھے اب تک یاد ہے کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے کے اندر جس کا فرش بیچ بیچ میں اکھڑا ہوا تھا ٹاٹ کا ایک چوٹا سا ٹوکرا بچھاؤ اس پر بیٹھ تھے۔ ایک چھوٹی سی مٹی سی گھٹائوں تک کی دھوئی ہاتھوں ہوئے تھے۔ باقی بدن

سن 1908 میں لاکمانیہ تلک کے جیل بھجے جانے سے اس دل کو خاصہ دھکا پہونچایا تھا۔ سن 1910 میں اردن ہارو کے کنگہ چھوڑ کے بھاگنے سے دل کی ہمتیں اور پست ہو گئیں۔ اردن ہارو کے اس آخری دن میں کنگہ میں ہی تھا اور کئی گھنٹے اُن کے ساتھ رہا۔ سن 1912 کے بعد دل کے بہت سے لوگ ادھر ادھر آسام کی سرحد پر یا ہمالیہ کی ترانی میں چھپے کسی طرح دن رات رہتے تھے جس گلی سے وہ چل رہے تھے وہ آگے بند دکھائی دیتی تھی اور دوسرا کئی راستہ ہی مڑ کر آزادی کی منزل تک پہونچنے کا دکھائی نہ دیتا تھا۔

اس سلسلے میں سن 1912 سے 1916 تک کے دن سولن میں لائے۔ دل کے اندر گہری نراشا تھی۔ جاپان، روس، آئرلینڈ اور فرانس کے انتہائی کے خواہشوں پر اپنے دیہی کی آزادی کا کوئی راستہ دکھائی نہ دیا۔

[2]

میں اکیلا سولن سے چلا۔ سیدھا احمد آباد پہونچا۔ پتہ لگا کر معلوم ہوا کہ مسٹر گاندھی شہر کے باہر کسی چھوٹے سے ہنگامے میں رہ رہے ہیں۔ میں وہاں پہونچا۔ موری گاندھی جی کی یہ پہلی ملاقات تھی۔

مجھے اب تک یاد ہے کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے کے اندر جس کا فرش بیچ بیچ میں اکھڑا ہوا تھا ٹاٹ کا ایک چوٹا سا ٹوکرا بچھاؤ اس پر بیٹھ تھے۔ ایک چھوٹی سی مٹی سی گھٹائوں تک کی دھوئی ہاتھوں ہوئے تھے۔ باقی بدن

میں اکیلا سولن سے چلا۔ سیدھا احمد آباد پہونچا۔ پتہ لگا کر معلوم ہوا کہ مسٹر گاندھی شہر کے باہر کسی چھوٹے سے ہنگامے میں رہ رہے ہیں۔ میں وہاں پہونچا۔ موری گاندھی جی کی یہ پہلی ملاقات تھی۔

نے آنگرےز ہیندوستانیوں سے سہمیل کر بٹھنے لگے، اس آندولن کا سب سے بڑا بڑا کلک تھا۔ کلک سے اس ناخوشگوار ہوا سے باہر نکلنے کے لیے آنگرےزوں نے دہلی کا راجدھانی بنایا، دہلی میں بڑے شاندار جلسوں کے ساتھ داخل ہوئے جب انہوں نے مغلوں کے تین سو برس کے عرس کو اپنے اوپر اڑھنا چاہا تو سن 1912 کے لارڈ ہارڈنگ کے بم نے فیر ایکدم آنگرےز کیم کی اس ساری شان اور سارے مزے کو کڑوا کر دیا۔ سارے ہندستان میں ایک لہر سی دور گئی کہ دلی کو راجدھانی بنانا انگریز سرکار کو اس نہیں آئے گا۔ ہم اور پستول کی راہ نے کچھ دیر کے لئے اپنا کچھ نہ کچھ چمکار دکھایا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

پر وہ چمکار چند روز سے زیادہ نہ ٹھہر سکا۔ دلی ہم کے بعد ہی سرکار نے جو چوطرفہ دمن شروع کیا اس سے ملک میں پھر ایک بار اندھاری چھا گئی، اور بڑھتی گئی۔ اس کے بعد بھی کچھ ہمت والے لوگوں نے اندر اندر اسی طرح کی چیزیں جاری رکھیں۔ پر پانچ سات برس کے تجربے سے اس دل کے چارواں لوگوں نے دیکھ لیا کہ ان طریقوں سے اور جو کچھ بھی ہم کر پائیں یا نہ کر پائیں انگریزی راج دیش سے نہیں مٹایا جا سکتا۔ ایک ایک گوت ہتیا کا ٹھیک ٹھک کرلے میں بیس بیس اور تیس تیس آدمیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ مہلتا ہو بھی گئی تو پولیس کے سراغ لگالے پر قریب قریب ناممکن تھا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی بھوت نہ جاوے۔ بوسوں مقدمہ چلانے کے بعد ایک جان کے بدلے بیس بیس اور بیس تیس دیسی بھکتوں سے زندگی ہر کے لئے ہاتھ دعو ہوتا پڑتا تھا۔ چلتا میں جو لوگ ان کے کام سے اندر اندر ہمدردی بھی رکھتے تھے وہ ان سزاؤں کو دیکھ کر سہم جاتے تھے۔ ڈیکٹوں میں ایک ایک ڈیکٹی پر کبھی کبھی اتنا خرچ ہو جاتا تھا جتنا معمول نہ ہو پاتا تھا، پھر جو لوگ جان پر کھیل کر ڈیکٹیاں قاتل تھے انہوں میں رہنے پڑنے سے یا ہتیاروں کے ہتھوڑے پر یا ان کے ٹھیک ٹھیک استعمال پر پھر وہ سر بہمول ہوتی تھی کہ جس سے دل پھٹ جاتے تھے۔ پولیس کو اگر پتہ چلتا تھا کہ اس دل کا کوئی آدمی فاس گلوں میں ٹھہرا تھا تو اس گلوں کے لوگوں پر وہ ماریں پڑتی تھیں کہ ایک ایک گلوں والا پولیس کی چوکی پر جا کر ناک رکھتا تھا اور سرکار کی وفاداری کی قسمیں کھاتے لگتا تھا۔ دل کے مسجددار لوگوں کو دکھائی دے گا کہ جو انگریز قوم ایک جنگ میں اپنے ہزاروں آدمی ٹٹا سکتی تھے اور لاکھوں روپے گولہ بارود پر خرچ کر سکتی تھے وہ اکا دگا آدمیوں کی سال دو سال کے اندر جانیں گنوا کر اور وہ بھی اپنی زبردست قیمت وصول

پر وہ چمکار چند روز سے زیادہ نہ ٹھہر سکا۔ دلی ہم کے بعد ہی سرکار نے جو چوطرفہ دمن شروع کیا اس سے ملک میں پھر ایک بار اندھاری چھا گئی، اور بڑھتی گئی۔ اس کے بعد بھی کچھ ہمت والے لوگوں نے اندر اندر اسی طرح کی چیزیں جاری رکھیں۔ پر پانچ سات برس کے تجربے سے اس دل کے چارواں لوگوں نے دیکھ لیا کہ ان طریقوں سے اور جو کچھ بھی ہم کر پائیں یا نہ کر پائیں انگریزی راج دیش سے نہیں مٹایا جا سکتا۔ ایک ایک گوت ہتیا کا ٹھیک ٹھک کرلے میں بیس بیس اور تیس تیس آدمیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ مہلتا ہو بھی گئی تو پولیس کے سراغ لگالے پر قریب قریب ناممکن تھا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی بھوت نہ جاوے۔ بوسوں مقدمہ چلانے کے بعد ایک جان کے بدلے بیس بیس اور بیس تیس دیسی بھکتوں سے زندگی ہر کے لئے ہاتھ دعو ہوتا پڑتا تھا۔ چلتا میں جو لوگ ان کے کام سے اندر اندر ہمدردی بھی رکھتے تھے وہ ان سزاؤں کو دیکھ کر سہم جاتے تھے۔ ڈیکٹوں میں ایک ایک ڈیکٹی پر کبھی کبھی اتنا خرچ ہو جاتا تھا جتنا معمول نہ ہو پاتا تھا، پھر جو لوگ جان پر کھیل کر ڈیکٹیاں قاتل تھے انہوں میں رہنے پڑنے سے یا ہتیاروں کے ہتھوڑے پر یا ان کے ٹھیک ٹھیک استعمال پر پھر وہ سر بہمول ہوتی تھی کہ جس سے دل پھٹ جاتے تھے۔ پولیس کو اگر پتہ چلتا تھا کہ اس دل کا کوئی آدمی فاس گلوں میں ٹھہرا تھا تو اس گلوں کے لوگوں پر وہ ماریں پڑتی تھیں کہ ایک ایک گلوں والا پولیس کی چوکی پر جا کر ناک رکھتا تھا اور سرکار کی وفاداری کی قسمیں کھاتے لگتا تھا۔ دل کے مسجددار لوگوں کو دکھائی دے گا کہ جو انگریز قوم ایک جنگ میں اپنے ہزاروں آدمی ٹٹا سکتی تھے اور لاکھوں روپے گولہ بارود پر خرچ کر سکتی تھے وہ اکا دگا آدمیوں کی سال دو سال کے اندر جانیں گنوا کر اور وہ بھی اپنی زبردست قیمت وصول

गांधी जी के साथ पहली मुलाकातें

पंडित सुन्दरलाल

सन 1915 की बात है.

मैं सोलन में था, हिन्दुस्तान की राजनीति में उस समय दो ही दल थे. एक नरम दल जो इंगलिस्तान के बादशाह की बफादारी की कसमें खाता था, अंगरेज सरकार के रहते अपने देश को शिक्षा प्रचार और समाज सुधार के जरिये ऊँचा ले जाना और मजबूत करना चाहता था, और दरखास्तों और अरजी परचों के जरिये अंगरेजों से राज-काज में छान्टे-मोटे अधिकार और नौकरियाँ लेकर अपने को सफल मानता था. कांग्रेस इसी दल के हाथों में थी. दूसरा गरम दल जो स्वदेशी, अंगरेजी माल के बायकाट, क़ौमी तालीम और 'स्वराज' की प्यास लोगों में पैदा करके बम और पिस्तौल के जरिये इधर-उधर अंगरेज हाकिमों की हत्या करके और खजानों वगैरा को लूटकर अंगरेजों का इस देश से निकाल देने की आशा करता था. इस दूसरे दल का जन्म बँगाल की तत्कालीन के साथ-साथ सन 1905 में हुआ था. इस दल में बहुत से जान-पर खेलने वाले नौजवान थे. उन्होंने अपनी समितियाँ बनाईं. कई अंगरेजों और उनके हिन्दुस्तानी मददगारों की जगह-जगह हत्याएँ कीं. खजानों और हथियारों के गोदामों पर डाके डाले. मालूम होता है अच्छी और बुरी सभी चीजें अपने-अपने समय पर और अपनी जगह कुछ न कुछ उपयोग रखती हैं. शायद अच्छे और बुरे का फरक भी अन्धेरे और उजाले के फरक की तरह मौके और महल का ही फरक है. मुझे अच्छी तरह याद है कि सन 1907 से पहले अंगरेजों का दबदबा और उनका घमण्ड कितना गहरा था और सारे देश पर किस तरह छाया हुआ था. बड़े से बड़े हिन्दुस्तानी के जिए पहले या दूसरे दर्जे के रेल के किसी ऐसे डिब्बे में घुसने की हिम्मत करना जिसमें कोई अंगरेज पहले से बैठा हो एक गैर मामूली बात थी और कोई भी छोटे से छोटा अंगरेज ऐसे मौके पर किसी बड़े से बड़े हिन्दुस्तानी का खुले अपमान कर सकता था. सन 1907 के जुहीराम बोस के मुक्कफरपुर बम ने इस हालत को माने जादू की तरह एक रात में बदल दिया. अंगरेज समझ गए कि यह कीड़ा फाट भी सकता है. हिन्दुस्तानियों को इधर से उधर तक निराशा की अंधारी घटा में आशा की एक चिन्ता की लौधरी हुई दिखाई पड़ गई. रेल के डिब्बों

گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقاتیں

پندت سادہ ال

سن 1915 کی بات ہے ۔

میں سولن میں تھا۔ ہندستان کی راجنیتی میں اس
سمے دو ہی دل تھے۔ ایک نہم دل جو انگلستان کے بادشاہ
کی وفاداری کی قسمیں کھانا تھا؛ انگریز سولر کے دھتے اپنے دیہ
کو شہنشاہ پرچار اور سماج سدھار کے ذریعہ اونچا لیجانا اور
مقبوط کرنا چاہتا تھا، اور درخواستیں اور عرضیہ راجوں کے
ذریعہ انگریزوں سے راجکالج میں چھوٹے موٹے اندھکار اور نوکریاں
لیکر اپنے کو سہل مانتا تھا۔ کلگریس اسی دل کے ہاتھوں میں
تھی۔ دوسرا گرم دل جو سوڈیش، انگریزی مال کے ہائیڈراٹ
قومی تعلیم اور 'سوراج' کی پیاس لوگوں میں پیدا کر کے ہم اور
پستول کے ذریعہ ادھر ادھر انگریز حاکموں کی ہتھاکر کے اور خزانوں
وغیرہ کو لوٹ کر انگریزوں کو اس دیہ سے نکال دینے کی
آشا کرتا تھا۔ اس دوسرے کے دل کا جنم بنگال کی تقسیم کے
ساتھ ساتھ سن 1905 میں ہوا تھا۔ اس دل میں بہت سے
جان پر کھیلے والے نوجوان تھے۔ انہوں نے اپنی ستمیاں
بنائیں۔ کئی انگریزوں اور ان کے ہندستانی مددگاروں کی جگہ
جگہ ہتھیانوں کیں۔ خزانوں اور ہتھیاروں کے گوداموں پر قاذو
قاذو۔ معلوم ہوتا ہے اچھی اور بڑی سیبی چھڑیں اپنے اپنے سمے
پر اور اپنی جگہ کچھ نہ کچھ اڈیوگ رکھتی ہیں۔ شاید
اچھے اور برے کا فرق بھی اندھیرے اور آجائے کے فرق کی طرح
موقع اور محل کا ہی فرق ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سن
1907 سے پہلے انگریزوں کا دبدبہ اور ان کا گھمنڈ کتنا گہرا تھا
اور سارے دیہ پر کس طرح جہنیا ہوا تھا۔ بڑے سے بڑے
ہندستانی کے لئے پہلے یا دوسرے درجے کے ریل کے کسی ایسے
گڈے میں گھسائے کی دھت کرنا جسمیں کوئی انگریز پہلے سے
بیٹھا ہو ایک غیر معمولی بات تھی اور کوئی بھی چھوٹے سے
چھوٹا انگریز ایسے موقع پر کسی بڑے سے بڑے ہندستانی کا
کلمے اُسمان کر سکتا تھا۔ سن 1907 کے خوس رام بوس کے
مظاہر پر ہم نے اس حالت کو ماتو جادو کی طرح ایک راست
میں بدل دیا۔ انگریز سمجھ گئے کہ یہ کیوا ذات بھی سکتا ہے۔
ہاتھکندوں کو ادھر سے ادھر تک نراشاکی اندھیاری گھٹا میں
آٹا کی ایک بھلی سی گوندتی ہوئی دھنکی پر گئی۔ ریل نے قہوں

کس سے	صفحہ	کس سے
1. گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقاتیں	...	141 ...
—پंडित सुन्दरलाल	...	141 ...
2. غزل (کوہتا)	...	154 ...
—شہری سعادت نظر ایم. اے.	...	154 ...
3. امت	...	156 ...
—کماری دیکھانہ طلب جی	...	156 ...
4. محمد صاحب کے کچھ ابدیش	...	159 ...
—ڈاکٹر مرزا ابوالفضل	...	159 ...
5. رجن اور جتن	...	162 ...
—شہری عبدالکلام انصاری	...	162 ...
6. چارلس کے سلسلے (انگریزوں سے خطاب) کوہتا	...	167 ...
—شہری سلام مچھلی شہری	...	167 ...
7. شہید اعظم بہادر شاہ کی یاد میں	...	168 ...
—شہری ڈی. راجن	...	168 ...
8. 1857 کا دہش بھکت اخبار 'پیام آزادی'	...	173 ...
—ویربھرنناथ پاڈے	...	173 ...
9. کچھ کتابیں—	...	178 ...
01. ہماری رائے—	...	184 ...
—گاندھی جی کے جنم دن پر—ویربھرنناथ پاڈے	...	184 ...

نہیل

نمبر 4 نمبر 24 جلد 24 جلد

اکتوبر 1957

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈلینج، دہلی

145 مڈلینج، دہلی

145 MIDDLE LANE, DELHI

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editor

Suresh Ramabhai

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.

Manager, NAYA HIND

105, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-2.

نیا حسنہ

اس نمبر کے خاص لکھ

اس نمبر کے خاص لکھ

گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقاتیں

گاندھی جی کے ساتھ پہلی ملاقاتیں

—پंडित सुन्दरलाल

—پاڈت سندر لال

شہید اعظم بھادور شاہ کی یاد میں

شہید اعظم بھادور شاہ کی یاد میں

—श्री डी राजन

—شری دی راجن

1857 کا 'देश भक्त' अखबार 'पथामे

1857 کا 'देश भक्त' अखबार 'पथामे

आज्ञादी'

आज्ञादी'

—विश्वम्भरनाथ पांडे

—विश्वम्भरनाथ पांडे

हमारी राय—

हमारी राय—

—गान्धी जी के जनम दिन पर

—गान्धी जी के जनम दिन पर

—विश्वम्भरनाथ पांडे

—विश्वम्भरनाथ पांडे

ہندی घर

کلیچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے
کا ایک بڑا مرکز—پاٹک ہندی، اردو،
انگریزی کی اپنی من-پسند کتابوں
کے لیے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیباد کے مانے جانے

بیڈوان : سترۛ شری منچر اہلی سارکٹا

سکے 2ۛ5، کرمیت دو روپیا

—:ۛ:—

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بھوت دلچسپ کتاب)

لکھیکا—کھوسیا جی

بھمیکا—پنڈت جواہرلال نہرو

موتا کاغذ، موتا ٹائپ، بھوت-سی رنگین تصویروں

دھم دو روپیا

—:ۛ:—

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور قرآن

275 سکے، دھم ڈاڑ روپیا

ہندو مسالیم اککٹا

199 سکے، دھم بارھ آنے

ہندو گاندھی کے بھیدان سے سبک

کرمیت بارھ آنے

ہمیں کھیا سیکھاتا ہے

کرمیت چار آنے

بھگت اور اوس سے سبک

کرمیت دو آنے

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈوگج کھارکھ

ہندی

ہر طرح کی کتابیں ملنے
کا ایک بڑا مرکز—پاٹک ہندی،
انگریزی کی من پسند کتابوں کے
لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیباد کے مانے جانے

بیڈوان : سترۛ شری منچر اہلی سارکٹا

سکے 225، کرمیت دو روپیا

—:ۛ:—

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بھوت دلچسپ کتاب)

لکھیکا—کھوسیا جی

بھمیکا—پنڈت جواہرلال نہرو

موتا کاغذ، موتا ٹائپ، بھوت-سی رنگین تصویروں

دھم دو روپیا

—:ۛ:—

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور قرآن

275 سکے، دھم ڈاڑ روپیا

ہندو مسالیم اککٹا

100 سکے، دھم بارھ آنے

ہندو گاندھی کے بھیدان سے سبک

کرمیت بارھ آنے

ہمیں کھیا سیکھاتا ہے

کرمیت چار آنے

بھگت اور اوس سے سبک

کرمیت دو آنے

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈوگج کھارکھ

मोक्षमार्ग और साधना के प्राचीन संस्कृति

A large crowd of people gathered for a protest or demonstration. The image is very dark and grainy, showing a dense group of individuals. In the center, there is a dark, indistinct shape that could be a person or a structure. The overall scene suggests a significant public gathering.

1980
 1981
 1982
 1983
 1984
 1985
 1986
 1987
 1988
 1989
 1990
 1991
 1992
 1993
 1994
 1995
 1996
 1997
 1998
 1999
 2000
 2001
 2002
 2003
 2004
 2005
 2006
 2007
 2008
 2009
 2010
 2011
 2012
 2013
 2014
 2015
 2016
 2017
 2018
 2019
 2020
 2021
 2022
 2023
 2024
 2025
 2026
 2027
 2028
 2029
 2030
 2031
 2032
 2033
 2034
 2035
 2036
 2037
 2038
 2039
 2040
 2041
 2042
 2043
 2044
 2045
 2046
 2047
 2048
 2049
 2050
 2051
 2052
 2053
 2054
 2055
 2056
 2057
 2058
 2059
 2060
 2061
 2062
 2063
 2064
 2065
 2066
 2067
 2068
 2069
 2070
 2071
 2072
 2073
 2074
 2075
 2076
 2077
 2078
 2079
 2080
 2081
 2082
 2083
 2084
 2085
 2086
 2087
 2088
 2089
 2090
 2091
 2092
 2093
 2094
 2095
 2096
 2097
 2098
 2099
 2100
 2101
 2102
 2103
 2104
 2105
 2106
 2107
 2108
 2109
 2110
 2111
 2112
 2113
 2114
 2115
 2116
 2117
 2118
 2119
 2120
 2121
 2122
 2123
 2124
 2125
 2126
 2127
 2128
 2129
 2130
 2131
 2132
 2133
 2134
 2135
 2136
 2137
 2138
 2139
 2140
 2141
 2142
 2143
 2144
 2145
 2146
 2147
 2148
 2149
 2150
 2151
 2152
 2153
 2154
 2155
 2156
 2157
 2158
 2159
 2160
 2161
 2162
 2163
 2164
 2165
 2166
 2167
 2168
 2169
 2170
 2171
 2172
 2173
 2174
 2175
 2176
 2177
 2178
 2179
 2180
 2181
 2182
 2183
 2184
 2185
 2186
 2187
 2188
 2189
 2190
 2191
 2192
 2193
 2194
 2195
 2196
 2197
 2198
 2199
 2200
 2201
 2202
 2203
 2204
 2205
 2206
 2207
 2208
 2209
 2210
 2211
 2212
 2213
 2214
 2215
 2216
 2217
 2218
 2219
 2220
 2221
 2222
 2223
 2224
 2225
 2226
 2227
 2228
 2229
 2230
 2231
 2232
 2233
 2234
 2235
 2236
 2237
 2238
 2239
 2240
 2241
 2242
 2243
 2244
 2245
 2246
 2247
 2248
 2249
 2250
 2251
 2252
 2253
 2254
 2255
 2256
 2257
 2258
 2259
 2260
 2261
 2262
 2263
 2264
 2265
 2266
 2267
 2268
 2269
 2270
 2271
 2272
 2273
 2274
 2275
 2276
 2277
 2278
 2279
 2280
 2281
 2282
 2283
 2284
 2285
 2286
 2287
 2288
 2289
 2290
 2291
 2292
 2293
 2294
 2295
 2296
 2297
 2298
 2299
 2300
 2301
 2302
 2303
 2304
 2305
 2306
 2307
 2308
 2309
 2310
 2311
 2312
 2313
 2314
 2315
 2316
 2317
 2318
 2319
 2320
 2321
 2322
 2323
 2324
 2325
 2326
 2327
 2328
 2329
 2330
 2331
 2332
 2333
 2334
 2335
 2336
 2337
 2338
 2339
 2340
 2341
 2342
 2343
 2344
 2345
 2346
 2347
 2348
 2349
 2350
 2351
 2352
 2353
 2354
 2355
 2356
 2357
 2358
 2359
 2360
 2361
 2362
 2363
 2364
 2365
 2366
 2367
 2368
 2369
 2370
 2371
 2372
 2373
 2374
 2375
 2376
 2377
 2378
 2379
 2380
 2381
 2382
 2383
 2384
 2385
 2386
 2387
 2388
 2389
 2390
 2391
 2392
 2393
 2394
 2395
 2396
 2397
 2398
 2399
 2400
 2401
 2402
 2403
 2404
 2405
 2406
 2407
 2408
 2409
 2410
 2411
 2412
 2413
 2414
 2415
 2416
 2417
 2418
 2419
 2420
 2421
 2422
 2423
 2424
 2425
 2426
 2427
 2428
 2429
 2430
 2431
 2432
 2433
 2434

THE

اسلام آباد میں ایک اور مسجد کی تعمیر

1994

100

100

(2) ایشیا اور افریقہ کی سرکاری یو۔ این۔ او کی آگے
آئی جنرل اسمبلی کے سامنے یہ تجویز پیش کریں کہ این
جیوں کو بلا کسی شرط کے بند کر کے ایک ایسے سمجھوتے کی
لپٹ لیم اٹھایا جاوے جس سے دنیا کی سب فوجیں عام طور
پر ختم کی جا سکیں۔

(3) اس طرح کے تجویزوں کی آگے کی سب تجویزوں
میں اپنی ویٹنگ ایٹالس کی تجویز بھی شامل ہے مسلح
لڑی جارہیں۔ ایٹمی ہتھیار، ایٹمی آگے ہلانا اور دوسرے
دشمنوں کے فوجی آلات میں ایٹمی ہتھیار داخل کرنا یا
ایٹمی سپورٹ (Task Force Units) داخل کرنا بند
کر دیں۔

3. اس طرح کے تجویزوں کی آگے کی سب تجویزوں
میں اپنی ویٹنگ ایٹالس کی تجویز بھی شامل ہے مسلح
لڑی جارہیں۔ ایٹمی ہتھیار، ایٹمی آگے ہلانا اور دوسرے
دشمنوں کے فوجی آلات میں ایٹمی ہتھیار داخل کرنا یا
ایٹمی سپورٹ (Task Force Units) داخل کرنا بند
کر دیں۔

اگست سن 1957

—سندھ لال

2. ایشیا اور افریقہ کی سرکاری یو۔ این۔ او کی آگے
آئی جنرل اسمبلی کے سامنے یہ تجویز پیش کریں کہ این
جیوں کو بلا کسی شرط کے بند کر کے ایک ایسے سمجھوتے کی
لپٹ لیم اٹھایا جاوے جس سے دنیا کی سب فوجیں عام طور
پر ختم کی جا سکیں۔

3. اس طرح کے تجویزوں کی آگے کی سب تجویزوں
میں اپنی ویٹنگ ایٹالس کی تجویز بھی شامل ہے مسلح
لڑی جارہیں۔ ایٹمی ہتھیار، ایٹمی آگے ہلانا اور دوسرے
دشمنوں کے فوجی آلات میں ایٹمی ہتھیار داخل کرنا یا
ایٹمی سپورٹ (Task Force Units) داخل کرنا بند
کر دیں۔

این ایشیوں کے پورا ہوجانے سے وشو شانتی کو اور راشٹروں
کی آزادی کو بہت بڑی مدد ملے گی۔ این ایشیوں کو پورا
کر کے لیم ایشیا اور افریقہ کے سب دشمنوں کو مل کر پوری
کوشش کرنی چاہیے چائے کسی دیش کے راج گاجی آدرش
یا ذہارمک وچار کچھ بھی کہیں نہ ہو یا دیش میں قتلے بھی
وچاروں اور دھرموں کے لوگ کہیں نہ رہتے ہوں۔ ایشیا اور
افریقہ کے باہر کے لوگوں کا اس میں سہروگ پر اپت کر کے لیم
بھی ہم پوری کوشش کریں گے۔

—سندھ لال

اگست سن 1957

بدینی مصر پر فوجی حملہ کامیاب نہیں ہوا اور یہیں پہلی
جرب کے دیشوں میں انٹر راشنلہ تلاء اب بھی کئی شکلیں
ہیں بڑھ رہا ہے ۔

(1) جاپانیوں کے راشیہ یہ پیشاؤں اور ان کی انہاسک یرم
داؤں کے حلف اور کی نارا قابوں کو جاپان سے الگ کر دیا گیا
ہے اور انہیں سلیمت راج امریکہ کے ٹی ایسی لڈا ہلایا جا
ہا ہے ۔

(2) سیکنڈ راج امریکہ نے جارتین اور عرب دیہوں کے اندر کے معاملوں میں زبردستی دخل دینے کے لئے اپنا چھٹا جہازی ہیزا البلقان کے سمندر میں بھیج دیا ہے اور اُس بیڑے کو اہلسی ہتھیاروں سے لیس کر دیا ہے۔

(3) نائی وان کا ڈایو پیو بلس ری پبلک آف چائٹا کا ایک انگ اور اُس کے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ پھر یہی ایٹمی مسائل ”میڈیٹر“ نائی وان بھیج دیا گیا۔ دکن کو رہا میں یہی لڑائی ہند سمجھوتے کے خلاف ایٹمی ہتھیار داخل کئے جا رہے ہیں۔

بڑی بڑی طاقتوں کی مدد نیتی ایتنی مدد کی طرف جا رہی ہے۔ جو فوجی اڈے فوجی گٹ بلدیوں کی ضرورتوں کے لئے قائم کئے گئے ہیں ان میں اب ایتنی مدد کا سامان جمع کیا جا رہا ہے اور یہ ایتنی اڈے بن رہے ہیں۔ دہشتی ایتنی آتشوں کا ہلایا جاتا اور دوسرے دیشوں میں ایتنی ہتھیاروں کا داخل کیا جاتا ان دیشوں کی سوانحیت پر ایک حملہ ہے اسی سے ایتنی مدد کا خطرہ بڑھتا جاتا ہے۔

ایشیا اور افریقہ کے کسی دیہی میں بھی نہم ابتدائی لکھن کا قائم کیا جانا ایشیا اور افریقہ کے سارے علاقے کے لئے خطرناک ہے۔

شانت مہا ساگر میں ساری ایشیائی اور افریقی قوموں کی اچھا بے درودہ اہم اور ہندوؤں کے ہمنام کے تجربے جاری ہیں۔

اپنی شکستوں اپنے علاقوں سے بہت دور اپنے کو نقصان سے بچانے کے لئے شانت مہا ساگر میں یہ تجربے کر رہی ہیں۔
 ان تجربوں کا ڈھیرلا اثر ایشیا اور افریقہ کے لوگوں پر پڑ رہا ہے۔
 یہ تجربے اس لئے کئے جارہے ہیں کہ کروڑوں لوگوں کو ایک ساتھ
 کسے ختم کیا جاسکے۔ سیلنٹ راج امریکہ اگلے سال اپنی کربلاک
 ایٹلس (Eniwetok Atolls) میں ایک بڑے پیمانے پر
 اس طرح کے تجربے کرلے گی۔ تجربے کر رہا ہے۔

ان حالتوں میں ہم ایشیا اور افریقہ سے مانگ کرتے ہیں کہ :

1. ایسی شہتیاں بنا کسی شرط کے ان تجربوں کو بند
کوئیں۔

بیچاروں سے باتچیت کے आधार پر کھ رہے ہیں۔ جاپانی لوگ ساہسی ہیں، نیک ہیں، بھادور ہیں، مہناتی ہیں، ہوشیار ہیں، پرمی ہیں اور اذیتیں ہیں۔ اس سب سے سارے ایشیا کی، افریقا کی اور دنیا کے سب سواتنرتا پرمی اور نیا پرمی لوگوں کو ان کے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ ہمیں پیر-باس ہے کہ جاپان بہت اچھا ہے اور ایشیا اور افریقا کے دوسرے دیشوں کے ساتھ ملکر دنیا کے سب دیشوں اور سب لوگوں کی آزادی خوشحالی اور پختگی کی پیر سے قائم کرنے میں بہت بڑا حصہ لے گا۔

جاپان سے بہت چوت کے اڈھار پر کھ رہے ہیں۔ جاپانی لوگ ساہسی ہیں، نیک ہیں، بھادور ہیں، مہناتی ہیں، ہوشیار ہیں، پرمی ہیں اور اذیتیں ہیں۔ اس سب سے سارے ایشیا کی افریقہ کے اور دنیا کے سب سواتنرتا پرمی اور نیا پرمی لوگوں کو ان کے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ ہمیں پیر-باس ہے کہ جاپان بہت اچھا ہے اور ایشیا اور افریقا کے دوسرے دیشوں کے ساتھ مل کر دنیا کے سب دیشوں اور سب لوگوں کی آزادی خوشحالی اور پختگی کی پیر سے قائم کرنے میں بہت بڑا حصہ لے گا۔

ایشیا اور افریقہ کے پرتی نڈھوں کا اعلان توکیو 16-8-57

اگست سن 1957 کے توکیو رشو سیمان میں ایشیا اور افریقہ کے جو نمائندے جمع ہوئے تھے انہوں نے مل کر نیچے لکھا اعلان شائع کیا۔

ہم ایشیا اور افریقہ کے دیشوں کے نمائندے جو اہم اور اذیتیں ہم کے خلاف اور فوجوں کو ختم کرنے کے پختہ میں تیسرے دیش سمملن کے سیکے پر توکیو میں جما دھ ہے نیچے لکھا اعلان شائع کرتے ہیں۔

ایشیا اور افریقہ کی کڑموں کی سبھتتا بہت پراچین سبھتتا ہے۔ یہ کڑموں اب سب کی آزادی اور دیش شانتی کا ایک نیا بھ لانی کی کوشش کر رہی ہے۔

سن 1954 میں ایشیا اور افریقہ کی 29 سرکاروں کے نمائندے کانفرنس میں جما دھ تھے۔ انہوں نے یہ پرتا پاس کیا تھا کہ پتہ اور اذیتیں دیشوں کا اڈھار نہ لیا جائے اور ایک دیش کے لوگوں کا دوسرے دیش کے لوگوں پر راج کرنا بھ کرنا دیشوں کی آزادی اور شانتی کا ایک نیا بھ لانی کی کوشش کر رہی ہے۔

حال میں ایشیا اور افریقہ کے دیشوں میں کڑموں کی سبھتتا ہے۔ یہ کڑموں اب سب کی آزادی اور دیش شانتی کا ایک نیا بھ لانی کی کوشش کر رہی ہے۔

ایشیا اور افریقہ کے پرتی نڈھوں کا اعلان توکیو 16-8-57

اگست سن 1957 کے توکیو رشو سیمان میں ایشیا اور افریقہ کے جو نمائندے جمع ہوئے تھے انہوں نے مل کر نیچے لکھا اعلان شائع کیا۔

ہم ایشیا اور افریقہ کے دیشوں کے نمائندے جو اہم اور اذیتیں ہم کے خلاف اور فوجوں کو ختم کرنے کے پختہ میں تیسرے دیش سمملن کے سیکے پر توکیو میں جما دھ ہے نیچے لکھا اعلان شائع کرتے ہیں۔

ایشیا اور افریقہ کی کڑموں کی سبھتتا بہت پراچین سبھتتا ہے۔ یہ کڑموں اب سب کی آزادی اور دیش شانتی کا ایک نیا بھ لانی کی کوشش کر رہی ہے۔

سن 1954 میں ایشیا اور افریقہ کی 29 سرکاروں کے نمائندے کانفرنس میں جما دھ تھے۔ انہوں نے یہ پرتا پاس کیا تھا کہ پتہ اور اذیتیں دیشوں کا اڈھار نہ لیا جائے اور ایک دیش کے لوگوں کا دوسرے دیش کے لوگوں پر راج کرنا بھ کرنا دیشوں کی آزادی اور شانتی کا ایک نیا بھ لانی کی کوشش کر رہی ہے۔

حال میں ایشیا اور افریقہ کے دیشوں میں کڑموں کی سبھتتا ہے۔ یہ کڑموں اب سب کی آزادی اور دیش شانتی کا ایک نیا بھ لانی کی کوشش کر رہی ہے۔

تینوں खास प्रस्तावों के पास हो जाने के बाद, सम्मेलन समाप्त होने से पहले, “अब और हिरोशिमा नहीं होने देंगे”—ना. का जापानी गाना पूरे बीस हजार आदमियों ने खड़े होकर बड़े जोश और एक आवाज के साथ गाया. गाते समय सब एक दूसरे की बांहों में बाहें डालकर खंजीरे की तरह बँधे हुए थे और गाने के स्वर के साथ-साथ सबके सब बाँए और बाँए को मुकते जाते थे. बिलकुल समन्दर की सी ध्वनि मधुर होता था. जनता की संकल्प शक्ति और जाश-वानों सामा को लाँघते हुए दिखाई दे रहे थे।

जापान की इस यात्रा में हमने जो खास चीजें देखीं उनमें से एक यह भी थी कि नागासाकी में ठीक उस जगह जिस जगह बारह वर्ष पहले बम गिराया गया था आज एक बड़ी सुन्दर और ऊँची पत्थर की मूर्ति बनी हुई है. मूर्ति शायद लगभग दस फुट ऊँचे खंबे-नुमा चबूतरे पर बैठे हुए आसन में है. एक पैर नीचे लटक रहा है. दूसरा पैर पालथी में है. बदन नंगा है. केवल एक छोटी सी धोती पत्थर ही में खुदी हुई कमर से लिपटी है. उस धोती का एक सिरा बाँए कंधे पर पड़ा है. दाहना हाथ ऊपर की तरफ उठा हुआ अंगूठे के पास की उँगली से आसमान की तरफ इशारा करता मालूम होता है. बाँयाँ हाथ सीधा फैला हुआ है. हथेली नीचे की तरफ है. हमने जापानी मित्रों से इसका मतलब पूछा. हमें बताया गया कि दाहना हाथ ईश्वर की तरफ इशारा करता है और बायाँ शान्ति की तरफ. कहा गया कि मूर्ति शान्ति के उस देवता की मूर्ति है, जो ईश्वर से सब के मले और विश्व शान्ति के लिये प्रार्थना कर रहा है. मूर्ति को देखकर बिलकुल महात्मा गाँधी की याद आ-जाती है. माथे पर ठीक बीच में कुछ उभरा हुआ निशान है. हमने पूछा यह क्या है तो हमें बताया गया कि हिन्दुओं का तिलक.

जापान में एक “गाँधी पीस लीग” नाम की संस्था भी कायम है जिसके एक खास कार्यकर्ता रैवरैण्ड शौजुन मीबु हैं जो हमसे मिले थे.

जापान जाकर जापानी जाति के लिये आदर और जापानियों से प्रेम हमारे दिल में बहुत बढ़ा. जापानी एशियाई हैं. उनका रहन सहन एशियाई है. उनका दिल एशियाई है. इसमें सन्देह नहीं पिछली दो तीन पीढ़ियों के अन्दर जापान अधिक से अधिक पच्छिमीयता यानी मर्यादीयता की तरफ बढ़ चला था. इसी कारण पूरब के दूसरे देशों से वह कुछ कट सा गया था. लेकिन इसमें भी शक नहीं कि जापान को अपनी इस गलती के लिये और गलतियाँ हम सबसे होती हैं—काफी से कहीं अधिक बुरा सुगतता प्रकाश है. जापान आज अन्याय पीड़ित है. जापान के अधिकतर विचारवान लोग अपनी गलती को भी अच्छी तरह महसूस कर रहे हैं. हम यह जापानी

तैमर खास प्रस्तावों के पास हो जाने के बाद, सम्मेलन समाप्त होने से पहले, “अब और हिरोशिमा नहीं होने देंगे”—ना. का जापानी गाना पूरे बीस हजार आदमियों ने खड़े होकर बड़े जोश और एक आवाज के साथ गाया. गाते समय सब एक दूसरे की बांहों में बाहें डालकर खंजीरे की तरह बँधे हुए थे और गाने के स्वर के साथ-साथ सबके सब बाँए और बाँए को मुकते जाते थे. बिलकुल समन्दर की सी ध्वनि मधुर होता था. जनता की संकल्प शक्ति और जाश-वानों सामा को लाँघते हुए दिखाई दे रहे थे।

जापान की इस यात्रा में हमने जो खास चीजें देखीं उनमें से एक यह भी थी कि नागासाकी में ठीक उस जगह जिस जगह बारह वर्ष पहले बम गिराया गया था आज एक बड़ी सुन्दर और ऊँची पत्थर की मूर्ति बनी हुई है. मूर्ति शायद लगभग दस फुट ऊँचे खंबे-नुमा चबूतरे पर बैठे हुए आसन में है. एक पैर नीचे लटक रहा है. दूसरा पैर पालथी में है. बदन नंगा है. केवल एक छोटी सी धोती पत्थर ही में खुदी हुई कमर से लिपटी है. उस धोती का एक सिरा बाँए कंधे पर पड़ा है. दाहना हाथ ऊपर की तरफ उठा हुआ अंगूठे के पास की उँगली से आसमान की तरफ इशारा करता मालूम होता है. बाँयाँ हाथ सीधा फैला हुआ है. हथेली नीचे की तरफ है. हमने जापानी मित्रों से इसका मतलब पूछा. हमें बताया गया कि दाहना हाथ ईश्वर की तरफ इशारा करता है और बायाँ शान्ति की तरफ. कहा गया कि मूर्ति शान्ति के उस देवता की मूर्ति है, जो ईश्वर से सब के मले और विश्व शान्ति के लिये प्रार्थना कर रहा है. मूर्ति को देखकर बिलकुल महात्मा गाँधी की याद आ-जाती है. माथे पर ठीक बीच में कुछ उभरा हुआ निशान है. हमने पूछा यह क्या है तो हमें बताया गया कि हिन्दुओं का तिलक.

जापान में एक “गाँधी पीस लीग” नाम की संस्था भी कायम है जिसके एक खास कार्यकर्ता रैवरैण्ड शौजुन मीबु हैं जो हमसे मिले थे.

जापान जाकर जापानी जाति के लिये आदर और जापानियों से प्रेम हमारे दिल में बहुत बढ़ा. जापानी एशियाई हैं. उनका रहन सहन एशियाई है. उनका दिल एशियाई है. इसमें सन्देह नहीं पिछली दो तीन पीढ़ियों के अन्दर जापान अधिक से अधिक पच्छिमीयता यानी मर्यादीयता की तरफ बढ़ चला था. इसी कारण पूरब के दूसरे देशों से वह कुछ कट सा गया था. लेकिन इसमें भी शक नहीं कि जापान को अपनी इस गलती के लिये और गलतियाँ हम सबसे होती हैं—काफी से कहीं अधिक बुरा सुगतता प्रकाश है. जापान आज अन्याय पीड़ित है. जापान के अधिकतर विचारवान लोग अपनी गलती को भी अच्छी तरह महसूस कर रहे हैं. हम यह जापानी

(ب) "اس طرح کے ججسوں کی کارروائی سیدھے یا مختلف ذیہوں کی سرکاروں کی معرفت یو۔ این۔ او کے پاس بھیجی جائے۔"

(س) "اس طرح کا آئندہ ہر دہائی کے لوگ اپنے اپنے ملک سے کریں تاکہ ادھک سے ادھک جنتا اس آئندہ میں ساتھ دے سکے۔"

اس پرستار میں یو۔ این۔ او کی اس "تس آرمانیت سب کمیٹی" یعنی فوج تہ سب کمیٹی کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو لندن میں ہو رہی ہے جس میں پانچ راشٹر شامل ہیں اور جس کی بھی فرض ہے کہ ان تجربوں کو بند کیا جاوے اور نچوں کو ختم کرنے کی طرف قدم بڑھایا جاوے۔

دنیا کے لوگوں سے سفارش کی گئی ہے کہ وہ اپنی اپنی سرکاروں پر زور دیں کہ وہ یو۔ این۔ او کی جنرل اسمبلی سے اور لندن کی سب کمیٹی سے اس کام کو پورا کروں۔

اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس بارے میں سب دیشوں اور سب قوموں کو مل کر کام کرنا چاہئے، خاص کر :

1. دنیا کے سائنسدانوں نے اس بارے میں جو کچھ کی ہے اس کے نتیجوں کو سب دیشوں میں پھیلایا جاوے اور جہاں تک ہو سکے جلدی سائنسدانوں کی ایک انٹر راشٹر، پیتھک کی جاوے۔

2. سب دیشوں کے دھارمک لیڈروں، استریوں، ویدیاتوں، مزدوروں، محنتیوں، کسانوں وغیرہ سے سفارش کی گئی ہے کہ وہ اس نیک اور ضروری کام کے لئے دوسرے دیشوں کے اسی طرح کے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کریں :

اس پرستار میں ایشیا اور افریقہ کے دیشوں اور شاعی مہاسگر یعنی پیسٹک اوشن کے کنارے کے لوگوں سے خاصی طور پر سفارش کی گئی ہے کہ وہ اس کام کے لئے مل کر کڑے ہو جنہیں کیونکہ "حال میں جو اس طرح کے تجربے ہوئے ہیں وہ ادھک تر اسی علاقے میں ہوئے ہیں اور اسی علاقے میں اہم اور ہائپر جین ہتھار ادھک تر داخل تھے جارہے ہیں۔ خاص کر لوکی نارا، افریقا اور دوسری جگہوں کے فوجی آدموں میں اہلی بدہ کی تیاریاں جاری ہیں۔"

"ہم اس بات کو بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم مقصدوں کو پورا کرنے کے لئے جہاں تک ہو سکے جلدی دوسری افریقہ - ایشین کانفرنس کی جاوے۔"

اس پرستار کے آخر میں ان لوگوں کی مدد کے لئے بھی اپیل کی گئی ہے جنہیں اس طرح کے ہموں اور تجربوں سے نقصان پہنچا ہے۔

اس پرستار میں یو۔ این۔ او کی اس "تس آرمانیت سب کمیٹی" یعنی فوج تہ سب کمیٹی کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو لندن میں ہو رہی ہے جس میں پانچ راشٹر شامل ہیں اور جس کی بھی فرض ہے کہ ان تجربوں کو بند کیا جاوے اور نچوں کو ختم کرنے کی طرف قدم بڑھایا جاوے۔

دنیا کے لوگوں سے سفارش کی گئی ہے کہ وہ اپنی اپنی سرکاروں پر زور دیں کہ وہ یو۔ این۔ او کی جنرل اسمبلی سے اور لندن کی سب کمیٹی سے اس کام کو پورا کروں۔

اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس بارے میں سب دیشوں اور سب قوموں کو مل کر کام کرنا چاہئے، خاص کر :

1. دنیا کے سائنسدانوں نے اس بارے میں جو کچھ کی ہے اس کے نتیجوں کو سب دیشوں میں پھیلایا جاوے اور جہاں تک ہو سکے جلدی سائنسدانوں کی ایک انٹر راشٹر، پیتھک کی جاوے۔

2. سب دیشوں کے دھارمک لیڈروں، استریوں، ویدیاتوں، مزدوروں، محنتیوں، کسانوں وغیرہ سے سفارش کی گئی ہے کہ وہ اس نیک اور ضروری کام کے لئے دوسرے دیشوں کے اسی طرح کے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کریں :

اس پرستار میں ایشیا اور افریقہ کے دیشوں اور شاعی مہاسگر یعنی پیسٹک اوشن کے کنارے کے لوگوں سے خاصی طور پر سفارش کی گئی ہے کہ وہ اس کام کے لئے مل کر کڑے ہو جنہیں کیونکہ "حال میں جو اس طرح کے تجربے ہوئے ہیں وہ ادھک تر اسی علاقے میں ہوئے ہیں اور اسی علاقے میں اہم اور ہائپر جین ہتھار ادھک تر داخل تھے جارہے ہیں۔ خاص کر لوکی نارا، افریقا اور دوسری جگہوں کے فوجی آدموں میں اہلی بدہ کی تیاریاں جاری ہیں۔"

"ہم اس بات کو بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم مقصدوں کو پورا کرنے کے لئے جہاں تک ہو سکے جلدی دوسری افریقہ - ایشین کانفرنس کی جاوے۔"

اس پرستار کے آخر میں ان لوگوں کی مدد کے لئے بھی اپیل کی گئی ہے جنہیں اس طرح کے ہموں اور تجربوں سے نقصان پہنچا ہے۔

اس پرستار میں یو۔ این۔ او کی اس "تس آرمانیت سب کمیٹی" یعنی فوج تہ سب کمیٹی کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو لندن میں ہو رہی ہے جس میں پانچ راشٹر شامل ہیں اور جس کی بھی فرض ہے کہ ان تجربوں کو بند کیا جاوے اور نچوں کو ختم کرنے کی طرف قدم بڑھایا جاوے۔

دنیا کے لوگوں سے سفارش کی گئی ہے کہ وہ اپنی اپنی سرکاروں پر زور دیں کہ وہ یو۔ این۔ او کی جنرل اسمبلی سے اور لندن کی سب کمیٹی سے اس کام کو پورا کروں۔

اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس بارے میں سب دیشوں اور سب قوموں کو مل کر کام کرنا چاہئے، خاص کر :

اس اپیل میں لکھا ہے کہ "دنیا کے سب لوگ اس بات کے لیے उत्सुक ہیں کہ کڑی-کڑی باتوں کے ساتھ ساتھ، دنیا کی فوجیں ختم ہوں اور ایٹم اور ہائیڈروجن بم ختم ہوں"۔

اس کے لیے سب سے پہلی ضرورت اس بات کی بتائی گئی ہے کہ "ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کے تجربے فوراً بند نہ جائیں۔" کیونکہ تجربوں سے ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کی دوز تیز ہوتی جا رہی ہے، اور دنیا کے لوگوں کے ساتھ کو خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔

اس کے بعد اس اپیل میں کہا گیا ہے کہ "جاپان کے لوگ تین بار ان بموں کی بربادی برداشت کر چکے ہیں، اس لیے سب مہادیہوں کے نمائندوں کے ساتھ مل کر ہم جن میں ہیروشیما اور ناگا ساکی کے زخمی لوگ بھی شامل ہیں، سنگت راشٹر سنگم سے اور دنیا کی سرکاروں سے یہ مانگ کرتے ہیں کہ:—

"امریکہ، انگلینڈ اور سوویت روس فوراً اور ہذا کسی شرط کے آپس میں یہ سمجھوتا کریں کہ ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے تجربے بند کر دیے جائیں۔

"اس طرح کا سمجھوتا کرانے میں یو۔ این۔ او اپنی پوری طاقت لگا دے۔

اور "دنیا کی سرکاروں" اس طرح کا سمجھوتا کرانے کی ہر طرح سے کوشش کریں۔

انت میں کہا گیا ہے کہ:—"اس طرح کا سمجھوتا ہوجانے سے ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کا ہلانا، جمع کرنا اور کام میں لانا بھی بند ہو سکے گا اور عام طور پر فوجوں کے ختم کرنے کے لیے راستہ صاف ہو جائیگا۔"

اور "ان سب لوگوں کے نام پر جو دنیا کی شانتی اور سب کی خوبی حالی چاہتے ہیں، یو۔ این۔ او۔ اور دنیا کی سرکاروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہماری آواز کی طرف دھیان دیں۔"

تیسرے پرستار میں ایٹم اور ہائیڈروجن بم کو بند کرانے اور دنیا کی فوجوں کا ختم کرانے کے لیے دنیا کے سب لوگوں سے مل کر کام کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔

اس پرستار میں کہا گیا ہے کہ "یو۔ این۔ او۔ کی جنرل ایسٹبلی پر زور ڈالنے کے لیے اور تینوں ایٹمی دہشوں سے ان تجربوں کو بند کرانے کے لیے دنیا کے لوگوں کو توجہ دینے کے لیے چاہئے۔

ایف۔ "انڈیا اور نو-ہو کے مہیوں میں تاریکیوں مقرر کر کے جلسہ وغیرہ کر کے یہ مانگ کی جاوے کہ ان تجربوں کو فوراً اور ہذا بند کیا جائے۔"

اس اپیل میں لکھا ہے کہ "دنیا کے سب لوگ اس بات کے لیے उत्सुक ہیں کہ کڑی-کڑی باتوں کے ساتھ ساتھ، دنیا کی فوجیں ختم ہوں اور ایٹم اور ہائیڈروجن بم ختم ہوں۔"

اس کے لیے سب سے پہلی ضرورت اس بات کی بتائی گئی ہے کہ "ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کے تجربے فوراً بند نہ جائیں۔" کیونکہ تجربوں سے ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کی دوز تیز ہوتی جا رہی ہے، اور دنیا کے لوگوں کے ساتھ کو خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔

اس کے بعد اس اپیل میں کہا گیا ہے کہ "جاپان کے لوگ تین بار ان بموں کی بربادی برداشت کر چکے ہیں، اس لیے سب مہادیہوں کے نمائندوں کے ساتھ مل کر ہم جن میں ہیروشیما اور ناگا ساکی کے زخمی لوگ بھی شامل ہیں، سنگت راشٹر سنگم سے اور دنیا کی سرکاروں سے یہ مانگ کرتے ہیں کہ:—

"امریکہ، انگلینڈ اور سوویت روس فوراً اور ہذا کسی شرط کے آپس میں یہ سمجھوتا کریں کہ ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے تجربے بند کر دیے جائیں۔

"اس طرح کا سمجھوتا کرانے میں یو۔ این۔ او اپنی پوری طاقت لگا دے۔

اور "دنیا کی سرکاروں" اس طرح کا سمجھوتا کرانے کی ہر طرح سے کوشش کریں۔

انت میں کہا گیا ہے کہ:—"اس طرح کا سمجھوتا ہوجانے سے ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کا ہلانا، جمع کرنا اور کام میں لانا بھی بند ہو سکے گا اور عام طور پر فوجوں کے ختم کرنے کے لیے راستہ صاف ہو جائیگا۔"

اور "ان سب لوگوں کے نام پر جو دنیا کی شانتی اور سب کی خوبی حالی چاہتے ہیں، یو۔ این۔ او۔ اور دنیا کی سرکاروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہماری آواز کی طرف دھیان دیں۔"

تیسرے پرستار میں ایٹم اور ہائیڈروجن بم کو بند کرانے اور دنیا کی فوجوں کو ختم کرانے کے لیے دنیا کے سب لوگوں سے مل کر کام کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔

اس پرستار میں کہا گیا ہے کہ "یو۔ این۔ او۔ کی جنرل ایسٹبلی پر زور ڈالنے کے لیے اور تینوں ایٹمی دہشوں سے ان تجربوں کو بند کرانے کے لیے دنیا کے لوگوں کو توجہ دینے کے لیے چاہئے۔

ایف۔ "انڈیا اور نو-ہو کے مہیوں میں تاریکیوں مقرر کر کے جلسہ وغیرہ کر کے یہ مانگ کی جاوے کہ ان تجربوں کو فوراً اور ہذا بند کیا جائے۔"

توکیو سمیلن کے آخری فاصلے ہی دنیا کے لئے بہت ہی اہمک مہم کے تھے۔ 16 اگست 1957ء کو کم سے کم ہزار جنگی موجدگی میں سمیلن میں ہون پرستو ایک رٹہ سے پاس ہوئے۔ پرستو کے پاس عورت کے سمٹہ جنگا کا جرش دھمکے کی چڑی تھی۔

پہلا پرستو سمیلن کی طرف سے ایک اعلان کے روپ میں تھا جسے 'تاہیو کا اعلان' کہا گیا۔ اس اعلان کے اندر سمیلن میں شامل ہونے والے سب دیشوں کے سب پرستی ندمیوں کا ایک ادھی 'ایمی بدھ کی سب تریوں کو ختم کرنا' بتایا گیا ہے اور یہ مانگ کی گئی کہ:—

(1) "جو سرکارے اس तरह کے بڑوں کے تजरے کر رہی ہے وہ آپس میں ایک तरह کا سمکھوتا کرے" جس سے پٹمی اور ہارڈوژن بڑوں کے تजरے کورن اور بنا کسی شرط کے بند کر دیئے جائیں۔"

(2) "پٹمی اور ہارڈوژن ہتھیاروں کا بنانا، جما کرنا اور کام میں لانا بطل کر دیا جائے۔"

(3) "جین رادروں کے پاس اس तरह کے ہتھیار ہیں وہ کسی دوسرے دیشوں میں ان ہتھیاروں کو ہرگز داخل کرنے نہ پادیں۔"

(4) "آرام تیر پر سب دیشوں کی کڑی ختم کر دی جائے" اور اس کام پر اس तरह کی نگرانی رہے جس سے سب دیش منجور کر لے، "یہ اس तरह ساری کڑیوں کا ختم کرنا آہی سمبھو نہیں ہے تو فی الحال کم سے کم سب دیش کی دوشوں کو کم کرنے کا سمبھوتا کر لیا جائے۔"

(5) "دوسرے دیشوں میں کڑی بڑھانے اور بڑھانے کے ہم خلیا کر لے۔"

(6) "ہم اس بات کو سمکھتے ہیں کہ سب آہلگ-آہلگ کڑی دلوں اور آہلگوں کو ایک ساتھ توڑ دینے سے، سب کڑی بڑھانے کو ختم کر دینے سے اور سب دوسرے دیشوں سے اپنی-اپنی کڑیوں کو ہٹا لینے سے پٹمی یوڈ کا ختم کرنا کم ہو جائے گا۔"

اس کے بعد اس اعلان میں ایک ایسے ہوش کی مانگ کی گئی ہے جس میں ہوشما اور ناگا ساکی کے شہدوں کی آندوں کو شانتی ملے اور "ہر طرح کے بدھ کو ناجائز قرار دیا اور ہٹ کرنا" آخری مقصد بتایا گیا ہے۔

دوسرا پرستو 'سٹوٹ گٹھ سٹوٹ یو۔ این۔ او۔ اور دنیا کی سرکاروں کے نام ایک اپال' کی شکل میں ہے۔

توکیو سمیلن کے آخری فاصلے ہی دنیا کے لئے بہت ہی اہمک مہم کے تھے۔ 16 اگست 1957ء کو کم سے کم ہزار جنگی موجدگی میں سمیلن میں ہون پرستو ایک رٹہ سے پاس ہوئے۔ پرستو کے پاس عورت کے سمٹہ جنگا کا جرش دھمکے کی چڑی تھی۔

پہلا پرستو سمیلن کی طرف سے ایک اعلان کے روپ میں تھا جسے 'تاہیو کا اعلان' کہا گیا۔ اس اعلان کے اندر سمیلن میں شامل ہونے والے سب دیشوں کے سب پرستی ندمیوں کا ایک ادھی 'ایمی بدھ کی سب تریوں کو ختم کرنا' بتایا گیا ہے اور یہ مانگ کی گئی کہ:—

(1) "جو سرکارے اس طرح کے بڑوں کے تजरے کر رہی ہیں وہ آپس میں ایک اس طرح کا سمکھوتا کریں جس سے ایٹم اور ہائڈروجن بڑوں کے تजरے فوراً اور بنا کسی شرط کے بند کر دیئے جائیں۔"

(2) "ایٹم اور ہائڈروجن ہتھیاروں کا بنانا، جمع کرنا اور کام میں لانا بالکل بند کر دیا جائے۔"

(3) "جین رادروں کے پاس اس طرح کے ہتھیار ہیں وہ کسی دوسرے دیشوں میں ان ہتھیاروں کو ہرگز داخل کرنے نہ پادیں۔"

(4) "عام طور پر سب دیشوں کی فوجیں ختم کر دی جائیں اور اس کام پر اس طرح کی نگرانی رہے جس سے سب دیش منظور کر لیں، "یہی اس طرح ساری فوجوں کا ختم کرنا آہی سمبھو نہیں ہے تو فی الحال کم سے کم سب دیش کی فوجوں کو کم کرنے کا سمبھوتا کر لیا جائے۔"

() "دوسرے دیشوں میں فوجی اٹھ قائم کرنے اور انہیں بڑھانے کے ہم خلاف ہیں۔"

(6) "ہم اس بات کو سمکھتے ہیں کہ سب الگ الگ فوجی دلوں اور اکھاڑوں کو ایک ساتھ توڑ دینے سے، سب فوجی اٹھ ختم کر دینے سے اور سب دوسرے دیشوں سے اپنی اپنی فوجوں کو عطا لینے سے ایٹمی بدھ کا خطرہ کم ہو جائے گا۔"

اس کے بعد اس اعلان میں ایک ایسے ہوش کی مانگ کی گئی ہے جس میں ہوشما اور ناگا ساکی کے شہدوں کی آندوں کو شانتی ملے اور "ہر طرح کے بدھ کو ناجائز قرار دیا اور ہٹ کرنا" آخری مقصد بتایا گیا ہے۔

دوسرا پرستو 'سٹوٹ گٹھ سٹوٹ یو۔ این۔ او۔ اور دنیا کی سرکاروں کے نام ایک اپال' کی شکل میں ہے۔

ٹاپو کے مجسمہوں کے نمائندے بھی تھے۔ کل جاپانی نمائندوں کی تعداد لگ بھگ چار ہزار تھی۔

دس دن کے سمیلن میں پہلے اलग-अलग व्यवसाय کے لاگوں کی अलग-अलग सभाएँ हुई, जैसे धार्मिक لاگوں की सभाएँ, साइ-सदानों की सभाएँ, वकीलों की सभाएँ, ट्रेडयूनियनिस्टों की सभाएँ, माताओं की सभाएँ वगैरہ۔ सब ने अपने-अपने दृष्टिकोण और अपने-अपने ढंग से सम्मेलन के उद्देशों का समर्थन किया, और अपने-अपने बयान लिखकर बड़े सम्मेलन के सामने पेश किये। इन सभाओं के अन्दर और सम्मेलन के अन्दर बहसे बहुत ही दिल खोलकर और सराई के साथ हुई जा देखने के काबिल चीज थी।

सम्मेलन के प्रस्तावों और उसके अन्तर राष्ट्रीय राज-काजी प्रभाव से हटकर केवल यह एक बात ही बड़ी अच्छी कीमती और गहرا असर रखने वाली थी कि सम्मेलन के अन्दर लगभग दस सप्ताह तक सब देशों के अच्छे से अच्छे लोग जिन में सब धर्मों, सन नसलों और रंगों के, गोरे, काले, पीले, भूरे, और लाल सब तरह के लोग शामिल थे। रात दिन पूरी बेतकल्लुफी के साथ एक दूसरे से मिलते-जुलते साथ खाते पीते और खुलकर बातें करते रहे। साफ़ दिखाई देता था कि ये लोग अपने को इस देश या उस देश के नागरिक न समझकर, विश्व के नागरिक समझ रहे हैं। सम्मेलन के अन्दर और उसके चारों ओर के वातावरण में एक नई मानवता जन्म लेती हुई दिखाई दे रही थी। अपने-अपने राष्ट्रों के अलग-अलग दृष्टिकोण भी थे, अलग-अलग बहसे भी थीं, लेकिन इन सब के अन्दर से यह साफ़ चमक रहा था कि आखिर में सारा मानव समाज एक कुटुम्ब है, उसे एक कुटुम्ब ही की तरह रहना होगा, और उसकी व्यापक अन्तरात्मा, उसकी इन्तहाई रूढ़, एक कुटुम्ब की तरह रहने के लिये बचैन है।

इस समय दुनिया में दो ही खास संगठन ऐसे हैं जिनमें सब देशों के लोग मिलकर बैठते हैं और सब के मिले-जुले हित की बातें सोचते हैं—एक संयुक्त राष्ट्र सङ्गठन यानी यू० एन० ओ० और दूसरे इस तरह के शान्ति सम्मेलन। फरक यह है कि संयुक्त राष्ट्र सङ्गठन में अधिकतर सरकारों के नुमाइन्दे होते हैं। उन ६ मिलने में एक ऊपरीपन, थोड़ी बहुत बनावट, कायदों की पाबन्दी और कुछ एहतियात और संकाच क़दरती है। जबकि इस तरह के सम्मेलनों में जनता और जन संस्थाओं के नुमाइन्दे होते हैं जिनमें जाब्यों की कोई पाबन्दी नहीं होती और लोग कहीं ज्यादा दिल खोलकर मिलते-जुलते और विचारों का आदान-प्रदान कर सकते हैं और करते हैं।

ٹاپو کے مجسمہوں کے نمائندے بھی تھے۔ کل جاپانی نمائندوں کی تعداد لگ بھگ چار ہزار تھی۔

دس دن کے سمیلن میں پہلے اک اک व्यवसाय کے لاگوں کی اک اک سभाएँ हुई, जैसे धार्मिक لاگوں की सभाएँ, साइ-सदानों की सभाएँ, वकीलों की सभाएँ, ट्रेडयूनियनिस्टों की सभाएँ, माताओं की सभाएँ वगैरہ۔ सब نے اپنے اپنے دشتی کوڑوں اور اپنے ڈھنگ سے سمیلن کے آدیشوں کا سمर्थن کیا، اور اپنے اپنے بیان لکھ کر بڑے سمیلن کے سامنے پیش کئے۔ ان سभाओं کے اندر اور سمیلن کے اندر بحثیں بہت ہی دل کھول کر اور صفائی کے ساتھ ہوئی جو دیکھنے کے قابل چیز تھیں۔

سمیلن کے پرسٹاؤں اور اُس کے انترراشریہ راج کاچی پروپاڈ سے ہٹ کر کھول یہ ایک بات ہی بڑی اچھی قیمتی اور گہرا اثر رکھنے والی تھی کہ سمیلن کے اندر لگ بھگ دو سہتاہ تک سب دیشوں کے اچھے سے اچھے لوگ جن میں دھرموں، سب نسلوں اور سب رنگوں کے، گہرے، کالے، پیلے، بھورے اور لال سب طرح کے لوگ شامل تھے۔ رات دن پورے پے تکلفی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ساتھ کھاتے پیتے کھل کر باتیں کرتے رہے۔ صاف دیکھائی دیتا تھا کہ یہ لوگ اپنے کو اس دیش یا اُس دیش کے ناگرک نہ سمجھ کر، وشو نے ناگرک سمجھ رہے ہیں۔ سمیلن کے اندر اور اُس کے چاروں اور کے واداروں میں ایک نئی مانوتا جنم لیتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اپنے اپنے راشٹروں کے اک اک دشتی کوڑوں بھی تھے، اک اک بحثیں بھی تھیں۔ لیکن ان سب کے اندر سے یہ صاف چمک رہا تھا کہ آخر میں سارا مانو سچ ایک ڈھب ہے، اُسے ایک ڈھب ہی کی طرح رہنا چاہیے، اور اس کی دیوایک انتر آتما، اُس کی اجتمعی روح، ایک ڈھب کی طرح رہنے کے لئے بچتی ہے۔

اس سے دنیا میں دو ہی خاص سنگٹھن ایسے ہیں جن میں سب دیشوں کے لوگ مل کر بیٹھتے ہیں اور سب کے ملے جلتے ہت کی باتوں سوچتے ہیں—ایک سنوکت راشٹر سنگٹھن یعنی یو۔ این۔ او اور دوسرے اس طرح ہے کے شانتی سمیلن۔ فرق یہ ہے کہ سنوکت راشٹری سنگٹھن میں ادمکتر سرکاروں کے نمائندے ہوتے ہیں۔ اُن کے ملنے میں ایک اڈروی بن، ہوری بہت ہٹاؤ، داندوں کی پابندی اور کچھ احتیاط اور سنگٹھ قدرتی ہے۔ جب کہ اس طرح کے سمیلن میں جنٹا اور جن سنسٹاؤں کے نمائندے ہوتے ہیں جن میں ضابطوں کے کوئی پابندی نہیں ہوتی اور لوگ کہیں زیادہ دل کھول کر ملتے جلتے اور چاروں کا اُدن پردان کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔

फिर भी तोक्यो सम्मेलन खासा जबरदस्त और सार्व-
देशिक सम्मेलन था. अमरीका, इंग्लैन्ड, फ़्रान्स, पूव
जर्मनी, पच्छिम जर्मनी, आस्ट्रीया, हालैन्ड, रूस,
मंगोलिया, चीन, मिस्र, भारत, तांका, बरमा, आस्ट्रेलिया,
न्यूजीलैन्ड. फिलिपाइन, इन्डोनेशिया, इन्डोचाइना, पेरू,
पोलैन्ड, रोमेनया. चीकोस्लोवाकिया, थाइलैन्ड, कोरिया,
पुर्तगाल, वैनजुला आदि लगभग तीस देशों पृथ्वी के पाँचों
महाद्वीपों और दुनिया भर की अनेक सार्वजनिक संस्थाओं
और अन्तर राष्ट्रीय संगठनों के नुमाइन्दे सम्मेलन में शा-
मिल थे. इन नुमाइन्दों में बौद्ध, शिन्ता, ईसाई, मुसलम,
यहूदी, और इन्हू सब धर्मों के मानने वाले, बड़े-बड़े
इन्साफ़ पादरी और बाँद्ध महन्त, राजनैतिक नेता, प्राक्मेग,
डाक्टर, वकील, लेखक, पत्रकार दुनिया की पार्लमेटों
के मेम्बर मौजूद थे. जापान के नुमाइन्दों में हिराशिमा
और नागासाकी के घायल लोगों के नुमाइन्दे और बिकिनी

یہاں پہلی نو ٹیو مین خاصہ زبردست اور سارو دیشک مہملین
تھا۔ امریکہ، انگلینڈ، فرانس، پورو جرمنی، آسٹریا، ہالینڈ،
روس، منگولیا، چین، مصر، بھارت، لٹوا، برما، آسٹریلیا، نیوزی
لینڈ، تھائی، انڈونیشیا، اندونیشیا، پورو، پولینڈ، رومانیہ، چین
سرواٹھا، تھائی لینڈ، کوریا، پرتگال، ونیزوئلا آئی لگ بھگ تیس
دیشوں پر تھی کے پانچوں مہادیہوں اور دنیا یور کی انیک
سورجلیک سنسٹیٹوٹوں اور انٹر راشنریہ سنسٹیٹوٹوں کے نمائندے مہملین
میں شامل تھے۔ ان نمائندوں میں بودھ، شنتو، عیسائی، مسلم،
یہودی اور ہندو سب دھرم کے نمائندے والے بڑے ہندو عیسائی پارٹی
اور بودھ مہمت راج نینک نیٹا، یونیورسٹی کالج، ونیل، نیٹک
پارٹی، دنیا کی پارلیمنٹوں کے ممبر موجود تھے۔ جاپان کے نمائندوں
میں ہوشیا اور ناگاساکی کے کیمائ لوگوں کے نمائندے اور ہکلی

ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے خلاف تیسرا ورلڈ سمیٹن

ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے خلاف

تیسرا ورلڈ سمیٹن

ایٹم اور ہائیڈروجن بموں سے سب سے अधिक نुकسان अभी तक जापान को उठाना पड़ा है. क्रुदरती तौर पर जापान में एटम और हाईड्रोजन बम के खिला और 'फौजे कम करने के हक में एक जापान कौंसिल' है. इस कौंसिल की तरफ से जापान के अन्दर दो विश्व सम्मेलन पहले हो चुके हैं. तीसरा विश्व सम्मेलन टोक्यो 6 अगस्त सन् 1957 से 16 अगस्त सन् 1957 तक हुआ.

सम्मेलन की तैयारी के लिए 'तैयारी कमेटी' (प्रिपेरेटरी कमेटी) बनाई गई थी, जिनमें दुनिया के लगभग सा देशों के बड़े-बड़े आदमी शामिल थे और जिसकी बैठकें ता-क्यां में कई सप्ताह पहले से होती रहा. इंगलैण्ड अमरी-का, आस्ट्रेलिया, फ्रान्स, चीन, भारत, लका, बरमा आदि अनेक देशों के नुमाइन्दे इस तैयारी कमेटी में शामिल थे.

तैयारी कमेटी के एक मेम्बर की हैसियत से हम भी 28 जुलाई को पहुँच गए थे.

जापान की जनता और वहाँ की सरकार दोनों एटम और हाईड्रोजन बम के तजरबों के सख्त खिलाफ हैं. वह दिल से चाहते हैं कि हर तरह के सर्वनाशक हथियारों का बनना और काम में लाया जाना कानून बन्द कर दिया जावे और इस तरह के बमों के जा डेर कुञ्ज देशों ने जमा कर रखे हैं उन्हें नष्ट कर दिया जावे. वह चाहते हैं कि दुनिया भर के देशों की फौजे धारे-धारे, आपसी समझौते से, कम कर दी जावे ताकि अन्त में युद्ध की सम्भावना हो दुनिया में मिट जावे. इस काम के लिये जापान के प्रधान मन्त्रा और वहाँ की जनता के प्रतिनिधि दोनों दुनिया भर में घूम चुके हैं और भारत भी आ चुके हैं. दुनिया के देशों में शायद जापान ही अकेला देश है जिसके विधान की एक धारा में साफ-साफ शब्दों में युद्ध का विरोध किया गया है और यह लिख दिया है कि जापान की अन्तर्राष्ट्रीय नीति युद्ध विरोधी नीति होगी.

लेकिन जापान आज बुरी तरह अमरीका के फौजी शकंजे में जकड़ा हुआ है. छूटे से जापान के अन्दर अमरीका की स्थल सेना, जल सेना और हवाई सेना के मिला-

अयम اور ہائیڈروجن بموں سے سب سے अधिक نقصان ابھی تک جاپان کو اٹھانا پڑا ہے. قدرتی طور پر جاپان میں 'ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے خلاف اور فوجوں کم کرنے کے حق میں ایک جاپان کونسل' ہے. اس کونسل کی طرف سے جاپان کے اندر دو ورلڈ سمیٹن ہو چکے ہیں. تیسرا ورلڈ سمیٹن ٹوکیو میں 6 اگست سن 1957 سے 16 اگست 1957 تک ہوا.

سمیٹن کی تیاری کے لئے ایک 'تیاری کمیٹی' (پریپیریٹری کمیٹی) بنائی گئی تھی، جس میں دنیا کے لگ بھگ سب دیشوں کے بڑے-بڑے آدمی شامل تھے اور جس کی بیٹھکیں ٹوکیو میں کئی سہتاہ پہلے سے ہوتی رہیں. انگلینڈ، امریکہ، آسٹریلیا، فرانس، چین، بھارت، لکا، برما آدی انیک دیشوں کے نمائندے اس تیاری کمیٹی میں شامل تھے.

تیاری کمیٹی کے ایک ممبر کی حیثیت سے ہم بھی 28 جولائی کو ٹوکیو پہنچ گئے تھے.

جاپان کی جنگ اور وہاں کی سرکار دونوں ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے تجربوں کے سخت خلاف ہیں. وہ دل سے چاہتے ہیں کہ اس طرح کے سروناشک ہتھیاروں کا بننا اور کام میں لایا جانا ناٹو بند کر دیا جائے اور اس طرح کے بموں کے جو ڈھیر 'چھ دیشوں نے جمع کر رکھے ہیں انہیں نشت کر دیا جائے. وہ چاہتے ہیں کہ دنیا بھر کے دیشوں کی فوجوں دھیرے دھیرے 'آپسی سمجھوتے' سے کم کر دی جاویں تاہم اہت میں 'ادھ کی سمجھوتہ' ہی دنیا سے مت جائے. اس کام کے لئے جاپان کے پردھان منتری اور وہاں کی جنگ کے پرتیندھی دونوں دنیا بھر میں گھوم چکے ہیں اور بھارت بھی آچکے ہیں. دنیا کے دیشوں میں شاید جاپان ہی ایک اکیلا دیش ہے جس کے دھان کی ایک دھارا میں صاف صاف شبدوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اور یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جاپان کی اتر اشتہریہ ندی بدھ ورہی نہی ہوگی.

لیکن جاپان آج بڑی طرح امریکہ کے فوجی شاکجے میں جکڑا ہوا ہے. چوتھے سے جاپان کے اندر امریکہ کی اسٹیل سیٹا، جل سیٹا اور ہوائی سیٹا ملا

आवे तो मैं और मेरे बहुत से हिन्दुस्तानी साथी बड़ी खुशी के साथ उसमें हिस्सा लेना चाहेंगे.

डेलिगेट बहनो और भाइयो ! आप का काम इस युग का सबसे बड़ा आध्यात्मिक काम है. हम में से हर एक पूरी श्रद्धा और पक्के इरादे के साथ अपने कर्तव्य को पूरा करे तो हमारी सफलता लाजमी है.

آرے میں اور میرے بہت سے ہندوستانی ساتھی بڑی خوشی کے ساتھ اس میں حصہ لینا چاہیں گے .

ڈیلیگٹ بھائیوں اور بھائیوں ! آپ کا کام اس یوگ کا سب سے بڑا ادھارتک کام ہے . ہم سے ہر میں ایک پوری شریعت اور پیک ارادے کے ساتھ اپنے کو کر توبہ کو پورا کرے تو ہماری سہولتا لازمی ہے .

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known.

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations or a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

میں सहयोग دینے سے ساف انکار کر دے، چاہے اس انکار کے لیے اسے پراण ही क्यों न देना पड़े. इसी तरह हर मजदूर का और हर काम करने वाले का, जो युद्ध के सामान के बनाने या लाने लेजाने में लगा हो, यह पवित्र कर्तव्य है कि यदि उसे इस बात का विश्वास हो गया है कि युद्ध बुरी चीज है तो इस तरह का काम करने से इनकार करे.

हम सब यह चाहते हैं कि अपने फैसलों पर अमल कराने के लिए हम कुछ अमली कदम बढ़ा सकें। मैं आप से कहना चाहता हूँ कि दुनिया के मजदूर ही दुनिया की सब सरकारों की आर्थिक और राजनीतिक नीति को असली रूप देने वाले हैं. वे यदि एक बार इस सच्चाई को समझ लें और अपनी शक्ति को जान जायें तो दुनिया की कोई ताकत मानव समाज को नए युद्ध की ओर नहीं ढकेल सकती.

जो सरकार या जो देश दुनिया की जनता की इस राय की परवाह न करते हुए इसके खिलाफ अमल करता रहे उसका आर्थिक, सामाजिक और चरुरत पड़े तो राज-नैतिक बहिष्कार यानी उसके साथ असहयोग भी एक ऐसा तरीका है जिसकी तरफ सब शान्ति प्रेमियों का गम्भीरता के साथ ध्यान देना चाहिये.

अन्त में हाइडोजन बमों के नित्य नए तजरबों का बन्द कराने के लिये मेरी प्रार्थना है कि इस इतने बड़े मामले में दुनिया की अन्तरात्मा को जानने के लिये हम सब को दर तरह की कुरबानी के लिये तैयार रहना चाहिये. हम सब का यह पवित्र कर्तव्य है. इस लिये मैं फिर एक बार अमरीका के सत्याग्रहियों को प्रणाम करता हूँ. भारत में हम लोगों ने जब यह सुना कि क्रिस्मस टापुरों की तरफ एक सत्याग्रही जहाज भेजे जाने की तजवीज हो रही है, तो हम में से बहुत से जैसे मेरे मैथडिस्ट दोस्त डा० जे० सो० कुमारप्पा, मेरे दास्त डा० चौथ राम गिडवानी, खुद मैं, और बहुत से लोग उस सत्याग्रह में शामिल होने के लिये उत्सुक थे. अपने लिये तो मैं इस से अच्छा किसी मौत का अनुमान ही नहीं कर सकता कि दुनिया की शान्ति के लिये मैं प्राण दे सकूँ. मैंने कुछ अमरा की वास्तों से पूछा था कि हम में से कुछ अमरीकी सत्याग्रहियों के साथ शामिल हो सकते हैं या नहीं. मुझसे कहा गया कि इससे अमरीकी सत्याग्रहियों की कठिनाइयों और बढ़ सकती हैं. मैं फिर जापान के, आस्ट्रेलिया के, अमरीका के और दुनिया के किसी भी हिस्से के वास्तों और साथियों से नम्रता के साथ अपील करता हूँ कि जहाँ कहीं भी और जहाँ कभी भी मिलकर इस तरह के काम करने का मौका

میں सहयोग دینے سے ساف انکار کریں، چاہے اس انکار کے لئے اسے پراण ही क्यों न देना पड़े. इसी तरह हर मजदूर का और हर काम करने वाले का, जो युद्ध के सामान के बनाने या लाने लेजाने में लगा हो, यह पवित्र कर्तव्य है कि यदि उसे इस बात का विश्वास हो गया है कि युद्ध बुरी चीज है तो इस तरह का काम करने से इनकार करे.

ہم سب یہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلوں پر عمل کرانے کے لئے ہم کچھ عملی قدم اٹھا سکیں، میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ دنیا کے مزدور ہی دنیا کی سب سرکاروں کی ارتھک اور راج نیٹک نیٹکی کو اصلی روپ دینے والے ہیں۔ وہ بدی ایک بار اس سچائی کو سمجھ لیں اور اپنی شکتی کو جان جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت سماج کو نئے بدی کی اور نہیں ڈھکیل سکتی۔

جو سرکار یا جو دیس دنیا کی جنگائی اس رائے کی پرواہ نہ کرتے ہوتے اس کے خلاف عمل کرنا رہ اس کا ارتھک، سماجک اور ضرورت پڑے تو راج نیٹک بھشکار یعنی اس کے ساتھ آسہوگ بھی ایک ایسا طریقہ ہے جس کی طرف سب شانتی پریمیں کو گھبرنا کے ساتھ دھیان دینا چاہئے۔

اُنت میں ہائرورجن بدموں کے نت نئے تجربوں کو بند کرانے کے لئے مددی پروارہند ہے کہ اس اُنت بڑے معاملے میں دنیا کی اُنت آسا کو جاننے کے لئے ہم سب کو ہر طرح قربانی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ہم سب کا یہ پوتر کرہ ہے۔ اس لئے میں ہر ایک، ہر امریکہ کے سٹیٹاگرہوں کو پرونام کرتا ہوں۔ بھارت میں ہم لوگوں نے جب یہ سفاک کرسمس ٹاپروں کی طرف ایک سٹیٹ گروہ جہاز بھیجے جانے کی تجویز ہو رہی ہے، تو ہم میں سے بہت سے دوست دوست دوست دوست دوست دی۔ جے سو۔ نہ یا، دوست دوست دی۔ چوتھ ام گدائی، دوست دوست اور اور بہت سے لوگ اس سٹیٹ میں شامل ہونے کے لئے آسک ہے۔ اپنے لئے تو میں اس سے اچھے کسی موت کا انومان ہی نہیں کر سکتا کہ دنیا کی شانتی کے لئے میں یوں دے سکیں میں نے کچھ امریکی دوستوں سے پوچھا تھا کہ ہم سے کچھ امریکی سٹیٹاگرہوں کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ منجھسہ کہا گیا کہ اس سے امریکی سٹیٹ گروہوں کی تفریایاں اور بڑے سکین ہوں۔ میں ہر جاپان کے، اسٹریلیا کے، امریکہ کے، اور دنیا کے کسی بھی حصے کے دوستوں اور ساتھیوں سے نہرتا کے ساتھ اپیل کرتا ہوں کہ جہاں نہیں بھی اور جب بھی مل کر اس طرح کے کام کرنے کا موقع

یہ دیشا میں ہے اور ہماری آجکل کی اہمیتوں کی جو ہمارا ہی غلط چمکاؤ ہے۔

آدم سائیم یعنی اپنی! چھٹوں کو قابو میں رکھنا اور آپریٹور یعنی کسی چیز کو اپنی نجی سمیٹی نہ سمجھنا یہ دونوں باتیں ہمارے مروج آدھس ہونے چاہئے۔ ہم مانتے ہیں کہ دنیا کے سب لوگ نب ہی سمجھی رہ سکتے ہوں جب کہ ہر آدمی دوسروں کے سم نی ادھک اور اپنے سم کی کم چلتا کرے۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے دنیا کی سب سے اچھی چیزوں اور عام طور پر انہی کے سب سادھن سماج کی سمیٹی ہونے چاہئے نہ کی واپسی کی اس معاملے میں ہم کمیونزم کے بہت نکم پہنچ جاتے ہیں اور ہمیں اس کا کرد ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مہاتما گاندھی کی تالیف میں سب سے زیادہ مہتمم کی چیز "اھنسا" ہے۔ گاندھی جی کے अनुसार ہر مرد اور ہر عورت کا یہ پوتر کرپہ ہے کہ وہ ہر انیائہ اور ہر برائی کا ذات کر مقابلہ کرے اور بڑی ارشدیت ہو تو اس مقابلہ کرنے میں اپنے سرور کی بازی لگا دے۔ لیکن گاندھی جی کا اہنا ہے کہ یہ مقابلہ "اھنسا تک" ہونا چاہئے۔ اس طرح کے مقابلہ کرنے والے کو گاندھی جی "سٹیا گری" کہتے ہیں۔ سٹیا گری کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے دل کو سب کی طرف سے یہاں تک کہ برائی یا انیائہ کرنے والوں کی طرف سے ہی پریم سے بھر لے اور پھر خود اپنے تہاک اور کشٹ سہنے کے ذریعہ برائی یا انیائہ کرنے والے کو ٹھیک راستہ پر لانے کی نوشہ کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مہاتما گاندھی کی تعلیم میں سب سے ادھک مہتمم کی چیز "اھنسا" ہے گاندھی جی کے अनुसार ہر مرد اور ہر عورت کا یہ پوتر کرپہ ہے کہ وہ ہر انیائہ اور ہر برائی کا ذات کر مقابلہ کرے اور بڑی ارشدیت ہو تو اس مقابلہ کرنے میں اپنے سرور کی بازی لگا دے۔ لیکن گاندھی جی کا اہنا ہے کہ یہ مقابلہ "اھنسا تک" ہونا چاہئے۔ اس طرح کے مقابلہ کرنے والے کو گاندھی جی "سٹیا گری" کہتے ہیں۔ سٹیا گری کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے دل کو سب کی طرف سے یہاں تک کہ برائی یا انیائہ کرنے والوں کی طرف سے ہی پریم سے بھر لے اور پھر خود اپنے تہاک اور کشٹ سہنے کے ذریعہ برائی یا انیائہ کرنے والے کو ٹھیک راستہ پر لانے کی نوشہ کرے۔

میں جانتا ہوں کہ یہ معاملہ کچھ تھیں معاملہ ہے بہن شریتمی رامسوری نہر نے اس راستے کی تولنا تلواری کی دھار پر چلنے سے کی تھی۔ لیکن بھارت میں مہاتما گاندھی کے تھرت میں اسی راستے پر چل کر اپنے کو دنیا کی سب سے بڑی سامراج پریمی شتمی کے نیچے سے آزاد کیا۔

دنیا کے سب شانتی پریمیوں سے میری بینین پرائیٹنا ہے کہ وہ اھنسا آتیکہ ستر کر کے اس طریقہ کو ادھک گمبھرتا کے ساتھ جانم اور سمجھنے کی کوشش کریں اس راستے کی اپنی ایک ایک ٹھیک ہے اس کے لئے ایک خاص طرح کی تھاری کی ارشدیت ہوتی ہے ایک سادھن کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سادھن اور تھاری اھنسا تک درودھ کی سادھنا اور تھاری کے بائیل دوسری طرح کی ہوتی ہے۔

اس راستے کے अनुसार ہر ایسے سائنسدان، انجینیریا کاریگر کا جسے اس بات کا وشواس ہو گیا ہو کہ ایٹم اور ٹانڈروجن تھپار ہوی چیزیں ہوں، یہ پروتر کر تو ہے کہ وہ اس طرح کے تھپاروں کے بنائے

भंजा है जिसमें हम सब ने उन्हें प्रणाम किया है और उनका पूरा-पूरा समर्थन करने का उनसे वादा किया है. तीस वर्ष तक मैं अपने गुरु महात्मा गाँधी के चरणों में बैठा हूँ और उनके नेतृत्व में अपने देश की आजादी के लिये लड़ चुका हूँ. इसलिये मैं आप से इजाजत चाहता हूँ कि मैं आपके सामने उस रास्ते का पेश करूँ जिसे मैं गाँधी जी का बताया हुआ शान्ति का रास्ता समझता हूँ और यह भी बताऊँ कि पेटम और हाइडोजिन बम के सवाल के साथ उसका क्या सम्बन्ध है.

पहली बात यह है कि महात्मा गाँधी की सबसे बड़ी विशेषता उनकी धार्मिकता थी. धर्म में उन्हें गहरा विश्वास था. मैं स्वयं धर्म का मानने वाला हूँ. मैं ईश्वर में विश्वासी हूँ, मृत्यु के बाद के जीवन में विश्वासी हूँ, आध्यात्मिक यानी रूहानी चिन्तन का मानने वाला हूँ और रूहानी "कन्सु-नियन" यानी योग या सलूक का भी मानने वाला हूँ. लेकिन हम लोग दुनिया के सब बड़े-बड़े धर्म मजहबों की बुनियादी एकता के मानने वाले हैं. हम मानते हैं कि इन धर्म मजहबों में जो फरक हैं वह अधिकतर ग़ौर जरूरी बातों से सम्बन्ध रखते हैं. इस पृथ्वी पर किस तरह का जीवन बिताना चाहिये इस बारे में सब धर्मों की बुनियादी शिक्षा एक सी है. हम मानते हैं कि हर सभ्य देश के अन्दर लोगों का धर्म मजहब के मामले में पूरी आजादी होनी चाहिये. जो-जो चाहें मानें और जिस तरह चाहे अपने ईश्वर अल्लाह की पूजा-आराधना करें. साथ ही हम यह भी कहना चाहते हैं कि अब समय आ गया है जबकि, विश्व शान्ति के हित में, मानव समाज का प्रेम के साथ एक दूसरे का समझ-बुझकर और निस्पक्षता के साथ एक दूसरे का समझ कर, इस बात की कोशिश करनी चाहिये कि मानव जाति एक मिले-जुले बीच के ऐसे धर्म की तरफ़ कदम बढ़ा सके जिस धर्म का अधिक सम्बन्ध इस बात के साथ हो कि हम सब किस तरह अपनी चिन्तन बसर करें और एक दूसरे के साथ किस तरह बरतें, और कम सम्बन्ध इस बात के साथ हो कि हम संसार की उत्पत्ति या परलोक आदि के बारे में क्या मानताएँ रखते हैं या किस विधि के साथ उस ईश्वर अल्लाह की पूजा-आराधना करते हैं जो हम सब का मालिक है. इस तरह के धर्म में हम सब बड़े-बड़े धर्मों के कायम करने वालों का एक बराबर अन्दर कर सकेंगे और दुनिया की सब बड़ी-बड़ी धन दुस्तकों से एक लाभ उठा सकेंगे.

दूसरी बात यह है कि महात्मा गाँधी की शिक्षा के अनुसार मनुष्य की चिन्तन का आदर्श अपनी इन्द्रियों पर काबू हासिल करना होना चाहिये, न कि इन्द्रियों के सुखों की ओर झुटना आजकल की सभ्यता का मुकाबल इसके ठीक विप-

र. अतः एक सन्दिग्ध भी हो सकता है जिस में हम सब ने प्रणाम किया है और उनका पूरा-पूरा समर्थन करने का उनसे वादा किया है. तीस वर्ष तक मैं अपने गुरु महात्मा गाँधी के चरणों में बैठा हूँ और उनके नेतृत्व में अपने देश की आजादी के लिये लड़ चुका हूँ. इसलिये मैं आप से इजाजत चाहता हूँ कि मैं आपके सामने उस रास्ते का पेश करूँ जिसे मैं गाँधी जी का बताया हुआ शान्ति का रास्ता समझता हूँ और यह भी बताऊँ कि पेटम और हाइडोजिन बम के सवाल के साथ उसका क्या सम्बन्ध है.

पहली बात यह है कि महात्मा गाँधी की सबसे बड़ी विशेषता उनकी धार्मिकता थी. धर्म में उन्हें गहरा विश्वास था. मैं स्वयं धर्म का मानने वाला हूँ. मैं ईश्वर में विश्वासी हूँ, मृत्यु के बाद के जीवन में विश्वासी हूँ, आध्यात्मिक यानी रूहानी चिन्तन का मानने वाला हूँ और रूहानी "कन्सु-नियन" यानी योग या सलूक का भी मानने वाला हूँ. लेकिन हम लोग दुनिया के सब बड़े-बड़े धर्म मजहबों की बुनियादी एकता के मानने वाले हैं. हम मानते हैं कि इन धर्म मजहबों में जो फरक हैं वह अधिकतर ग़ौर जरूरी बातों से सम्बन्ध रखते हैं. इस पृथ्वी पर किस तरह का जीवन बिताना चाहिये इस बारे में सब धर्मों की बुनियादी शिक्षा एक सी है. हम मानते हैं कि हर सभ्य देश के अन्दर लोगों का धर्म मजहब के मामले में पूरी आजादी होनी चाहिये. जो-जो चाहें मानें और जिस तरह चाहे अपने ईश्वर अल्लाह की पूजा-आराधना करें. साथ ही हम यह भी कहना चाहते हैं कि अब समय आ गया है जबकि, विश्व शान्ति के हित में, मानव समाज का प्रेम के साथ एक दूसरे का समझ-बुझकर और निस्पक्षता के साथ एक दूसरे का समझ कर, इस बात की कोशिश करनी चाहिये कि मानव जाति एक मिले-जुले बीच के ऐसे धर्म की तरफ़ कदम बढ़ा सके जिस धर्म का अधिक सम्बन्ध इस बात के साथ हो कि हम सब किस तरह अपनी चिन्तन बसर करें और एक दूसरे के साथ किस तरह बरतें, और कम सम्बन्ध इस बात के साथ हो कि हम संसार की उत्पत्ति या परलोक आदि के बारे में क्या मानताएँ रखते हैं या किस विधि के साथ उस ईश्वर अल्लाह की पूजा-आराधना करते हैं जो हम सब का मालिक है. इस तरह के धर्म में हम सब बड़े-बड़े धर्मों के कायम करने वालों का एक बराबर अन्दर कर सकेंगे और दुनिया की सब बड़ी-बड़ी धन दुस्तकों से एक लाभ उठा सकेंगे.

दूसरी बात यह है कि महात्मा गाँधी की शिक्षा के अनुसार मनुष्य की चिन्तन का आदर्श अपनी इन्द्रियों पर काबू हासिल करना होना चाहिये, न कि इन्द्रियों के सुखों की ओर झुटना आजकल की सभ्यता का मुकाबल इसके ठीक विप-

سدر ساہو، ڈیلیگٹ ساہیو اور میرے جاپانی भाइ-
यो और बहना !

میں اپنے ان جاپانی دوستوں کا آزماری ہوں جنہوں نے
ہمیں اس سندر دیس میں آنے کا اور ایتم اور ہانڈروجن ہم کے
خلف اور دنیا کے فوجوں کو کم کرنے کے پکھ میں ایلی
کوششوں میں حصہ لینے کا یہ مرتعہ دیا، ان کی ان نہک
کوششوں میں سارے ہارت واسی پوری طرح ان کے ساتھ میں .

چند اور ڈیلیگٹ بھائیوں کے ساتھ میں ایلی نگلانی
اور ہونو شما ہو کر آیا ہوں . اس بھیکر دیکھنا کو ہونو بارہ
دیس بیت چکے . انہ دنوں کے بعد بھی جو کچھ میں نے ایلی
آنکھوں سے دیکھا اسے دیکھ کر مجھے اچھ ہوتا ہے کہ کوئی
بھی منشیہ اس طرح کا کام کیسے کر سکا . بے گناہ ماتاؤں کی گرد
میں بیٹھے ہوئے مصرم بچوں کو زندہ ہون ڈالنا اور ہماروں
اور بوزفوں کو ان کے بستروں کے اندر جلا کر خاک کر دینا اتنی
بڑی شقتا اور انڈا ہوا پاپ ہے جسے دنیا کی جلتا کو برداشت
نہیں کرنا چاہئے، اور جسے آشا ہے کہ دنیا کی جلتا اسے آندہ
کبھی برداشت نہیں کرے گی . اب اور ہونو شما نہیں
ہوئے دیں گے، یہ آواز آج مانو سماج کے ہر دے سے زوروں کے
ساتھ نکل رہی ہے . کوئی اب اس آواز کی آوہلنا نہیں
کر سکتا .

بھارت واسی یہ بھی مانتے ہیں کہ کسی بھی دیس یا
راشٹر کو یہ ادھیکار نہیں ہے کہ وہ دنیا کے کسی بھی دوسرے
دیس میں اپنے فوجی آفہ قائم کرے . نہ نئے دیسوں
میں ایتم اور ہانڈروجن ہتھماروں کو داخل کرنا تو بھارت
واسیوں کی نگاہ میں ایک اول درجے کا آفہ راشٹریہ جرم
ہے . بھارت ان سب سندرہوں اور سمجھوتوں کے بھی خلف ہے جو
دنیا کو ایک دوسرے کے ورودھ دو جنگی اکھاڑوں میں ہانت
دیتے ہیں . بھارت واسی سب راشٹروں کے ملے دلمے ایک
ایسے صلحنامے کے پکھ میں ہیں جس کے انوسار سب مل کر دنیا
کی شانتی کو قائم رکھنے کا وچن دیں اور جس میں امریکہ اور
روس دونوں شامل ہوں . بھارت کسی طرح کا بدہ نہیں چاہتا .
بھارت سارے مانو سماج کو ایک کعب مانتا ہے اور دنیا کے
سب لوگوں کی ایکٹا کا حامی ہے .

اس آدیش کو پورا کرنے کے لئے کیا اپانہ کرتے چاہئے اس
پر اس سمیلن میں کئی بحثیں ہو چکی ہیں . ان بحثوں
کے دوران میں کئی بار ان آپانیوں کی بھی چرچا ہوئی ہے جو
بھارت کے نیٹا مہاتما گاندھی نے ہمیں سکھائے ہیں . ہمارے
بھادر امریکی درست ہانڈروجن ہم کے خلف اس سمے بھی وہ
اپانہ کام میں لا رہے ہیں جنہیں وہ "گاندھین اپانہ" اور
"اھلساتیک اپانہ" کہتے ہیں . رشو سمیلن کے اس سلج سے

مدر صاحب، ڈیلیگٹ ساتھ اور میرے جاپانی भाइ-
ओ और बहना !

میں اپنے ان جاپانی دوستوں کا آزماری ہوں جنہوں نے
ہمیں اس سندر دیس میں آنے کا اور ایتم اور ہانڈروجن ہم کے
خلف اور دنیا کے فوجوں کو کم کرنے کے پکھ میں ایلی
کوششوں میں حصہ لینے کا یہ مرتعہ دیا، ان کی ان نہک
کوششوں میں سارے ہارت واسی پوری طرح ان کے ساتھ میں .

چند اور ڈیلیگٹ بھائیوں کے ساتھ میں ایلی نگلانی
اور ہونو شما ہو کر آیا ہوں . اس بھیکر دیکھنا کو ہونو بارہ
دیس بیت چکے . انہ دنوں کے بعد بھی جو کچھ میں نے ایلی
آنکھوں سے دیکھا اسے دیکھ کر مجھے اچھ ہوتا ہے کہ کوئی
بھی منشیہ اس طرح کا کام کیسے کر سکا . بے گناہ ماتاؤں کی گرد
میں بیٹھے ہوئے مصرم بچوں کو زندہ ہون ڈالنا اور ہماروں
اور بوزفوں کو ان کے بستروں کے اندر جلا کر خاک کر دینا اتنی
بڑی شقتا اور انڈا ہوا پاپ ہے جسے دنیا کی جلتا کو برداشت
نہیں کرنا چاہئے، اور جسے آشا ہے کہ دنیا کی جلتا اسے آندہ
کبھی برداشت نہیں کرے گی . اب اور ہونو شما نہیں
ہوئے دیں گے، یہ آواز آج مانو سماج کے ہر دے سے زوروں کے
ساتھ نکل رہی ہے . کوئی اب اس آواز کی آوہلنا نہیں
کر سکتا .

بھارت واسی یہ بھی مانتے ہیں کہ کسی بھی دیس یا
راشٹر کو یہ ادھیکار نہیں ہے کہ وہ دنیا کے کسی بھی دوسرے
دیس میں اپنے فوجی آفہ قائم کرے . نہ نئے دیسوں
میں ایتم اور ہانڈروجن ہتھماروں کو داخل کرنا تو بھارت
واسیوں کی نگاہ میں ایک اول درجے کا آفہ راشٹریہ جرم
ہے . بھارت ان سب سندرہوں اور سمجھوتوں کے بھی خلف ہے جو
دنیا کو ایک دوسرے کے ورودھ دو جنگی اکھاڑوں میں ہانت
دیتے ہیں . بھارت واسی سب راشٹروں کے ملے دلمے ایک
ایسے صلحنامے کے پکھ میں ہیں جس کے انوسار سب مل کر دنیا
کی شانتی کو قائم رکھنے کا وچن دیں اور جس میں امریکہ اور
روس دونوں شامل ہوں . بھارت کسی طرح کا بدہ نہیں چاہتا .
بھارت سارے مانو سماج کو ایک کعب مانتا ہے اور دنیا کے
سب لوگوں کی ایکٹا کا حامی ہے .

कर्म या फल के अन्दर हमें तीन तरह के काम मिलते हैं—स्वार्थ, परार्थ और परमार्थ यानी खुदगारजी, दूसरों का भला और केवल फर्ज समझकर सब का एकसाँ भला पहली तरह के काम ऐसे हैं जैसे करजा लेना, दूसरी तरह के काम ऐसे हैं जैसे दूसरे का करजा देना और तीसरी तरह के काम सब करजों से छुटकारा पाना, पाप और पुण्य दोनों बन्धन हैं, मोक्ष यानी निजात इन दोनों से आजाद हो जाना है, पाप करना, कोई बुराई करना ऐसा हा है जैसा करजा लेना जिसे हमें दण्ड या तकलीफ की शक्ल में अदा करना होगा, नेकी करना, परोपकार करना ऐसा है जैसा किसी को करजा देना, वह हमें सुख के रूप में वापिस मिलेगा, और असली आजादी इन दोनों विचारों से ऊपर उठकर सब हिसाब चुकता यानी बेबाक कर देना है, यही हालत हमें कड़ी मेहनत के बाद गहरी मोठी नींद यानी 'निर्वाण' का हक्दार बना देती है,

यह सब चीजें तीन-तीन के रूप में चलती हैं, इनमें दो रूप एक दूसरे के खिलाफ मालूम होते हैं और तीसरा उन्हें जोड़ता है, जैसे इच्छा किसी चीज की जानकारी का और उसके साथ हमारे काम का दांनों को जोड़ती है, हमारे सारे शरीर की बनावट में यही तीन-तीन के जोड़े दिखाई देते हैं, हमारे हाथ पैर, हमारे दिल और दिमाग दांनों में नाता जोड़ते हैं, यही आत्मा और गैर-आत्मा के नाते का हाल है,

अपने शरीर की बनावट को अगर हम इस प्रकार अच्छी तरह समझ सकें और शरीर और मन और आत्मा यानी रूह के सम्बन्ध को समझ सकें तो यह सारा भेद हम पर खुल सकता है, इस भेद का ठीक-ठीक समझने का रास्ता बही है जिसे हिन्दू धर्म ग्रन्थों में "योग" मुसलिम धर्म ग्रन्थों में "सलूक" या "शराल" और ईसाई धर्म ग्रन्थों में "कन्सुनियन विद दि स्पिरिट" कहा गया है,

कर्म या फल के अन्दर हमें तीन तरह के काम मिलते हैं—स्वार्थ, परार्थ और परमार्थ यानी खुदगारजी, दूसरों का भला और केवल फर्ज समझकर सब का एकसाँ भला पहली तरह के काम ऐसे हैं जैसे करजा लेना, दूसरी तरह के काम ऐसे हैं जैसे दूसरे का करजा देना और तीसरी तरह के काम सब करजों से छुटकारा पाना, पाप और पुण्य दोनों बन्धन हैं, मोक्ष यानी निजात इन दोनों से आजाद हो जाना है, पाप करना, कोई बुराई करना ऐसा हा है जैसा करजा लेना जिसे हमें दण्ड या तकलीफ की शक्ल में अदा करना होगा, नेकी करना, परोपकार करना ऐसा है जैसा किसी को करजा देना, वह हमें सुख के रूप में वापिस मिलेगा, और असली आजादी इन दोनों विचारों से ऊपर उठकर सब हिसाब चुकता यानी बेबाक कर देना है, यही हालत हमें कड़ी मेहनत के बाद गहरी मोठी नींद यानी 'निर्वाण' का हक्दार बना देती है,

ये सब चीजें तीन-तीन के रूप में चलती हैं, इनमें दो रूप एक दूसरे के खिलाफ मालूम होते हैं और तीसरा उन्हें जोड़ता है, जैसे इच्छा किसी चीज की जानकारी का और उसके साथ हमारे काम का दांनों को जोड़ती है, हमारे सारे शरीर की बनावट में यही तीन-तीन के जोड़े दिखाई देते हैं, हमारे हाथ पैर, हमारे दिल और दिमाग दांनों में नाता जोड़ते हैं, यही आत्मा और गैर-आत्मा के नाते का हाल है,

अपने शरीर की बनावट को अगर हम इस प्रकार अच्छी तरह समझ सकें और शरीर और मन और आत्मा यानी रूह के सम्बन्ध को समझ सकें तो यह सारा भेद हम पर खुल सकता है, इस भेद का ठीक-ठीक समझने का रास्ता बही है जिसे हिन्दू धर्म ग्रन्थों में "योग" मुसलिम धर्म ग्रन्थों में "सलूक" या "शराल" और ईसाई धर्म ग्रन्थों में "कन्सुनियन विद दि स्पिरिट" कहा गया है,

महत्मा गाँधी के अनुसार शान्ति का रास्ता, और पेटम और हाईड्रोजन बम का सवाल
पंडित सुन्दरलाल

(वह भाषण जो 16 अगस्त सन 1957 को तोक्यो (जापान) में तीसरे विश्व सम्मेलन के सामने दिया गया)



सितम्बर '67

महत्मा गान्धेय के अनुसार शान्ति का रास्ता, और अणु और हाइड्रोजन बम का सवाल
पंडित सुन्दरलाल

(वह भाषण जो 16 अगस्त सन 1957 को तोक्यो (जापान) में तीसरे विश्व सम्मेलन के सामने दिया गया)



सितम्बर '67

رہر-آتما کو وہ ابھی تک سچ سمجھتے ہوئے تھا وہ اب اسے جھوٹ اور کھیل دھوکا معلوم ہونے لگا ہے۔ جوانی میں جو چیزیں سندر اور آئندہ دینے والی اور چٹ کو موہتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں، وہ بڑھاپے میں بدصورت، بدشکل اور تکلیف دہ معلوم ہونے لگتی ہیں۔ ایک پرانا مسکوارہ ہے ”گیان رنج کو بڑھاتا ہے“ انگریزوں، شید ’وانز‘ کے مہل معلیٰ ہی ’فمکین‘ ہے۔ جو چیز اچھی لگتی تھی وہ اب بری لگنے لگتی ہے۔ جو ٹھیک معلوم ہوتی تھی وہ غلط معلوم ہونے لگتی ہے، اور اُن کے چکر اچھے اور بُرے، ٹھیک اور غلط دونوں ہی غلط معلوم ہونے لگتے ہیں۔ بچہ اور پاپ یعنی خیر اور شر دونوں پاپ یعنی شر معلوم ہونے لگتے ہیں۔ سولے کی بیڑیاں دینی ہی بیڑیاں ہیں جنسی لوہے کی۔ ایک بیڑی کے لوہے پیدا ہوتے ہیں، بڑھتے ہیں اور تجربوں اور تکلیفوں کے اندر سے گزرتے ہوئے، انہیں عقل اور سمجھ آتی ہے۔ وہ پھر چل دیتے ہیں۔ دوسری بیڑی اُن کی جگہ لیتی ہے۔ اُسی طرح کی غلطیوں، تجربوں اور تکلیفوں میں سے نکل کر اسے سمجھ آتی ہے۔ وہ بھی چل دیتی ہے۔ یہ چکر برابر جاری رہتا ہے۔ ایک بیماری ختم ہو جاتی ہے، دوسری بیماریاں اُس کی جگہ آجاتی ہیں۔ ایک ہرائی مٹتی ہے، دوسری سر اُٹھتی ہے۔ نیکی اور بدی، سکھ اور دکھ ہمیشہ ایک دوسرے کو کاٹتے رہتے ہیں۔ انت میں دونوں ایک ساتھ ختم ہوتے ہیں۔ اِس دوی کو اُسا خود ہی پیدا کرتا ہے اور خود ہی ختم کرتا ہے۔ نہ مٹی اور بدی دونوں چیزوں بچے ہیں۔ دونوں ساتھ ساتھ ختم ہوتے ہیں۔ جب تک آدمی جاگتا رہتا ہے اور کام کرتا رہتا ہے تب تک اُس آتما کے لئے جس کی آنکھیں کھل گئی ہیں نیکی یعنی شکام کرم کا راستہ ہی فرض یعنی کرتوبہ کا راستہ ہے۔ لیکن دھیرے دھیرے یہ ہدایتی بھی کم ہونے لگتی ہے۔ تھکا ہوا آتما پہ ’نروان‘ کی نیند سونا چاہتا ہے۔ کچھ دیر کے لئے وہ کھن محنت اور آرام دہ آسیدہ دونوں سے تھک جاتا ہے۔ پاپ اور پلہ، سوارتھ اور پرمارتھ دونوں کے چکر سے وہ نکلنا چاہتا ہے۔

اس طرح گوان کے اندر ہمیں تین طرح کی چیزیں ملتی ہیں—سکھ، سکھیا اور مایا، یعنی جو چیزیں ہیں جو نہیں ہیں اور جن کا ہونا ایک دھوکا ہے۔ اچھا یعنی خواہش کے اندر تین صورتیں آجاتی ہیں—رائ، دوہش اور ویراگیہ، یعنی خاص چیزوں سے مہر یا لگاؤ ہونا، خاص چیزوں سے نفرت ہونا اور سب چیزوں کی طرف سے بے لگ ہونا، نا کفو سے دوستی نا کفو سے بھر۔ انہیں تینوں کو کام، کرودہ اور نوشکامیہ میں لپے سکتے ہیں۔ یہ ویراگیہ یا نوشکامیہ ایک شانتی اور سکون کی حالت ہے۔

اس طرح گوان کے اندر ہمیں تین طرح کی چیزیں ملتی ہیں—سکھ، سکھیا اور مایا، یعنی جو چیزیں ہیں جو نہیں ہیں اور جن کا ہونا ایک دھوکا ہے۔ اچھا یعنی خواہش کے اندر تین صورتیں آجاتی ہیں—رائ، دوہش اور ویراگیہ، یعنی خاص چیزوں سے مہر یا لگاؤ ہونا، خاص چیزوں سے نفرت ہونا اور سب چیزوں کی طرف سے بے لگ ہونا، نا کفو سے دوستی نا کفو سے بھر۔ انہیں تینوں کو کام، کرودہ اور نوشکامیہ میں لپے سکتے ہیں۔ یہ ویراگیہ یا نوشکامیہ ایک شانتی اور سکون کی حالت ہے۔

कर्म, अपनी भलाई को सब की भलाई के लिये कुरबान कर देना, व्यक्ति की भलाई को कुटुम्ब की भलाई के लिये या समाज की भलाई के लिये कुरबान कर देना, यही यह "यज्ञ" है. भगवद्गीता में लिखा है:—"प्रजापति ने जब शुरू में दुनिया को बनाया तो 'यज्ञ' के साथ बनाया और अपनी सारी प्रजा से कह दिया कि 'यज्ञ' के द्वारा ही तुम बढ़ोगे और फलो फूलोगे....हमारा छोटा आपा हमारे बड़े और व्यापक आपे के लिये अपने को कुरबान करता है यही यज्ञ है". यह बड़ा आपा ही असली सत्यम्, सुन्दरम् और शिवम् है. इस दुनिया में जो कुछ हमें सच्चा, सुन्दर और अच्छा दिखाई देता है वह सब उसी का अक्स है.

सर्वात्मा या रूहे कुल के इन गुणों के मुकाबले में रौर-आत्मा यानी प्रकृति या जड़ मादे में सत्व, तमस् और रजस्—यह तीन गुण पाये जाते हैं. सत्व चीजों का वह गुण है जिसके धारिये चीजें जानी जा सकती हैं. तमस् वह गुण है जिसके कारण उन्हें रखने की आत्मा को इच्छा होती है. रजस् वह गुण है जिसका सम्बन्ध चीजों की हरकत से है. अगर हम किसी भी ठोस चीज को ले लें तो यही तीनों बातें गुण, द्रव्य और कर्म शब्दों से प्रकट की जा सकती हैं. हम चीजों के गुणों से उन्हें जानते समझते हैं. उनके द्रव्य रूप के कारण उन्हें रखने की इच्छा करते हैं. और उनके कर्म रूप के कारण हम उनके साथ तरह-तरह के काम करते हैं. हमारे शरीर भी रौर-आत्मा यानी जड़ पदार्थ ही हैं. लेकिन अकसर हम उन्हें ही अपना आपा समझ बैठते हैं यह ऐसा ही है. जैसे लोहे की किसी लाल तपती हुई गेंद की गरमी को हम उसकी लाली और ओर उसके लांहे से अलग करके नहीं देख सकते. पर हैं वह अलग-अलग चीजें और फिर भी एक.

हमारे जिस्म हमारे आत्मा के इतने निकट हैं कि अकसर हम जिस्म के तीन गुणों यानी सत्व, तमस् और रजस् का आत्मा के गुण समझने और कहने लगते हैं. कभी-कभी हम इन तीन शब्दों से मतलब अपने मन की तीन हालतों से लेते हैं. और यूँ उसे आत्मा से जोड़ देते हैं. हम कहते हैं कि सात्विक आत्मा ज्ञानी, आरिफ, समझदार और नेक आदमी का ज्ञानवान, सुसंस्कृत, प्रकाशवान और नरानी आत्मा हैं, जो चीजों को ठीक-ठीक समझता है. तामस् आत्मा उस आदमी का जो अपनी स्वाहिशों के क़ाबू में है आलस्य और प्रमाद भरा आत्मा है, जो दुनिया की चीजों को चिपटा हुआ हां. राजस् आत्मा क्रियाशील यानी बाअमल आदमी का आत्मा है जो सदा चंचल, बेचैन और काम में लगा रहता है.

आत्मा जब रौर-आत्मा की तरफ से हटने लगता है और वैसे अपने से अलग कर देना चाहता है तब जिस

कर्म, اپنی بھلائی کو سب کی بھلائی کے لئے قربان کر دینا, ویسائی کی بھلائی کو کٹمب کی بھلائی کے لئے یا سماج کی بھلائی کے لئے قربان کر دینا, یہی یہ 'یکہ' ہے. بھگن گیتا میں لکھا ہے:—"پرچا پتی نے جب شروع میں دنیا کو بنایا تو 'یکہ' کے ساتھ بنایا اور اپنی ساری پرچا سے کہہ دیا کہ 'یکہ' کے دوارا ہی تم بڑھوگے اور پھلو پھولوگے...ہمارا چھوٹا آپا ہمارے بڑے اور دباک آپے کے لئے اپنے کو قربان کرنا ہے یہی یکہ ہے." وہ بڑا آپا ہی اصلی ستم, سندر اور شوم ہے. اس دنیا میں جو کچھ ہمیں سچا, سندر اور اچھا دکھائی دیتا ہے وہ سب اسی کا عکس ہے.

سرو آتما یا روح کل کے ان گنوں کے مقابلے میں غیر-آتما یعنی پرکرتی یا جز مادے میں ستو, تمس, اور رجس—یہ تین گن پائے جاتے ہیں. ستو چیزوں کا وہ گن ہے جس کے ذریعہ چیزیں جانی جاسکتی ہیں. تمس وہ گن ہے جس کے کارن انہوں رکھنے کی آتم کو اچھا ہوتی ہے. رجس وہ گن ہے جس کا سبب چیزوں کی حرکت سے ہے. اگر ہم کسی بھی تھرس چیز کو لے لیں تو یہی تینوں باتیں گن, دروہ, اور کرم شبدوں سے پرکٹ کی جاسکتی ہیں. ہم چیزوں کے گلوں سے انہوں جانتے سمجھتے ہیں. ان کے دروہ روپ کے کارن انہوں رکھنے کی اچھا کرتے ہیں. اور ان کے کرم روپ کے کارن ہم ان کے ساتھ طرح طرح کے کام کرتے ہیں. ہمارے شریر ہی غیر-آتما یعنی جز بدارتہ ہی ہیں. لیکن انڈر ہم انہیں ہی اپنا آپا سمجھ رہتے ہیں. یہ ایسا ہی ہے جیسے لہے کی کسی لال تپتی ہوئی گیند کی گرمی کو ہم اُس کی لالی اور اُس کے لہے سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے. پر ہوں وہ الگ الگ چیزیں اور پھر بھی ایک.

ہمارے جسم ہمارے آتما کے اتنے نکت ہیں کہ انڈر ہم جسم کے تین گلوں یعنی ستو, تمس اور رجس کو آتما کے گن سمجھتے اور کہتے لکتے ہیں. کبھی کبھی ہم ان تین شبدوں سے مطالب اپنے من کی تین حالتوں سے لیتے ہیں اور یہی آتما سے جز دیتے ہیں. ہم کہتے ہیں کہ سانوک آتما گھائی, عارف, سمجدار اور نیوک آدمی کا گھانوان, سو سنسکرت, پرکشوان اور نرانی آتما ہے, جو چیزوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھتا ہے. تامس آتما اُس آدمی کا جز اپنی خواہشوں کے قابو میں ہے آسودہ اور پرمان ہوا آتما ہے, جو دنیا کی چیزوں کو چھوٹا ہوا ہو. راجس آتما کریا شدل یعنی باعل آدمی کا آتما ہے جو سدا چنچل, بے چن اور کم میں لگا رہتا ہے.

آتما جب غیر-آتما کی طرف سے مقلد لکنا ہے اور اُسے اپنے سے الگ کو دینا چاہتا ہے تب جس

آتما یا رُہ کو अपनी इस जीवन यात्रामें दो रास्तों से गुजरना पड़ता है। पहला 'प्रवृत्ति मार्ग' यानी 'कौसे नजूल' जिसमें रूह रौर-आत्मा यानी रौर-रूह यानी बाहर की चीजों को अपनाती है, यानी उन्हें अपने ऊपर ओढ़ती है और दूसरा 'निवृत्ति मार्ग' यानी 'कौसे उरुज' जिसमें फिर से ऊपर चढ़ने के लिये रूह रौर-रूह को अपने से अलग करती है या उतार फेंकती है।

आत्मा के जो तीन रूप हमने ऊपर बताये हैं उन तीनों का अलग-अलग सम्बन्ध ज्ञान, इच्छा और क्रिया यानी इल्म, ख्वाहिश और अमल में है। इनमें 'इच्छा' यानी 'खाहिश' ही वह असल चीज है जो एक व्यक्ति आत्मा को दूसरी व्यक्ति आत्मा से, एक रूह को दूसरी रूह से, एक व्यक्ति को दूसरे व्यक्ति से अलग करती है। जब इच्छा मिट जाती है तो यह अलहदगी भी जाती रहती है। यही हमारे सब अच्छे बुरे कामों की जड़ है।

यही तीन यानां ज्ञान, इच्छा और क्रिया रूहों या जीवों को एक दूसरे से अलग करते हैं। ऐसा अलग आत्मा 'पराग आत्मा' कहलाता है। पर जब इस आत्मा का रुख अन्दर को हो जाता है तब वह 'प्रत्याग आत्मा' हो जाता है। तब यह सब अलहदगी मिट जाती है। तब यही तीनों सूरतें एक व्यापक आत्मा यानी रूहेकुल के तीन गुणों—चित्त, आनन्द और सत्त यानी मारफ़त, कुदरत और बज्रदे हकीकती—में बदल जाती हैं। यह मारफ़त ही अज्ञाने कुल है। इन्हीं तीनों को सर्वज्ञता, सर्वशक्तिमत्ता और सर्व व्यापकता भी कहते हैं। शुद्ध आत्मा यानी रूहेकुल के इन्हीं तीन गुणों के नाम सत्यम, प्रियम और हितम, या शान्तम, सुन्दरम और शिवम भी हैं। असली बज्रदे यानी बज्रदे हकीकती केवल यही शुद्ध आत्मा या रूहेकुल है। वही देखने वाला है और वही देखने की चीज। वही जानने वाला है और वही जानने की चीज। वसी से सब रोशन है जिस तरह यह दुनिया सूरज से। वह अपने को भी जानता है और रौर-आपे को भी। वह अपने जानने को भी जानता है। वही है और कुछ है ही नहीं। वह नित्य है और सब बदलता हुआ धोका है। इससे हमें कभी धोका नहीं हो सकता। वही आनन्द का भण्डार है, सुन्दरता का खजाना है, वही प्रेम है, वही अनन्त बरकत है, वही एक चाहने की चीज है। सब दिलों का वही एक प्रीतम है और जो कुछ प्यार के क़ाबिल है केवल उसी का काण। वह नित्य है, अनन्त है। वह नेकी का भण्डार है। वही यज्ञ यानी कुरबानी है। प्रेम और सेवा के जरिये अपने छोटे आपे को उस बड़े आपे के लिये, जो सब के अन्दर रमा हुआ है, कुरबान कर देना ही उसके दर्शन, दीवार, यानी आत्म दर्शन का तरीका है। इसी का नाम निःभेयस है यानी सब का भला है। अन्त में निःस्वार्थ कम, निःकाम

आत्मा या روح کو اپنی اس جہوں ہاتھ میں دو راستوں سے گزرتا ہوتا ہے۔ پہلا 'پرورتی مارگ' یعنی 'قوس نزول' جس میں روح غور-آتما یعنی غور-روح یعنی باہر کی چیزوں کو اپنی ہے، یعنی انہیں اپنے اوپر اوڑھتی ہے۔ اور دوسرا 'نوروتی مارگ' یعنی 'قوس عروج' جس میں روح سے اوپر چڑھنے کے لئے روح غور-روح کو اپنے سے الگ کرتی ہے یا اُتار پھینکتی ہے۔

آتما کے جو تین روپ ہم نے اوپر بتائے ہیں اُن تینوں کا ایک ایک سہجہ گمان 'اچھا' اور 'کریا' یعنی علم خواہش اور عمل سے ہے۔ اُن میں 'اچھا' یعنی 'خواہش' ہی بہ اصل چیز ہے جو ایک ریکت آتما کو دوسری ریکت آتما سے، ایک روح کو دوسری روح سے، ایک ریکتی کو دوسری ریکتی سے، الگ کرتی ہے۔ جب 'اچھا' مٹ جاتی ہے تو یہ علیحدگی بھی جاتی رہتی ہے۔ یہو ہمارے سب اچھے برے کاموں کی جڑ ہے۔ یہی تین یعنی گمان 'اچھا' اور 'کریا' روحوں یا جہوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتے ہیں۔ ایسا ایک آتما 'پراگ آتما' کہلاتا ہے۔ پر جب اس آتما کا رخ اندر کو ہو جاتا ہے تب وہ 'پرتیاگ آتما' ہو جاتا ہے۔ تب یہ سب علیحدگی مٹ جاتی ہے۔ تب یہی تینوں صورتیں ایک واپیک آتما یعنی روح کل کے تین گون-چت، آند اور ست یعنی معرفت، قدرت اور وجود حقیقی—میں بدل جاتی ہیں۔ یہ معرفت ہی عقل دل ہے۔ انہیں تینوں کو سروگیتا، سرور شکیمتا اور سرور واپیکتا بھی کہتے ہیں۔ شدہ آتما یعنی روح کل کے انہیں تین گون کے نام ستیم، پریم اور ہتم، یا شانت، سلمدوم اور شوم بھی ہیں۔ اصلی وجود یعنی وجود حقیقی کیوں یہی شدہ آتما یا روح کل ہے۔ وہی دیکھنے والا ہے اور وہی دیکھنے کی چیز۔ وہی جاننے والا ہے اور وہی جاننے کی چیز۔ اُسی سے سب روشن ہے جس طرح یہ دنیا سورج سے۔ وہ اپنے کو بھی جانتا ہے اور غور-آپے کو بھی۔ وہ اپنے جاننے کو بھی جانتا ہے۔ وہی ہے اور کچھ ہے ہی نہیں۔ وہ نتیجہ ہے اور سب بدلتا ہوا دھوکا ہے۔ اُس سے ہمیں کبھی دھوکا نہیں ہو سکتا۔ وہی آند کا پہنڈار ہے، سلمدوم کا خزانہ ہے، وہی پریم ہے، وہی اُملت برکت ہے، وہی ایک چاہنے کی چیز ہے۔ سب دلوں کا وہی ایک پریم ہے اور جو کچھ پوار کے قابل ہے کیوں اُسی کے کارن۔ وہ نتیجہ ہے، اُملت ہے۔ وہ نیکی کا پہنڈار ہے۔ وہی دیکھنے یعنی قربانی ہے۔ پریم اور سہوا کے ذریعے اپنے چہرے آپے کو اُس برے آپے کے لئے، جو سب کے اندر رما ہوا ہے، قربان کر دینا ہی اُس کے درشن، دیدار یعنی اتم درشن کا طریقہ ہے۔ اُسی کا نام شرنس ہے یعنی سب کا بھلا ہے۔ اُنت میں نسوارتہ کرم، تشکم

एक आत्मा के अलग-अलग रूप

डाक्टर भगवान दास

आत्मा एक और बेअन्त है. उसका कोई ओर छोर नहीं. उससे बाहर कुछ नहीं. उसी आत्मा का सर्वात्मा या रूहेकुल भी कह सकते हैं. लेकिन इस दुनिया में देखने समझने के लिए उसी एक का तीन अलग-अलग रूपों में देखा जा सकता है. एक आत्मा का व्यापक अव्यक्त रूप जो सब में रमा हुआ है. दूसरे अलग-अलग व्यक्त आत्मायें जिन्हें अलग-अलग आत्मा, जीव या रूह कहते हैं. और तीसरे हमारे यह अलग-अलग मन और शरीर. पहले यानी व्यापक अव्यक्त आत्मा के अन्दर सब व्यक्त आत्मा यानी अलग-अलग रूहें शामिल हैं. और हमारे अलग-अलग मन-शरीर ही इन अलग-अलग आत्माओं को एक दूसरे से अलग और व्यक्त यानी आहिर करते हैं.

इसकी एक मिसाल एक ही नदी के अन्दर अलग अलग बरतनों में एक ही पानी की शकलें बदल जाने से दी जाती है.

उस व्यापक अव्यक्त आत्मा की जानकारी का नाम 'मैटाफिजिक' यानी 'दर्शन शास्त्र' या 'फिलसफा' है. अलग-अलग व्यक्त आत्माओं के बयान को 'साइकालोजी' यानी 'मनोविज्ञान' कहते हैं. हमारे मन-शरीरों से सम्बन्ध रखने वाली साइन्सों को मामूली जड़विज्ञान या 'साइको फिजिक्स' कहा जाता है. दर्शन शास्त्र या फिलसफे में हमें सब साइन्सों के बुनियादी असूल मिल जाते हैं.

जब आत्मा गैर-आत्मा यानी अपने से बाहर की चीजों की बात करता है तो तीन सूरतें पैदा होती हैं. पहली यह कि आत्मा गैर-आत्मा को अपने सामने रखकर उसकी जानकारी हासिल करता है. फिर चाहे उसके वजूद का सबा माने या झूठ. दूसरी यह कि आत्मा गैर-आत्मा के साथ कुछ न कुछ काम करता है. उसे अपने ऊपर आदना है जैसे आदमी कपड़े पहनता है, या उसे अपने अन्दर दाखल कर लेता है जैसे आदमी खाना खाता है. उसके साथ अपना अपनापन जोड़ता है. या उसे उतार फेंकता है और अपने को उससे अलग कर लेता है. तीसरी यह कि जानने और काम करने के बीच में आत्मा गैर-आत्मा से अपने को जोड़ लेने की या उसे अपने अन्दर हजम कर लेने की या उसे फेंक देने की 'इच्छा' करता है. यह 'इच्छा' तीसरी सूरत है. यह इच्छा या खदिश आत्मा की ही वृत्ति का हालत है.

ایک آتما کے ایک ایک روپ

ڈاکٹر بھگوان داس

آتما ایک اور بے انت ہے. اُس کا کوئی اور چور نہیں. اُس سے باہر کچھ نہیں. اُسی آتما کو سرو آتما یا روح نل ہو کہہ سکتے ہیں. لیکن اِس دنیا میں دیکھنے سمجھنے کے لئے اُسی ایک کو تین ایک ایک روپوں میں دیکھا جا سکتا ہے. ایک آتما کا وہ ایک اور روپ جو سب میں رما ہوا ہے. دوسرے ایک ایک ویکٹ آتماؤں جنہیں ایک ایک آتما، جوہ یا روح کہتے ہیں. اور تیسرے ہمارے یہ ایک ایک من اور شریر. پہلے یعنی وہ ایک اور ویکٹ آتما کے اندر سب ویکٹ آتما یعنی ایک ایک روپیں شامل ہیں. اور ہمارے ایک ایک من-شریروں ہی اِن ایک ایک آتماؤں کو ایک دوسرے سے ایک اور ویکٹ یعنی ظاہر کرتے ہیں.

اِس کی ایک مثال ایک ہی ندی کے اندر ایک ایک برونوں میں ایک ہی پانی کی شکلوں بدل جانے سے دی جاتی ہے.

اُس وہ ایک اور ویکٹ آتما کی جانکاری کا نام 'مٹافیک' یعنی 'درشن شاستر' یا 'فلسفہ' ہے. ایک ایک ویکٹ آتماؤں کے بیان کو 'سائیکالوجی' یعنی 'منو رگیان' کہتے ہیں. ہمارے من-شریروں سے سمبندھ رکھنے والی سائنسوں کو معمولی چیز وڈان یا 'سائکو فزکس' کہا جاتا ہے. درشن شاستر یا فلسفہ میں ہمیں سب سائنسوں کے بنیادی اصول مل جاتے ہیں.

جب آتما غیر-آتما یعنی اپنے سے باہر کی چیزوں کی بات کرتا ہے تو تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں. پہلی یہ کہ آتما غیر آتما کو اپنے سامنے رکھ کر اُس کی جانکاری حاصل کرتا ہے. پھر چاہے اُس کے وجود کو سمجھا مانے یا جوڑنا. دوسری یہ کہ آتما غیر آتما کے ساتھ کچھ نہ کچھ کام کرتا ہے. اُسے اپنے اوپر آدنا ہے جیسے آدمی کھڑے پہنتا ہے، یا اُسے اپنے اندر داخل کر لیتا ہے جیسے آدمی کھانا کھاتا ہے. اُس کے ساتھ اپنا اپناپن جوڑتا ہے. یا اُسے اُتار پھینکتا ہے اور اپنے کو اُس سے ایک کر لیتا ہے. تیسری یہ کہ جاننے اور کام کرنے کے بیچ میں آتما غیر-آتما سے اپنے کو جوڑ لینے کی یا اپنے اندر ہضم کی لینے کی یا اُسے پھینک دینے کی 'اچھا' کرتا ہے. یہ اچھا تیسری صورت ہے. یہ اچھا یا خواہش آتما کی ہی ایک ورتی یا حالت ہے.

کارण تھیں۔ اس وقت میری بھین کی عمر صرف پانچ برس کی تھی، کتنی پیاری اور دیا-پاتر تھی وہ! میں اب اسے دیکھ سکتا ہوں، وہ ماں کو سمجھا کر روئے۔ چپ کر رہے تھے، لیکن وہ بنا کے ہونے لگاؤں رو رہی تھی۔ شاید اس کا رونا سن کر میں نے اس کا ہاتھ دھونے لگا دیا تھا، مگر وہ نہیں رو رہی تھی۔

میری بھین کو میری ماں نے کھا ڈالا! میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ بات میری ماں کو معلوم تھی یا نہیں۔

ماں کو ضرور معلوم ہوا ہوگا، لیکن راتے وقت اس نے کچھ کہا نہیں۔ شاید اس نے اسے ٹھیک سمجھا ہو۔ جب میں چار یا پانچ برس کی تھی تو اس سے میرے بھائی نے مجھے کہا تھا کہ پتر کے لئے ماننا پتا کے پتر سے بڑا بھائی کا کام ہے کہ جب وہ بیمار پڑیں تو وہ اپنے مانس کا ایک ٹکڑا کھاتے اور انہیں کھانے کے لئے دے۔ اور میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ بدی ایک ٹکڑا کھایا جاسکتا ہے، تو راستو میں دورا بھی کھایا جاسکتا ہے! لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ جس دنگ سے میں رو رہی تھی اس سے دوسروں کے ہونے پتہ چلے گا۔ اب اسے یاد کر کے بھی کچھ دیکھتا ہوں۔ اتنا عجیب ہے!

12

12

پچھلے چار ہزار برسوں سے انسان ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں، اور میں آج بھی یہ جان سکتا ہوں کہ میں آج بھی کھلا ہوا ہوں۔ میری بھین ٹھیک اسی سے مر رہی تھی۔ جب میرے بڑے بھائی گھر گھرستی کا پرہیز کر رہے تھے۔ مجھے کیسے دشواری ہو سکتا ہے کہ میں کھانے کے لئے انہوں نے کھت روپ سے اسے ہمارے کھانے میں نہیں ملا دیا؟

ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی کو کھا لیا! اور اب میری بھین آئی ہے کہ میں کھایا جاؤں!

میرے چار ہزار برس پرانی انسانیت پرستی نہیں پرہیز ہے، بدی اسے میں نے نہیں سمجھا سکا، لیکن اب میں اسے سمجھ رہا ہوں۔ راستو میں کھانے پانا۔ میں ہے۔

13

13

شاید اب بھی کچھ ایسے بچے ہیں جنہوں نے انسانیت کا مانس نہیں کھایا ہے۔ ان بچوں کو بچانے۔

میری بھین کو میری بھائی نے کھا ڈالا! میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ بات میری ماں کو معلوم تھی یا نہیں۔

ماں کو ضرور معلوم ہوا ہوگا، لیکن راتے وقت اس نے کچھ کہا نہیں۔ شاید اس نے اسے ٹھیک سمجھا ہو۔ جب میں چار یا پانچ برس کی تھی تو اس سے میرے بھائی نے مجھے کہا تھا کہ پتر کے لئے ماننا پتا کے پتر سے بڑا بھائی کا کام ہے کہ جب وہ بیمار پڑیں تو وہ اپنے مانس کا ایک ٹکڑا کھاتے اور انہیں کھانے کے لئے دے۔ اور میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ بدی ایک ٹکڑا کھایا جاسکتا ہے، تو راستو میں دورا بھی کھایا جاسکتا ہے! لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ جس دنگ سے میں رو رہی تھی اس سے دوسروں کے ہونے پتہ چلے گا۔ اب اسے یاد کر کے بھی کچھ دیکھتا ہوں۔ اتنا عجیب ہے!

پچھلے چار ہزار برسوں سے انسان ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں، اور میں آج بھی یہ جان سکتا ہوں کہ میں آج بھی کھلا ہوا ہوں۔ میری بھین ٹھیک اسی سے مر رہی تھی۔ جب میرے بڑے بھائی گھر گھرستی کا پرہیز کر رہے تھے۔ مجھے کیسے دشواری ہو سکتا ہے کہ میں کھانے کے لئے انہوں نے کھت روپ سے اسے ہمارے کھانے میں نہیں ملا دیا؟

12

ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی کو کھا لیا! اور اب میری بھین آئی ہے کہ میں کھایا جاؤں!

میرے چار ہزار برس پرانی انسانیت پرستی نہیں پرہیز ہے، بدی اسے میں نے نہیں سمجھا سکا، لیکن اب میں اسے سمجھ رہا ہوں۔ راستو میں کھانے پانا۔ میں ہے۔

شاید اب بھی کچھ ایسے بچے ہیں جنہوں نے انسانیت کا مانس نہیں کھایا ہے۔ ان بچوں کو بچانے۔

13

شاید اب بھی کچھ ایسے بچے ہیں جنہوں نے انسانیت کا مانس نہیں کھایا ہے۔ ان بچوں کو بچانے۔

اپریل 1918

اپریل 1918

तब उनका एक और तरीका भी मेरी समझ में आ गया. वे सिर्फ सुधार करने से ही इनकार नहीं करते बल्कि उनके साथ ही साथ उन्होंने अपनी तैयारी भी कर ला है. उन्होंने मेरे ऊपर 'पागल आदमी' की चिप्पी भी चिपका दी है. जब वे मुझे खा डालेंगे तो उसके बाद उनके कार्य का कोई कुपरिणाम न होगा. यही नहीं, वास्तव में लोग उनकी तारीफ करेंगे. जब आसामियों ने यह कहा था कि उन्होंने एक बध्माश का मारकर खा डाला तो वे भी यही तरीका अपना रहे थे. यह उनका पुराना राग है.

इस पर चेन लाओ-वू हम लोगों के पास बड़े गुस्से से आये. लेकिन वे मेरा मुंह कैसे बन्द कर सकते थे? मैं जालसाजी के इन सदस्यों के सामने अपने विचार रखने के लिये तुल गया. उनसे मैंने कहा कि 'आप लोगों का सुधार करना चाहिए! आप लोगों को हृदय के भीतर से सुधार करना चाहिए! आप लोगों का समझ लेना चाहिए कि मनुष्य-भक्षी मनुष्यों के लिये संसार में कोई स्थान नहीं होगा! अगर आप सुधार नहीं करते तो आप लोग खुद खा डाले जायेंगे! अगर आप बहुत-से बच्चों का भी पैदा करें तो भी वे सब के सब असली मनुष्यों के द्वारा उसी तरह नष्ट कर दिये जायेंगे जैसे शिकारियों द्वारा भेड़िये! आप सब कीड़ों को तरह नष्ट कर दिये जायेंगे!'

चेन लाओ-वू ने उन सब मनुष्यों को भगा दिया और मैं नहीं जानता कि मेरा भाई कहां गायब हो गया. चेन लाओ-वू ने मुझे समझाकर मेरे कमरे में वापस भेजा. पूरा कमरा अन्धकार में डूबा था. छत की शहतीर और धन्तियाँ काँपने लगीं. कुछ देर काँपने के बाद उनका लम्बाई, चौड़ाई और मोटाई बहुत अधिक बढ़ गई और वे सब मेरे ऊपर ढेर हो गईं.

वे बहुत ही ज्यादा भारी हैं. वे हिलाई-डुलाई भी नहीं जा सकते. वे लोग चाहते हैं कि मैं मर जाऊँ. लेकिन मैं जानना हूँ कि वास्तव में वे भारी नहीं हैं. इस लिये मैं उन्हें धक्का देकर हटा दूँगा. मेरा शरीर पसीने से तर हो गया है. लेकिन आप लोग मुझे चिल्लाने से नहीं रोक सकते, 'फौरन सुधार कीजिये! अपने हृदय के भीतर से सुधार कीजिये! आप लोगों का जानना चाहिये कि मनुष्य-भक्षी मनुष्यों के लिये संसार में कोई स्थान न रहेगा!'

11

सूरज नहीं चमक रहा है. द्वार कभी नहीं खुलता. प्रति-दिन दो बार भोजन. अपनी खाने की दोनों छोटी-छोटी लकड़ियों को पकड़े हैं. मैंने अपने भाई के बारे में सोचा और यह अनुभव किया कि मेरी बहन की मृत्यु इन्हीं के

तेब ان کا ایک اور طریقہ بھی میری سمجھ میں آ گیا . وہ صرف سدھار کرنے سے ہی انکار نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ انھوں نے اپنی تیاری بھی کر لی ہے . انہوں نے میرے اوپر 'پاگل آدمی' کی چھٹی چپکانی ہے . جب وہ مجھے کھا ڈالینگے تو اس کے بعد ان کے کارے کا کوئی کوہرینام نہ ہوگا . یہی نہیں ، واسط میں لوگ ان کی تعریف کریں گے . جب آسامیوں نے یہ کہا تھا کہ انھوں نے ایک بدعہ نشی کو مار کر کھا ڈالا تو وہ بھی یہی طریقہ اپنا رہے تھے . یہ ان کا پرانا راگ ہے .

اس پرچوں لڑورو ہم لوگوں کے پاس بڑے غصے سے آئے . لیکن وہ میرا منہ کیسے بند کر سکتے تھے ؟ میں جال سازی کے ان سدھوں کے سامنے اپنے وجار رکھنے کے ائمہ تل گیا . ان سے میں نے کہا کہ 'آپ لوگوں کو سدھار کرنا چاہئے ! آپ لوگوں کو ہر دن کے بہتر سے سدھار کرنا چاہئے ! آپ لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ منشیہ بہکشی مشعوں کے لئے مسسار میں ہوتی . اکتھان نہیں ہوگا ! اگر آپ سدھار نہیں کرتے تو آپ لوگ خود کھا ڈالے جائیں گے ! اگر آپ بہت سے بچوں کو بھی پیدا کریں تو بھی وہ سب کے سب اصلی مشعوں کے دوارا اسی طرح نشت کر دیئے جائیں گے جیسے شکاریوں دوارا بھیڑیے ! آپ سب کیڑوں کی طرح نشت کر دیئے جائیں گے !

چھن لڑورو نے ان سب منشیوں کو بھاگ دیا اور میں نہیں جانتا کہ میرا بھائی کہاں غائب ہو گیا . چھن لڑورو نے مجھے سمجھا کر میرے کمرے میں واپس بھیجا . پورا کمرہ اندھکار میں ڈوبا تھا . چھت کی شہتیر اور دھنیاں کانٹے لگیں . کچھ دیر کانٹے کے بعد ان کی لمبائی ، چوڑائی اور موٹائی بہت آدک بڑھ گئی اور وہ سب میرے اوپر ڈھیر ہو گئیں .

وہ بہت ہی زیادہ بھاری ہیں . وہ ہلائی ڈلائی بھی نہیں جا سکتیں . وہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں سو جاؤں . لیکن میں جانتا ہوں کہ واسط میں وہ بھاری نہیں ہیں . اس ائمہ میں انھیں دھکا دیکر ہٹا دوں گا . میرا شہر پسینے سے تر ہو گیا ہے . لیکن آپ لوگ مجھے چلنے سے نہیں روک سکتے ! پورا سدھار لیجئے ! اپنے ہر دن کے بہتر سے سدھار لیجئے ! آپ لوگوں کو جاننا چاہئے کہ منشیہ بہکشی مشعوں کے لئے مسسار میں کوئی اکتھان نہ رہیگا !

11

سورج نہیں چمک رہا ہے . دوار کبھی نہیں کھلتا . پوری دن دھواں بھرجتا . اپنی کھانے کی دونوں چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کو پکڑے ہوں . میں نے اپنے بھائی کے بارے میں سوچا اور یہ انہوں نے کہا کہ میری بہن کی مورتی انہوں کے

तक कि पिछले दिन उन्होंने बुरफ विलेज में उस मनुष्य को पकड़ा, पिछले साल जब एक सार्वजनिक स्थान पर एक मनुष्य को प्राण-दण्ड मिला तो तपेदिक के एक रोगी ने उस मरे हुए अपराधी के खून में रांटी का टुकड़ा डुबाकर इस आशा से चाटा कि उससे उसका रोग ठीक हो जायेगा,

‘मेरे भाई, अगर वे सब मनुष्यों को खाना चाहते हैं तो आप उन्हें रांक नहीं सकते, परन्तु आप भी उस जालसाजी में क्या शामिल हुए हैं ? उनकी तरह के मनुष्य-भक्षी दानव कुछ भी करने में न चूकेंगे, वे मुझे भी खा सकते हैं, वे आपको भी खा सकते हैं, और उसी जालसाजी में वे एक-दूसरे को भी खा सकते हैं, लेकिन अगर वे घूम पड़ें और अचानक अपने कां खुधार लें तो हर-एक को शान्ति मिल जायगी, अगर ऐसी ही हालत रहे तो भी हम दोनों खासतौर से एक-दूसरे को स्नेह कर सकते हैं, मेरे भाई ! उनका साथ छोड़ दीजिये ! उनका खण्डन कीजिये ! उनसे कहिये कि आप ऐसा नहीं कर सकते, मेरे भाई ! मुझे विश्वास है कि आप ‘नहीं’ कह सकते हैं, क्योंकि अभी पिछले दिन जब आसामियों ने आपसे लगान कम करने के लिये कहा था तो आपने ‘नहीं’ कह दिया था,

जब मैंने अपने भाई से इस प्रकार कहा तो पहले तो वे रुखे ढंग से मुस्कराये, लेकिन शीघ्र ही उनकी मुद्रा क्रूर हो गई, और जब मैंने जालसाजी के गुप्त मामलों का भंडा फोड़ दिया तो उनके मुंह का रंग बिरकुल ही बदल गया, सामने के दरवाजे के बाहर मनुष्यों का एक झुण्ड खड़ा था, उसमें बड़े चाओ और उनका कुत्ता भी था, वे सब अपनी गर्दनें निकाल कर आगे बढ़ने लगे, मैं कुछ चेहरों को नहीं पहचान सका, वे ऐसे दिखाई दे रहे थे जैसे कि पर्व से ढँके हों, लेकिन दूसरे आदमी गम्भीर थे, उनके दाँत खुले हुए थे और वे अपनी मुस्कराहट छिपाने के लिये अपने हाँठ काट रहे थे, मैं सब का पहचान गया, वे सब उसी जालसाजी में शामिल थे, वे सब मनुष्य-भक्षी दानव थे, लेकिन इसके साथ-साथ मैं यह भी जान गया था कि उनके विचारों और उनकी भावनाओं में फर्क था, उनमें से कुछ का विचार था कि मनुष्य-भक्षण सदा से चलता आया है और वह ठीक भी है, इनके बलुद्ध कुछ ऐसे भी थे जिनका विचार था कि मनुष्य-भक्षण ठीक नहीं है, लेकिन फिर भी वे करते थे, उन्हें यह डर था कि कहीं उनका भन्डा फोड़ न हो जाय और इसी से वे मेरे कथनों पर क्षब्ध थे, वे मुझे मुँह चिढ़ा रहे थे,

ऐसा प्रतीत होता है कि उसी समय मेरा भाई भी मुझसे क्षब्ध हो गया और उसने जोर से चिल्लाकर कहा, ‘चले जाओ ! पागल आदमी का दखने में क्या मजा आता है ?

तक कि पिछले दिन उन्होंने वे रान्ग रान्ग मनुष्य को पकड़ा, पिछले साल जब एक सार्वजनिक स्थान पर एक मनुष्य को प्राण-दण्ड मिला तो तपेदिक के एक रोगी ने उस मरे हुए अपराधी के खून में रांटी का टुकड़ा डुबाकर इस आशा से चाटा कि उससे उसका रोग ठीक हो जायेगा,

‘मेरे भाई, अगर वे सब मनुष्यों को खाना चाहते हैं तो आप उन्हें रांक नहीं सकते, परन्तु आप भी उस जालसाजी में क्या शामिल हुए हैं ? उनकी तरह के मनुष्य-भक्षी दानव कुछ भी करने में न चूकेंगे, वे मुझे भी खा सकते हैं, वे आपको भी खा सकते हैं, और उसी जालसाजी में वे एक-दूसरे को भी खा सकते हैं, लेकिन अगर वे घूम पड़ें और अचानक अपने कां खुधार लें तो हर-एक को शान्ति मिल जायगी, अगर ऐसी ही हालत रहे तो भी हम दोनों खासतौर से एक-दूसरे को स्नेह कर सकते हैं, मेरे भाई ! उनका साथ छोड़ दीजिये ! उनका खण्डन कीजिये ! उनसे कहिये कि आप ऐसा नहीं कर सकते, मेरे भाई ! मुझे विश्वास है कि आप ‘नहीं’ कह सकते हैं, क्योंकि अभी पिछले दिन जब आसामियों ने आपसे लगान कम करने के लिये कहा था तो आपने ‘नहीं’ कह दिया था,

जब मैंने अपने भाई से इस प्रकार कहा तो पहले तो वे रुखे ढंग से मुस्कराये, लेकिन शीघ्र ही उनकी मुद्रा क्रूर हो गई, और जब मैंने जालसाजी के गुप्त मामलों का भंडा फोड़ दिया तो उनके मुंह का रंग बिरकुल ही बदल गया, सामने के दरवाजे के बाहर मनुष्यों का एक झुण्ड खड़ा था, उसमें बड़े चाओ और उनका कुत्ता भी था, वे सब अपनी गर्दनें निकाल कर आगे बढ़ने लगे, मैं कुछ चेहरों को नहीं पहचान सका, वे ऐसे दिखाई दे रहे थे जैसे कि पर्व से ढँके हों, लेकिन दूसरे आदमी गम्भीर थे, उनके दाँत खुले हुए थे और वे अपनी मुस्कराहट छिपाने के लिये अपने हाँठ काट रहे थे, मैं सब का पहचान गया, वे सब उसी जालसाजी में शामिल थे, वे सब मनुष्य-भक्षी दानव थे, लेकिन इसके साथ-साथ मैं यह भी जान गया था कि उनके विचारों और उनकी भावनाओं में फर्क था, उनमें से कुछ का विचार था कि मनुष्य-भक्षण सदा से चलता आया है और वह ठीक भी है, इनके बलुद्ध कुछ ऐसे भी थे जिनका विचार था कि मनुष्य-भक्षण ठीक नहीं है, लेकिन फिर भी वे करते थे, उन्हें यह डर था कि कहीं उनका भन्डा फोड़ न हो जाय और इसी से वे मेरे कथनों पर क्षब्ध थे, वे मुझे मुँह चिढ़ा रहे थे,

ऐसा प्रतीत होता है कि उसी समय मेरा भाई भी मुझसे क्षब्ध हो गया और उसने जोर से चिल्लाकर कहा, ‘चले जाओ ! पागल आदमी का दखने में क्या मजा आता है ?

अगर अपने उस स्थायी विचार से उन्हें छुटकारा मिल जाय तो वे आत्म-वश्वास के साथ अपने काम-काज कर सकते हैं और शान्तिपूर्वक धूम-फिर सकते हैं, खाना खा सकते हैं और सो सकते हैं, तब वे कितने अधिक सुख-चैन में होंगे ! अपनी आदतों में सुधार करने का मतलब होगा एक नई दुनिया में प्रवेश, एक वरें से गुजर कर आगे के एक नये दृश्य का दर्शन !

लेकिन पिता और पुत्र, भाई और बहन, पति और पत्नी, मित्र और शत्रु, अध्यापक और शिष्य और अजनबी — सभी जालसाजी में हैं, एक-दूसरे को बढ़ावा दे रहे हैं, एक-दूसरे को शामिल कर रहे हैं, वे मर जाना पसन्द करेंगे, लेकिन सुधार का एक मामूली कदम नहीं उठायेंगे.

10

प्रातःकाल तड़के मैं अपने भाई की खोज में निकला. वह हाल के द्वार के सामने खड़े थे और आकाश की ओर देख रहे थे. मैं उनके पीछे जा पहुँचा और रास्ता रोककर मैंने उनसे बड़ा सच्चाई और शान्ति से कहा — 'भाई साहब, मुझे आपसे कुछ कहना है.'

'कह डालो,' जल्दी से धूमकर और अपना सिर हिलाते हुए उन्होंने उत्तर दिया.

'मुझे सिर्फ कुछ शब्द कहने हैं, परन्तु मेरे लिये उन्हें कहना कठिन हो रहा है. भाई साहब, मेरा विचार है कि शुरू में सब असम्य मनुष्य कुछ न कुछ मनुष्य-भक्षी थे. बाद का उनके विचारों में अन्तर हो गया. उनमें से कुछ ने मनुष्यों का खाना छाड़ दिया. अपनी नैतिक अवस्था को सुधारने की प्रबल प्रेरणा से वे मनुष्य बन गये, मेरा मतलब है, वास्तविक मनुष्य. उनमें से कुछ ने मनुष्यों का खाना जारी रक्खा. वे कीड़ों की तरह थे. उन्होंने मछली और बन्दरों की स्थिति से होकर विकास किया और आखिर में वे आदमी बन गये. उनमें से कुछ सुधरना चाहते ही न थे, और वे अब भी कीड़े हैं. मनुष्यों का खाने वाले मनुष्य मनुष्यों को न खाने वाले मनुष्यों की अपेक्षा कितनी अधिक लज्जा और घृणा के पात्र हैं. जितना अन्तर कीड़ों और बन्दरों में है उससे भी अधिक अन्तर इन दो कोटियों के मनुष्यों में है.

वह घटना बहुत पुराने युग की है जब यी-या ने चीह और चाउ को खिलाने के लिये अपना पुत्र का मांस पकाया था. इस बात की कल्पना कौन कर सकता था कि पान-कू के पृथ्वी और आकाश का अलग-अलग बाँटने के दिन से लेकर यी-या के पुत्र के समय तक मनुष्य मनुष्य को खाता रहा है ? यी-या के पुत्र के समय से लेकर सू-सु-लिंग के समय तक वे मनुष्य का खाते आये हैं. और सी-सु-लिंग के आने भी उन्होंने मनुष्य को खाना जारी रक्खा है, यहाँ

अगर आपने उस स्थायी विचार से उन्हें छुटकारा मिल जाय तो वे आत्म-वश्वास के साथ अपने काम-काज कर सकते हैं और शान्तिपूर्वक धूम-फिर सकते हैं, खाना खा सकते हैं और सो सकते हैं, तब वे कितने अधिक सुख-चैन में होंगे ! अपनी आदतों में सुधार करने का मतलब होगा एक नई दुनिया में प्रवेश, एक वरें से गुजर कर आगे के एक नये दृश्य का दर्शन !

लेकिन पिता और पुत्र, भाई और बहन, पति और पत्नी, मित्र और शत्रु, अध्यापक और शिष्य और अजनबी — सभी जालसाजी में हैं, एक-दूसरे को बढ़ावा दे रहे हैं, एक-दूसरे को शामिल कर रहे हैं, वे मर जाना पसन्द करेंगे, लेकिन सुधार का एक मामूली कदम नहीं उठायेंगे.

10

प्रान्तकाल तड़के मैं अपने भाई की खोज में निकला. वह हाल के द्वार के सामने खड़े थे और आकाश की ओर देख रहे थे. मैं उनके पीछे जा पहुँचा और रास्ता रोककर मैंने उनसे बड़ा सच्चाई और शान्ति से कहा — 'भाई साहब, मुझे आपसे कुछ कहना है.'

'कह डालो,' जल्दी से धूमकर और अपना सिर हिलाते हुए उन्होंने उत्तर दिया.

'मुझे सिर्फ कुछ शब्द कहने हैं, परन्तु मेरे लिये उन्हें कहना कठिन हो रहा है. भाई साहब, मेरा विचार है कि शुरू में सब असम्य मनुष्य कुछ न कुछ मनुष्य-भक्षी थे. बाद का उनके विचारों में अन्तर हो गया. उनमें से कुछ ने मनुष्यों का खाना छाड़ दिया. अपनी नैतिक अवस्था को सुधारने की प्रबल प्रेरणा से वे मनुष्य बन गये, मेरा मतलब है, वास्तविक मनुष्य. उनमें से कुछ ने मनुष्यों का खाना जारी रक्खा. वे कीड़ों की तरह थे. उन्होंने मछली और बन्दरों की स्थिति से होकर विकास किया और आखिर में वे आदमी बन गये. उनमें से कुछ सुधरना चाहते ही न थे, और वे अब भी कीड़े हैं. मनुष्यों का खाने वाले मनुष्य मनुष्यों को न खाने वाले मनुष्यों की अपेक्षा कितनी अधिक लज्जा और घृणा के पात्र हैं. जितना अन्तर कीड़ों और बन्दरों में है उससे भी अधिक अन्तर इन दो कोटियों के मनुष्यों में है.

वह घटना बहुत पुराने युग की है जब यी-या ने चीह और चाउ को खिलाने के लिये अपना पुत्र का मांस पकाया था. इस बात की कल्पना कौन कर सकता था कि पान-कू के पृथ्वी और आकाश का अलग-अलग बाँटने के दिन से लेकर यी-या के पुत्र के समय तक मनुष्य मनुष्य को खाता रहा है ? यी-या के पुत्र के समय से लेकर सू-सु-लिंग के समय तक वे मनुष्य का खाते आये हैं. और सी-सु-लिंग के आने भी उन्होंने मनुष्य को खाना जारी रक्खा है, यहाँ

नहीं थी, मैंने उससे पूछा—‘क्या मनुष्य-भक्षण ठीक है?’ मुस्कराते हुए ही उसने जवाब दिया—‘इस वर्ष कोई अकाल ता पड़ा नहीं है, फिर मनुष्य-भक्षण की क्या जरूरत?’ मैं फौरन समझ गया कि यह भी जालसाजी में शामिल है। यह भी मनुष्यों का खाना चाहता है, इसलिये मेरी हिम्मत सौ-गुनी बढ़ गई।

मैंने हठ करते हुए फिर वही सवाल पूछा—‘क्या यह ठीक है?’

वह बोला—‘ऐसी चीजों के बारे में पूछने से क्या लाभ? सचमुच आपको मज़ाक करना आता है, आज मौसम बड़ा अच्छा है।’

‘मौसम बड़ा अच्छा है, चन्द्रमा खूब चमकदार है, लेकिन फिर भी मैं आपसे हठ करके पूछता हूँ कि ‘क्या यह ठीक है?’

मेरे हठ करने से वह हड़बड़ा गया और गुनगुनाकर कहा—‘नहीं...’

‘नहीं ठीक है, फिर वे मनुष्यों को क्यों खाते रहते हैं?’
‘यह सच नहीं है।’

‘सच नहीं है! वुल्फ विलेज में उन्होंने यही किया और सब पुरानी किताबों में यह मोटे-मोटे अक्षरों में साफ-साफ लिखा है!’

उसका भाव बदल गया और उसका मुख बदरंग हो गया, आँखें फाड़ कर देखते हुए उसने कहा—‘मुमकिन है कि यह सच हो, ऐसा हमेरा से होता रहा है।’

‘हमेशा से होता रहा है—पर क्या यह ठीक है?’

‘मैं आपके साथ बहस करने नहीं जा रहा हूँ, आप इसका जिक्र न कीजिये, अगर आप जिक्र करते हैं तो शलसी करते हैं।’

मैं उड़ल कर खड़ा हो गया और मैंने उसकी ओर घूर कर देखा, परन्तु तभी वह रायब हो गया, चोटी से एड़ी तक मैं पसीना-पसीना हो गया, उम्र में वह मेरे भाई से कहीं ज्यादा छोटा था, लेकिन फिर भी वह उस जालसाजी में शामिल था, उसके माता-पिता ने उससे ऐसा करने के लिये कहा होगा, और मुझे डर है कि कहीं उसने अपने लड़कों को भी यही शिक्षा न दी हो, इसी से बच्चे भी मेरी आर क्रूर दृष्टि से देखते हैं।

वे मनुष्यों को खाना चाहते हैं, लेकिन खुद खाये जाने से डरते हैं, वे चौकने होकर चारों ओर सन्देहपूर्ण दृष्टि से देखते हैं।

‘मैंने उससे पूछा—‘क्या मनुष्य-भक्षण ठीक है?’ मुस्कराते हुए ही उसने जवाब दिया—‘इस वर्ष कोई अकाल ता पड़ा नहीं है, फिर मनुष्य-भक्षण की क्या जरूरत?’ मैं फौरन समझ गया कि यह भी जालसाजी में शामिल है। यह भी मनुष्यों का खाना चाहता है, इसलिये मेरी हिम्मत सौ-गुनी बढ़ गई।

मैंने हठ करते हुए फिर वही सवाल पूछा—‘क्या यह ठीक है?’

वह बोला—‘ऐसी चीजों के बारे में पूछने से क्या लाभ? सचमुच आपको मज़ाक करना आता है, आज मौसम बड़ा अच्छा है।’

‘मौसम बड़ा अच्छा है, चन्द्रमा खूब चमकदार है, लेकिन फिर भी मैं आपसे हठ करके पूछता हूँ कि ‘क्या यह ठीक है?’

मेरे हठ करने से वह हड़बड़ा गया और गुनगुनाकर कहा—‘नहीं...’

‘नहीं ठीक है, फिर वे मनुष्यों को क्यों खाते रहते हैं?’
‘यह सच नहीं है।’

‘सच नहीं है! वुल्फ विलेज में उन्होंने यही किया और सब पुरानी किताबों में यह मोटे-मोटे अक्षरों में साफ-साफ लिखा है!’

उसका भाव बदल गया और उसका मुख बदरंग हो गया, आँखें फाड़ कर देखते हुए उसने कहा—‘मुमकिन है कि यह सच हो, ऐसा हमेरा से होता रहा है।’

‘हमेशा से होता रहा है—पर क्या यह ठीक है?’

‘मैं आपके साथ बहस करने नहीं जा रहा हूँ, आप इसका जिक्र न कीजिये, अगर आप जिक्र करते हैं तो शलसी करते हैं।’

मैं उड़ल कर खड़ा हो गया और मैंने उसकी ओर घूर कर देखा, परन्तु तभी वह रायब हो गया, चोटी से एड़ी तक मैं पसीना-पसीना हो गया, उम्र में वह मेरे भाई से कहीं ज्यादा छोटा था, लेकिन फिर भी वह उस जालसाजी में शामिल था, उसके माता-पिता ने उससे ऐसा करने के लिये कहा होगा, और मुझे डर है कि कहीं उसने अपने लड़कों को भी यही शिक्षा न दी हो, इसी से बच्चे भी मेरी आर क्रूर दृष्टि से देखते हैं।

वे मांसुषों को खाना चाहते हैं, लेकिन खुद खाये जाने से डरते हैं, वे चौकने होकर चारों ओर सन्देहपूर्ण दृष्टि से देखते हैं।

वे इस मतलब से जाल बिछा रहे हैं कि मैं खुद अपने को मार डालूँ। पिछले दिन के सड़क पर आदमियों के जमाव और अपने भाई के बर्ताव का मिलान करके ही मैं उनकी जालमाछा का लगभग 9/10 भाग समझ गया हूँ। अगर मैं अपनी कमर में बँधी हुई पेटी को खोल लूँ और उसे छत की किसी शहतीर में डाल कर फाँसी लगा लूँ तो इससे अधिक खुशी की दूसरी बात उनके लिये न होगी। मेरा खूब अच्छी तरह से दम घुट जायेगा, वे हत्यारे कहे जाने की बदनामी से भी बच जायेंगे और इसके साथ ही साथ उनके हृदय की इच्छा भी पूरी हो जायगी, सचमुच वे खुशी के मारे नाचेंगे, इसके विरुद्ध, अगर मैं डर या चिन्ता से मर जाऊँ, तो मैं और अधिक दुबला हो जाऊँगा, लेकिन इसे भी वे स्वीकार कर लेंगे।

वे सिर्फ मरे हुए का माँस खा सकते हैं! ज़रा उधरिये— एक बार मैंने एक प्रकार के जानवर के बारे में पढ़ा था। उसे 'लकड़बग्घा' कहते हैं। उसकी आँखें और पूरा शरीर देखने में बड़ा डरावना लगता था। वह अक्सर मरा माँस खाता था और बड़ी से बड़ी हड्डियाँ चबा कर निगल जाता था। उसके बारे में साँचने से ही मुझे डर लगता है। लकड़बग्घा भेड़िये का रिश्तेदार होता है और भेड़ियाँ कुत्ते का। पिछले दिन चाँचो के कुत्ते ने कई बार मेरी आँखें देखा था। उसके दिमाग में भी बड़ी विचार होगा। वह भी इन लोगों में मिला है और उसने भी अपना हिंसा पक्का कर लिया है। वह बुढ़ा आदमी अपनी आँखें बराबर फर्सी पर जमाये था, लेकिन उससे मैं धाँखे में नहीं आया।

सबसे अधिक धिक्कार मुझे अपने भाई पर आता है। आखिर वह मनुष्य है। उसे डर क्यों नहीं लगता? मुझे खाने के लिये वह इस जालसाजी में क्यों शामिल हुआ? अभ्यास हो जाने से क्या उसका स्वभाव कठोर हो गया है? इसी से क्या वह इस काम में कोई बुरी बात नहीं देखता? या वह यह जानता है कि वह आराधन कर रहा है और जान बूझ कर भी वह अपने अन्तःकरण का आवाज के खिलाफ काम कर रहा है?

पहले तुम्हें और फिर सब मनुष्य भक्षी दानवों को मैं कोसता हूँ! पहले तुम्हें और फिर सब मनुष्य-भक्षी दानवों को मैं बदल दूँगा!

8

अब वे सारे विचार उन्हें साफ-साफ मालूम हो जाने चाहिये.....

अचानक एक नौजवान आदमी मेरे पास आया। उसकी उम्र बीस वर्ष से ज्यादा न रही होगी। मैं उसका चेहरा अच्छी तरह से नहीं देख सका, लेकिन वह मुस्कुरा रहा था। उसने मुझे देखकर सिर हिलाया, उसकी मुस्कुराहट असली

वे इस مطلب से जाल बिछा रहे हैं कि मैं खुद अपने को मार डालूँ। पिछले दिन के सड़क पर आदमियों के जमाव और अपने भाई के बर्ताव का मिलान करके ही मैं उनकी जालमाछा का लगभग 9/10 भाग समझ गया हूँ। अगर मैं अपनी कमर में बँधी हुई पेटी को खोल लूँ और उसे छत की किसी शहतीर में डाल कर फाँसी लगा लूँ तो इससे अधिक खुशी की दूसरी बात उनके लिये न होगी। मेरा खूब अच्छी तरह से दम घुट जायेगा, वे हत्यारे कहे जाने की बदनामी से भी बच जायेंगे और इसके साथ ही साथ उनके हृदय की इच्छा भी पूरी हो जायगी, सचमुच वे खुशी के मारे नाचेंगे, इसके विरुद्ध, अगर मैं डर या चिन्ता से मर जाऊँ, तो मैं और अधिक दुबला हो जाऊँगा, लेकिन इसे भी वे स्वीकार कर लेंगे।

वे सिर्फ मरे हुए का माँस खा सकते हैं! ज़रा उधरिये—

एक बार मैंने एक प्रकार के जानवर के बारे में पढ़ा था। उसे 'लकड़बग्घा' कहते हैं। उसकी आँखें और पूरा शरीर देखने में बड़ा डरावना लगता था। वह अक्सर मरा माँस खाता था और बड़ी से बड़ी हड्डियाँ चबा कर निगल जाता था। उसके बारे में साँचने से ही मुझे डर लगता है। लकड़बग्घा भेड़िये का रिश्तेदार होता है और भेड़ियाँ कुत्ते का। पिछले दिन चाँचो के कुत्ते ने कई बार मेरी आँखें देखा था। उसके दिमाग में भी बड़ी विचार होगा। वह भी इन लोगों में मिला है और उसने भी अपना हिंसा पक्का कर लिया है। वह बुढ़ा आदमी अपनी आँखें बराबर फर्सी पर जमाये था, लेकिन उससे मैं धाँखे में नहीं आया।

सबसे अधिक धिक्कार मुझे अपने भाई पर आता है। आखिर वह मनुष्य है। उसे डर क्यों नहीं लगता? मुझे खाने के लिये वह इस जालसाजी में क्यों शामिल हुआ? अभ्यास हो जाने से क्या उसका स्वभाव कठोर हो गया है? इसी से क्या वह इस काम में कोई बुरी बात नहीं देखता? या वह यह जानता है कि वह आराधन कर रहा है और जान बूझ कर भी वह अपने अन्तःकरण का आवाज के खिलाफ काम कर रहा है?

पहले तुम्हें और फिर सब मनुष्य भक्षी दानवों को मैं कोसता हूँ! पहले तुम्हें और फिर सब मनुष्य-भक्षी दानवों को मैं बदल दूँगा!

8

अब वे सारे विचार उन्हें साफ-साफ मालूम हो जाने चाहिये.....

अचानक एक नौजवान आदमी मेरे पास आया। उसकी उम्र बीस वर्ष से ज्यादा न रही होगी। मैं उसका चेहरा अच्छी तरह से नहीं देख सका, लेकिन वह मुस्कुरा रहा था। उसने मुझे देखकर सिर हिलाया, उसकी मुस्कुराहट असली

جب میں اور آگے سوچتا ہوں تو اس نکتے پر پہنچتا ہوں کہ اگر یہ بڑھا آدمی جہیز ہوس میں جلا نہیں ہے اور سچ سچ ایک دائرہ میں ہے تو یہی ایسا تو ہے کہ وہ منشیہ بہکشی منشیہ ہے۔ آجکل کے دائروں کے پرکشیہ پتہ پر درشک کی شہ-چین نے 'چڑی ہوؤں پر' نامک جو گزرتہ لکھا ہے اس میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ منشیہ کا مانس نال کر لکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے کیا وہ منشیہ بہکشی منشیہ ہونے سے انکار کر سکتا ہے؟

جہاں تک میرے بھائی کا سوال ہے، میں اس پر جیوتنا اُپر نہیں لگاتا ہوں۔ جب وہ مجھے پراچین کال کا اتہاس پڑھاتے تھے تو انہوں نے خرد کہا تھا کہ منشیہ اپنے 'پتروں کے بدلے میں ان' پا سکتا تھا۔ اور ایک بار ایک دشت منشیہ نے بارے میں بتاتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ اس کی مکتیا کرنے سے ایک ایسا نرم دند دیتا تھا۔ اس کا تو مانس کیا ڈاندا چاہئے تھا اور اس کی کھال کا کھیل بلوانا چاہئے تھا! اس سمے میں بہت چہرہ تھا اور بہت دیر تک میرا دل دھونڈتا رہا اور پچھلے دن جب دف وایج نامک گلوں کے آسامیوں نے منشیہ کے دل اور جگر کے ٹھانے جانے کی کہانی بتائی تو مجھے تک یہی اچرچ نہ ہوا۔ اس سمے میرا بھائی بنا رکے موٹے گادار ایسا بلانا رہا تھا۔ اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے رچار اب بھی ہلکل پھلے جیسے ہی کر رہے ہیں۔ بدی آپ 'پتروں' کے بدلے میں کہانا لے سکتے ہیں تو آپ بدلے میں کچھ بھی لے سکتے ہیں۔ آپ کسی کو بھی کھا سکتے ہیں۔ پہلے میں صرف ان کے بھاشن سن رہا تھا اور کسی بھی بات پر پوچھنا نہیں کرتا تھا۔ لیکن اب میں سمجھ گیا کہ مجھے بھاشن دیتے سمے ان نے ہونٹوں پر منشیہ کی چڑی تو رکھی ہی رہتی تھی، اس کے ساتھ ساتھ ان کا پورا دل بھی منشیہ کو کھانے کے رچاروں سے بھرا رہتا تھا۔

ہر جگہ اُٹھو، میں نہیں جانتا کہ اس سمے دن ہے یا رات۔ چاؤ کا کتا پھر ہونکتا لگا ہے۔

شہر کی کڑوا، خارگوش کا ڈرپوکپن، لومبہ کی مکاری...

میں ان کا طریقہ بھلی ہیانت سمجھ گیا ہوں۔ وہ مجھے مٹانے نہیں مارتا چاہئے۔ ان کی ہمت نہیں ہے۔ وہ نکلیں گے توڑے ہیں۔ اس لئے ان سب نے ملکر ٹٹ بندوں کی ہے اور

अच्छा'. क्या वे सोचते थे कि मैं यह नहीं समझा कि दूसरा भेष धारण किये हुए वह बुढ़ा आदमी वास्तव में एक जल्लाद था. नब्ब देखने के बहाने वह सिर्फ यह पता लगाना चाहता था कि मारे जाने के लिए मैं काफ़ी मंटा हूँ अथवा नहीं. और इस खाम काम के लिये उसे एक दुःख मिलेगा. लेकिन मैं डर नहीं. गोकि मैं उनकी तरह मनुष्य-भक्षा नहीं हूँ तो भी मुझमें उनसे ज्यादा हिम्मत है. मैं अपनी दानों मुट्ठियों बाँधकर बाहर निकाल लीं और इन्ति-जार करने लगा कि देखो अब आगे वह क्या करता है. बुढ़ा आदमी चुपचाप बैठ गया. उसने अपनी आँखें बन्द कर लीं और बहुत देर तक मेरी नब्ब देखता रहा. वह बहुत देर तक चुप रहा. इसके बाद उसने अपनी दानवी आँखें खोलीं और कहा—'तरह-तरह की बातें न सोचा करो. शान्त रहो और कुछ दिनों तक आराम करो. इससे तुम बिल्कुल अच्छे हो जाओगे.'

'तरह-तरह की बातें न सोचा करो ! शान्त रहो और आराम करो.' आराम करते-करते जब मैं और ज्यादा मंटा हो जाऊँगा तब मुझमें उनके खाने के लिये और ज्यादा सामान हो जायगा. इस आराम से मेरा क्या लाभ होगा ? मैं 'बिल्कुल अच्छा' कैसे हो जाऊँगा ? मनुष्यों का वह झुण्ड जा दूमरों का निगल जाना चाहता है, लेकिन जा चारों की तरह सब बात का खिचने का कांशिरा करता रहता है और जो सीधे-सीधे मारने की हिम्मत नहीं करता है—ये तो मुझे हँसाते-हँसाते मार डालेंगे. मैं अपने को रोक न सका और मेरी हँसी फूट निकली. मैं पूरी तरह से खुश था. मैं स्वयं जानता था कि मेरी हँसी में हिम्मत और सच्ची भावना है. वह बुढ़ा आदमी और मेरे भाई हक्क-बक्का हो गये. मेरी हिम्मत और सच्ची भावना ने उन्हें जीत लिया था.

लेकिन मुझमें हिम्मत है, इस कारण वे मुझे निगलने के लिये और भी अधिक उत्सुक हो जायेंगे, क्योंकि मुझे निगलने पर उन्हें मेरी हिम्मत मिल जायेगी. वह बुढ़ा आदमी द्वार से बाहर चला गया. लेकिन बहुत दूर जान के पहले ही उसने धीमी आवाज में मेरे भाई से कहा—'जल्दी लेना है'. मेरे भाई ने अपना सिर हिलाया. तो आप भी इसमें शामिल हैं ! अपने भाई की साजिश की मुझे आशा न थी, फिर भी मुझे यह जानकर अचरज नहीं हुआ. मुझे खाने की साजिश में मेरा ही भाई है !

मेरा भाई मनुष्य-भक्षी दानव है !

मैं मनुष्य-भक्षी दानव का भाई हूँ !

चाहे मैं खुद ही खा डाला जाऊँ, तो भी मैं एक मनुष्य-भक्षी दानव का भाई ही कहलाऊँगा !

अच्छा ! क्या वे सोचते थे कि मैं यह नहीं समझा कि दूसरा भेष धारण किये हुए वह बुढ़ा आदमी वास्तव में एक जल्लाद था. नब्ब देखने के बहाने वह सिर्फ यह पता लगाना चाहता था कि मारे जाने के लिए मैं काफ़ी मंटा हूँ अथवा नहीं. और इस खाम काम के लिये उसे एक दुःख मिलेगा. लेकिन मैं डर नहीं. गोकि मैं उनकी तरह मनुष्य-भक्षा नहीं हूँ तो भी मुझमें उनसे ज्यादा हिम्मत है. मैं अपनी दानों मुट्ठियों बाँधकर बाहर निकाल लीं और इन्ति-जार करने लगा कि देखो अब आगे वह क्या करता है. बुढ़ा आदमी चुपचाप बैठ गया. उसने अपनी आँखें बन्द कर लीं और बहुत देर तक मेरी नब्ब देखता रहा. वह बहुत देर तक चुप रहा. इसके बाद उसने अपनी दानवी आँखें खोलीं और कहा—'तरह-तरह की बातें न सोचा करो. शान्त रहो और कुछ दिनों तक आराम करो. इससे तुम बिल्कुल अच्छे हो जाओगे.'

'तरह-तरह की बातें न सोचा करो ! शान्त रहो और आराम करो.' आराम करते-करते जब मैं और ज्यादा मंटा हो जाऊँगा तब मुझमें उनके खाने के लिये और ज्यादा सामान हो जायगा. इस आराम से मेरा क्या लाभ होगा ? मैं 'बिल्कुल अच्छा' कैसे हो जाऊँगा ? मनुष्यों का वह झुण्ड जा दूमरों का निगल जाना चाहता है, लेकिन जा चारों की तरह सब बात का खिचने का कांशिरा करता रहता है और जो सीधे-सीधे मारने की हिम्मत नहीं करता है—ये तो मुझे हँसाते-हँसाते मार डालेंगे. मैं अपने को रोक न सका और मेरी हँसी फूट निकली. मैं पूरी तरह से खुश था. मैं स्वयं जानता था कि मेरी हँसी में हिम्मत और सच्ची भावना है. वह बुढ़ा आदमी और मेरे भाई हक्क-बक्का हो गये. मेरी हिम्मत और सच्ची भावना ने उन्हें जीत लिया था.

लेकिन मुझमें हिम्मत है, इस कारण वे मुझे निगलने के लिये और भी अधिक उत्सुक हो जायेंगे, क्योंकि मुझे निगलने पर उन्हें मेरी हिम्मत मिल जायेगी. वह बुढ़ा आदमी द्वार से बाहर चला गया. लेकिन बहुत दूर जान के पहले ही उसने धीमी आवाज में मेरे भाई से कहा—'जल्दी लेना है'. मेरे भाई ने अपना सिर हिलाया. तो आप भी इसमें शामिल हैं ! अपने भाई की साजिश की मुझे आशा न थी, फिर भी मुझे यह जानकर अचरज नहीं हुआ. मुझे खाने की साजिश में मेरा ही भाई है !

मेरा भाई मनुष्य-भक्षी दानव है !

मैं मनुष्य-भक्षी दानव का भाई हूँ !

चाहे मैं खुद ही खा डाला जाऊँ, तो भी मैं एक मनुष्य-भक्षी दानव का भाई ही कहलाऊँगा !

نہیں کرتے۔ میں کسے کلہا کر سکتا تھا کہ ان منشیوں کے وچار کیا ہیں، خاص طور پر اس سے جب کہ وہ کسی کو لگانے کی تیاری کر رہے ہیں؟

اب پرنٹنگ ونگ کو سمجھانے کے پورے اس کی جانچ پڑتال کر لینا ضروری ہے۔ بدینی صاف صاف نہیں تو بھی تھوڑا بہت تو مجھے یاد پڑتا ہی ہے کہ پراچین کال سے لیکر آج تک منشیہ انڈیا ہائے گئے ہیں۔ پتہ لگائے کے لئے میں ایک انہاس کی پستک دیکھ رہا تھا، لیکن اس میں تمہیں نہیں دی تھیں۔ وہ ایک ایسے پر صرف 'دان'، 'سدا چایا'، 'نیتکتا' اور 'گن' کے لئے کچھ شہد لکھے تھے۔ میں ہر ایک کو روٹیں بدل رہا تھا، لیکن مجھے نیند نہیں آئی۔ اُدھی رات تک میں پستک میں بڑی سادہ مانی کے ساتھ چھان بین کرتا رہا۔ تب کہیں میں یہ سمجھ پایا کہ ان شہدوں کے بیچ میں کیا لکھا تھا۔ پوری پستک میں صرف دو ہی شہد تھے 'منشیہ ہکشن'۔

پستک میں وہ سب شہد اور آسامیوں دورا کہی گئی وہ ساری باتیں منشیہ ہکشن کی اپنی ہی بڑی آنکھیں کھول رہی ہیں اور تجھ سے میری اور دیکھ رہی ہیں۔

میں بھی منشیہ ہکشن۔ وہ مجھے نکل جانا چاہئے! میں!

آج پرائے کال میں چپ چاپ بیٹھا تھا۔ تبھی چھوٹے لڑکے نے کہا نا بیچلے—ترکاریوں کا ایک ٹوکرا اور اُبلے ہوئی منجھلی کا ایک ٹوکرا۔ منجھلی کی آنکھیں سفید اور کڑی تھیں۔ منشیہ ہکشن اس جن سمورے کی بھانت ہی اس کا منہ ہٹا تھا۔ میں نے کچھ اقمہ کہا۔ پرتو مجھے یہ پتہ نہ لگا کہ یہ چکنی چیز منجھلی ہے یا منشیہ۔ اس لئے میں نے تمہ کو دی اور اسے نریش پر اکل دیا۔

میں نے کہا—'لاؤ دو' کرہا جا کر میرے بھائی سے کہہ دیجئے کہ میرا من بہت بڑی طرح سے اُوب گیا ہے اور میں باغ میں ٹھنڈا چاہتا ہوں! لاؤ دو لے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بہتر نکل گئے۔ کچھ سمورے بعد وہ واپس آئے اور انہوں نے دوڑا کھولا۔

واستو میں میری سمجھ میں یہ نہ آیا کہ وہ میرے ساتھ کیا کرتے جا رہے ہیں۔ لیکن میں یہ سمجھ گیا کہ وہ میرے اوپر رکھے گئے اپنے شہ کے کو ڈھولا کر لے نہیں جا رہے ہیں۔ نسنڈیہ میرے بھائی ایک ہورے آدمی کو بہتر لائے اور وہ دھورے دھورے میری اور پڑھا۔ وہ آدمی تر رہا تھا کہ کہیں میں اس کی آنکھوں کی کرور درشتی نہ دیکھ لوں۔ اسی سے وہ اپنی آنکھوں کو فرس پر جھکا رہا۔ اس نے مجھے اپنی آنکھوں کی کرور سے دیکھا۔ میرے بھائی نے کہا—'آج تم ہانکل تھیک منام' ہوتے ہو۔ میں نے کہا—'ہاں' اس پر میرے بھائی نے کہا—'ہم لوگوں نے ڈاکٹر ہو سے آج آکر تمہیں تھیک کرنے کے لئے کہا ہے! میں نے کہا' بہت

4

4

آج پراٹ:کال میں چوپ چاپ بیٹھا تھا۔ تبھی چن لاآ—بھونے کھانا بھجنا—ترکاریوں کا ایک کٹورا اور بھلی ہوئی منجھلی کا ایک کٹورا، منجھلی کی آنکھیں سفید اور کڑی تھیں۔ منشیہ ہکشن اس جن سمورے کی بھانت ہی اس کا منہ ہٹا تھا۔ میں نے کچھ اقمہ کہا۔ پرتو مجھے یہ پتہ نہ لگا کہ یہ چکنی چیز منجھلی ہے یا منشیہ۔ اس لئے میں نے تمہ کو دی اور اسے نریش پر اکل دیا۔

میں نے کہا—'لاؤ دو' کرہا جا کر میرے بھائی سے کہہ دیجئے کہ میرا من بہت بڑی طرح سے اُوب گیا ہے اور میں باغ میں ٹھنڈا چاہتا ہوں! لاؤ دو لے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بہتر نکل گئے۔ کچھ سمورے بعد وہ واپس آئے اور انہوں نے دوڑا کھولا۔

واستو میں میری سمجھ میں یہ نہ آیا کہ وہ میرے ساتھ کیا کرنے جا رہے ہیں۔ لیکن میں یہ سمجھ گیا کہ وہ میرے اوپر رکھے گئے اپنے شہ کے کو ڈھولا کر لے نہیں جا رہے ہیں۔ نسنڈیہ میرے بھائی ایک ہورے آدمی کو بہتر لائے اور وہ دھورے دھورے میری اور پڑھا۔ وہ آدمی تر رہا تھا کہ کہیں میں اس کی آنکھوں کی کرور درشتی نہ دیکھ لوں۔ اسی سے وہ اپنی آنکھوں کو فرس پر جھکا رہا۔ اس نے مجھے اپنی آنکھوں کی کرور سے دیکھا۔ میرے بھائی نے کہا—'آج تم ہانکل تھیک منام' ہوتے ہو۔ میں نے کہا—'ہاں' اس پر میرے بھائی نے کہا—'ہم لوگوں نے ڈاکٹر ہو سے آج آکر تمہیں تھیک کرنے کے لئے کہا ہے! میں نے کہا' بہت

इस पर विरूप मुख वाले मनुष्यों का वह मुण्ड दाँत खालकर जोरों से हँसने लगा. तब चैन लाओ-वू मेरे. पास आये और मुझे खींचकर घर ले गये.

वे मुझे खींचकर घर ले गये. घर के मनुष्यों ने ऐसा रुख अपनाया कि जैसे वे मुझे जानते ही न हों, उनके मुख के भाव वैसे ही थे जैसे कि दूसरे मनुष्यों के. जब मैं अपने पढ़ने-लिखने वाले कमरे में घुस गया तो उन्होंने द्वार पर ताला लगा दिया. ऐसा लग रहा था कि जैसे वे किसी मुर्गी अथवा बतख को कटघरे में बन्द कर रहे हों.

कुछ दिन हुए, बुल्क बिलेत नामक गाँव के आसामी यह कहने के लिये आये थे कि उनके जिले में अकाल पड़ा है. उन्होंने मेरे भाई को सूचना दी कि वहाँ गाँव वालों ने एक बड़े बदमाश को मार डाला और इसके बाद उनमें से कुछ एक ने उसे चीरकर उसका हृदय और जिगर निकाल लिया. उन्होंने उन टुकड़ों को तला और उन्हें खा डाला जिससे उनमें हिम्मत पैदा हो. मैं उनके बीच में ही बोल पड़ा. आसामियों और मेरे भाई ने बुरी तरह मेरी ओर देखा. अब मेरी समझ में आया कि उन्होंने मेरी ओर उसी प्रकार देखा था जिस प्रकार बाहर के मुण्ड ने.

जब मैं इसे साँचता हूँ तो चाँटी से लेकर एड़ी तक सिहर जाता हूँ.

वे उस मनुष्य के भीतरी अङ्ग खा गये. ता क्या वे मुझे न खाजायेंगे ?

उस स्त्री के कथन पर विचार कीजिये, 'जी चाहता है कि तुम्हें कई बार दाँतों से काट खाऊँ.' और इस कथन का उम हँसी अथवा विरूप मुख और खुले हुए दाँतों वाले मनुष्यों के उस मुण्ड तथा आसामियों द्वारा कही गई उस कहानी से मिलान कीजिये. सा ज़ाहिर है कि ये शब्द एक गुप्त सङ्केत थे. उनके शब्दों में ज़हर था, उनकी हँसी में कटारें थी. और उनके चमकते हुए सफेद दाँतों की कतारें प्रकट कर रही थीं कि वे मनुष्य-भक्षी दानव हैं.

अब, जैसा कि मैं साँचता हूँ, मैं कोई बदमाश नहीं हूँ. लेकिन मुझसे भी कुचिउ का कुत्ता कुचल गया था. इस-लिये अब यह कहना कठिन है. ऐसा लगता है कि उनके दूसरी तरह के विचार हैं. उनकी मैं कल्पना तक नहीं कर सकता. इसके अज्ञात, जय कभी वे आप से नाराज होंगे तो आपको बदमाश समझने लगेंगे. मुझे वे बातें याद हैं जब मेरे बड़े भाई मुझे निबन्ध लिखना सिखाते थे. जब कभी भले से भले मनुष्य की भी मैं कटु आलोचना करता था तो मेरे भाई उसका अनुमोदन करते थे, और यदि मैं दुष्ट मनुष्यों को क्षमा कर देता था तो वे कहा करते थे कि, 'तुम बड़े भले लड़के हो जो सर्वसाधारण की तरह व्यवहार

اس پر روپ منہ والے منشیوں کا وہ چہنڈ دانت کھول کر زوروں سے ہنسنے لگا. تب چہن لڑو-وو میرے پاس آئے اور مجھے کھینچ کر گھر لے گئے.

وہ مجھے کھینچ کر گھر لے گئے. گھر کے منشیوں نے ایسا رخ اپنایا کہ جیسے وہ مجھے جانتے ہی نہ ہوں. ان کے منہ نے ہوا ویسے ہی آہ جیسے کہ دوسرے منشیوں نے. جب میں اپنے پوٹے لہنے والے کمرے میں گھس گیا تو انہوں نے دروازہ پر تالا لگا دیا. ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کسی مرغی انہوں کو نگہرے میں بند کر رہے ہوں.

کچھ دن ہوئے، واق وایچ نامک گاؤں کے آسامی یہ کہنے کے لئے آئے تھے کہ ان کے ضلع میں اکال پڑا ہے. انہوں نے میرے بھائی کو سوچنا دی کہ وہاں گاؤں والوں نے ایک بڑے بدعاش کو مار ڈالا اور اس کے بدن ان میں سے کچھ ایک نے اسے چہر کر اس کا ہونڈ اور چکر نکال لیا. انہوں نے ان ڈکڑوں کو تلا اور انہیں کھا ڈالا جس سے ان میں ہمت پیدا ہو. میں ان کے پیچ میں ہی رہا ہوا. آسامیوں اور میرے بھائی نے ہری طرح میدی اور دیکھا. اب میری سمجھ میں آیا کہ انہوں نے میری اور اسی پرکار دیکھا تھا جس پرکار باہر کے چہنڈ نے. جب میں اسے سوچتا ہوں تو چوٹی سے ایگر اتری تک سہر جانا ہوں.

وہ اس منشیہ کے ہڈی انک کھا گئے. تو کیا وہ مجھے نہ کھا جائیں گے ?

اس استری کے کتہن پر وچار کیجئے، 'جی چاہتا ہے کہ تجھے کئی بار دانتوں سے کات کھاؤں' اور اس نکھن کا اس ہلسی انہوں روپ منہ والے منشیوں کے اس چہنڈ تھا آسامیوں دروازہ کی کئی اس نہانی سے مولاں کیجئے. صاف ہے کہ یہ شبد ایک گہت سنگمت تھے. ان کے شبدوں میں زہر تھا؛ ان کی ہنسی میں کٹاریں تھیں. اور ان کی چہنڈ ہونڈ سفود دانتوں کی بطاریں پرکٹ کر رہی تھیں کہ وہ منشیہ بھکشی دانو ہوں.

اب، جیسا کہ میں سوچتا ہوں، میں کوئی بدعاش نہیں ہوں. لیکن مجھ سے شری گرجیو کا کتا کچل گیا تھا. اس لئے اب یہ کہنا نہیں ہے. ایسا لگتا ہے کہ ان کے دوسری طرح کے وچار ہوں. ان کی میں کلہا تک نہیں کر سکتا. اس کے علاوہ، جب کبھی وہ آپ سے ناراض ہونگے تو آپ کو بدعاش سمجھنے لگیں گے. مجھے وہ باتیں یاد ہیں جب میرے بڑے بھائی مجھے زبندہ لکھنا سکھاتے تھے. جب کبھی ہیلے سے ہیلے منشیہ کی بھی میں کتو لچکا کرتا تھا تو میرے بھائی اس کا انومودن کرتے تھے؛ اور بدی میں دشمن منشیوں کو چہما کر دیکھا تھا تو وہ کہا کرتے تھے کہ، 'تم ہیلے لڑکے ہو جو سروسادھارن کی طرح دیوار

सात आदमी और भी थे जो मेरे बारे में काना-फूसी कर रहे थे. वे डर रहे थे कि कहीं मैं उन्हें देख न लूँ. सड़क के सारे आदमी वैसे ही थे. उनमें से एक खास तौर से क्रूर था. वह सीधे मेरी ओर देखकर मुँह फाड़कर हँसा. मैं चौंटी से लेकर एड़ी तक काँप उठा. मैं जानता हूँ कि उन्होंने पूरी तैयारी कर ली है.

लेकिन मैं डरा नहीं. मैंने सड़क पर घूमना जारी रखता. वहाँ वहाँ का एक झुण्ड था. वह भी मेरे बारे ही में बातें कर रहा था. उनके मुख का भाव वैसा ही था जैसा कि बड़े चाँचो का. उनके मुख विरूप थे. मैं सोचने लगा, 'छोटे बच्चों से मेरी क्या दुश्मनी है जिससे ये भी इस प्रकार के हैं?' बरबस मैं चिल्ला उठा, 'तुम लोग मुझे बताओ!' इस पर वे सब भाग गये.

मैं सोचने लगा, 'बड़े चाँचो और मुझमें क्या दुश्मनी है? मुझमें और सड़क के मनुष्यों में क्या दुश्मनी है?' सिवाय इसके कि बीस वर्ष पूर्व मुझसे श्री कुचिउ का कुत्ता कुचल गया था और इससे श्री कुचिउ बहुत चिढ़ गये थे. गोआक बड़ा चाँचो उन्हें नहीं जानता तो भी उसने इसके बारे में सुना होगा और उसी अपमान का बदला लेना चाहता है. इसी ने सड़क के मनुष्यों को मेरा शत्रु बना दिया है. परन्तु बच्चों के बारे में क्या कहा जाय? उस समय तो वे पैदा भी नहीं हुए थे. फिर वे मेरी तरफ आँखें फाड़-फाड़कर क्यों घूरते हैं जैसे कि वे मुझसे डरते हों अथवा इसी से मैं डरता हूँ. इसी से मुझे बेहद अचरज और दुःख होता है.

अब मैं समझ गया—उनके माता-पिता ने उन्हें ऐसा बर्ताव करने के लिए कहा है!

3

रात को मैं सो नहीं पाता हूँ. किसी बात को समझने के लिये पहले उस पर छान-बीन करना जरूरी हो जाता है. वे मनुष्य—उनमें से कुछ को मजिस्ट्रेट ने दण्ड दिये हैं, कुछ जनसाधारण द्वारा चाँटे खा चुके हैं, कुछ की पत्नियाँ साधारण कोटि के मनुष्यों की गालियाँ खा चुकी हैं, कुछ के माता-पिता महाजनों (श्रृण दाताओं) द्वारा मार डाले गये हैं; लेकिन इतनी बड़ी-बड़ी मुसीबतों के समय भी ये ऐसे डरावने नहीं दिखाई दिए जैसे कि कल दिखाई दे रहे थे—और उस समय न तो ये इतने क्रूर ही थे.

कल सड़क पर सब से ज्यादा अजीब तो वह स्त्री थी. उसने यह कहते हुए अपने लड़के की चाँटा मारा, 'जो चाहता है कि तुम कई बार दाँतों से काट खाऊँ, तभी मेरा गुस्सा शान्त होगा'. लेकिन जब वह यह कह रही थी तब मेरी ओर देख रही थी.

सात آدمी और भी थे. जो मेरे बारे में काना फूसी कर रहे थे. वे डर रहे थे कि कहीं मैं उन्हें देख न लूँ. सड़क के सारे आदमी वैसे ही थे. उनमें से एक खास तौर से क्रूर था. वह सीधे मेरी ओर देखकर मुँह फाड़कर हँसा. मैं चौंटी से लेकर एड़ी तक काँप उठा. मैं जानता हूँ कि उन्होंने पूरी तैयारी कर ली है.

लेकिन मुझे डरा नहीं. मैंने सड़क पर घूमना जारी रखा. वहाँ वहाँ का एक झुण्ड था. वह भी मेरे बारे ही में बातें कर रहा था. उनके मुख का भाव वैसा ही था जैसा कि बड़े चाँचो का. उनके मुख विरूप थे. मैं सोचने लगा, 'छोटे बच्चों से मेरी क्या दुश्मनी है जिससे ये भी इस प्रकार के हैं?' बरबस मैं चिल्ला उठा, 'तुम लोग मुझे बताओ!' इस पर वे सब भाग गये.

मैं सोचने लगा, 'बड़े चाँचो और मुझमें क्या दुश्मनी है? मुझमें और सड़क के मनुष्यों में क्या दुश्मनी है?' सिवाय इसके कि बीस वर्ष पूर्व मुझसे श्री कुचिउ का कुत्ता कुचल गया था और इससे श्री कुचिउ बहुत चिढ़ गये थे. गोआक बड़ा चाँचो उन्हें नहीं जानता तो भी उसने इसके बारे में सुना होगा और उसी अपमान का बदला लेना चाहता है. इसी ने सड़क के मनुष्यों को मेरा शत्रु बना दिया है. परन्तु बच्चों के बारे में क्या कहा जाय? उस समय तो वे पैदा भी नहीं हुए थे. फिर वे मेरी तरफ आँखें फाड़-फाड़कर क्यों घूरते हैं जैसे कि वे मुझसे डरते हों अथवा इसी से मैं डरता हूँ. इसी से मुझे बेहद अचरज और दुःख होता है.

3

रात को मैं सो नहीं पाता हूँ. किसी बात को समझने के लिये पहले उस पर छान-बीन करना जरूरी हो जाता है. वे मनुष्य—उनमें से कुछ को मजिस्ट्रेट ने दण्ड दिये हैं, कुछ जनसाधारण द्वारा चाँटे खा चुके हैं, कुछ की पत्नियाँ साधारण कोटि के मनुष्यों की गालियाँ खा चुकी हैं, कुछ के माता-पिता महाजनों (श्रृण दाताओं) द्वारा मार डाले गये हैं; लेकिन इतनी बड़ी-बड़ी मुसीबतों के समय भी ये ऐसे डरावने नहीं दिखाई दिए जैसे कि कल दिखाई दे रहे थे—और उस समय न तो ये इतने क्रूर ही थे.

कल सड़क पर सब से ज्यादा अजीब तो वह स्त्री थी. उसने यह कहते हुए अपने लड़के की चाँटा मारा, 'जो चाहता है कि तुम कई बार दाँतों से काट खाऊँ, तभी मेरा गुस्सा शान्त होगा'. लेकिन जब वह यह कह रही थी तब मेरी ओर देख रही थी.

दिया और आश्वासन देते हुए पुनः सूचित किया कि अब उसका भाई बिल्कुल ठीक हो गया है और इस समय दफ्तर के एक काम से बाहर गया है। इसके बाद वह खिल-खिलाकर हँस पड़ा और उसने मुझे अपने भाई की वह डायरी दिखाई जिसे वह अरने पागलपन में लिखा करता था। शायद यह डायरी मेरे मित्रों की रुचि का विषय बन सके। यह कहते हुए उसने मुझे वह डायरी दे दी।

मैं पढ़ने के लिये डायरी घर ले आया। मुझे उससे पता चला कि मेरे मित्र को 'परिपीडन-भ्रम' का रोग था। डायरी की भाषा में न स्पष्टता थी और न क्रम, स्थान-स्थान पर उसमें बेलगाम और बे सिर-पैर की बात लिखी थीं। डायरी में कहीं पर भी तारीख न थी और न उसकी स्याही अथवा लेख ही एक से थे। इन बातों से मैं इस नतीजे पर पहुँचा कि यह एक साँस में एक ही बार बैठकर नहीं लिखी गई थी। परन्तु फिर भी सम्पूर्ण डायरी में एक तुक, एक तथ्य, दिखाई देता है। इसी से मैं उस डायरी की एक नक़ल तैयार कर रहा हूँ। इसमें दिमागी रोगों के विशेषज्ञों के सामने रखना चाहता हूँ। डायरी में लिखे हुए मनुष्यों के नामों का ही मैंने बदला है, गोकि वे सभी नाम मेरे गाँव के मनुष्यों के ही थे जिन्हें बाहर की दुनिया का कोई भी मनुष्य नहीं जानता। इनके अलावा डायरी का एक शब्द भी मैंने नहीं बदला। इससे डायरी के शेष मूल में कोई अन्तर नहीं आया है। जहाँ-तक इसके शीर्षक का प्रश्न है, उसे स्वयं मेरे मित्र ने बीमारी से छुटकारा मिलने के बाद दिया है और उसे बदलने का कोई कारण नहीं दिखाई देता।

❀

❀

❀

2 अप्रैल

गणतन्त्र का सातवाँ वर्ष
(अर्थात् 1918)

आज शाम का चन्द्रमा बड़ा चमकदार है। इस प्रकार का चन्द्रमा मैंने पिछले 20 वर्षों में नहीं देखा। आज इसे मैंने देखा और इससे मुझे एक अजीब ताजगी का अनुभव हुआ। तब मुझे हात हुआ कि मेरे बीसे हुए जीवन के तीस वर्ष से ज्यादा का समय सिर्फ एक सपना रहा है। लेकिन मुझे बहुत ही होशियार रहना चाहिए। नहीं तो—नहीं तो चाँचों के कुत्ते ने मेरी तरफ इस प्रकार क्यों दृष्टा ? और कई धार!

2

आज रात को चन्द्रमा नहीं निकल। मैं जानता हूँ कि कुछ अनिष्ट होने वाला है। आज सबरे बाहर जाते समय मैं बड़ा सावधान था। बड़े चाँचों की मुख-मुद्रा बड़ी अजीब थी। वह मुझसे डरा हुआ सा मालूम होता था, जैसे कि वह मेरी कुछ हानि करना चाहता हो। उसके अलावा छः—

मा और आश्वासन देते हुए मुझे सूचित किया कि अब उसका भाई बिल्कुल ठीक हो गया है और इस समय दफ्तर के एक काम से बाहर गया है। इसके बाद वह खिल-खिलाकर हँस पड़ा और उसने मुझे अपने भाई की वह डायरी दिखाई जिसे वह अरने पागलपन में लिखा करता था। शायद यह डायरी मेरे मित्रों की रुचि का विषय बन सके। यह कहते हुए उसने मुझे वह डायरी दे दी।

मैं पढ़ने के लिये डायरी घर ले आया। मुझे उससे पता चला कि मेरे मित्र को 'परिपीडन-भ्रम' का रोग था। डायरी की भाषा में न स्पष्टता थी और न क्रम, स्थान-स्थान पर उसमें बेलगाम और बे सिर-पैर की बात लिखी थीं। डायरी में कहीं पर भी तारीख न थी और न उसकी स्याही अथवा लेख ही एक से थे। इन बातों से मैं इस नतीजे पर पहुँचा कि यह एक साँस में एक ही बार बैठकर नहीं लिखी गई थी। परन्तु फिर भी सम्पूर्ण डायरी में एक तुक, एक तथ्य, दिखाई देता है। इसी से मैं उस डायरी की एक नक़ल तैयार कर रहा हूँ। इसमें दिमागी रोगों के विशेषज्ञों के सामने रखना चाहता हूँ। डायरी में लिखे हुए मनुष्यों के नामों का ही मैंने बदला है, गोकि वे सभी नाम मेरे गाँव के मनुष्यों के ही थे जिन्हें बाहर की दुनिया का कोई भी मनुष्य नहीं जानता। इनके अलावा डायरी का एक शब्द भी मैंने नहीं बदला। इससे डायरी के शेष मूल में कोई अन्तर नहीं आया है। जहाँ-तक इसके शीर्षक का प्रश्न है, उसे स्वयं मेरे मित्र ने बीमारी से छुटकारा मिलने के बाद दिया है और उसे बदलने का कोई कारण नहीं दिखाई देता।

❀

❀

❀

2 अप्रैल

गणतन्त्र का सातवाँ वर्ष
(अर्थात् 1918)

आज शाम का चन्द्रमा बड़ा चमकदार है। इस प्रकार का चन्द्रमा मैंने पिछले 20 वर्षों में नहीं देखा। आज इसे मैंने देखा और इससे मुझे एक अजीब ताजगी का अनुभव हुआ। तब मुझे हात हुआ कि मेरे बीसे हुए जीवन के तीस वर्ष से ज्यादा का समय सिर्फ एक सपना रहा है। लेकिन मुझे बहुत ही होशियार रहना चाहिए। नहीं तो—नहीं तो चाँचों के कुत्ते ने मेरी तरफ इस प्रकार क्यों दृष्टा ? और कई धार!

2

आज रात को चन्द्रमा नहीं निकल। मैं जानता हूँ कि कुछ अनिष्ट होने वाला है। आज सबरे बाहर जाते समय मैं बड़ा सावधान था। बड़े चाँचों की मुख-मुद्रा बड़ी अजीब थी। वह मुझसे डरा हुआ सा मालूम होता था, जैसे कि वह मेरी कुछ हानि करना चाहता हो। उसके अलावा छः—

“مگر اس بیچ میں کہاں تم؟”

کئی شہروں کے نام انہوں نے بتائے—کچھ اس طرح گویا بہت پہلے بھولی کسی بات کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اور اس بیچ بڑا بڑا کسی بات کی طرح سارے کمرے میں بکھیر ڈرا ہی آواز آئے چکر کاٹتی رہیں۔

“وہ، وہاں کہاں سے ملی؟”

“میں نے ہی بنا دی ہے۔ اپنے سارے کپڑے میں ہی بناتی

یہ سوچ کر مجھے اچھا لگ رہا تھا کہ وہ اوروں سے مختلف ہیں۔ لیکن اس میں بھی تھا کہ وہ بولتی بہت ہی کم تھیں۔ جب تک میں کچھ پوچھتا نہیں تھا تب تک عموماً وہ چپ رہتی تھیں۔

اب وہ پھر آکر میرے پاس کوچ پر بیٹھ گئیں اور چپ چاپ ایک دوسرے سے چپچپ ہم دونوں اسی طرح بیٹھے رہے۔ جب تک کہ نانا-نانی لوٹ نہیں آئے۔ وہ لوگ جب آئے تب ان میں سے موم اور دھوپ بتی کی مہک آ رہی تھی اور ایک عجیب سی سنجیدگی اور مٹھاس تھی ان کے ہر تڑپ میں۔

رات کا کھانا ہم لوگوں نے دھواڑوں کے دن کی طرح کھایا۔ ویسی ہی سنجیدگی کے ساتھ اور کھاتے وقت بہت ہی کم بولے اور اپنے دھیرے دھیرے گویا بہت ہی ہلکی فیلڈ کرنی سو یا ہر ہے جس کے جگ جانے کا تر ہے۔

—انوادک، شری سومنکل پرکاش۔

“مگر اس بیچ میں کہاں تم؟”

کئی شہروں کے نام انہوں نے بتائے—کچھ اس طرح گویا بہت پہلے بھولی کسی بات کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اور اس بیچ بڑا بڑا کسی بات کی طرح سارے کمرے میں بکھیر ڈرا ہی آواز آئے چکر کاٹتی رہیں۔

“وہ، وہاں کہاں سے ملی؟”

“میں نے ہی بنا دی ہے۔ اپنے سارے کپڑے میں ہی بناتی

ہیں۔“

یہ سوچ کر مجھے اچھا لگ رہا تھا کہ وہ اوروں سے مختلف ہیں۔ لیکن اس میں بھی تھا کہ وہ بولتی بہت ہی کم تھیں۔ جب تک میں کچھ پوچھتا نہیں تھا تب تک عموماً وہ چپ رہتی تھیں۔

اب وہ پھر آکر میرے پاس کوچ پر بیٹھ گئیں اور چپ چاپ ایک دوسرے سے چپچپ ہم دونوں اسی طرح بیٹھے رہے۔ جب تک کہ نانا-نانی لوٹ نہیں آئے۔ وہ لوگ جب آئے تب ان میں سے موم اور دھوپ بتی کی مہک آ رہی تھی اور ایک عجیب سی سنجیدگی اور مٹھاس تھی ان کے ہر تڑپ میں۔

رات کا کھانا ہم لوگوں نے دھواڑوں کے دن کی طرح کھایا۔ ویسی ہی سنجیدگی کے ساتھ اور کھاتے وقت بہت ہی کم بولے اور اپنے دھیرے دھیرے گویا بہت ہی ہلکی فیلڈ کرنی سو یا ہر ہے جس کے جگ جانے کا تر ہے۔

—انوادک، شری سومنکل پرکاش۔

ایک پاگل آدمی کی ڈائری

شری لونی سن

دو بھائی تھے۔ یہاں ان کے نام بتانا ضروری نہیں ہیں۔ منزل اسکول میں وہ دونوں میرے گھرے دوست رہ چکے تھے۔ لیکن اندر بچپن بہت دوروں سے ہم لوگ الگ الگ ہو گئے تھے۔ اس سے ان دونوں بھائیوں کے بارے میں ملنے والے سماچار بھی بڑا بڑا کم ہوتے گئے۔ لیکن کچھ دن پہلے اچانک مجھے خبر ملی کہ ان میں سے ایک بہت بیمار ہو گیا تھا۔ اس لئے جب میں اپنی جگہ بھوسی واپس آیا تو مشفقانہ انہیں دیکھنے گیا۔ وہاں بڑے بھائی نے میرا سواگت کیا اور یہ بتایا کہ اس کا چھوٹا بھائی بیمار تھا۔ اپنے گھر پر آنے کے لئے اس نے مجھے دھندلوا دیا۔

ایک پاگل آدمی کی ڈائری

شری لونی سن

دو بھائی تھے۔ یہاں ان کے نام بتانا ضروری نہیں ہیں۔ منزل اسکول میں وہ دونوں میرے گھرے دوست رہ چکے تھے۔ لیکن اندر بچپن بہت دوروں سے ہم لوگ الگ الگ ہو گئے تھے۔ اس سے ان دونوں بھائیوں کے بارے میں ملنے والے سماچار بھی بڑا بڑا کم ہوتے گئے۔ لیکن کچھ دن پہلے اچانک مجھے خبر ملی کہ ان میں سے ایک بہت بیمار ہو گیا تھا۔ اس لئے جب میں اپنی جگہ بھوسی واپس آیا تو مشفقانہ انہیں دیکھنے گیا۔ وہاں بڑے بھائی نے میرا سواگت کیا اور یہ بتایا کہ اس کا چھوٹا بھائی بیمار تھا۔ اپنے گھر پر آنے کے لئے اس نے مجھے دھندلوا دیا۔

और कुछ देर तक वह संजीवनी और कड़ाई के साथ मुझमें बातें करती रही; लेकिन उन्होंने जो कुछ कहा वह मेरी समझ में नहीं आया और वह उठ खड़ी हुई और अपनी ठाड़ी पर उँगलियाँ मारती हुई कमरे में टहलने लगी—उनकी घनी भौंहें कभी तन जातीं, कभी ढीली पड़ जातीं।

मेज पर जलती हुई मोमबत्ती पिघलती चली जा रही थी और शीशे में उसका अक्स जगमगा रहा था, फर्श पर काली-काली परछाइयाँ लोंट रही थीं, कोने में मूर्ति के आगे रोशनी जल रही थी और बर्फ से ढकी हुई खिड़कियों के शीशों पर चाँदनी ने चाँदी कर दी थी। माँ चारों तरफ इस तरह देख रही थीं गोया नक्की दीवारों या छत पर कुछ ढूँढ़ रही हों।

“सोने का क्या वक्त है तेरा?”

“थोड़ी देर और रहने दो मुझे यहाँ!”

“ओ हाँ, आज दिन में भी तो थोड़ा सो लिया है”, उन्हें याद आया।

“वया तुम फिर चली जाना चाहती हो?” मैं उनसे पूछ बैठा।

“कहाँ?” वह चौंक सी पड़ी, और मेरा सिर ऊपर को उठाकर मेरी तरफ इतनी देर तक ताकती रहीं कि मेरी आँखों में आँसू आ गये।

“क्या बात है रे?” उन्होंने पूछा।

“गरदन दुख रही है”।

दिल भी दुख रहा था मेरा, क्योंकि यकायक मैं यह समझ गया था कि वह हमारे घर नहीं रहेंगी और फिर चली जायेंगी।

“अपने बाप-सा होता जा रहा है तू”, पायदान को ठोकर से एक तरफ को हटाते हुए वह बोलीं। “उनके बारे में कुछ बताया है तुम्हें—तेरों नानी ने?”

“हाँ”।

“वह मैकिसस को बहुत प्यार करती थीं—बहुत ही ज्यादा। और वह भी उन्हें प्यार करते थे—”

“मैं जानता हूँ”।

माँ मोमबत्ती की तरफ देखने लगी और उनकी भौंहें सिकुड़ गईं। फिर उन्होंने उसे बुझा दिया और कहा—“अब ठीक है”।

सचमुच इससे हवा में ताजगी और उम्दगी आ गई, और काली-काली परछाइयाँ साफ हो गईं, लगह-जगह फर्श पर तेज दूधिया रोशनी बिखर गई और खिड़की के शीशों पर सुनहरे दाने चमक उठे।

और कुछ देर तक वह संजीवनी और कड़ाई के साथ बातें करती रही; लेकिन उन्होंने जो कुछ कहा वह मेरी समझ में नहीं आया और वह उठ खड़ी हुई और अपनी ठाड़ी पर उँगलियाँ मारती हुई कमरे में टहलने लगी—उनकी घनी भौंहें कभी तन जातीं, कभी ढीली पड़ जातीं।

मेज पर जलती हुई मोमबत्ती पिघलती चली जा रही थी और शीशे में उसका अक्स जगमगा रहा था, फर्श पर काली-काली परछाइयाँ लोंट रही थीं, कोने में मूर्ति के आगे रोशनी जल रही थी और बर्फ से ढकी हुई खिड़कियों के शीशों पर चाँदनी ने चाँदी कर दी थी। माँ चारों तरफ इस तरह देख रही थीं गोया नक्की दीवारों या छत पर कुछ ढूँढ़ रही हों।

“सोने का क्या वक्त है तेरा?”

“थोड़ी देर और रहने दो मुझे यहाँ!”

“ओ हाँ, आज दिन में भी तो थोड़ा सो लिया है”, उन्हें याद आया।

“वया तुम फिर चली जाना चाहती हो?” मैं उनसे पूछ बैठा।

“कहाँ?” वह चौंक सी पड़ी, और मेरा सिर ऊपर को उठाकर मेरी तरफ इतनी देर तक ताकती रहीं कि मेरी आँखों में आँसू आ गये।

“क्या बात है रे?” उन्होंने पूछा।

“गरदन दुख रही है”।

दिल भी दुख रहा था मेरा, क्योंकि यकायक मैं यह समझ गया था कि वह हमारे घर नहीं रहेंगी और फिर चली जायेंगी।

“अपने बाप-सा होता जा रहा है तू”, पायदान को ठोकर से एक तरफ को हटाते हुए वह बोलीं। “उनके बारे में कुछ बताया है तुम्हें—तेरों नानी ने?”

“हाँ”।

“वह मैकिसस को बहुत प्यार करती थीं—बहुत ही ज्यादा”।

“मैं जानता हूँ”।

माँ मोमबत्ती की तरफ देखने लगी और उनकी भौंहें सिकुड़ गईं। फिर उन्होंने उसे बुझा दिया और कहा—“अब ठीक है”।

सचमुच इससे हवा में ताजगी और उम्दगी आ गई, और काली-काली परछाइयाँ साफ हो गईं, लगह-जगह फर्श पर तेज दूधिया रोशनी बिखर गई और खिड़की के शीशों पर सुनहरे दाने चमक उठे।

अब मैं अपने को रोक नहीं सका—मेरे आँसू किसी तरह भी नहीं रुक रहे थे—और मैं तन्दूर पर से नीचे कूद पड़ा और उनके पास दौड़ गया। मेरी आँखों से खुरी के आँसू बह रहे थे—यह देखकर कि इतनी अजीब और गहरी मोहब्बत के साथ नाना-नानी एक दूसरे से गुप्तगू कर रहे हैं और मेरे आँसू इसलिये भी बह रहे थे कि उनकी बातें सुनकर मुझे रंज हो रहा था, और इसलिए भी कि मेरी माँ आ गई थी और फिर आखिर में इसलिये भी कि उन्होंने मुझे—आँसुओं समेत लेकर अपनी छाती से लगा लिया, उन्होंने मुझे कसकर चिपटा लिया और मेरे साथ खुद भी रोने लगे।

बड़ी धीमी आवाज में बुदबुदाते हुए से नाना जी मुझसे कहने लगे—“ता तू यहाँ था, रौतान की दुम ! ले, तेरी माँ फिर आ गई है और अब तो हमेशा तू उसी के पीछे लगा फिरेगा न, क्या ? और बूढ़े खूसट नाना जी अब जाँय भाड़ में ! है न यही बात ? और नानी ने तां बिल्कुल चौपट ही कर दिया है तुम्हें...सो वह भी नहीं चाहिये अब—क्यों ? धत तेरे की !”

हमें हटाकर वह उठ खड़े हुए और ऊँची आवाज में गुस्से के साथ बोले—सबके सब छोड़ते जा रहे हैं हमें—सब मुँह फेरे ले रहे हैं हमारी तरफ से—तां फिर बुला लाओ उसे अब, देर क्यों करती हो ? जल्दी करो !”

नानी बावरचीखाने से चली गई, और नाना जी कोने में जाकर सिर झुकाए खड़े हो गए।

“या खुदाए करीम !” उन्होंने बुदबुदाना शुरू किया—“देख—तू तो हमारे दिल की सब जानता है !” और अपने सीने पर उन्होंने एक घूँसा मारा।

यह सब मुझे अच्छा नहीं लगा। असल में खुदा से दुआ करने का उनका तरीका ही मुझे बहुत बुरा लगता था, क्योंकि अपने बनाने वाले के आगे भी गोया वह अपने ही को बड़ा समझते थे।

जब माँ अन्दर आई तब उनकी लाल पोशाक से सारा बावरचीखाना रोशन हो गया, और जब वह मेज के आगे नाना जी और नानी के बीच में बैठ गई तब उनकी पोशाक की चौड़ी-चौड़ी ढोली बाँहें नाना जी और नानी जी के कन्धों पर लहराने लगीं। वह अहिस्ता-अहिस्ता संजीदगी के साथ कुछ सुनाने लगीं, और वे दोनों भी चुपचाप, बीच में दखल देने की कांशिरा किए बगैर, इस तरह मेरी माँ की बात सुनने लगे गोया वही उनकी माँ है और वे उनके बच्चे !

जोश के सबब से मैं इतना थक गया था कि कोच पर - बैठे-बैठे ही मुझे गहरी नींद आ गई।

अब मैं अपने को रोक नहीं सका—मेरे आँसू किसी तरह भी नहीं रुक रहे थे—और मैं तन्दूर पर से नीचे कूद पड़ा और उनके पास दौड़ गया। मेरी आँखों से खुरी के आँसू बह रहे थे—यह देखकर कि इतनी अजीब और गहरी मोहब्बत के साथ नाना-नानी एक दूसरे से गुप्तगू कर रहे हैं और मेरे आँसू इसलिये भी बह रहे थे कि उनकी बातें सुनकर मुझे रंज हो रहा था, और इसलिए भी कि मेरी माँ आ गई थी और फिर आखिर में इसलिये भी कि उन्होंने मुझे—आँसुओं समेत लेकर अपनी छाती से लगा लिया, उन्होंने मुझे कसकर चिपटा लिया और मेरे साथ खुद भी रोने लगे।

बड़ी धीमी आवाज में बुदबुदाते हुए से नाना जी मुझसे कहने लगे—“ता तू यहाँ था, रौतान की दुम ! ले, तेरी माँ फिर आ गई है और अब तो हमेशा तू उसी के पीछे लगा फिरेगा न, क्या ? और बूढ़े खूसट नाना जी अब जाँय भाड़ में ! है न यही बात ? और नानी ने तां बिल्कुल चौपट ही कर दिया है तुम्हें...सो वह भी नहीं चाहिये अब—क्यों ? धत तेरे की !”

हमें हटाकर वह उठ खड़े हुए और ऊँची आवाज में गुस्से के साथ बोले—सबके सब छोड़ते जा रहे हैं हमें—सब मुँह फेरे ले रहे हैं हमारी तरफ से—तां फिर बुला लाओ उसे अब, देर क्यों करती हो ? जल्दी करो !”

नानी बावरचीखाने से चली गई, और नाना जी कोने में जाकर सिर झुकाए खड़े हो गए।

“या खुदाए करीम !” उन्होंने बुदबुदाना शुरू किया—“देख—तू तो हमारे दिल की सब जानता है !” और अपने सीने पर उन्होंने एक घूँसा मारा।

यह सब मुझे अच्छा नहीं लगा। असल में खुदा से दुआ करने का उनका तरीका ही मुझे बहुत बुरा लगता था, क्योंकि अपने बनाने वाले के आगे भी गोया वह अपने ही को बड़ा समझते थे।

जब माँ अन्दर आई तब उनकी लाल पोशाक से सारा बावरचीखाना रोशन हो गया, और जब वह मेज के आगे नाना जी और नानी के बीच में बैठ गई तब उनकी पोशाक की चौड़ी-चौड़ी ढोली बाँहें नाना जी और नानी जी के कन्धों पर लहराने लगीं। वह अहिस्ता-अहिस्ता संजीदगी के साथ कुछ सुनाने लगीं, और वे दोनों भी चुपचाप, बीच में दखल देने की कांशिरा किए बगैर, इस तरह मेरी माँ की बात सुनने लगे गोया वही उनकी माँ है और वे उनके बच्चे !

जोश के सबब से मैं इतना थक गया था कि कोच पर - बैठे-बैठे ही मुझे गहरी नींद आ गई।

आँख ही आँख और कान ही कान हैं. मेरे सीने के अन्दर न जाने कैसा होने लगा और मेरी बड़ी जबरदस्त खादिश हुई कि चीख उठूँ.

“लेक्सी तू जा यहाँ से !” नाना जी ने रुखाई के साथ मुझसे कहा !

“क्यों ?” मेरी माँ ने मुझे फिर अपनी तरफ खींचते हुए उनसे पूछा. “नहीं, तू यहाँ से नहीं जाएगा. मैं मना कर रही हूँ.” और किसी गुलाबी बादल की तरह उठकर मेरी माँ धीरे-धीरे नाना जी के पीछे जा खड़ी हुई.

“जरा सुनो तो बाबू जी—”

नाना जी उनकी तरफ मुड़कर चीख उठे—

“चुप रह.”

“अपनी जवान को क्राबू में रखिये, बाबू जी.” संजी-दगी से माँ ने जवाब दिया.

नानी कोच पर से उठ खड़ी हुई और अपनी उँगली दिखाते हुए उन्होंने मेरी माँ को टोका—“यह क्या बारबारा ?”

और नाना भी बुदबुदाते हुए बैठ गए—“अच्छा ठैरो तो जरा ! मैं यह जानना चाहता हूँ कि किसने—? क्यों ? कौन था वह ?कैसे हुआ यह सब ?”

और अचानक ऐसी आवाज में, जो उनकी नहीं मालूम पड़ती थी, वह गरज उठे—“मेरा मुँह काला कर दिया तूने” बारका !”

“भाग यहाँ से !” नानी मुझसे बोलीं, और मैं बावरचीखाने में जा छुटा. ऐसा लग रहा था गोया मेरा दम घुटा जा रहा है. तन्दूरी चूल्हे के ऊपर मैं जा चढ़ा, और बहुत देर तक वहाँ बैठा-बैठा उन लोगों की बात-चीत सुनता रहा, जों बीच के दीवार के बावजूद सुनाई पड़ रही थी. या तो वे सब के सब एक साथ बोलने लगते थे, और या बड़ी देर तक बिल्कुल चुप रहते, गोया सो गये हों. उन लोगों की बातचीत का मजमून था कोई बच्चा, जो हाल ही में मेरी माँ के पैदा हुआ था और किसी के यहाँ छाड़ दिया गया था. लेकिन मैं यह नहीं समझ सका कि नाना जी की नाराजी किस बात पर थी—उनसे बगैर पूछे बच्चा पैदा किया गया इस पर या इसलिये कि वह उस बच्चे को नाना जी के यहाँ नहीं लाईं.

बाद को वह बावरचीखाने में चले आए. उनके बाल बिखरे हुए थे, चेहरा नीला सा पड़ रहा था, और बेहद थके दिखाई दे रहे थे. उनके पीछे नानी भी आ पहुँचीं, अपने गालों पर बहते हुए आँसुओं को कुरते से पोंछती हुई. नाना जी एक बेंच पर ऊपर पैर करके बैठ गए और अपने हाथ भी उसी पर टेककर कांपते कांपते अपने पीले पड़े हुए हाँठों को काटने लगे. और नानी उनके आगे घुटनों के बल मुक गईं और सुकून के साथ लेकिन जोर देकर बोलीं—

انہ ہی انہ اور کن ہی کن ہیں. میرے سینے کے اندر نہ جانے کیسا ہونے لگا اور میری زبردست خواہش ہوئی کہ چیخ لوں.

“لےکسی، تو جا یہاں سے !” نانا جی نے دکھائی کے ساتھ مجھ سے کہا !

“کیوں ؟” میری ماں نے مجھے پھر اپنی طرف کھینچتے ہوئے اُن سے پوچھا. “نہیں، تو یاں سے نہیں جائیگا. میں منع کر رہی ہوں.” اور کسی گلابی بادل کی طرح اُنہ کر میری ماں دھیرے دھیرے نانا جی کے پیچھے جا کھڑی ہوئیں.

“جرا سونو تو بابو جی—”

نانا جی اُن کی طرف مڑ کر چیخ اُٹے—

“چپ رہ.”

“اپنی زبان کو قابو میں رکھئے، بابو جی.” سنجیدگی سے

ماں نے جواب دیا.

نانی کوچہ پر سے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنی انگلی دکھاتے ہوئے انہوں نے ماں کو ٹوکا—“یہ کیا، باربارا ؟”

اور نانا بھی ہدایت دے رہے تھے—“اچھا ٹھہرو تو ذرا ! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیسے—؟ کیوں ؟ کون تھا وہ ؟ ... کیسے ہوا یہ سب ؟”

اور اچانک ایسی آواز میں، جو اُن کی نہیں معلوم پڑتی تھی، وہ گرج اُٹے. “میرا منہ کالا کر دیا تھیں، وارکا !”

“بھاگ یہاں سے !” نانی مجھ سے بولیں، اور میں باورچی خانے میں جا چھا. ایسا لگ رہا تھا گویا میرا دم گھٹا جا رہا ہے. تندوری چولہے کے اوپر میں جا چڑھا اور بہت دیر تک وہاں بیٹھا بیٹھا اُن لوگوں کی بات چیت سنتا رہا، جو بیچ کی دیوار کے باوجود سنائی پڑ رہی تھی. یا تو وہ سب کے سب ایک ساتھ بولنے لگتے تھے، اور یا بڑی دیر تک بالکل چپ رہتے، گویا سو گئے ہوں. اُن لوگوں کی بات چیت کا ضمن تھا کوئی بچہ، جو حال ہی میں میری ماں کے پیدا ہوا تھا اور کسی کے یہاں چھوڑ دیا گیا تھا. لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ نانا جی کی ناراضی کس بات پر تھی—اُن سے بغیر پوچھے بچہ پیدا کیا گیا اس پر یا اس لئے کہ وہ اُس بچے کو نانا جی کے یہاں نہیں لائیں.

بعد کو وہ باورچی خانے میں چلے آئے، اُن کے بال پکھرے ہوئے تھے، چہرہ نیلا سا پڑ رہا تھا اور پھر تکم ہوئے دکھائی دے رہے تھے. اُن کے پیچھے پیچھے نانی بھی آ پہنچیں، اپنے گالوں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کو کرتے سے پونچھتی ہوئی. نانا جی ایک بیچ پر اوپر پور کر کے بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ بھی اُسی پر ٹیک کر کانپتے کانپتے اپنے بولے پڑے ہوئے ہونٹوں کو کاٹنے لگے. اور نانی اُن کے آگے گھٹنوں کے بل جھک گئیں اور سکرن کے ساتھ لیکن زور دیکر بولیں—

انار کر وہ دھلیو کے اُدھر بھیپکتی جاتی تھیں اور حقارت سے اپنے لال
لال ہونٹ مکروڑے لٹکانا ہولتی تھیں چلی جا رہی تھیں۔ ”بولنا
کیوں نہیں ہے تو؟ خوش نہیں ہوئی تجھے مہرے آنے کی؟
اُف! کبھی گلتی ہے یہ قمیض...“

پھر انہوں نے بطخ کی چربی سے میرے کان ملانے شروع کئے جس سے مجھے تکلیف ہونے لگی۔ لیکن اتنی بڑھیا خوشبو نکل رہی تھی اُن کے کپڑوں سے اُس وقت کہ تکلیف جتنی ہو رہی تھی اُس سے کم معلوم ہوئی۔

میں اُن آنکھوں کی طرف ناکٹا ہوا اُن سے چپکے ہی چلا جا رہا تھا۔ خوف کے سبب میرے منہ سے آواز نہیں نکل پا رہی تھی۔ اور اُن کے الفاظ کے ساتھ ساتھ ہیچ ہیچ میں فانی کی دھبہ بھری آواز میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ ”اِنلی من مانی کر لے لگا ہے یہ... ذرا کسی کی نہیں ملتا۔ اپنے فانا نک سے نہیں ڈرتا، ذرا بھی... آری واریا ! واریا !“

”کیوں پھن پھن کر رہی ہو ماں‘ چپ ہی رہو۔ اِس طرح
 بک بک کر کے کیا کر لوگی؟“

سبھی چڑیوں میں کے سامنے چھوٹی لکڑی لگی تھیں، رحم
 ے قابل اور بڑھی! میں خود بھی ہڑھا سا لکڑی لگا تھا، نانا
 جی کی طرح ہڑھا۔

اپنے گھٹنوں سے مجھے چپٹا کر میرے بالوں پر اپنا گرم گرم
 بہاری ہاتھ پھرتی ہوئی وہ بولیں—”کسی کرتے آدمی کی
 دیکھ بہال میں رکھنے کی ضرورت ہے اے۔ اور اب اسکول بھی
 تو جانا چاہئے..... کچھ سیکھنا چاہتا ہے کہ نہیں؟“
 ”ہاں“

”میں تو سب سیکھ چکا جو جاننا تھا۔“

”اور یہی تو ہوا بہت سیکھنا ہوا ہے رے...! ارے! کتنی طاقت آگئی ہے تجھ میں!“ اور میرے ساتھ کھیل تماشا کرتے ہوئے وہ اپنی ٹوڑ مٹھی آواز میں دل کھول کر ہنسنے لگیں۔

ایسی وقت نانا جی اندر داخل ہوئے۔ اُن کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا تھا، آنکھیں لال ہو رہی تھیں، اور غصہ کے مارے وہ کانپ رہے تھے۔ مہروی ماں نے اُنہیں دیکھتے ہی مجھے دور ہٹا دیا اور ارنجی آواز میں اُن سے پوچھا—”تو پھر کیا طے کیا اپنے باہر جی ؟ مجھے نہیں دیکھ دیکھ یہاں ؟“

نانا جی کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر اپنی آنکھوں کے
ناخنوں سے ہمیشہ پر جمی ہرف کھرچنے لگے اور بڑی دیر تک
کچھ نہیں بولے۔ حالت بہت ہی نازک اور تکلیف دہ تھی
اور، جیسا کہ ایسے سنگین موقعوں پر مہرے ساتھ ہمیشہ
ہوتا تھا، مجھے لگ رہا تھا گویا مہرے جسم ہر مہین

मुझे यकीन नहीं आया, और अगर पादरी साहब ही हों तो वह किसी किराएदार के ही यहाँ आए होंगे.

“चल-चल!” काँचवान ने घोड़ों को हाँका, और उनकी पीठ पर कोड़ा फटकारते हुए मौज के साथ फिर सीटी बजाने लगा.

घोड़े मैदान को चीरते हुए दौड़ चले, और मैं खड़ा था उनकी तरफ ताकता रहा, फिर मैंने फाटक बन्द कर दिया. सूने पड़े बावरचीखाने में घुसते ही सबसे पहली आवाज मैंने अपनी माँ की सुनी. पास वाले कमरे में अपनी ज़ारदार आवाज में वह कह रही थी—“तो अब चाहते क्या हैं आप? मेरी जान लेंगे?”

अपनी ऊपरी पोशाक बदले बग़ैर ही मैं पिंजड़ों को पटक-पटकाकर दौड़ा हुआ बाहर के बरामदे में आया और नाना जी से टकरा गया. उन्होंने मेरी गरदन दबोच ली और अपनी खूँखार सी आँखें मेरे चेहरे पर गाड़ दीं, और बड़ी मुश्किल से एक घूँट सा सटक कर भारी गले से बाले—

“तेरी माँ फिर आ गई है.....जा उसके पास..... ठैरों.....!” उन्होंने इतनी जोर से मुझे झकझोर डाला कि मैं मुश्किल से गिरते-गिरते बचा और भीतर के दरवाजे तक लुढ़कता चला गया. “चला जा.....! जा.....!”

मैं दरवाजे से जा टकराया, जिस पर ऊन और मोमजामा चढ़ा हुआ था, लेकिन खटका गिराने में मुझे काफी देर लग गई क्योंकि मेरा हाथ सर्दी से ठिठुरकर बिल्कुल सुन्न हटा गया था और धबड़ाहट के मारे काँप रहा था. जब आखीर में मैं धीरे से अन्दर घुसा तो बिल्कुल खोफजदा और अचभे से भरा हुआ देहलीज़ पर ही रुक गया.

“यह आ गया!” मेरी माँ बोल उठी, “परमात्मा, कितना बड़ा हो गया है यह! क्यों, मुझे पहचानता नहीं है?.....यह कैसे कपड़े पहनाए है इसे माँ?.....और देखा तो, इसके कान बिल्कुल सफेद पड़े जा रहे हैं! बतख की चरबी तो लाखों माँ, ज़रा जल्दी से.”

कमरे के बीचोंबीच खड़ी वह मेरे ऊपर झुककर मेरी ऊपरी पोशाक उतारने लगी और मुझे इस तरह उलट पलट कर देखने लगी गोया मैं कोई गेंद हूँ. उनके लम्बे चौड़े बदन पर एक गरम, मलायम, खूबसूरत पोशाक थी, मर्दों के पूरे लबाबे से बड़ी; और कंधे से लेकर कमर तक उस पर काले काले बदन तिरछी क्रतार में टँके हुए थे. पहले कभी मैंने वैसी कोई पोशाक नहीं देखी थी.

उनका चेहरा पहले से छोटा लग रहा था और आँखें पहले से ज्यादा बड़ी और घँसी हुई थीं; पर उनके बालों का सुनहरापन और भी गहरा हो उठा था. मेरे कपड़े उतार-

मुझे यकीन नहीं आया—और अगर पादरी साहब ही हों तो वह किसी किराएदार के ही यहाँ आने होंगे.

“चल चल!” कोचवान ने घोड़ों को हाँका, और उनकी पीठ पर कोड़ा फटकारते हुए मौज के साथ फिर सीटी बजाने लगा.

घोड़े मैदान को चीरते हुए दौड़ चले, और मैं खड़ा हुआ उनकी तरफ ताकता रहा, फिर मैंने फाटक बन्द कर दिया. सूने पड़े बावरचीखाने में घुसते ही सबसे पहली आवाज मैंने अपनी माँ की सुनी. पास वाले कमरे में अपनी ज़ारदार आवाज में वह कह रही थी—“तो अब चाहते क्या हैं आप? मेरी जान लेंगे?”

अपनी ऊपरी पोशाक बदले बग़ैर ही मैं पिंजड़ों को पटक-पटकाकर दौड़ा हुआ बाहर के बरामदे में आया और नाना जी से टकरा गया. उन्होंने मेरी गरदन दबोच ली और अपनी खूँखार सी आँखें मेरे चेहरे पर गाड़ दीं, और बड़ी मुश्किल से एक घूँट सा सटक कर भारी गले से बाले—

“तेरी माँ फिर आ गई है.....जा उसके पास..... ठैरों.....!” उन्होंने इतनी जोर से मुझे झकझोर डाला कि मैं मुश्किल से गिरते-गिरते बचा और भीतर के दरवाजे तक लुढ़कता चला गया. “चला जा.....! जा.....!”

मैं दरवाजे से जा टकराया, जिस पर ऊन और मोमजामा चढ़ा हुआ था, लेकिन खटका गिराने में मुझे काफी देर लग गई क्योंकि मेरा हाथ सर्दी से ठिठुरकर बिल्कुल सुन्न हटा गया था और धबड़ाहट के मारे काँप रहा था. जब आखीर में मैं धीरे से अन्दर घुसा तो बिल्कुल खोफजदा और अचभे से भरा हुआ देहलीज़ पर ही रुक गया.

“यह आ गया!” मेरी माँ बोल उठी, “परमात्मा, कितना बड़ा हो गया है यह! क्यों, मुझे पहचानता नहीं है?.....यह कैसे कपड़े पहनाए है इसे माँ?.....और देखा तो, इसके कान बिल्कुल सफेद पड़े जा रहे हैं! बतख की चरबी तो लाखों माँ, ज़रा जल्दी से.”

कमरे के बीचोंबीच खड़ी वह मेरे ऊपर झुककर मेरी ऊपरी पोशाक उतारने लगी और मुझे इस तरह उलट पलट कर देखने लगी गोया मैं कोई गेंद हूँ. उनके लम्बे चौड़े बदन पर एक गरम, मलायम, खूबसूरत पोशाक थी, मर्दों के पूरे लबाबे से बड़ी; और कंधे से लेकर कमर तक उस पर काले काले बदन तिरछी क्रतार में टँके हुए थे. पहले कभी मैंने वैसी कोई पोशाक नहीं देखी थी.

उनका चेहरा पहले से छोटा लग रहा था और आँखें पहले से ज्यादा बड़ी और घँसी हुई थीं; पर उनके बालों का सुनहरापन और भी गहरा हो उठा था. मेरे कपड़े उतार-

मेरी माँ

श्री गोर्की

एक रोज सनीचर के दिन बहुत सबरे मैं पेत्रोवना के सव्ची के खेत में बुलबुल पकड़ने के लिये जा घुसा। वहाँ मैं बहुत देर तक रहा, क्योंकि वे इतनी तेज थीं कि मेरे जाल में फँसती ही नहीं थीं। उनकी खूबसूरती ने मुझे बुरी तरह से लुभा लिया था। चाँदी से चमकते जमे हुए बर्फ पर वह फुदकती फिरतीं, और बर्फ से ढकी हुई माड़ियों की ढालों पर उड़कर जा बैठती थीं और बर्फ का दूधिया बुरादा सा चारों तरफ झड़ उठता था। यह सब मुझे इतना लुभावना लग रहा था कि मैं अपनी नाकामयाबी की परेशानी भूल गया। यों भी मैं शिकार के फन में उस्ताद नहीं था, क्योंकि दरअसल अपना शिकार पाने से ज्यादा मुझे उसके पीछे लगे फिरने में मजा आता था और सब से ज्यादा मजा चिड़ियों के तौर तरीके जानने और उनके बारे में सोचने समझने में मिलता था। बर्फ से ढके हुए एक खेत के किनारे अकेले बैठे बैठे, उस बर्फाली दिन के गहरे सन्नाटे में, चिड़ियों की चहचहाहट सुनने में मैं मस्त था कि किसी गाड़ी की घण्टियों की टुनटुनाहट मुझे दूर पर हलकी सी सुनाई दी, किसी पपीहे के दिलसाज गीत की तरह।

बर्फ पर बैठा बैठा मैं अकड़ सा गया था और मुझे लगा कि मेरे कान बर्फ के मारे जम से गये हैं। इसलिये जाल और पिंजड़ों को बटोरकर मैं दीवार पर चढ़ बाग़ाचे में कूद पड़ा और घर आ पहुँचा।

सड़क की तरफ का फाटक खुला पड़ा था और एक बहुत बड़ा, लम्बा चौड़ा आदमी मौज से सीटी बजाता, एक घड़ी सी बन्द गाड़ी में जुते हुए पसीने से तरबतर तीन घोड़ों की रास पकड़कर अहाते से बाहर लिये जा रहा था। मेरा दिल उछलने लगा।

“कैसे लेकर आए थे तुम ?”

उसने मेरी तरफ मुड़कर अपनी बाँहों के नीचे से मुझे देखा और कोचवान की गद्दी पर चढ़कर जवाब दिया—
“पादरी साहब को।”

॥ बचपन में ही वालिद के इन्तक़ाल हो जाने के बाद गोर्की अपनी बाल्दा के साथ नाना नानी के पास रहने लगा था। उसके नाना रंगरेज थे और बड़े अच्छे मिज़ाज के थे। गोर्की की माँ कुछ दिन ही वहाँ रहकर कहीं बाहर चली गईं और गोर्की अपनी प्यारी नानी के साथे में रहकर पलने लगा।

मेरी माँ

श्री गोर्की

एक रोज़ सलाज़र के दिन बहुत सबरे मुझे पेत्रोवना के सव्ची के खेत में बुलबुल पकड़ने के लिये जा घुसा। वहाँ मैं बहुत देर तक रहा, क्योंकि वे इतनी तेज थीं कि मेरे जाल में फँसती ही नहीं थीं। उनकी खूबसूरती ने मुझे बुरी तरह से लुभा लिया था। चाँदी से चमकते जमे हुए बर्फ पर वह फुदकती फिरतीं, और बर्फ से ढकी हुई माड़ियों की ढालों पर उड़कर जा बैठती थीं और बर्फ का दूधिया बुरादा सा चारों तरफ झड़ उठता था। यह सब मुझे इतना लुभावना लग रहा था कि मैं अपनी नाकामयाबी की परेशानी भूल गया। यों भी मैं शिकार के फन में उस्ताद नहीं था, क्योंकि दरअसल अपना शिकार पाने से ज्यादा मुझे उसके पीछे लगे फिरने में मजा आता था और सब से ज्यादा मजा चिड़ियों के तौर तरीके जानने और उनके बारे में सोचने समझने में मिलता था। बर्फ से ढके हुए एक खेत के किनारे अकेले बैठे बैठे, उस बर्फाली दिन के गहरे सन्नाटे में, चिड़ियों की चहचहाहट सुनने में मैं मस्त था कि किसी गाड़ी की घण्टियों की टुनटुनाहट मुझे दूर पर हलकी सी सुनाई दी, किसी पपीहे के दिलसाज गीत की तरह।

बर्फ पर बैठे बैठे मुझे अकड़ सा गया था और मुझे लगा कि मेरे कान बर्फ के मारे जम से गये हैं। इसलिये जाल और पिंजड़ों को बटोरकर मैं दीवार पर चढ़ बाग़ाचे में कूद पड़ा और घर आ पहुँचा।

सड़क की तरफ का फाटक खुला पड़ा था और एक बहुत बड़ा, लम्बा चौड़ा आदमी मौज से सीटी बजाता, एक घड़ी सी बन्द गाड़ी में जुते हुए पसीने से तरबतर तीन घोड़ों की रास पकड़कर अहाते से बाहर लिये जा रहा था। मेरा दिल उछलने लगा।

“कैसे लेकर आए थे तुम ?”

उसने मेरी तरफ मुड़कर अपनी बाँहों के नीचे से मुझे देखा और कोचवान की गद्दी पर चढ़कर जवाब दिया—
“पादरी साहब को।”

॥ बचपन में ही वालिद के इन्तक़ाल हो जाने के बाद गोर्की अपनी बाल्दा के साथ नाना नानी के पास रहने लगा था। उसके नाना रंगरेज थे और बड़े अच्छे मिज़ाज के थे। गोर्की की माँ कुछ दिन ही वहाँ रहकर कहीं बाहर चली गईं और गोर्की अपनी प्यारी नानी के साथे में रहकर पलने लगा।

کے تئیں پر انگلینڈ میں جیو ایڈورڈ چہم کے نام پر حکمران کرتا تھا اس نے حکم دے دیا کہ تمام انگریزی قوم پروٹیسٹنٹ مذہب کو مانے اور سارا انگلستان پروٹیسٹنٹ ہو گیا۔ اس کے بعد ملکہ مری تخت پر بیٹھی اور گویا کسی نے جادو کر دیا۔ فوراً تمام انگلستان کے لوگ پھر سے رومن کیتھولک ہو گئے۔ ملکہ مری اور پھر پھر گھوم گیا۔ سارا انگلستان اب ایکلین مذہب کا ماننے والا ہو گیا۔ آج کل ہم اس بات کے مسلمہ کے بہت عادی ہو گئے ہیں کہ راج یا بادشاہ رعایا کے مذہب میں کوئی دخل نہیں دیتا۔ لیکن مغل اور اس کے وارث آج کل بھی دنیا کو اس طرح کی آزادی دینے کو تیار نہیں ہیں۔ سولہویں اور سترہویں صدی میں دنیا کے ہر ملک کے اندر راج کو اس سے گہرا نفاق ہوتا تھا کہ رعایا کس مذہب کو مانتی ہے۔ لیکن ہندوستان میں مغل بادشاہوں نے اپنی رعایا کے مذہبی وشوئیں میں دخل نہیں دیا اور اس معاملے میں رعایا کو آزاد چھوڑ دیا تھا اور اس بات میں مغل بادشاہ اپنے زمانے کے لحاظ سے اپنی ایک الگ مثال تھے۔ سولہویں صدی عیسوی میں ایک دوسرے کے بعد انگلینڈ کے کئی بادشاہوں نے ایکٹس آف سپریمسی اور ایکٹس آف یونیفارمٹی نام کے قانون پاس کر کے زبردستی یہ حکم دے دیا کہ انگلینڈ کے لوگوں رومن کیتھولک اپنے مذہب کو چھوڑ کر اپنے گرجوں میں بادشاہ کے مذہب یعنی پروٹیسٹنٹ مذہب کی لکھی ہوئی دعائیں ہی پڑھا کرے اور ہر مذہبی بات میں سب سے بڑے پرومٹ پوپ کے بجائے پروٹیسٹنٹ بادشاہی حکم مانیں۔ اس شامی فرمان کے تحت ماننے پر ہزاروں رومن کیتھولک پادریوں کو کڑی سزائیں دے گئیں۔ اس طرح سن 1562 عیسوی میں انگلینڈ میں راج کی طرف سے انٹالیس مذہبی اصولوں کی ایک فہرست قانون کی شکل میں پاس کر دی گئی اور ان میں سے ہر اصول کا ماننا ملک کے ہر ایک آدمی کا قانونی فرض بنا دیا گیا۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اس وقت تک انگلینڈ کے مختلف ضلعوں میں پچاس فیصدی سے لے کر تیس فیصدی تک آبادی رومن کیتھولک تھی۔ ان سب کو زبردستی اپنا مذہب چھوڑ کر اس وقت کے بادشاہ کا مذہب ماننا پڑا۔ مغل بادشاہوں نے کبھی اس طرح کے کوئی قانون جاری نہیں کئے۔ اور اپنی رعایا کی بہت بڑی تعداد کو جو غیر مسلم تھے مذہب کے معاملے میں پوری طرح آزاد رکھا۔ مسلمانوں کے لئے بھی کسی مغل بادشاہ نے یا نو اسلام چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنے والوں کو کبھی کوئی سزا دے دی یا زیادہ سے زیادہ یہ حکم دے دیا کہ عام رہن مہن میں مسلمان ایک خاص آویزی طریقہ کی پابندی کریں، مثلاً یہ کہ لوگ شراب نہ پیئیں، وغیرہ۔

کے تئیں پر انگلینڈ میں جیو ایڈورڈ چہم کے نام پر حکمران کرتا تھا اس نے حکم دے دیا کہ تمام انگریزی قوم پروٹیسٹنٹ مذہب کو مانے اور سارا انگلستان پروٹیسٹنٹ ہو گیا۔ اس کے بعد ملکہ مری تخت پر بیٹھی اور گویا کسی نے جادو کر دیا۔ فوراً تمام انگلستان کے لوگ پھر سے رومن کیتھولک ہو گئے۔ ملکہ مری اور پھر پھر گھوم گیا۔ سارا انگلستان اب ایکلین مذہب کا ماننے والا ہو گیا۔ آج کل ہم اس بات کے مسلمہ کے بہت عادی ہو گئے ہیں کہ راج یا بادشاہ رعایا کے مذہب میں کوئی دخل نہیں دیتا۔ لیکن مغل اور اس کے وارث آج کل بھی دنیا کو اس طرح کی آزادی دینے کو تیار نہیں ہیں۔ سولہویں اور سترہویں صدی میں دنیا کے ہر ملک کے اندر راج کو اس سے گہرا نفاق ہوتا تھا کہ رعایا کس مذہب کو مانتی ہے۔ لیکن ہندوستان میں مغل بادشاہوں نے اپنی رعایا کے مذہبی وشوئیں میں دخل نہیں دیا اور اس معاملے میں رعایا کو آزاد چھوڑ دیا تھا اور اس بات میں مغل بادشاہ اپنے زمانے کے لحاظ سے اپنی ایک الگ مثال تھے۔ سولہویں صدی عیسوی میں ایک دوسرے کے بعد انگلینڈ کے کئی بادشاہوں نے ایکٹس آف سپریمسی اور ایکٹس آف یونیفارمٹی نام کے قانون پاس کر کے زبردستی یہ حکم دے دیا کہ انگلینڈ کے لوگوں رومن کیتھولک اپنے مذہب کو چھوڑ کر اپنے گرجوں میں بادشاہ کے مذہب یعنی پروٹیسٹنٹ مذہب کی لکھی ہوئی دعائیں ہی پڑھا کرے اور ہر مذہبی بات میں سب سے بڑے پرومٹ پوپ کے بجائے پروٹیسٹنٹ بادشاہی حکم مانیں۔ اس شامی فرمان کے تحت ماننے پر ہزاروں رومن کیتھولک پادریوں کو کڑی سزائیں دے گئیں۔ اس طرح سن 1562 عیسوی میں انگلینڈ میں راج کی طرف سے انٹالیس مذہبی اصولوں کی ایک فہرست قانون کی شکل میں پاس کر دی گئی اور ان میں سے ہر اصول کا ماننا ملک کے ہر ایک آدمی کا قانونی فرض بنا دیا گیا۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اس وقت تک انگلینڈ کے مختلف ضلعوں میں پچاس فیصدی سے لے کر تیس فیصدی تک آبادی رومن کیتھولک تھی۔ ان سب کو زبردستی اپنا مذہب چھوڑ کر اس وقت کے بادشاہ کا مذہب ماننا پڑا۔ مغل بادشاہوں نے کبھی اس طرح کے کوئی قانون جاری نہیں کئے۔ اور اپنی رعایا کی بہت بڑی تعداد کو جو غیر مسلم تھے مذہب کے معاملے میں پوری طرح آزاد رکھا۔ مسلمانوں کے لئے بھی کسی مغل بادشاہ نے یا نو اسلام چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنے والوں کو کبھی کوئی سزا دے دی یا زیادہ سے زیادہ یہ حکم دے دیا کہ عام رہن مہن میں مسلمان ایک خاص آویزی طریقہ کی پابندی کریں، مثلاً یہ کہ لوگ شراب نہ پیئیں، وغیرہ۔

کو ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ اس وقت وہ خود دنیا بھر میں سب سے بڑا حاکم تھا۔ اپنے کو خلیفہ کا نائب ماننے سے کچھ دنوں تک یہاں کے بادشاہوں کا کام ضرور چل گیا لیکن اس سے اس بات کا کوئی قاعدہ نہ بن پایا کہ ایک بادشاہ کے بعد تخت کا حقدار کون اور کیسے ہو۔ اس بارے میں نہ کوئی قانون تھا اور نہ پرانے بادشاہوں کے عمل سے کوئی مدد مل سکتی تھی۔ فدرتی نتیجہ یہ تھا کہ قریب درپرب بادشاہوں کے مرنے کے وقت تخت کے لئے خاصی گرما گرمی اور بھاگ دوڑ دیکھائی دیتی تھی۔ جس وقت باہر موت نے بستر پر پڑا ہوا تھا اس کا وزیراعظم اس فکر اور ساروش میں لگا ہوا تھا کہ ہماریوں کو کسی طرح تخت سے الگ کیا جاوے۔ ہماریوں کی موت اتنی اچانک ہوئی اور ہندوستان میں مغلوں کی حالت اس وقت اتنی نازک تھی کہ اس وقت تخت کے لئے زیادہ جھگڑا نہ ہو پایا۔ انہر کی موت کے بعد جہانگیر تخت پر بیٹھا لیکن جہانگیر کے سب سے بڑے بیٹے خسرو نے اپنے باپ کے اس حق کے خلاف ہاتھ پیر مارے۔ جہانگیر کی حکومت کے آخری دنوں میں تخت کے لئے طرح طرح کی بدی سازشیں ہوئیں۔ جہانگیر کے مرنے کے وقت شاہ جہاں دن میں تھا اس لئے شاہ جہاں کے لئے تخت کو ہمار رکھنے کی بڑی سے بدقسمت ہلاقی کو چلا گیا۔ شاہجہاں کے پہنچنے ہی لائی مار ڈالا گیا اور تخت کے دوسرے دعویداروں کے خون میں سے اپنا راستہ بنا کر شاہ جہاں کے تخت پر بیٹھا۔ اور تکریب نے شاہجہاں سے بدلہ چکایا۔ اس نے شاہجہاں کو قید کر کے شاہجہاں کی زندگی میں شاہ جہاں کے نام پر نہیں بلکہ خود اپنے نام پر بادشاہت کرنی شروع کی۔ اس سب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے کے بارے میں مسلمانوں میں جو عام خیال تھا اسی سے ملتا جلتا مغلوں کا عمل تھا۔ یہ بات نہیں ہی کہ ایک بادشاہ کے بعد دوسرے کو گدی ملنے کا کوئی مانا ہوا قانون یا رواج رہا ہو اور کسی نے زیردستی ہزاوت کر کے سے تڑا ہو بلکہ جو نیچہ ہوتا تھا وہ ایک معمولی چیز تھی اور اس لئے ہوتا تھا کہ اس معاملے میں کوئی خاص قانون پہلے سے نہیں تھا۔

یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ مغل بادشاہوں نے رعایا کو اپنی مرضی کے مطابق آزاد زندگی بسر کرنے کی بہت بڑی آزادی دے رکھی تھی۔ اس میں بادشاہ کوئی دخل نہ دیتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں وہ بادشاہ بھی جو بالکل خود مختار تھے اور وہ بھی جن کے یہاں پارلامینٹ بنی ہوئی تھی، دونوں اپنی اپنی رعایا کو صاف صاف یہ حکم دیتے تھے کہ رعایا اس خاص قسم کے مذہبی عقیدوں (وشواسوں) کو مانے اور اس کے خلاف کسی دوسرے عقیدوں کو نہ مانے۔ مثال

یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ مغل بادشاہوں نے رعایا کو اپنی مرضی کے مطابق آزاد زندگی بسر کرنے کی بہت بڑی آزادی دے رکھی تھی۔ اس میں بادشاہ کوئی دخل نہ دیتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں وہ بادشاہ بھی جو بالکل خود مختار تھے اور وہ بھی جن کے یہاں پارلامینٹ بنی ہوئی تھی، دونوں اپنی اپنی رعایا کو صاف صاف یہ حکم دیتے تھے کہ رعایا اس خاص قسم کے مذہبی عقیدوں (وشواسوں) کو مانے اور اس کے خلاف کسی دوسرے عقیدوں کو نہ مانے۔ مثال

ہندوستان سے کام کر رہا تھا، لیکن اسلام سے اسے کیا چاہتا ہے اس کا وہ خود فیصلہ کرتا تھا۔ مغل راج میں ایک ایسی شخصیت حکومت تھی جس میں اصول کے طور پر بھی اور عملی طور پر بھی لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق آزاد زندگی بسر کرنے کا ایک بہت بڑا میدان چھوڑا ہوا تھا۔

لیکن اس بارے میں ایک بات یاد رکھنی چاہئے۔ وہ باتوں میں مغل بادشاہ کے اختیارات بندھے ہوئے تھے۔ پھر بھی اگر مغل بادشاہ ان حدود سے بڑے جانے کا فیصلہ کر لیتا تھا تو راج کے طور طریقوں میں پارلیمنٹ یا اسمبلی یا کونسل جیسی کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جو بادشاہ کو ایسا کرنے سے روک سکے۔ بادشاہ کی کسی پالیسی کے ساتھ اپنی ناکامی ظاہر کرنے کا رعبا کے پاس صرف ایک طریقہ تھا اور وہ تھا بغاوت کرنے کا طریقہ۔ وہ طریقہ ان دنوں ہمیشہ ٹھیک طریقہ مانا جاتا تھا۔ مثلاً اس زمانے میں انگریزوں کے بادشاہ کے خلاف اس طرح کی بغاوت ایک مذہبی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں یہ بات نہیں تھی۔ اس کے علاوہ شروع شروع کے مسلمان قانون میں بادشاہ کے بارے میں کوئی ایسا قاعدہ نہیں تھا کہ کسی بادشاہ کے بعد کسی اس کے لئے ہی کو ملے۔ شروع کے مسلمان بادشاہوں نے اپنے عمل میں بھی اس طرح کا کوئی قاعدہ نہیں مانا۔ یہ صحیح ہے کہ شیعوں نے اس طرح کا دعویٰ کیا تھا اور اسی وجہ سے شیعوں اور سنیوں میں فرق پڑ گیا۔ مصر میں خلیفہ ہی مسلمانوں کا حاکم ہوتا تھا۔ خلیفہ کو مسلمان اپنے میں سے چنتے تھے۔ شیعوں کو چہرے کر تھے اور حدیث میں کسی نے بھی پیغمبر کو باپ کی گدی پر بیٹھنے کے حق یا اصول کو نہیں مانا۔ یہاں تک کہ بادشاہت کے معاملے میں مسلمانوں میں کوئی خاص قانون ایک کے بعد دوسرے کے گدی پر بیٹھنے کا ہے ہی نہیں۔ بادشاہت کے لئے کسی انسان کا ذاتی حق اسلام نہیں مانتا۔ اسلام کے مطابق بادشاہت کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی اور نہ کسی کی بدولت ہو سکتی ہے۔ قدرتی طور پر تخت کا کون حقدار ہے اور کون نہیں؟ اس پر نہ کسی قانون کی ضرورت تھی اور نہ کوئی قانون مانا جاسکتا تھا۔ ہندوستان میں شروع کے مسلمان بادشاہوں نے اس مشکل کام کو اس طرح حل کیا کہ انہوں نے کم سے کم کہنے کے لئے اپنے کو خود مختار بادشاہ نہیں مانا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اپنے کسی ذاتی حق سے بادشاہت نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس دوسرے بیٹھے ہوئے مسلم بادشاہ کے مقرر کردہ افسر یا نائب کی حیثیت سے کم کر رہے ہیں جو اپنے کو خلیفہ کہتا ہے۔ باہر اور اس کے بعد کے بادشاہوں نے اس لئے اس پرانی نرہی رسم

حیثیت سے کام کر رہا ہوں، لیکن اسلام اس سے کیا چاہتا ہے اس کا وہ خود فیصلہ کرتا تھا۔ مغل راج میں ایک ایسی شخصیت حکومت تھی جس میں اصول کے طور پر بھی اور عملی طور پر بھی لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق آزاد زندگی بسر کرنے کا ایک بہت بڑا میدان چھوڑا ہوا تھا۔

لیکن اس بارے میں ایک بات یاد رکھنی چاہئے۔ کئی باتوں میں مغل بادشاہ کے اختیارات بندھے ہوئے تھے۔ پھر بھی اگر کوئی بادشاہ ان حدود سے بڑے جانے کا فیصلہ کر لیتا تھا تو راج کے طور طریقوں میں پارلیمنٹ یا اسمبلی یا کونسل جیسی کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جو بادشاہ کو ایسا کرنے سے روک سکے۔ بادشاہ کی کسی پالیسی کے ساتھ اپنی ناکامی ظاہر کرنے کا رعبا کے پاس صرف ایک طریقہ تھا اور وہ تھا بغاوت کرنے کا طریقہ۔ وہ طریقہ ان دنوں ہمیشہ ٹھیک طریقہ مانا جاتا تھا۔ مثلاً اس زمانے میں انگریزوں کے بادشاہ کے خلاف اس طرح کی بغاوت ایک مذہبی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں یہ بات نہیں تھی۔ اس کے علاوہ شروع شروع کے مسلمان قانون میں بادشاہ کے بارے میں کوئی ایسا قاعدہ نہیں تھا کہ کسی بادشاہ کے بعد کسی اس کے لئے ہی کو ملے۔ شروع کے مسلمان بادشاہوں نے اپنے عمل میں بھی اس طرح کا کوئی قاعدہ نہیں مانا۔ یہ صحیح ہے کہ شیعوں نے اس طرح کا دعویٰ کیا تھا اور اسی وجہ سے شیعوں اور سنیوں میں فرق پڑ گیا۔ مصر میں خلیفہ ہی مسلمانوں کا حاکم ہوتا تھا۔ خلیفہ کو مسلمان اپنے میں سے چنتے تھے۔ شیعوں کو چہرے کر تھے اور حدیث میں کسی نے بھی پیغمبر کو باپ کی گدی پر بیٹھنے کے حق یا اصول کو نہیں مانا۔ یہاں تک کہ بادشاہت کے معاملے میں مسلمانوں میں کوئی خاص قانون ایک کے بعد دوسرے کے گدی پر بیٹھنے کا ہے ہی نہیں۔ بادشاہت کے لئے کسی انسان کا ذاتی حق اسلام نہیں مانتا۔ اسلام کے مطابق بادشاہت کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی اور نہ کسی کی بدولت ہو سکتی ہے۔ قدرتی طور پر تخت کا کون حقدار ہے اور کون نہیں؟ اس پر نہ کسی قانون کی ضرورت تھی اور نہ کوئی قانون مانا جاسکتا تھا۔ ہندوستان میں شروع کے مسلمان بادشاہوں نے اس مشکل کام کو اس طرح حل کیا کہ انہوں نے کم سے کم کہنے کے لئے اپنے کو خود مختار بادشاہ نہیں مانا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اپنے کسی ذاتی حق سے بادشاہت نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس دوسرے بیٹھے ہوئے مسلم بادشاہ کے مقرر کردہ افسر یا نائب کی حیثیت سے کم کر رہے ہیں جو اپنے کو خلیفہ کہتا ہے۔ باہر اور اس کے بعد کے بادشاہوں نے اس لئے اس پرانی نرہی رسم

باتوں میں مغل بادشاہ اسلام کے ایجنٹوں کی तरह بھی کام کرتے تھے۔ یہاں ایک اصول کی بات ہے۔ مغل بادشاہ اور سب سے زیادہ اورنگزب اسلام کے ایجنٹ سے زیادہ اور کچھ نہ تھے۔ اور اس بات کے کہلے میں نظر کرتا تھا کہ میری فتحوں سے اسلام کے اصول دور دور تک پہنچائے گئے ہیں اور اسلام کے پیغمبر کا حکم ان ملکوں تک پہنچتا ہے جہاں پہلے کبھی پیغمبر کا نام ہی نہیں سنایا گیا تھا۔

جہانگیر اور شاہجہاں دونوں اپنے کو سچے دین کے رक्षک मानتے تھے اور دین کے جایز حکم کا خیال رکھتے تھے۔ اورنگزب کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ کم سے کم باہر کے رہن سہن میں غیر مسلمانوں میں بھی اسلام رخن سہن کو بڑھایا جائے۔ ساتھ ہی اورنگزب کو بھی اس معاملے میں عیسائیوں کے ساتھ یہ رعایت کرنی پڑی تھی۔ انہیں شراب پینے کی اجازت دے گئی تھی جب کہ باقی تمام رعایا کے لئے شراب پینا قانوناً منع تھا۔ لیکن اسلامی حکومت کے وہ اصول جو خاص کر قرآن پر نہیں بلکہ بعد کے مسلم بادشاہوں کے رواجوں اور اہل ان کے غیر مسلم بادشاہوں کی رعایتوں پر ڈھال لئے گئے تھے آسانی سے ہندوستان میں نہ چل سکتے تھے۔ ایک سوال یہ تھا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے، یا دارالحرب۔ دارالاسلام کے معنے ہیں مسلمانوں کا گھر اور دارالحرب کے معنے ہیں مسلمانوں کے حملے کی جگہ۔ اس طرح کے سیدھے سادے معاملے میں بھی اورنگزب جیسے بادشاہ کے لئے بھی ان مسلم رواجوں کو جو ہندوستان کے باہر چلتے تھے ہندوستان میں جاری کرنا ناممکن تھا۔ اس سے پہلے کے ہندوستان کے مسلم بادشاہوں نے کبھی کبھی مسلم شرع یا مسلم رواج کے خلاف عمل کر لے کی بھی ہمت نہ کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے ہندوستان آئے کے شروع کے دنوں میں ہی یہ بات سمجھ لی گئی تھی کہ تمام ہندوستان کو اسلام کا ایڈمنسٹریشن ہے۔ یہ معاملہ یہیں پر رہ گیا اور اس کی بجائے ہندوستان کے اندر اسلامی قانون اور اسلامی رواج میں کتنی تبدیلیاں کرنی پڑیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اصول بالکل ختم ہو گیا کہ ہندوستان میں یہاں کے مسلمان بادشاہ مذہب اسلام کے متحضر ایجنٹ بن کر حکومت کریں۔

اب ہم پھر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مغلوں کی حکومت کا قیام کیا تھا۔ مغل حکومت یعنی شخصی حکومت یعنی ایک آدمی کی حکومت تو تھی ہی لیکن وہ ایک حد کے اندر ہی شخصی حکومت تھی۔ بادشاہ عام طور پر بہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں اسلام کے ایک ایجنٹ کی

باتوں میں مغل بادشاہ اسلام کے ایجنٹوں کی طرح بھی کام کرتے تھے۔ یہاں ایک اصول کی بات ہے۔ مغل بادشاہ اور سب سے زیادہ اورنگزب اسلام کے ایجنٹ سے زیادہ اور کچھ نہ تھے۔ اور اس بات کے کہلے میں نظر کرتا تھا کہ میری فتحوں سے اسلام کے اصول دور دور تک پہنچائے گئے ہیں اور اسلام کے پیغمبر کا حکم ان ملکوں تک پہنچتا ہے جہاں پہلے کبھی پیغمبر کا نام ہی نہیں سنایا گیا تھا۔

جہانگیر اور شاہجہاں دونوں اپنے کو سچے دین کے رक्षک ماننے تھے اور دین کے حُر حق کا خیال رکھتے تھے۔ اورنگزب کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ کم سے کم باہر کے رہن سہن میں غیر مسلمانوں میں بھی اسلام رخن سہن کو بڑھایا جائے۔ ساتھ ہی اورنگزب کو بھی اس معاملے میں عیسائیوں کے ساتھ یہ رعایت کرنی پڑی تھی۔ انہیں شراب پینے کی اجازت دے گئی تھی جب کہ باقی تمام رعایا کے لئے شراب پینا قانوناً منع تھا۔ لیکن اسلامی حکومت کے وہ اصول جو خاص کر قرآن پر نہیں بلکہ بعد کے مسلم بادشاہوں کے رواجوں اور اہل ان کے غیر مسلم بادشاہوں کی رعایتوں پر ڈھال لئے گئے تھے آسانی سے ہندوستان میں نہ چل سکتے تھے۔ ایک سوال یہ تھا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے، یا دارالحرب۔ دارالاسلام کے معنے ہیں مسلمانوں کا گھر اور دارالحرب کے معنے ہیں مسلمانوں کے حملے کی جگہ۔ اس طرح کے سیدھے سادے معاملے میں بھی اورنگزب جیسے بادشاہ کے لئے بھی ان مسلم رواجوں کو جو ہندوستان کے باہر چلتے تھے ہندوستان میں جاری کرنا ناممکن تھا۔ اس سے پہلے کے ہندوستان کے مسلم بادشاہوں نے کبھی کبھی مسلم شرع یا مسلم رواج کے خلاف عمل کر لے کی بھی ہمت نہ کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے ہندوستان آئے کے شروع کے دنوں میں ہی یہ بات سمجھ لی گئی تھی کہ تمام ہندوستان کو اسلام کا ایڈمنسٹریشن ہے۔ یہ معاملہ یہیں پر رہ گیا اور اس کی بجائے ہندوستان کے اندر اسلامی قانون اور اسلامی رواج میں کتنی تبدیلیاں کرنی پڑیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اصول بالکل ختم ہو گیا کہ ہندوستان میں یہاں کے مسلمان بادشاہ مذہب اسلام کے متحضر ایجنٹ بن کر حکومت کریں۔

اب ہم پھر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مغلوں کی حکومت کا قیام کیا تھا۔ مغل حکومت یعنی شخصی حکومت یعنی ایک آدمی کی حکومت تو تھی ہی لیکن وہ ایک حد کے اندر ہی شخصی حکومت تھی۔ بادشاہ عام طور پر بہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں اسلام کے ایک ایجنٹ کی

لیا تھا۔ سدھولسدر راج کا خاں خاں تھا۔ شاہد ملوک ہرے میں وہ شہر کا سب سے بڑا جاننے والا سمجھا جاتا تھا اور ممکن ہے کہ شروع پر سب سے زیادہ واقف ہی ہو۔ سب مل بادشاہوں نے شروع کا مطلب اعلان کرنے کا پورا حق صدر کو دے رکھا تھا۔ صرف اکثر نے یہ حق اپنے ہاتھ میں لیا تھا کہ جب کبھی عام لوگوں کی رائے نہ ملتی تھی تو بادشاہ عادل کی حیثیت سے خود ان میں سے جس رائے کو ٹھیک سمجھتے اسی پر عمل کرتے۔ لیکن اس اعلان پر بھی اکثر اُس وقت تک عمل نہ کر سکا جب تک اُس نے اپنے درجے صدر الصدور کو نکال کر اُس کی جگہ دوسرا صدر مقرر نہ کر لیا۔ عبداللہی کو نکال کر اُس کی جگہ صدر جہاں کو مقرر کیا گیا۔ علمائوں کے فتوے کا اعلان بھی تب تک نہیں ہو سکا جب تک کہ صدر الصدور نے خاص کر دستخط نہیں کر دیا۔ یہ ایک عجیب صورت تھی۔ صدر الصدور جب تک صدر الصدور رہتا تھا تب تک صرف اُسے ہی یہ اعلان کرنے کا حق تھا کہ شروع کا حکم کیا ہے۔ لیکن بادشاہ صدر کو مقرر اور برخاست کر سکتا تھا۔ وہ بادشاہ کے ماتحت نہ تھا بلکہ بادشاہ اُسے نکال سکتا تھا۔ اورنگزیب کے تخت پر بیٹھنے کے وقت اس کی بہت اچھی مثال دیکھنے کو ملی۔ صدر الصدور نے شاہجہاں کے زندہ رہتے ہوئے اورنگزیب کو بادشاہ قرار دینے سے انکار کر دیا۔ اورنگزیب کو اُسے برخاست کر کے دوسرا صدر مقرر کرنا پڑا۔ اس دوسرے صدر نے پہلے ہی سے یہ رائے ظاہر کر دی تھی کہ چونکہ شاہجہاں قید میں ہوئے کی وجہ سے کام کرنے کے قابل نہیں اس لئے اُس کے زندہ رہتے ہوئے بھی اورنگزیب کے نام کا خطبہ پڑھا جاسکتا ہے۔ اس طرح مغلیہ بادشاہوں کے لئے اپنے کسی کام کو ٹھیک ثابت کرنے کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی ایسا عالم قہرندہ لیں جو صدر الصدور بن کر بادشاہ کے کام کو جائز قرار دے سکے۔ اورنگزیب کے زمانے میں ایک اور طرح سے یہ چمک گیا کہ شروع کے معاملے میں بادشاہ کس طرح دوسرے کے ماتحت تھا۔ کچھ افسر اس کام کے لئے مقرر تھے جو رعایا کو اجازت دیتے تھے کہ وہ اگر بادشاہ کے خلاف کوئی نالہ کرنا چاہیں تو کر سکیں۔ یہ افسر واقعہ شروع کہتے تھے۔ یہ مقدمہ بادشاہ کے خلاف اُس طرح کے ذاتی معاملوں میں دائر تھے جاسکتے تھے جس طرح کہ انگریزی قانون میں پیٹنٹس آف رائٹ کے ماتحت دائر کیا جاتا تھا۔ اورنگزیب ہی حکومت کی پالیسی سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ کوئی اُس کے مطابق ملک کے راج کاج میں دخل دے سکتا تھا۔

مغل سلطنت مذہبی سلطنت نہ تھی بلکہ کئی

جان بھڑا دینے کے بجائے اسے کافی کے پاس حکم کے لئے بھیج دیا۔ اورنگزیب کا زمانہ مسلمانوں کے پورے زور کا زمانہ تھا اور اورنگزیب خوشی سے مسلمانوں کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیتا تھا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مثل راج مذہبی راج تھا۔ مثل راج سے پہلے کے پہلے شروع زمانے کے مسام بادشہوں کا عمل چاہے کیسا بھی رہا ہو مثلوں کی حکومت اسلامی یا مذہبی نہیں کہی جاسکتی۔ مذہبی حکومت کا مطلب یہ ہے کہ حکومت یعنی سرکار پروردہوں، پادریوں یا ملاؤں کے ماتحت ہو۔ اسلام نے عیسائی چرچ کی طرح کوئی مسلم ملاؤں کا اجتماع نہیں کھڑا کیا۔ اسلام میں کوئی بھی کوئی خاص پروردہ یعنی مذہبی رسمیں ادا کرنے والی کوئی خاص جماعت نہیں رہی۔ مذہبی طور پر اسلام میں کوئی بھی کوئی خاص چھوٹے بڑے پروردہ یا پادری نہیں ہوتے۔ اس لئے مضمون میں مذہبی حکومت مسام راج میں ہو ہی نہیں سکتی تھی جب کہ کسی کو کسی وقت بھی شرع کا ایک ایسا مطلب بتا دینے کا حق نہیں تھا جس میں غلطی نہ ہو سکے۔ مسلمانوں میں خلیفہ ہوتے ہیں۔ کوئی بھی ایک ساتھ ایک سے زیادہ ہوئی خلیفہ ہوتے ہیں۔ لیکن خلیفہ ان معنوں میں مسلمانوں کا روحانی حاکم نہیں ہوتا تھا جن معنوں میں ابھی تک پوپ کہیتولک عیسائیوں کا روحانی حاکم ہے۔ جس طرح پوپ کو عیسائی دہرم کے معاملوں میں اس طرح کے حکم جاری کرنے کا حق ہے جن کا ماننا ہر عیسائی کا فرض ہے اس طرح خلیفہ کو بھی عام مسلمانوں کے لئے حکم جاری کرنے کا حق حاصل نہیں ہوا۔ اسلام ابھی تک مذہبی معاملوں میں صرف ایک ہی چیز کے سند ماننا ہے اور وہ ہے رسول کی حدیثیں اور صحابہ کی زندگی کے واقعات کی روشنی میں قرآن کا حکم۔ اس میں صرف ایک تبدیلی مان لی گئی تھی۔ وہ یہ کہ تمام مسلم دنیا مل کر جس چیز کو جائز کہہ دے وہ جائز ہے۔

جب کہ سب جگہ اسلام کی صورت یہ تھی تو ہندوستان میں اور خاص کر مثل ہندوستان میں تو یہ اور بھی زیادہ ضروری تھی۔ اس ملک میں ہندوستان کی آبادی کے ایک بہت بڑے حصے کے ساتھ اسلام کو شروع سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جس ملک میں آبادی کے اتنے بڑے حصے کو بڑے بڑے معاملوں میں ان کے اپنے قانون کے ماتحت چھوڑ دیا گیا تھا وہاں اسلام کی کوئی مذہبی حکومت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس معاملے میں اورنگزیب نے بھی کوئی تبدیلی کرنے کی کوشش نہیں کی۔

لیکن ایک بات ایسی تھی کہ جس میں مثل راج نے ایک مذہبی راہ کے اختیار کو بہت درجہ تک مان

لیکن ایک بات ایسی تھی کہ جس میں مثل راج نے ایک مذہبی راہ کے اختیار کو بہت درجہ تک مان

لیکن ایک بات ایسی تھی کہ جس میں مثل راج نے ایک مذہبی راہ کے اختیار کو بہت درجہ تک مان

لیکن ایک بات ایسی تھی کہ جس میں مثل راج نے ایک مذہبی راہ کے اختیار کو بہت درجہ تک مان

لیکن ایک بات ایسی تھی کہ جس میں مثل راج نے ایک مذہبی راہ کے اختیار کو بہت درجہ تک مان

کیا جاتا تھا کہ جو مسلمان مذہبی جرم کریگا یعنی اپنے کسی مذہبی فرض کو پورا نہیں کرے گا اُس پر خاص حالتوں میں شرع کے مطابق مقدمہ نہیں چلایا جائیگا۔ انہی پرنا ہے کہ مغل بادشاہوں نے اِس معاملے میں لوگوں کو کافی رعایت دے دی تھی۔ بعض لوگ سمجھتے ہوں کہ اِس کی پہل اکبر نے کی تھی لیکن یہ غلط ہے۔ اکبر سے پہلے علاؤ الدین اور محمد تغلق اِسی طرح کا آزاد تختہ اختیار کر چکے تھے۔ اکبر نے خود اپنے سلطان عادل یا امام عادل ہونے کا جو فرمان علمائوں کو جمع کر کے اُن سے جاری کرایا تھا جس کے مطابق علمائوں کی ایک دوسرے کے خلاف دو رائیوں میں کسی ایک کو ٹھیک اعلان کر دینے کا اکبر کو حق مل گیا تھا، جیسے یورپ والے غلطی سے ”انفالٹہ بلیٹی ذکری“ یعنی ”ہاشاہ کی معصومیت کا فرمان“ کہتے ہوں، وہ ہی اصل میں مسلم شرع کو بدلنے والی چیز نہیں تھی بلکہ ایک درجے تک مسلمانوں کو تسلی دینے والی چیز تھی۔ علاؤ الدین نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ ”میں شرع کا قانون نہیں مانتا اور اِس لئے جو میرا دل کہتا ہے وہی کرنا ہوں۔“ اِس کے خلاف اکبر کا بھی کہنا تھا کہ ”میں جو کرنا میں شرع کے مطابق کرنا ہوں۔ صرف شرع کے جائزہ والے مختلف عالموں کو دو انگ الگ رائے ایک دوسرے کے خلاف موجود ہوں ان میں سے میں کسی ایک رائے کو جن لیتا ہوں۔“ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاں تک اصول کی بات ہے اکبر نے بھی شرع کو بدلنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ عدل میں اُس نے شرع کے کچھ حکموں کی پروا نہیں کی اور اُس کا عمل دسی بات میں شرع کے خلاف رہا۔

اورنگزیب نے شرع کے بدلنے کے اِس حق سے بالکل ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ بار بار دیکھتے ہیں اُنہی نے کہ اورنگزیب نہ صرف دیوانی اور فوجداری کے معاملے میں ہی شرع کے عالموں کی رائے لیتا تھا بلکہ سرکاری نوکس گالے کے معاملے، تجارت اور بیوپار کے فائدے قانون بنانے میں بھی وہ اثر شرع کا حکم دیکھتا تھا۔ احمد آباد میں کچھ لوگوں نے تار بنانے کا کام اپنے ہی ہاتھوں میں لے رکھا تھا۔ اورنگزیب نے عالموں سے صلاح کو اِس اجارے کو توڑ دیا اور سب کو تار بنانے اور بیچنے کی اجازت دے دی۔ ایک مرتبہ اورنگزیب نے غلہ وغیرہ کا نرخ باندھ دینا چاہا لیکن جیسے ہی اُسے معلوم ہوا کہ ایسا شرع کے خلاف ہے اُس نے اپنی کوشش بند کر دی۔ اُسے کسی کے مسلمان ہونے پر خوشی ہوتی تھی لیکن پھر بھی ایک مرتبہ جب کسی آدمی نے جسے قتل کے معاملے میں موت کی سزا دی گئی تھی، مسلمان ہو جانے اور جان بخشوانے کی خواہش ظاہر کی تو اورنگزیب نے اُس کی

اورنگزیب نے شرع کے بدلنے کے اِس حق سے بالکل ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ بار بار دیکھتے ہیں اُنہی نے کہ اورنگزیب نہ صرف دیوانی اور فوجداری کے معاملے میں ہی شرع کے عالموں کی رائے لیتا تھا بلکہ سرکاری نوکس گالے کے معاملے، تجارت اور بیوپار کے فائدے قانون بنانے میں بھی وہ اثر شرع کا حکم دیکھتا تھا۔ احمد آباد میں کچھ لوگوں نے تار بنانے کا کام اپنے ہی ہاتھوں میں لے رکھا تھا۔ اورنگزیب نے عالموں سے صلاح کو اِس اجارے کو توڑ دیا اور سب کو تار بنانے اور بیچنے کی اجازت دے دی۔ ایک مرتبہ اورنگزیب نے غلہ وغیرہ کا نرخ باندھ دینا چاہا لیکن جیسے ہی اُسے معلوم ہوا کہ ایسا شرع کے خلاف ہے اُس نے اپنی کوشش بند کر دی۔ اُسے کسی کے مسلمان ہونے پر خوشی ہوتی تھی لیکن پھر بھی ایک مرتبہ جب کسی آدمی نے جسے قتل کے معاملے میں موت کی سزا دی گئی تھی، مسلمان ہو جانے اور جان بخشوانے کی خواہش ظاہر کی تو اورنگزیب نے اُس کی

اگرچہ تھا لیکن اس کے بنانے میں مغولوں کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ ان یورپ والوں کو کوئی قیاسی قانون نہیں ملا۔ کیونکہ مغلوں نے کبھی نئے قانون بنائے ہی نہیں۔ یہ وہ قانون تھے جو اس زمانے میں اپنے زیادہ تھے کہ اورنگزیب نے، جو خود بڑا عالم تھا، یہ محسوس کیا کہ مسلم شریعت کی پیروی میں سے راستہ ملنا بھی کبھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اورنگزیب نے شریعت کے قانون کو پورے ترقیب دے کر اٹھوایا۔ اس کام میں اورنگزیب نے بادشاہ کی حیثیت سے اپنا کوئی اختیار نہیں جتایا۔ ”قانون عالمگیری“ نام کی کتاب تیار کرائی گئی۔ بہت سے عالموں نے مل کر اسے تیار کیا۔ کتاب کے نام کے ساتھ عالمگیری کے نام سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس میں کوئی عالمگیری کا حکم شامل ہے۔ ہر بات جو کتاب میں کہی گئی ہے اس کے لئے کتاب لکھنے والے عالموں نے شریعت کی کسی نہ کسی پرانی کتاب سے حوالہ دیا ہے۔

مغل زمانے میں ہی ہندو دھرم شاستر کی بھی کئی سفکرت کتابیں تیار کرائی گئیں؛ لیکن ان میں بھی کسی بادشاہ کے حکم سے کوئی بات نہیں لکھی گئی۔ نہ ”کر“ نہ ”رگھونندن“ متر مشر، نرسنگ اور بہت سے چھوٹے موٹے یلذتوں نے دھرم شاستر کے الگ الگ حصوں پر بحث کی، ان ودوانوں نے ہمیشہ پرانے شاستروں سے ہی لے کر اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ کہیں کہیں اتنا ضرور کیا ہے کہ جہاں انہیں پرانی کتابوں میں طرح طرح کی ایک دوسرے کے خلاف رائے ملی ہیں وہاں انہوں نے انہیں میں سے کسی ایک رائے کو لے کر اپنا ایک نیا راستہ بنایا ہے۔ اس معاملے میں ہندوؤں کو ایک اور رعایت تھی جو مسلمانوں کو نہیں تھی۔ ہندوؤں کی اپنی کچھڑیاں تھیں جو پنچائتوں پر لگتی تھیں۔ دھرم شاستر کا مطلب معلوم کر کے میں جہاں دقت ہوتی تھی یہ پنچائتیں اس پر آخری فیصلہ دیتی تھیں۔ عام مغل زمانے میں کسی مغل بادشاہ کی طرف سے ان پنچائتوں کے رنگ روپ، ان کے پنچتوں یا ان کے کام کے قیام کو بدلنے یا اس میں دخل دینے کی کوشش نہیں کی گئی۔

نوجواری کا قانون یعنی جرمن کی سزا دینے کا قانون اسلامی قانون تھا۔ معمولی طور پر رعایا اور راج کے تعلق اسلامی قانون سے چلتے تھے۔ اگر لے مغل راج کی مذہبی پالیسی دو بدل کر ایک خاص نئی تبدیلی کی تھی۔ لیکن جو تبدیلیاں انہوں نے کیں وہ بھی اصل میں ملک کے امن آسان سے ہی واسطہ رکھتی تھیں۔ ایسے موقعوں پر علم عام سے راج کی طرف سے یہ اعلان کر دیا جاتا تھا کہ کچھ قاعدے راج کو ترو دینے پر بھی ”رکار“ خاص کر، غیر مسلم قانون کو ترو دینے پر بھی چلے گی۔ کبھی کبھی یہ اعلان

شاہی حکومت کے سمیلہ میں آتا ہے وہ صرف ایک روٹی چوڑے یا وہ نظار کا ہیر پھیر یا یہ ہے کہ اور سب چیزوں کی طرح بادشاہ کا پیدا کرنے والا بھی اللہ ہی ہے۔ اب ہم اپنے دوسرے مسئلے پر آجاتے ہیں یعنی یہ کہ منل حکومت کہاں تک ایشیائی تاناشاہی تھی۔ اس سے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ "ایشیائی تانا شاہی" کیا چیز ہے؟ اس بات میں بہت شک ہے کہ ایشیا میں کبھی کسی خاص قسم کی تانا شاہی گذری تھی ہو جو یورپ کی تانا شاہی سے زیادہ بڑی ہو۔ اس قسم کی حکومت میں یورپ اور پچھم ایشیا اور یورپ کا کوئی فرق نہیں۔ جیسے فرانس میں لوئی چودھواں یہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں بھی حکومت ہوں ویسے ہی ہندستان میں اورنگزیب نے اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں کہی۔ بلکہ عام طور پر یہ دعویٰ بھی نہیں کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مغل بادشاہوں کی حکومت شخصی حکومت تھی۔ اُس زمانے میں عام چلتا کے چنہ ہوئے لوگوں کی کوئی اِس طرح کی کونسل یا پارلیمنٹ وغیرہ نہیں تھی جس کے ذریعہ بادشاہ کے کاموں پر روک تھام رکھی جا سکتی۔ لیکن اگر اُس کے یہ معنی لائے کہ مغل بادشاہ اپنی رعایا کے جان مال کے پورے مالک تھے اور جو چاہے کر سکتے تھے یا سیاسی معاملوں میں بھی جو چاہے حکم دے سکتے تھے، انہیں کبھی بھی قانون کے ماتحت نہیں مانتا کیا، بلکہ وہ اکثر خود اپنے کو قانون کے نوکر کہتے تھے تو دوسری بات ہے۔ جائیداد وغیرہ سب طرح کے معاملوں میں رعایا کا کل ذاتی قانون ہندو دھرم شاستر اور مسلم شریعہ پر چلتا تھا۔ مغل بادشاہ مانتے تھے کہ انہوں اُس میں تبدیلی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جہاں تک بقہ چلتا ہے صرف شاہ جہاں نے ایک موقع پر ہندو دھرم شاستر میں کچھ تبدیلی کی تھی۔ یہ اُس وقت جب شاہ جہاں نے یہ حکم جاری کر دیا کہ اگر کوئی ہندو اسلام کو اپنانا چاہے تو اُس گھر کے لوگ اُس پر جائیداد وغیرہ کے حق کا بیچا دیاؤ نہ ڈالیں۔ ممکن ہے کہ اِس سے دھرم شاستر کے جائیداد کے وراثت کے قانون میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی ہو۔ کیونکہ دھرم شاستر کا قانون یہ رہا ہوگا کہ مذہب بدل لینے پر کوئی شخص اپنی خاندانی وراثت نہیں پا سکتا۔ اور شاہ جہاں کے قانون کے مطابق اگر کسی ہندو مسلمان ہو جائے تو بھی اپنی خاندانی وراثت پا سکتا تھا۔ مسلمانوں کی شریعہ میں تو کبھی کسی بادشاہ نے کوئی تبدیلی کی کوشش نہیں کی۔

اِس وجہ سے فقہ مشہور یورپین مسانروں نے بہ عصبیت بات کہہ ڈالی ہے کہ مغلوں کے زمانے میں کوئی لکھا ہوا قانون تھا ہی نہیں۔ لکھا ہوا قانون تو

کچھ ہوتا ہے وہ خودا کے ہی حکم سے ہوتا ہے۔ ان باتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مغل بادشاہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ معمولی انسان سے کچھ بھی اونچا رتبہ رکھتے تھے اور نہ ان چیزوں سے انہیں کوئی مذہبی یا دینی رتبہ حاصل ہوتا تھا۔ اُس زمانے کے یورپ کے بہت سے بادشاہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ ان کی تخت نشینی کے وقت ان کے سر پر ہوتی تیل کی مالش کئے جانے سے ان کو خاص مذہبی رتبہ حاصل ہو جاتا تھا جو عام انسانوں کو حاصل نہیں تھا۔ اس بارے میں مغل بادشاہوں کا جو خیال تھا اور یورپ کے (Divine Right) خوداई ہک ماننے والے بادشاہوں کا جو خیال تھا ان دونوں کا فرق سترھویں صدی کے انگلستان کی تاریخ کو دیکھنے سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے۔ جب جیمس اول نے راج کے لئے اپنے حق کو خدا کا دیا حق بتایا تو یہ ایک مذہبی اصول پیدا ہو گیا کہ بادشاہ کی اسی چیز کی کسی کو مخالفت نہیں کرنی چاہئے اور سب کو بادشاہ کا حکم چمپ چاپ مان لینا چاہئے۔ بادشاہ سے بغاوت کرنا صرف ایک قانونی جرم ہی نہیں رہا بلکہ ایک مذہبی گناہ بھی سمجھا گیا جس کو ہراوک یا آخرت میں پھینکا ہوگا۔ اسی سے انگلینڈ کے انقلاب کے بعد ایسے پادری ہو گئے تھے جنہوں نے وادام اور مڈری کی وفاداری کی قسم کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان میں اُس زمانے کے انگلستان کے کچھ بڑے سے بڑے پادری بھی شامل تھے۔ انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جسمیں دریم جو سمنڈ پار چلا گیا تھا، اُن کا قانونی بادشاہ ہے۔ انہیں میں سے کچھ لوگوں نے مل کر ہالینڈ سے ولیم کو بلا دیا تھا تاکہ جیمس دوم انگلستان کو کیٹھونک بنا ڈالے کی کوشش نہ کر سکے۔ شاہی رتبہ نے بارے میں اِس طرح کا خیال مغل زمانے کے ہندوستان میں مروج نہ تھا۔ جب سلیم نے اپنے باپ اکبر کے خلاف بغاوت کی تو کسی قاضی نے اُس کے خلاف فتویٰ نہیں دیا اور نہ جب خرم نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تو کسی قاضی نے اُسے گناہگار ٹھہرایا۔ البتہ یہ سچ ہے کہ اورنگزیب نے گدی پر بیٹھنے کے وقت صدرالصدر نے اس کے نام کو پڑھنے اور اُس کے شہنشاہ ہونے کا اعلان کرنے سے انکار کر دیا تھا، اِس لئے کہ اورنگزیب کا باپ شاہجہاں اُس وقت زندہ تھا۔ مگر اُس مثال سے مغل ناچ کے دیہی یا خدائی ہونے کا اصول ثابت نہیں ہوتا۔ اکبر کے زمانے میں بھی جب اُس کے سوا کسی دوسری ہائی حکیم نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اکبر نے کوئی خدائی دعویٰ نہیں کیا بلکہ باپ کی سلطنت کو وراثت میں لانے کے لئے صرف اپنی فوجی طاقت پر ہی بھروسہ کیا تھا۔ اِس طرح جہاں کہیں خدائی حق کا ذکر شاہی طائنت یا

کچھ ہوتا ہے وہ خودا کے ہی حکم سے ہوتا ہے۔ ان باتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مغل بادشاہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ معمولی انسان سے کچھ بھی اونچا رتبہ رکھتے تھے اور نہ ان چیزوں سے انہیں کوئی مذہبی یا دینی رتبہ حاصل ہوتا تھا۔ اُس زمانے کے یورپ کے بہت سے بادشاہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ ان کی تخت نشینی کے وقت ان کے سر پر ہوتی تیل کی مالش کئے جانے سے ان کو خاص مذہبی رتبہ حاصل ہو جاتا تھا جو عام انسانوں کو حاصل نہیں تھا۔ اس بارے میں مغل بادشاہوں کا جو خیال تھا اور یورپ کے (Divine Right) خوداई ہک ماننے والے بادشاہوں کا جو خیال تھا ان دونوں کا فرق سترھویں صدی کے انگلستان کی تاریخ کو دیکھنے سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے۔ جب جیمس اول نے راج کے لئے اپنے حق کو خدا کا دیا حق بتایا تو یہ ایک مذہبی اصول پیدا ہو گیا کہ بادشاہ کی اسی چیز کی کسی کو مخالفت نہیں کرنی چاہئے اور سب کو بادشاہ کا حکم چمپ چاپ مان لینا چاہئے۔ بادشاہ سے بغاوت کرنا صرف ایک قانونی جرم ہی نہیں رہا بلکہ ایک مذہبی گناہ بھی سمجھا گیا جس کو ہراوک یا آخرت میں پھینکا ہوگا۔ اسی سے انگلینڈ کے انقلاب کے بعد ایسے پادری ہو گئے تھے جنہوں نے وادام اور مڈری کی وفاداری کی قسم کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان میں اُس زمانے کے انگلستان کے کچھ بڑے سے بڑے پادری بھی شامل تھے۔ انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جسمیں دریم جو سمنڈ پار چلا گیا تھا، اُن کا قانونی بادشاہ ہے۔ انہیں میں سے کچھ لوگوں نے مل کر ہالینڈ سے ولیم کو بلا دیا تھا تاکہ جیمس دوم انگلستان کو کیٹھونک بنا ڈالے کی کوشش نہ کر سکے۔ شاہی رتبہ نے بارے میں اِس طرح کا خیال مغل زمانے کے ہندوستان میں مروج نہ تھا۔ جب سلیم نے اپنے باپ اکبر کے خلاف بغاوت کی تو کسی قاضی نے اُس کے خلاف فتویٰ نہیں دیا اور نہ جب خرم نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تو کسی قاضی نے اُسے گناہگار ٹھہرایا۔ البتہ یہ سچ ہے کہ اورنگزیب نے گدی پر بیٹھنے کے وقت صدرالصدر نے اس کے نام کو پڑھنے اور اُس کے شہنشاہ ہونے کا اعلان کرنے سے انکار کر دیا تھا، اِس لئے کہ اورنگزیب کا باپ شاہجہاں اُس وقت زندہ تھا۔ مگر اُس مثال سے مغل ناچ کے دیہی یا خدائی ہونے کا اصول ثابت نہیں ہوتا۔ اکبر کے زمانے میں بھی جب اُس کے سوا کسی دوسری ہائی حکیم نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اکبر نے کوئی خدائی دعویٰ نہیں کیا بلکہ باپ کی سلطنت کو وراثت میں لانے کے لئے صرف اپنی فوجی طاقت پر ہی بھروسہ کیا تھا۔ اِس طرح جہاں کہیں خدائی حق کا ذکر شاہی طائنت یا

ہندوستان میں مغل حکومت کا قہنگ

پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔

ہندوستان میں مغل بادشاہوں کی مصلحتی پالیسی پر اتنی گرم بحث ہوتی رہی ہے کہ مغلوں کے حکومت کرنے کے طریقے کے بارے میں لوگوں کو بہت کم جانکاری ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مغلوں کی حکومت بالکل ایک ایشیائی نانا شاہی تھی اور کوئی کہتا ہے کہ وہ ایک اسلامی یعنی مذہبی حکومت تھی۔ یہاں تک دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہندوستان کا راج مغلوں کی خدائی دین تھی اور کچھ لوگ مغل بادشاہوں کو اللہ کے مقرر کردہ ہوئے کہتے ہیں، یعنی یہ کہ خود اللہ نے انہیں اس ملک پر حکومت کرنے کا حکم دیا تھا۔ بدقسمتی سے ان نظریوں پر پہنچنے سے پہلے لوگوں نے ان اصلی کتابیں اور دستاویزوں کو اچھی طرح نہیں دیکھا جو ہمارے پاس ہندوستان میں مغل حکومت کے بارے میں اس وقت موجود ہیں۔ شروع کے عربی قانون بنانے والوں کے قانونی مسئلوں اور دوسرے ملکوں میں مسلمان بادشاہوں کے کاموں، یا ہندوستان کے شہر کے لیکھوں کی بڑی-بڑی لفظی باتوں سے یہاں کی مغل حکومت کا ٹیک-ٹیک کا شکل سمجھنے میں ہمیں مدد نہیں ملتی۔ ہاں، ان باتوں کو دیکھ کر ہم اپنی تحقیقات آگے بڑھا سکتے ہیں۔

مغل زمانے کے کچھ اہم لوگوں کے حالات کے لوگوں نے بعض مغل بادشاہوں کی بابت یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہیں خدا نے بادشاہت کا حق دیا تھا۔ پہلے ہم اسی دعوے پر غور کر لیتا چاہتے ہیں۔ ابور اور اس کے بعد کے بادشاہوں کو اس زمانے کے تاریخ نگاروں کے پاس اس کے بعد کے بادشاہوں کے حالات کے اندر خدا کا خلیفہ یا نائب کہہ کر بیان کیا ہے۔ جب جہانگیر کے بڑے خسرو نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تو جہانگیر نے خود اپنی قانونی (توک جہانگیری) میں دعویٰ کیا تھا کہ اس نے خدا نے ہندوستان کا شہنشاہ بنا دیا ہے۔ شاہجہاں نے گول کڈ کے عادل شاہ کے نام اپنے ایک خط میں اپنے کو "خدا کا سایہ" (خدا کا سایہ) لکھا ہے۔ اورنگ زیب نے اپنے کو دنیا میں خدا کا وکیل لکھا ہے۔

یہ سب دعوے ثابت کرتے ہیں کہ مغل بادشاہ مانتے تھے کہ انہیں راج کرنے کا حق ظاہرہ دیکھنے میں خدا سے ملا ہوا ہے۔ لیکن جب ہم ذرا غور سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان بادشاہوں کے یہ سب دعوے صرف اس عام اسلامی مفہوم کو دہراتے ہیں کہ دنیا میں جو

ہندوستان میں مغل حکومت کا قہنگ

پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔

ہندوستان میں مغل بادشاہوں کی مذہبی پالیسی پر اتنی گرم بحث ہوتی رہی ہے کہ مغلوں کے حکومت کرنے کے طریقے کے بارے میں لوگوں کو بہت کم جانکاری ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مغلوں کی حکومت بالکل ایک ایشیائی نانا شاہی تھی اور کوئی کہتا ہے کہ وہ ایک اسلامی یعنی مذہبی حکومت تھی۔ یہاں تک دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہندوستان کا راج مغلوں کی خدائی دین تھی اور کچھ لوگ مغل بادشاہوں کو اللہ کے مقرر کردہ ہوئے کہتے ہیں، یعنی یہ کہ خود اللہ نے انہیں اس ملک پر حکومت کرنے کا حکم دیا تھا۔ بدقسمتی سے ان نظریوں پر پہنچنے سے پہلے لوگوں نے ان اصلی کتابیں اور دستاویزوں کو اچھی طرح نہیں دیکھا جو ہمارے پاس ہندوستان میں مغل حکومت کے بارے میں اس وقت موجود ہیں۔ شروع کے عربی قانون بنانے والوں کے قانونی مسئلوں اور دوسرے ملکوں میں مسلمان بادشاہوں کے کاموں، یا ہندوستان کے شہر کے لیکھوں کی بڑی-بڑی لفظی باتوں سے یہاں کی مغل حکومت کا ٹیک-ٹیک کا شکل سمجھنے میں ہمیں مدد نہیں ملتی۔ ہاں، ان باتوں کو دیکھ کر ہم اپنی تحقیقات آگے بڑھا سکتے ہیں۔

مغل زمانے کے کچھ اہم لوگوں کے حالات کے لوگوں نے بعض مغل بادشاہوں کی بابت یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہیں خدا نے بادشاہت کا حق دیا تھا۔ پہلے ہم اسی دعوے پر غور کر لیتا چاہتے ہیں۔ ابور اور اس کے بعد کے بادشاہوں کو اس زمانے کے تاریخ نگاروں کے پاس اس کے بعد کے بادشاہوں کے حالات کے اندر خدا کا خلیفہ یا نائب کہہ کر بیان کیا ہے۔ جب جہانگیر کے بڑے خسرو نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تو جہانگیر نے خود اپنی قانونی (توک جہانگیری) میں دعویٰ کیا تھا کہ اس نے خدا نے ہندوستان کا شہنشاہ بنا دیا ہے۔ شاہجہاں نے گول کڈ کے عادل شاہ کے نام اپنے ایک خط میں اپنے کو "خدا کا سایہ" (خدا کا سایہ) لکھا ہے۔ اورنگ زیب نے اپنے کو دنیا میں خدا کا وکیل لکھا ہے۔

یہ سب دعوے ثابت کرتے ہیں کہ مغل بادشاہ مانتے تھے کہ انہیں راج کرنے کا حق ظاہرہ دیکھنے میں خدا سے ملا ہوا ہے۔ لیکن جب ہم ذرا غور سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان بادشاہوں کے یہ سب دعوے صرف اس عام اسلامی مفہوم کو دہراتے ہیں کہ دنیا میں جو

ستمبر 1957 ستمبر

<u>کيا کيس سے</u>	<u>صفحہ</u>	<u>سفا</u>	<u>کيا کس سے</u>
1. ہندوستان میں مغول حکومت کا ڈھنگ —پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔	89	...	1. ہندستان میں مغول حکومت کا ڈھنگ —پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
2. میری مائیں —پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔	100	...	2. میری مائیں —پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
3. ایک پاگل آدمی کی ڈائری —پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔	108	...	3. ایک پاگل آدمی کی ڈائری —پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
4. ایک آتما کے الگ الگ روپ —پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔	121	...	4. ایک آتما کے الگ الگ روپ —پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
5. مہاتما گاندھی کے अनुसार شانتی کا راستہ، اور ایٹم اور ہائیڈروجن بم کا سوال —پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔	126	...	5. مہاتما گاندھی کے अनुसार شانتی کا راستہ، اور ایٹم اور ہائیڈروجن بم کا سوال —پروفیسر شری رام شرما ایم۔ اے۔
6. ہماری رائے— ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے خلاف تیسرا مجلس سیمین؛ ایشیا اور افریقہ کے پرہیزگاروں کا اعلان نو کبر 57. 8. 16— پلڈت سندر لال .	131	...	6. ہماری رائے— ایٹم اور ہائیڈروجن بم کے خلاف تیسرا مجلس سیمین؛ ایشیا اور افریقہ کے پرہیزگاروں کا اعلان نو کبر 57. 8. 16— پلڈت سندر لال .

ہندوستان کا ہفت روزہ

نمبر 3 نمبر 24 جلد 24 جلد



ستمبر 1957 ستمبر

ہندوستانی کلچر سوسائٹی کولچر سوسائٹی

145 مڈل سٹریٹ، کولکٹہ

145 مڈل سٹریٹ، کولکٹہ

Editorial Board

Dr. Tara Chand B.

Mahatma Bhagwan Das

Dr. Syed Mahmud, B.A., Ph.D., B.L., Barrister-at-Law

Pandit Sunderlal

Bhishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bhishambhar Nath Pande

Asst. Editor

Bhishambhar Nath Pande

Annual Subscription

India Rs. 5/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy Rs. 10/- only in India & Pakistan

نیا حصہ

اس نمبر کے خاص لیے اس نمبر کے खास लेख

ہندوستان میں مہاتما گاندھی کا دور کا دور

—پروفیسر سر شری رام شرما ایم۔ اے۔ ایم۔ اے۔

ایک انسان کے ایک ایک دور

—ڈاکٹر بھگوان داس

مہاتما گاندھی کے انوسار شانتی

کا راستہ، اور ایٹم اور ہائیڈروجن

جن دن کا سوال

—پروفیسر سندر لال

ہماری راہ—

ایٹم اور ہائیڈروجن جن دن کے خلاف

تیسرا ورلڈ سسٹم؛ ایشیا

اور افریقہ کے پرنسپل

ایٹن ٹیبلو 57، 8، 16—

پروفیسر سندر لال

پروفیسر سندر لال

پروفیسر سندر لال

پروفیسر سندر لال

پروفیسر سندر لال

پروفیسر سندر لال

پروفیسر سندر لال

پروفیسر سندر لال

پروفیسر سندر لال

پروفیسر سندر لال

پروفیسر سندر لال

ہندی घर

کتابچہ پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کेंدر—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی अपनी मन-पसन्द کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیباد کے مانے جانے

بیروان : 225، قیمت دو روپے

— : 0 : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

لکھک—کدسیا جی

مزمک—پنڈت جواہر لال نہرو

موٹا کاغذ، موٹا ڈاڑھ، بہت سی رنگین تصویروں

دوم دو روپے

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور قرآن

275 صفحہ، دوم دو روپے

ہندو مسلمان اکوتا

100 صفحہ، دوم دو روپے

مہاتما گاندھی کے بلیڈان سے سبک

قیمت دو روپے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت دو روپے

بنگال اور اُس سے سبق

قیمت دو روپے

ہندوستانی کلتچر سوسائٹی

145 سٹریٹ ہندوستان

ہندی

ہر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا بڑا کیندر—پاٹک ہندی، انگریزی کی من پسند کتابوں کے میں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیباد کے مانے جانے

بیروان : 225، قیمت دو روپے

— : 0 : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

لکھک—کدسیا جی

مزمک—پنڈت جواہر لال نہرو

موٹا کاغذ، موٹا ڈاڑھ، بہت سی رنگین تصویروں

دوم دو روپے

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور قرآن

275 صفحہ، دوم دو روپے

ہندو مسلمان اکوتا

100 صفحہ، دوم دو روپے

مہاتما گاندھی کے بلیڈان سے سبق

قیمت دو روپے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت دو روپے

بنگال اور اُس سے سبق

قیمت دو روپے

ہندوستانی کلتچر سوسائٹی

145 سٹریٹ ہندوستان

...
 ...
 ...

**...
 ...
 ...**

**...
 ...
 ...**

**...
 ...
 ...**

**...
 ...
 ...**

**...
 ...
 ...**

**...
 ...
 ...**

...

**...
 ...
 ...**

**...
 ...
 ...**

**...
 ...
 ...**

**...
 ...
 ...**

**...
 ...
 ...**

**...
 ...
 ...**

انہیں کبھی سوائے بے چارے کوئی نہیں جو اپنا کڑوا دھوا دیکھا کر پائے سے مٹا دیتے ہیں اور کبھی کبھی کچھ ادھک پا جاتے ہیں تو شراب پی کر یا کسی اور برائی میں پھنس کر اپنا غم غلط کرنے کی بے کوشش کرتے ہیں۔ ان سب سے اوپر آکر تو دلی کے لوگوں فریبوں کی حالت سے بھی ہم واقف ہیں اور اس سے زیادہ کہنے کو لب دل نہیں آتا۔

شاہنشاہوں، شاہی دنیا کے अधिकतर शाहशाहों की एक बहुत बड़ी बदकिस्मती यह होती है कि उन्हें खास ऐनकों के जरिये से ही दुनिया को देखना मिल सकता है। उनके कान दूसरों के कान होते हैं, उनकी आँखें दूसरों की आँखें। उनको खबरें देने वाले यह ताड़ लेते हैं कि उनके मालिक किस तरह की खबरें सुनना चाहते हैं और उसी तरह की खबरें उन्हें सुनाते हैं। जैसे वह चाहते हैं उसी तरह के आँकड़े उनके लिये तैयार हो जाते हैं। हम दंग रह गए जबकि दिल्ली के एक बहुत बड़े शासक ने हम से बात करते हुए कहा की —“लोग ख़ाहमख़ाह ग़लत कहते हैं कि देश में बेकारी है, कहीं बेकारी नहीं है।” एक और साहब ने राय ज़ाहिर की कि —“देश को निकम्मे प्रेजुएंटों की ज़रूरत नहीं है, देश को ज़रूरत है एन्जीनियर्स की और वह कभी बेकार नहीं रह सकते।” यह बताने का उन पर कोई खास असर नहीं हुआ कि देश के अनेक एन्जीनियरिंग कॉलेजों से पास हुए काफ़ी नौजवान बरसों एक दफ़्तर से दूसरे दफ़्तर अरज़ियाँ लेकर घूमते फिरते हैं। भ्रष्टाचार की बाबत तो आम तौर पर यह कहा जाता है कि देश में जो कुछ भ्रष्टाचार है वह हमें अंग्रेज़ी हकूमत से बराबर में मिला है और इन छैं सात बरस के अन्दर काफ़ी कम हुआ है, और दूसरे देशों से हमारे देश में भ्रष्टाचार अब भी बहुत कम है! इन बातों का कुदरती नतीजा यह है कि नेताओं और जनता के बीच, शासकों और शासितों के बीच खाई और बढ़गुमानी बढ़ती चली जा रही है।

—सुन्दरलाल

ان میں سے کئی سب سے بے چارے کوڑھی ہیں جو اپنا کڑوا دھوا دیکھا کر پائے سے مٹا دیتے ہیں اور کبھی کبھی کچھ ادھک پا جاتے ہیں تو شراب پی کر یا کسی اور برائی میں پھنس کر اپنا غم غلط کرنے کی بے کوشش کرتے ہیں۔ ان سب سے اوپر آکر تو دلی کے لوگوں فریبوں کی حالت سے بھی ہم واقف ہیں اور اس سے زیادہ کہنے کو لب دل نہیں آتا۔

شاہنشاہوں، شاہی دنیا کے अधिकतर शाहशाहों की एक बहुत बड़ी बदकिस्मती यह होती है कि उन्हें खास ऐनकों के जरिये से ही दुनिया को देखना मिल सकता है। उनके कान दूसरों के कान होते हैं, उनकी आँखें दूसरों की आँखें। उनको खबरें देने वाले यह ताड़ लेते हैं कि उनके मालिक किस तरह की खबरें सुनना चाहते हैं और उसी तरह की खबरें उन्हें सुनाते हैं। जैसे वह चाहते हैं उसी तरह के आँकड़े उनके लिये तैयार हो जाते हैं। हम दंग रह गए जबकि दिल्ली के एक बहुत बड़े शासक ने हम से बात करते हुए कहा की —“लोग ख़ाहमख़ाह ग़लत कहते हैं कि देश में बेकारी है, कहीं बेकारी नहीं है।” एक और साहब ने राय ज़ाहिर की कि —“देश को निकम्मे प्रेजुएंटों की ज़रूरत नहीं है, देश को ज़रूरत है एन्जीनियर्स की और वह कभी बेकार नहीं रह सकते।” यह बताने का उन पर कोई खास असर नहीं हुआ कि देश के अनेक एन्जीनियरिंग कॉलेजों से पास हुए काफ़ी नौजवान बरसों एक दफ़्तर से दूसरे दफ़्तर अरज़ियाँ लेकर घूमते फिरते हैं। भ्रष्टाचार की बाबत तो आम तौर पर यह कहा जाता है कि देश में जो कुछ भ्रष्टाचार है वह हमें अंग्रेज़ी हकूमत से बराबर में मिला है और इन छैं सात बरस के अन्दर काफ़ी कम हुआ है, और दूसरे देशों से हमारे देश में भ्रष्टाचार अब भी बहुत कम है! इन बातों का कुदरती नतीजा यह है कि नेताओं और जनता के बीच, शासकों और शासितों के बीच खाई और बढ़गुमानी बढ़ती चली जा रही है।

—सुन्दरलाल

بڑی ہمارے مینز کے ساتھ لگی ہوئی تھی اسی طرح سی پولیسی پٹی کی اور سے ایک مٹر اور ایک مٹر راہز کی بھی تھوٹی اسی جگہ لگی ہوئی تھی۔ اور ٹھک کریدنے پر ہمارے آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ اٹھک رچہ ناچہ کرنے پر معلوم ہوا کہ پارلیمنٹ کے اردہی بہت سے ممبر سی طرح کے گروں سے دیے ہوئے ہیں۔ ان پر خرچ کرنے والہ پنہ خرچ کاہرا بدلہ چکا لہنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ن بلکتوں کے لہتے سمے بھی ہمارا دل خون کے آنسو بہا رہا ہے۔

سین نہیں معلوم کہ پارلیمنٹ کے ممبروں میں اس طرح کے ہاتھوں کا اہمیت ہے یا بھومت۔ پر ہم سمجھتے ہیں کہ اس ات میں کسی کو ہر کسی طرح کا کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ ہمارے اچکل کی پارلیمنٹوں اور دھارا سیٹوں میں مشکل سے دس فیصدی ممبر ایسے ہونگے جو سچے سچ پارلیمنٹوں کے ا دھارا سپا کے کلس میں تجویزوں اور بلوں میں کوئی بچتی اور سہجہداری کی داچسپی رکھتے ہوں۔ شاسن پر اور دیس بھر میں چھوٹے بڑے سرکاری کرمچاریوں پر جو اس کا برا اثر پوتا ہے وہ کہیں بھی تھوڑی سی آنکھ کھول کر دیکھا جا سکتا ہے۔ دیس بھر میں جس طرح کی بوجا دخل اندازی طرح طرح کے سرکاری کاموں میں ہوتی رہتی ہے اس کی پھانہاں دلی سے ڈاکٹری دلی سے ہیمی، یا دلی سے مدراس کے اسی بھی ریل کے سفر میں اٹھک سلفہ کو مل سکتی ہیں۔ سلفہ کی اچھا رکھنے والہ کو اس کے لئے دلی سے باہر جانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

اُنچے سے اُنچے نیتاؤں اور سرکاری لوگوں پر بھی اس کا اثر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چٹاؤں کے لئے نامزدگی کے طریقے نامزدگی کی کسوتیاں اور چٹاؤں کے تھلک لگ بھگ سب سدچار کی درشتی سے پتہ کی حد کو پہونچ چکے ہیں۔ گرو چل رہی ہے جس طرح بھی چل سکے اور جب تک چل سکے۔

دلی سے پچھلے سال پیلایا (Jaundice) کو بھا کے فکڑنے کی جو دھونڈنا دھڑے اور ابھی تک جاری ہے وہ کھل کے بھل اندر کے گہرے روک کا کھول ایک اوپری لکھن ہے۔ اس بیماری کا پھلنا ان حالات میں کسی کو کوئی عجیب بات معلوم نہیں ہونی چاہئے۔ دلی بھارت کی راجدھانی ہے۔ بڑے بڑے شاسنوں اور نیتاؤں کا یہاں سدا جمہت رہتا ہے۔ یہاں بڑے بڑے معطلوں جیسے ہلکے ہیں۔ آٹ دن بڑی بڑی دھونڈ ہوتی ہیں۔ اسی دلی میں لگ بھگ دس ہزار انسان لگی گئی بھگ مانگتے پارتے ہیں۔ ان میں سے لگ بھگ آٹھ ہزار کو لگے کی سردی میں چھتروں میں لٹے ہوئے یا ہلا چھتروں کے کلمے انسان کے تھکے پتروں پر پڑتے ہیں یا کسی طرح رات بتاتے ہیں۔

بڑی ہمارے مینز کے ساتھ لگی ہوئی تھی اسی طرح سی پولیسی پٹی کی اور سے ایک مٹر اور ایک مٹر راہز کی بھی تھوٹی اسی جگہ لگی ہوئی تھی۔ اور ٹھک کریدنے پر ہمارے آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ اٹھک رچہ ناچہ کرنے پر معلوم ہوا کہ پارلیمنٹ کے اردہی بہت سے ممبر سی طرح کے گروں سے دیے ہوئے ہیں۔ ان پر خرچ کرنے والہ پنہ خرچ کاہرا بدلہ چکا لہنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ن بلکتوں کے لہتے سمے بھی ہمارا دل خون کے آنسو بہا رہا ہے۔

اُنچے سے اُنچے نیتاؤں اور سرکاری لوگوں پر بھی اس کا اثر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چٹاؤں کے لئے نامزدگی کے طریقے نامزدگی کی کسوتیاں اور چٹاؤں کے تھلک لگ بھگ سب سدچار کی درشتی سے پتہ کی حد کو پہونچ چکے ہیں۔ گرو چل رہی ہے جس طرح بھی چل سکے اور جب تک چل سکے۔

دلی سے پچھلے سال پیلایا (Jaundice) کی وبا کے پھلنے کی جو دھونڈنا ہوئی اور ابھی تک جاری ہے وہ کھل کے بھل اندر کے گہرے روک کا کھول ایک اوپری لکھن ہے۔ اس بیماری کا پھلنا ان حالات میں کسی کو کوئی عجیب بات معلوم نہیں ہونی چاہئے۔ دلی بھارت کی راجدھانی ہے۔ بڑے بڑے شاسنوں اور نیتاؤں کا یہاں سدا جمہت رہتا ہے۔ یہاں بڑے بڑے معطلوں جیسے ہلکے ہیں۔ آٹ دن بڑی بڑی دھونڈ ہوتی ہیں۔ اسی دلی میں لگ بھگ دس ہزار انسان لگی گئی بھگ مانگتے پارتے ہیں۔ ان میں سے لگ بھگ آٹھ ہزار کو لگے کی سردی میں چھتروں میں لٹے ہوئے یا ہلا چھتروں کے کلمے انسان کے تھکے پتروں پر پڑتے ہیں یا کسی طرح رات بتاتے ہیں۔

پارٹی سے सम्बन्ध रखने वाले बहुत से 'मेम्बरो' को अकसर ऐसे विषयों पर भी जिनका देश के भले या बुरे के साथ गहरा सम्बन्ध होता है अपनी अन्तर आत्मा की आवाज के खिलाफ भरे सदन में हाथ उठाना पड़ता है. इसका क्रूरती और लाजमी नतीजा यह है कि हमारी आजकल की पार्लिमेंटों या धारा सभाओं के अधिकांश मेम्बर इस बात पर सोचना भी बन्द कर देते हैं कि किस तजवीज या किस बिल से देश का क्या फायदा या क्या नुकसान होगा. वह मजबूर होकर अपनी मेम्बरी से दूसरी ही तरह के फायदे उठाने में लग जाते हैं.

इस तरह के मेम्बरों की हालत कुछ-कुछ उस जज की सी हालत होती है जो उस जवान माँ को जिसने किसी जबरदस्त दुख और निराशा की हालत में अपने तीन बरस के बच्चे का गला घोट कर मार डाला और फिर उस पर रोना और सिर पीटना शुरू किया. इसलिये फौसी की सजा देनी पड़ती है क्योंकि कानून की दफा, कानून का ज्ञान और कानूनी गवाहियाँ जज के लिये और कोई रास्ता ही नहीं छोड़ती. अकसर पढ़े लिखे जज तो इसे अपनी "डियुटी" अपना "फर्ज" समझ कर भी इस तरह के फैसले देते हैं.

आज हमारे सदाचार के गिरावट की यह हालत है कि देश के उत्तर से दक्खिन तक और पूरब से पच्छिम तक सैकड़ों शिक्षा संस्थाएँ ऐसी हैं जिनमें अध्यापकों से एक सौ बीस रुपये तनखाह लेकर दो सौ की रसीद पर बसकत करने पड़ते हैं. हमें बड़ी हार्दिक वेदना के साथ कहना पड़ता है कि जिस तरह इस तरह की शिक्षा संस्थाओं में इस तरह के अध्यापकों से शिक्षा लेने वाले बालकों से यह आशा करना कि उनका चरित्र कभी भी जीवन में ऊँचा हो सकेगा, लगभग वैसा ही है, जैसा बबूल बोकल उससे आम की आशा करना. ठीक उसी तरह पारलिमेंट के या धारा सभाओं के जिन मेम्बरों को पारटी भक्ति के कारण अपनी अन्तर आत्मा की आवाज के खिलाफ हाथ उठाना पड़ जाता है उनसे यह आशा करना कि वह उन जिम्मेवारी की कुरसियों पर बैठ कर देश को सचमुच ऊँचा ले जा सकेंगे या करोड़ों जनता का सच्चा भला कर सकेंगे उतना ही गलत है.

इस दुर्दनाक हालत का असर देश की इन पारलिमेंटों और धारा सभाओं में साफ़ दिखाई देता है. दिल्ली में हम एक दिन अचानक अपने एक पुराने मित्र पारलिमेंट के एक मेम्बर के घर पहुँच गए. हमने वहाँ एक नौजवान को टाइप करते हुए देखा जिसे हम पहले से जानते थे. हम कुछ हैरान हुए. पूछने पर मालूम हुआ कि वह अब भी देश के उसी मशहूर पूँजीपति का नौकर था और उसी से वेतन पाया था जिससे कभी पहले पाया करता था. अब उसकी

पार्ली से सम्बन्ध रहने वाला बहुत से मेम्बरों को अकसर ऐसे विषयों पर भी जिन का देश के भले या बुरे के साथ गहरा सम्बन्ध होता है अपनी अन्तर आत्मा की आवाज के खिलाफ भरे सदन में हाथ उठाना पड़ता है. इस का قدرती और लाजमी नतीजा यह है कि हमारी आजकल की पार्लिमेंटों या धारा सभाओं के अधिकांश मेम्बर इस बात पर सोचना भी बन्द कर देते हैं कि किस तजवीज या किस बिल से देश का क्या फायदा या क्या नुकसान होगा. वह मजबूर होकर अपनी मेम्बरी से दूसरी ही तरह के फायदे उठाने में लग जाते हैं.

इस तरह के मेम्बरों की हालत कुछ-कुछ उस जज की सी हालत होती है जो उस जवान माँ को जिसने किसी जबरदस्त दुख और निराशा की हालत में अपने तीन बरस के बच्चे का गला घोट कर मार डाला और फिर उस पर रोना और सिर पीटना शुरू किया. इसलिये फौसी की सजा देनी पड़ती है क्योंकि कानून की दफा, कानून का ज्ञान और कानूनी गवाहियाँ जज के लिये और कोई रास्ता ही नहीं छोड़ती. अकसर पढ़े लिखे जज तो इसे अपनी "डियुटी" अपना "फर्ज" समझ कर भी इस तरह के फैसले देते हैं.

आज हमारे सदाचार के गिरावट की यह हालत है कि देश के उत्तर से दक्खिन तक और पूरब से पच्छिम तक सैकड़ों शिक्षा संस्थाएँ ऐसी हैं जिनमें अध्यापकों से एक सौ बीस रुपये तनखाह लेकर दो सौ की रसीद पर बसकत करने पड़ते हैं. हमें बड़ी हार्दिक वेदना के साथ कहना पड़ता है कि जिस तरह इस तरह की शिक्षा संस्थाओं में इस तरह के अध्यापकों से शिक्षा लेने वाले बालकों से यह आशा करना कि उनका चरित्र कभी भी जीवन में ऊँचा हो सकेगा, लगभग वैसा ही है, जैसा बबूल बोकल उससे आम की आशा करना. ठीक उसी तरह पारलिमेंट के या धारा सभाओं के जिन मेम्बरों को पारटी भक्ति के कारण अपनी अन्तर आत्मा की आवाज के खिलाफ हाथ उठाना पड़ जाता है उनसे यह आशा करना कि वह उन जिम्मेवारी की कुरसियों पर बैठ कर देश को सचमुच ऊँचा ले जा सकेंगे या करोड़ों जनता का सच्चा भला कर सकेंगे उतना ही गलत है.

इस दुर्दनाक हालत का असर देश की इन पारलिमेंटों और धारा सभाओं में साफ़ दिखाई देता है. दिल्ली में हम एक दिन अचानक अपने एक पुराने मित्र पारलिमेंट के एक मेम्बर के घर पहुँच गए. हमने वहाँ एक नौजवान को टाइप करते हुए देखा जिसे हम पहले से जानते थे. हम कुछ हैरान हुए. पूछने पर मालूम हुआ कि वह अब भी देश के उसी मशहूर पूँजीपति का नौकर था और उसी से वेतन पाया था जिससे कभी पहले पाया करता था. अब उसकी

پارٹی شاسن کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ
 دہش میں ایک سے ادھک راجدھک پارٹیوں میں اور دوسری
 یہ کہ دیہ کی ساری حکومت کسی ایک پارٹی کے ہاتھوں
 میں ہو۔ اس طرح کی راجدھک پارٹیاں عام طور پر کسی ایک
 لکھ یا آدھش کو سامنے رکھ کر بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً اس
 دھش کی کانگریس پارٹی شروع میں کیوں "شانیت اور ویدھ
 آپاٹیں دیارا سوراج پراپتی" کے آدھش سے بنی۔ بھارت کے جو
 نو غاری اس آدھش سے سہمت تھے وہ کانگریس تھے ممبر بن
 گئے۔ دیہ کے دیہی شاسن سے آزاد ہو جانے کے بعد اس آدھش
 میں ٹھوڑا سا فرق آیا۔ کانگریس کا آدھش اب دیہ میں کلہان
 کروی راج (Welfare State) قائم کرنا یا اس کے بعد سماج
 وادی ڈھانچے (Socialistic pattern) پر راج قائم
 کرنا ٹھہرایا گیا۔ کانگریس نے سب سے پہلے اور خاص خاص
 دھشوں پر بھی ایک مدت سے یا بھومت سے ٹھہراؤ دیا۔ اس
 اس بوج دیہ کی سب سے بڑی پارٹی ہونے کے کزن حکومت
 کی ہاگ کانگریس پارٹی کے ہاتھوں میں آئی۔ پارلیمنٹ کے
 سامنے یا کسی دھار سبھا کے سامنے کوئی ایسا سوال آیا یا کوئی
 ایسا بل پیش ہوا جس کا کانگریس کے اس سے تک کے
 تردھارت آدھش سے کوئی خاص سبب نہ تھا۔ کوئی ممبر
 اس خاص سوال پر آدھش یا آدھش وچن دیگر کانگریس کا ممبر
 نہیں ہوا تھا۔ اب وہ سوال یا وہ بل بحث کے لئے کانگریس
 پارٹی کی بیٹھک میں سامنے آیا۔ کانگریس کے پردھان لیڈروں
 کی رائے یا رائے کی رائے ایک طرف دیکھائی دی۔ اس
 پر بھی جب پارٹی کی بیٹھک میں ووٹ لئے گئے تو معمولی
 اکثریت رائے سے لیڈروں کی رائے کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ اس
 کے بعد ان سب لیڈروں کے لئے جن کی رائے بھومت سے نہیں ملتی
 تھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ وہ بھومت کے ساتھ ہی ووٹ
 دیں چاہے وہ کتنا بھی ان کی انسانی آواز کے خلاف کیوں نہ ہو۔
 اگر ہم اس بات کا بھی دھیان رکھیں کہ بھومت میں کم یا ادھک
 کچھ نہ کچھ لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جنہوں نے خاص
 خاص لیڈروں کے چاہا بیجا اثر میں آکر پارٹی میٹنگ میں ووٹ
 دیا ہو تو یہ بات بھی دعوے سے نہیں کہی جا سکتی کہ سچ
 سچ پارٹی کا سچا بھومت اسی اور تھا جس اور اہمکانہ کے
 ہاتھ آئے۔ یا گھٹا پارٹیوں کے آدھار پر شاسن کی آٹھ دن کی
 گھٹا ہے۔

اس ایک معاملے میں جو حال اس پارٹی کا ہے جس کے
 ہاتھوں میں شاسن کی ہاگ ہے لگ بھگ وہی حال
 دوسری پارٹیوں یا اور دوسری پارٹیوں کا ہے۔ پارٹی
 شاسن کا یہ ایک خاص اور آجائز پہلو ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا
 ہے کہ ہر پارلیمنٹ اور ہر دھار سبھا کے اندر کسی بھی

اس ایک معاملے میں جو حال اس پارٹی کا ہے جس کے
 ہاتھوں میں شاسن کی ہاگ ہے لگ بھگ وہی حال
 دوسری پارٹیوں یا اور دوسری پارٹیوں کا ہے۔ پارٹی
 شاسن کا یہ ایک خاص اور آجائز پہلو ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا
 ہے کہ ہر پارلیمنٹ اور ہر دھار سبھا کے اندر کسی بھی

مہاتما گاندھی کی کج باتوں سے اس سبببند میں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے انگلینڈ کی اس پارلیمنٹ کی تلافی جو دنیا کی پارلیمنٹوں کی ماں مانی جاتی ہے، ایک بار (A barren prostitute) سے کی تھی۔ دوسری یہ کہ جب آزادی کے دن نزدیک آئے تو انہوں نے یہ صاف کہا تھا کہ—”اچکل کے کانگریسی نیتا پارلیمنٹری حکومت کے لئے کام کر رہے ہیں، میں پارلیمنٹری حکومت نہیں چاہتا، پر اس سبب تو میں انہیں کا ساتھ دے رہا ہوں۔“ تیسری یہ کہ جب آزادانہ سے تہذیبی دن پہلے جب دلی میں آزاد ہند کی پارلیمنٹری حکومت باضابطہ قائم ہو گئی تو اس کا روپ دیکھ کر گاندھی جی کے منہ سے نکل پڑا:—

”یہ تو ایک بہت بڑی بلا آ گئی! مجھے اب اس بلا سے لڑنا پڑے گا!“

اب ہم ذرا اپنی اچکل کی شاسن ویسٹا کی طرف ایک نگاہ ڈالیں۔ ہمارے اچکل کے ایڈیٹر راجکاجی نیتا انگریزوں کی دی ہوئی شکشا پائے ہوئے اور انگریزی وچاروں میں سے ملے ہوئے تھے۔ قدرتی طور پر وہ انگریزی شاسن پدبندی کے دلدادہ تھے۔ اپنے دیہ میں اچھی سے اچھی نیت کے ساتھ بھی وہ اسی کی نقل کر سکتے تھے۔ یہی انہوں نے کیا—وہی پارلیمنٹری طرز، وہی دو سدن، وہی چناؤ کے قنگ، انگلینڈ کے بادشاہ کی جگہ بھارت کا راجا، گورنر اور لفٹننٹ گورنروں کا وہی سلسلہ، پارلیمنٹ اور دھا سبھاؤں کے اندر وہی سرکاری دل (Treasury Benches) اور دروہی دل (Opposition) اور وہی دھواں دھار تقریریں۔ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہمارے سونکر دلوں اور دروہی دلوں کے ہرے سے بڑے نیتا بھی ایمانداری کے ساتھ ملتے اور کہتے ہیں کہ شاسن چھوٹے کسی بھی دل کے ہاتھوں میں ہو اچھے شاسن کے لئے اچھے اور زبردست دروہی دلوں کا ہونا ضروری ہے۔ بنا ایک انگ اور کم یا ایک ایک دوسرے کے پرتی اسپرڈھی راجکاجی داروں کے وہ شاسن کی کٹھنا بھی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ہم میں سے بہت سے روس اور چین جیسے دیہوں کی بابت یہ سن کر نہ وہلی انگ انگ راجکاجی پارٹیاں نہیں ہوں، یا اگر ہیں تو ایک دوسرے کے دروہی یا پرتی اسپرڈھی نہیں ہوں، کھول رہے جاتے ہیں اور یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اس طرح کے کسی بھی دیہ کی حکومت اچھی اور جلتا کے لئے ہتھ حکومت کیسے ہو سکتی ہے۔

پارٹیوں کے आधार پر شاسن ویسٹا دوسرے کسی ش کے لئے کھانا تک دیتا ہے یا نہیں یا اس سبب ہتھ ہے یا نہیں اس سوال میں ہم ابھی نہیں پڑنا چاہتے۔ ہم کیوں اپنے دیہ کی اچکل کی ویسٹا کو ہی ذرا اور پاس سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

مہاتما گاندھی کی کج باتوں سے اس سبببند میں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے انگلینڈ کی اس پارلیمنٹ کی تلافی جو دنیا کی پارلیمنٹوں کی ماں مانی جاتی ہے، ایک بار (A barren prostitute) سے کی تھی۔ دوسری یہ کہ جب آزادی کے دن نزدیک آئے تو انہوں نے یہ صاف کہا تھا کہ—”اچکل کے کانگریسی نیتا پارلیمنٹری حکومت کے لئے کام کر رہے ہیں، میں پارلیمنٹری حکومت نہیں چاہتا، پر اس سبب تو میں انہیں کا ساتھ دے رہا ہوں۔“ تیسری یہ کہ جب آزادانہ سے تہذیبی دن پہلے جب دلی میں آزاد ہند کی پارلیمنٹری حکومت باضابطہ قائم ہو گئی تو اس کا روپ دیکھ کر گاندھی جی کے منہ سے نکل پڑا:—

”یہ تو ایک بہت بڑی بلا آ گئی! مجھے اب اس بلا سے لڑنا پڑے گا!“

اب ہم ذرا اپنی اچکل کی شاسن ویسٹا کی طرف ایک نگاہ ڈالیں۔ ہمارے اچکل کے ایڈیٹر راجکاجی نیتا انگریزوں کی دی ہوئی شکشا پائے ہوئے اور انگریزی وچاروں میں سے ملے ہوئے تھے۔ قدرتی طور پر وہ انگریزی شاسن پدبندی کے دلدادہ تھے۔ اپنے دیہ میں اچھی سے اچھی نیت کے ساتھ بھی وہ اسی کی نقل کر سکتے تھے۔ یہی انہوں نے کیا—وہی پارلیمنٹری طرز، وہی دو سدن، وہی چناؤ کے قنگ، انگلینڈ کے بادشاہ کی جگہ بھارت کا راجا، گورنر اور لفٹننٹ گورنروں کا وہی سلسلہ، پارلیمنٹ اور دھا سبھاؤں کے اندر وہی سرکاری دل (Treasury Benches) اور دروہی دل (Opposition) اور وہی دھواں دھار تقریریں۔ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہمارے سونکر دلوں اور دروہی دلوں کے ہرے سے بڑے نیتا بھی ایمانداری کے ساتھ ملتے اور کہتے ہیں کہ شاسن چھوٹے کسی بھی دل کے ہاتھوں میں ہو اچھے شاسن کے لئے اچھے اور زبردست دروہی دلوں کا ہونا ضروری ہے۔ بنا ایک انگ اور کم یا ایک ایک دوسرے کے پرتی اسپرڈھی راجکاجی داروں کے وہ شاسن کی کٹھنا بھی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ہم میں سے بہت سے روس اور چین جیسے دیہوں کی بابت یہ سن کر نہ وہلی انگ انگ راجکاجی پارٹیاں نہیں ہوں، یا اگر ہیں تو ایک دوسرے کے دروہی یا پرتی اسپرڈھی نہیں ہوں، کھول رہے جاتے ہیں اور یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اس طرح کے کسی بھی دیہ کی حکومت اچھی اور جلتا کے لئے ہتھ حکومت کیسے ہو سکتی ہے۔

پارٹیوں کے आधार پر شاسن ویسٹا دوسرے کسی ش کے لئے کھانا تک دیتا ہے یا نہیں یا اس سبب ہتھ ہے یا نہیں اس سوال میں ہم ابھی نہیں پڑنا چاہتے۔ ہم کیوں اپنے دیہ کی اچکل کی ویسٹا کو ہی ذرا اور پاس سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

آجکل کی سرکار

دنیا کے اندر ایک ایک زمانے میں ایک ایک چیز کا خاص زور ہوتا ہے۔ اسی کے انوسار کوئی زمانہ دھرم پر دھان سجھا جاتا ہے، کوئی سنسکرتی پر دھان، کوئی ارتھ پر دھان، کوئی ایک ہی سہ میں ایک ایک دیشوں میں ایک ایک چیزوں کا زور ہوتا ہے۔ آجکل ایک ایک دیشوں میں ایک ایک چیزوں کا بول بالا ہے۔ اس لئے اس ایک کو راجنیتی پر دھان یک کہا جا سکتا ہے۔ دھرم، سداچار، ارتھ، سنسکرتی، کلا اور سادھتھ سب کو آج ہم अधिकतर राजनीति ही की निगाह से देखते हैं۔ राजनीति आज हमारे सारे मानव जीवन पर छाई हुई है। इसीलिये राजनीतिक नेता और कार्यकर्ता ही सब जगह आज दुनिया के नेता माने जाते हैं۔

कहा जाता है कि मानव इतिहास के शुरू में मनुष्य और पशुओं में बहुत कम अन्तर था। धीरे धीरे मनुष्य ने अपने मस्तिष्क के सहारे उन्नति करना शुरू किया। कुटुम्ब बना. समाज बना. छोटे छोटे गिरोह बने. उन गिरोहों में प्रबन्ध और संचालन के लिये सरदार होने लगे. धीरे धीरे राजा बने, सम्राट बने, और राजा और प्रजा का अन्तर पैदा हुआ.

दुनिया के स्फूर्तों में पढ़ाई जाने वाली समाज शास्त्र की अधिकतर किताबें मनुष्य की सबसे पहले की जंगली हालत से शुरू होती हैं. राजनीति की अधिकतर किताबें राजाओं और सम्राटों के युग से शुरू होती हैं.

आजकल अक्सर कहा जाता है कि राजाओं या सम्राटों यानी बादशाहों या राइनशाहों का जमाना बड़े अन्धकार का जमाना था. उसी से गुलामी का रिवाज चला, राजा और प्रजा, मालिक और गुलाम का अन्तर पैदा हुआ, समार में ऊँच नीच की बात आई. दूसरों को चूस कर थोड़े से बड़ा बनने वालों और लाखों और करोड़ों बलित, नादार चुसने वालों में दुनिया बंट गई, इत्यादि.

यह भी कहा जाता है कि जिसे आजकल डेमोक्रेसी, जमहूरियत, प्रजातन्त्र, जनवन्त्र या लोकशाही कहा जाता है उसने जनम लेकर दुनिया और दुनिया की जनता को मुसीबत के उस गड्ढे में से निकाला. इस तरह की अधिकतर बातों में सचाई का एक अंश तो होता ही है, फिर चाहे वह रूपरे में छे आने हो या दस आने. इस तरह के जनतंत्र की सबसे बड़ी मिसालें आज संयुक्त राज अमरीका और इंग्लैन्ड की दी जाती हैं. भारत का आजकल का विधान भी, यूँ तो कहीं से कुछ और कहीं से कुछ लेकर तैयार किया गया है, पर अधिकतर प्रजातंत्र या जनतंत्र की इसी फरना पर ढला हुआ है.

आजکل کی سرکار

دنیا کے اندر ایک ایک زمانے میں ایک ایک چیز کا خاص زور ہوتا ہے۔ اسی کے انوسار کوئی زمانہ دھرم پر دھان سجھا جاتا ہے، کوئی سنسکرتی پر دھان، کوئی ارتھ پر دھان، کوئی ایک ہی سہ میں ایک ایک دیشوں میں ایک ایک چیزوں کا زور ہوتا ہے۔ آجکل ایک ایک دیشوں میں ایک ایک چیزوں کا بول بالا ہے۔ اس لئے اس ایک کو راجنیتی پر دھان یک کہا جا سکتا ہے۔ دھرم، سداچار، ارتھ، سنسکرتی، کلا اور سادھتھ سب کو آج ہم अधिकतर राजनीति ही की निगाह से देखते हैं. राजनीति आज हमारे सारे मानव जीवन पर छाई हुई है. इसीलिये राजनीतिक नेता और कार्यकर्ता ही सब जगह आज दुनिया के नेता माने जाते हैं.

कहा जाता है कि मानव इतिहास के शुरू में मनुष्य और पशुओं में बहुत कम अन्तर था. धीरे धीरे मनुष्य ने अपने मस्तिष्क के सहारे उन्नति करना शुरू किया. कुटुम्ब बना. समाज बना. छोटे छोटे गिरोह बने. उन गिरोहों में प्रबन्ध और संचालन के लिये सरदार होने लगे. धीरे धीरे राजा बने, सम्राट बने, और राजा और प्रजा का अन्तर पैदा हुआ.

दुनिया के स्फूर्तों में पढ़ाई जाने वाली समाज शास्त्र की अधिकतर किताबें मनुष्य की सबसे पहले की जंगली हालत से शुरू होती हैं. राजनीति की अधिकतर किताबें राजाओं और सम्राटों के युग से शुरू होती हैं.

आजकल अक्सर कहा जाता है कि राजाओं या सम्राटों या बादशाहों या राइनशाहों का जमाना बड़े अन्धकार का जमाना था. उसी से गुलामी का रिवाज चला, राजा और प्रजा, मालिक और गुलाम का अन्तर पैदा हुआ, समार में ऊँच नीच की बात आई. दूसरों को चूस कर थोड़े से बड़ा बनने वालों और लाखों और करोड़ों बलित, नादार चुसने वालों में दुनिया बंट गई, इत्यादि.

यह भी कहा जाता है कि जिसे आजकल डेमोक्रेसी, जमहूरियत, प्रजातन्त्र, जनवन्त्र या लोकशाही कहा जाता है उसने जनम लेकर दुनिया और दुनिया की जनता को मुसीबत के उस गड्ढे में से निकाला. इस तरह की अधिकतर बातों में सचाई का एक अंश तो होता ही है, फिर चाहे वह रूपरे में छे आने हो या दस आने. इस तरह के जनतंत्र की सबसे बड़ी मिसालें आज संयुक्त राज अमरीका और इंग्लैन्ड की दी जाती हैं. भारत का आजकल का विधान भी, यूँ तो कहीं से कुछ और कहीं से कुछ लेकर तैयार किया गया है, पर अधिकतर प्रजातंत्र या जनतंत्र की इसी फरना पर ढला हुआ है.

امریکا یا انگلینڈ بنا دینے کے ہی چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف وہیں کے ساتھ اپنے سبیلہ میں ہم شانتی اور امن کے اس راستے پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں جو راشٹر پیتا مہاتما گاندھی نے ہمارے سامنے رکھا تھا۔ کبھی کبھی تو ہم لگ بھگ انہیں کے شبہوں میں انہیں کے بھاؤں کو پرکھتے رہتے رہتے ہیں۔ یہ ہے آجکل کے بھارت کا دورِ خابینہ۔

اس دورِ خابینہ کے چلنے میں سب سے بڑی بھول ہم یہ کر رہے ہیں کہ ہم ایک ایسے بنیادی اصول کو بھول جاتے ہیں کہ جو جز اور چین یعنی بے جان اور جاندار دونوں کی سرشتی زمین صاف کلم کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ کوئی بھی پرسور وروہی شکلیاں جب ایک ساتھ میدان میں چڑھ دی جاتی ہیں تو وہ دونوں ایک دوسرے کو کالت کر اپنے کو نشٹ کر دیتی ہیں۔ ایک ہی دیہ کی شامیں نہتی میں ہنس اور اہنسا کو ساتھ ساتھ چلنے کی یہ کوشش دیہ کو اندر سے اور باہر سے دونوں طرف سے بے حد کھوکھلا کرتی جا رہی ہے۔ اگر بھارت ایکبار اس بات کو سمجھ لے اور یکے بعد دیگرے کے ساتھ دیہ کے اندر کی دیہیتا کو اپنی پرانی کلچر سے ملا کر چلے، اپنی آؤدیوگک اور آرتھک آگانشاؤں یعنی صنعتی اور مالی روگراموں کو اپنے لہٹک اور روحانی اصولوں کے ساتھ ملا کر چلے، اور پندرنا اور سچائی کے ساتھ 'پیسٹل کو ایکسٹینس' یعنی شانتی ووروک سب کے ساتھ مل کر رہنے کے ان اہنسانک اصولوں اور آدرشوں پر خود عمل کرنے لگے جنہیں وہ دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے، تو اس میں کوئی سندیہ نہیں کہ دنیا کی آجکل کی تھانہوں پر بھارت اُسے ویسی ہی ایورو وجئے دلا سکتا ہے جیسی وجئے راشٹر پیتا نے ہمیں اپنے آزادی کے سلگرام میں دلائی ہے۔

اسی بھاؤ اور اسی آشا کے ساتھ ہم اپنے دیہیں بھانہیں اور اپنی سرکار سے یہ ایول کر رہے ہیں۔ ہمیں وہاں سے کہ اگر ہم سب ملکر مسئلہ کی آوشوکتا کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں تو ہم امریکا اور یورپ کے نقلچی اور ان کے دست نکر بنے رہنے کے بجائے ان کو راہ دکھانے والے اور انہیں نجات دلائے والے بن سکتے ہیں۔ آج ہم صاف صاف ان کے نقلچی اور دست نکر بنے ہوئے ہیں۔

اس دورِ خابینہ کے چلنے میں سب سے بڑی بھول ہم یہ کر رہے ہیں کہ ہم ایک ایسے بنیادی اصول کو بھول جاتے ہیں کہ جو جز اور چین یعنی بے جان اور جاندار دونوں کی سرشتی زمین صاف کلم کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ کوئی بھی پرسور وروہی شکلیاں جب ایک ساتھ میدان میں چڑھ دی جاتی ہیں تو وہ دونوں ایک دوسرے کو کالت کر اپنے کو نشٹ کر دیتی ہیں۔ ایک ہی دیہ کی شامیں نہتی میں ہنس اور اہنسا کو ساتھ ساتھ چلنے کی یہ کوشش دیہ کو اندر سے اور باہر سے دونوں طرف سے بے حد کھوکھلا کرتی جا رہی ہے۔ اگر بھارت ایکبار اس بات کو سمجھ لے اور یکے بعد دیگرے کے ساتھ دیہ کے اندر کی دیہیتا کو اپنی پرانی کلچر سے ملا کر چلے، اپنی آؤدیوگک اور آرتھک آگانشاؤں یعنی صنعتی اور مالی روگراموں کو اپنے لہٹک اور روحانی اصولوں کے ساتھ ملا کر چلے، اور پندرنا اور سچائی کے ساتھ 'پیسٹل کو ایکسٹینس' یعنی شانتی ووروک سب کے ساتھ مل کر رہنے کے ان اہنسانک اصولوں اور آدرشوں پر خود عمل کرنے لگے جنہیں وہ دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے، تو اس میں کوئی سندیہ نہیں کہ دنیا کی آجکل کی تھانہوں پر بھارت اُسے ویسی ہی ایورو وجئے دلا سکتا ہے جیسی وجئے راشٹر پیتا نے ہمیں اپنے آزادی کے سلگرام میں دلائی ہے۔

اسی بھاؤ اور اسی آشا کے ساتھ ہم اپنے دیہیں بھانہیں اور اپنی سرکار سے یہ ایول کر رہے ہیں۔ ہمیں وہاں سے کہ اگر ہم سب ملکر مسئلہ کی آوشوکتا کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں تو ہم امریکا اور یورپ کے نقلچی اور ان کے دست نکر بنے رہنے کے بجائے ان کو راہ دکھانے والے اور انہیں نجات دلائے والے بن سکتے ہیں۔ آج ہم صاف صاف ان کے نقلچی اور دست نکر بنے ہوئے ہیں۔

اسی بھاؤ اور اسی آشا کے ساتھ ہم اپنے دیہیں بھانہیں اور اپنی سرکار سے یہ ایول کر رہے ہیں۔ ہمیں وہاں سے کہ اگر ہم سب ملکر مسئلہ کی آوشوکتا کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں تو ہم امریکا اور یورپ کے نقلچی اور ان کے دست نکر بنے رہنے کے بجائے ان کو راہ دکھانے والے اور انہیں نجات دلائے والے بن سکتے ہیں۔ آج ہم صاف صاف ان کے نقلچی اور دست نکر بنے ہوئے ہیں۔

لے کہیں سوال یہ ہے کہ اس معاملے میں پہل کون کرے؟ اور

میری راہ میں اس سوال کا جواب سیدھا اور صاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ پہل بھارت ہی کر سکتا ہے اور اسے ہی کرنی چاہئے۔ بھارت ہی کو سب سے پہلے اپنے سب اختیار پھینک دینے چاہئیں اور اپنی سب فوجیں برخاست کر دینی چاہئیں۔ بھارت ہی اس پر ترنت اور پوری طرح عمل کر کے دیکھا سکتا ہے۔

اس کے کارن بھی صاف ہیں اور بھارت کے پوراچین اور حال کے انتہاس کے پٹوں پر مؤدے اکثروں میں لگے ہوئے ہیں۔ پوراچین سے میں اشوک نے دنیا کو ایک نیا راستہ ایسے بڑے پیمانے پر دکھایا کہ جس سے اس سے اسی کی ساری نیتیں بنوا دیں ہل گئیں۔ اشوک کے اس کارنامے نے ہی مہاتما گاندھی کے آگے کے لئے زمین تیار کی جس نے ان کے اصولوں، ان کے طریقوں، ان کے امنساتمک آپاہوں اور ان کی آزادی کی لڑائی اور اس کی انتم وجہ کو ممکن بنا دیا۔

پوراچین سے میں اشوک نے دنیا کو ایک نیا راستہ ایسے بڑے پیمانے پر دکھایا کہ جس سے اس سے اسی کی ساری نیتیں بنوا دیں ہل گئیں۔ اشوک کے اس کارنامے نے ہی مہاتما گاندھی کے آگے کے لئے زمین تیار کی جس نے ان کے اصولوں، ان کے طریقوں، ان کے امنساتمک آپاہوں اور ان کی آزادی کی لڑائی اور اس کی انتم وجہ کو ممکن بنا دیا۔

پوراچین سے میں اشوک نے دنیا کو ایک نیا راستہ ایسے بڑے پیمانے پر دکھایا کہ جس سے اس سے اسی کی ساری نیتیں بنوا دیں ہل گئیں۔ اشوک کے اس کارنامے نے ہی مہاتما گاندھی کے آگے کے لئے زمین تیار کی جس نے ان کے اصولوں، ان کے طریقوں، ان کے امنساتمک آپاہوں اور ان کی آزادی کی لڑائی اور اس کی انتم وجہ کو ممکن بنا دیا۔

پوراچین سے میں اشوک نے دنیا کو ایک نیا راستہ ایسے بڑے پیمانے پر دکھایا کہ جس سے اس سے اسی کی ساری نیتیں بنوا دیں ہل گئیں۔ اشوک کے اس کارنامے نے ہی مہاتما گاندھی کے آگے کے لئے زمین تیار کی جس نے ان کے اصولوں، ان کے طریقوں، ان کے امنساتمک آپاہوں اور ان کی آزادی کی لڑائی اور اس کی انتم وجہ کو ممکن بنا دیا۔

پوراچین سے میں اشوک نے دنیا کو ایک نیا راستہ ایسے بڑے پیمانے پر دکھایا کہ جس سے اس سے اسی کی ساری نیتیں بنوا دیں ہل گئیں۔ اشوک کے اس کارنامے نے ہی مہاتما گاندھی کے آگے کے لئے زمین تیار کی جس نے ان کے اصولوں، ان کے طریقوں، ان کے امنساتمک آپاہوں اور ان کی آزادی کی لڑائی اور اس کی انتم وجہ کو ممکن بنا دیا۔

پوراچین سے میں اشوک نے دنیا کو ایک نیا راستہ ایسے بڑے پیمانے پر دکھایا کہ جس سے اس سے اسی کی ساری نیتیں بنوا دیں ہل گئیں۔ اشوک کے اس کارنامے نے ہی مہاتما گاندھی کے آگے کے لئے زمین تیار کی جس نے ان کے اصولوں، ان کے طریقوں، ان کے امنساتمک آپاہوں اور ان کی آزادی کی لڑائی اور اس کی انتم وجہ کو ممکن بنا دیا۔

پوراچین سے میں اشوک نے دنیا کو ایک نیا راستہ ایسے بڑے پیمانے پر دکھایا کہ جس سے اس سے اسی کی ساری نیتیں بنوا دیں ہل گئیں۔ اشوک کے اس کارنامے نے ہی مہاتما گاندھی کے آگے کے لئے زمین تیار کی جس نے ان کے اصولوں، ان کے طریقوں، ان کے امنساتمک آپاہوں اور ان کی آزادی کی لڑائی اور اس کی انتم وجہ کو ممکن بنا دیا۔

پوراچین سے میں اشوک نے دنیا کو ایک نیا راستہ ایسے بڑے پیمانے پر دکھایا کہ جس سے اس سے اسی کی ساری نیتیں بنوا دیں ہل گئیں۔ اشوک کے اس کارنامے نے ہی مہاتما گاندھی کے آگے کے لئے زمین تیار کی جس نے ان کے اصولوں، ان کے طریقوں، ان کے امنساتمک آپاہوں اور ان کی آزادی کی لڑائی اور اس کی انتم وجہ کو ممکن بنا دیا۔

ہم نے اسے 'شانیت یوڈ' کہا ہے۔ شانیت یوڈ سب سے پہلے ایک انوکھا واقعہ ہے۔ یہ آندولن بھی اپنے ڈھنگ کا ویسا ہی نیا اور انوکھا ہے۔ لیکن 'جانے یا' کے زمانے میں اس کی اوج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن 'جانے یا' کے زمانے میں اس کی اوج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن 'جانے یا' کے زمانے میں اس کی اوج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ بات بھی قدرتی اور لازمی ہے کہ اس شانیت یوڈ کا سب سے خاص مقصد اور آخری منزل وہ تحریک ہو جو آج 'تس آرمیٹ' کے روپ میں چل رہی ہے یعنی یہ کہ دنیا کی سب قوموں کے سب ہتھیار لے لیں اور دنیا کی سب قومیں درخواست کر دیں اور آندولن کی اصلی اور آخری حیثیت ہار لیں اور ہتھیاروں کے کم یا ختم ہو جانے کے سوال پر غور کریں۔ اسی ایک سوال پر یہ بھی غور کریں کہ مائو جاتی کا جیون ختم ہوگا یا مائو انہاس میں ایک ایسے نئے یک اور نئی سہولت کا ادب ہوگا جو اب تک کے سب یکوں اور سب سہولتوں سے کہیں ادھک شاندار ہوگی۔ آجکل دنیا کے سامنے جتنی سہولتیں ہیں ان سب کے حل کی کسوٹی بھی 'تس آرمیٹ' ہی ہے۔ اگر ایک بار یہ سوال ٹھیک ٹھیک حل ہو جائے تو باقی کے وہ سب سوال دھیرے دھیرے اپنے آپ شانیت اور سہولت کے ساتھ حل ہو جائیں گے جو آج مانو جاتی کو ایک زبردست بھول بھلائی میں ڈالے ہوئے ہیں اور جن کا حل آسانی سے کسی کو سوچ نہیں رہا ہے۔ پچھلے پچاس برس کے اندر جیسے جیسے ہمارے نئے نئے ہتھیار اور طریقے نکلتے گئے ویسے ہی آدمی کے اندر سچی مائوٹا اور انسانیت بھی زوروں کے ساتھ پیدا ہوتی گئی۔ یہ مائوٹا ہی شانیت آندولن میں راکٹوں کے ایک دوسرے کو ادھک اچھی طرح سمجھنے کی اچھا مہم اور پوری یا ادھوری ہتھیار بادی میں اپنے کو پرکھ کر رہی ہے۔

ایک اور سوویت روس کی راجدھانی اور اس کی پالیسی میں جو زبردست آہستہ پھیر ہوئے ہیں انہوں نے اور دوسری اور بھارت کی اہستہ آہستہ یعنی غیر جانبداری اور اس کے ساتھ بھارت کے 'پلیچ شول' کے اصول کے جو دعوے شانیت اور دعوے کی بھاد ہو سکتا ہے ان دونوں کے مل کر پوری کامیابی کے ساتھ دنیا کی فینک توازن کے پلڑے کو شانیت کی طرف جھکا دیا ہے۔ ساری دنیا اب شانیت کے حق میں آواز اٹھاتی ہو رہی ہے۔ دنیا کو اس سے جو شکی ملی ہے اور جو اس پر مائوٹا ہے اس سے بدی ٹھیک ٹھیک اور سچائی کے ساتھ قائم رہنا چاہیے کہ تو مائو انہاس میں ایک نیا پلٹا جا سکتا ہے جس کے لئے ساری مائوٹا جاتی اس سے بدی اور پھلتی ہے۔

ہم نے اسے 'شانیت یوڈ' کہا ہے۔ شانیت یوڈ سب سے پہلے ایک انوکھا واقعہ ہے۔ یہ آندولن بھی اپنے ڈھنگ کا ویسا ہی نیا اور انوکھا ہے۔ لیکن 'جانے یا' کے زمانے میں اس کی اوج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن 'جانے یا' کے زمانے میں اس کی اوج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن 'جانے یا' کے زمانے میں اس کی اوج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ بات بھی قدرتی اور لازمی ہے کہ اس شانیت یوڈ کا سب سے خاص مقصد اور آخری منزل وہ تحریک ہو جو آج 'تس آرمیٹ' کے روپ میں چل رہی ہے یعنی یہ کہ دنیا کی سب قوموں کے سب ہتھیار لے لیں اور دنیا کی سب قومیں درخواست کر دیں اور آندولن کی اصلی اور آخری حیثیت ہار لیں اور ہتھیاروں کے کم یا ختم ہو جانے کے سوال پر غور کریں۔ اسی ایک سوال پر یہ بھی غور کریں کہ مائو جاتی کا جیون ختم ہوگا یا مائو انہاس میں ایک ایسے نئے یک اور نئی سہولت کا ادب ہوگا جو اب تک کے سب یکوں اور سب سہولتوں سے کہیں ادھک شاندار ہوگی۔ آجکل دنیا کے سامنے جتنی سہولتیں ہیں ان سب کے حل کی کسوٹی بھی 'تس آرمیٹ' ہی ہے۔ اگر ایک بار یہ سوال ٹھیک ٹھیک حل ہو جائے تو باقی کے وہ سب سوال دھیرے دھیرے اپنے آپ شانیت اور سہولت کے ساتھ حل ہو جائیں گے جو آج مانو جاتی کو ایک زبردست بھول بھلائی میں ڈالے ہوئے ہیں اور جن کا حل آسانی سے کسی کو سوچ نہیں رہا ہے۔ پچھلے پچاس برس کے اندر جیسے جیسے ہمارے نئے نئے ہتھیار اور طریقے نکلتے گئے ویسے ہی آدمی کے اندر سچی مائوٹا اور انسانیت بھی زوروں کے ساتھ پیدا ہوتی گئی۔ یہ مائوٹا ہی شانیت آندولن میں راکٹوں کے ایک دوسرے کو ادھک اچھی طرح سمجھنے کی اچھا مہم اور پوری یا ادھوری ہتھیار بادی میں اپنے کو پرکھ کر رہی ہے۔

ایک اور سوویت روس کی راجدھانی اور اس کی پالیسی میں جو زبردست آہستہ پھیر ہوئے ہیں انہوں نے اور دوسری اور بھارت کی اہستہ آہستہ یعنی غیر جانبداری اور اس کے ساتھ بھارت کے 'پلیچ شول' کے اصول کے جو دعوے شانیت اور دعوے کی بھاد ہو سکتا ہے ان دونوں کے مل کر پوری کامیابی کے ساتھ دنیا کی فینک توازن کے پلڑے کو شانیت کی طرف جھکا دیا ہے۔ ساری دنیا اب شانیت کے حق میں آواز اٹھاتی ہو رہی ہے۔ دنیا کو اس سے جو شکی ملی ہے اور جو اس پر مائوٹا ہے اس سے بدی ٹھیک ٹھیک اور سچائی کے ساتھ قائم رہنا چاہیے کہ تو مائو انہاس میں ایک نیا پلٹا جا سکتا ہے جس کے لئے ساری مائوٹا جاتی اس سے بدی اور پھلتی ہے۔

बहादुरी को सराहते हुए अपनी पिछली दुर्मनी को मुला दिया. इस दोस्ती से सिखों में फिर कुछ हौसला बढा और वह अंग्रेजों कीज में भरती होने लगे जहाँ वे अपनी सिख निशानियों को जैसे के तैसा ही कायम रख सकते थे. लेकिन और सब बातों में सिखों में कोई जीवन नहीं रह गया था. उनमें न तो धार्मिक जीवन था और न कौमी जीवन. वह उन्हीं पुराने देवताओं को पूजने लगे थे और वही पुरानी और लचर रस्में अदा करते थे जिनमें से उन्हें निकालने के लिये उनके गुरुओं ने निहायत बहादुरी से कोशिश की थी. सिखों की तालीम और पाँच निशानियाँ सिर्फ बराए नाम बूझ गई. आजकल की संघ सभा सिखों को फिर पुराने ठीक रास्ते पर लाने की कोशिश कर रही है.

بہادری کو سراہتے ہوئے اپنی پچھلی دُرمنی کو مُلا دیا۔ اس دوستی سے سکھوں میں پھر کچھ حوصلہ بڑھا اور وہ انگریزی فوج میں بھرتی ہونے لگے جہاں وہ اپنی سکھ نشانیوں کو جیسا کہ تیساریں قائم رکھ سکتے تھے۔ لیکن اور سب باتوں میں سکھوں میں کوئی جھون نہیں رہ گیا تھا۔ اُن میں نہ تو دھارمک جھون تھا اور نہ قومی جھون۔ وہ انہیں پرانے دیوتاؤں کو پوجنے لگے تھے اور وہی پرانی اور لچر رسمیں ادا کرتے تھے جن میں سے انہیں نکالنے کے لئے اُن کے گروں نے نہایت بہادری سے کوشش کی تھی۔ سکھوں کی تعلیم اور اور پانچ نشانیاں صرف برائے نام رہ گئیں۔ آجکل کی سنگم سبھا سکھوں کو پھر پرانے ٹھیک راستے پر لانے کی کوشش کر رہی ہے۔

700 PAGES,

32 ILLUSTRATIONS

2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madra.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the lighty mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

نند सिंह बेरार, खैरसिंह अंबावा और करमसिंह मान बेरार। एक मुसलमान को जिसका नाम सोनता था सिख बनाकर उसका नाम भी रामसिंह रखा गया था और उसकी लड़कियों की शादी रामगढ़िया के सरदारों के यहाँ हुई थी। मेवों के भाई हरिसिंह पैदाइशी मुसलमान थे। उनको भाई ओनेसिंह कंथल वाले ने सिख बनाया था। एक मुसलमान, जिसका सिख नाम निहाल सिंह रखा गया था, गुरुद्वारा भिलयानी का महंत हो गया था। महाराज नरेन्द्र सिंह पटियाला नरेश के इशारे से एक शरस सदर वहीन सिख बनाया गया था और महंत हयासिंह ने उसका नाम फतह सिंह रखा था। यह शरस 26 साल तक धर्मशाला फूल का महंत रहा और सन 1869 में मर गया। इस तरह महाराजा रंजीतसिंह के जमाने में हजारों मुसलमान मर्द और बचौरतें सिख धर्म के हलक़े में शामिल हुए थे।³

लेकिन महाराजा रंजीतसिंह की हुकूमत में हिन्दू असर ने सिख धर्म को सख्त धक्का पहुँचाया: उसका असर खासता सिपाहियों पर भी पड़ा। अगरचे इन सिपाहियों में सिख धर्म करीब करीब अपनी पुरानी पाकीजगी में भोजूद था, नयी ऐरा पसन्दों ने सिखों की सादगी और आज्ञादी को बरबाद कर दिया। असल में सिख धर्म एक स्थादा और सख्त धर्म है और आसानी से सिख लोग ऐश और आराम की तरफ नहीं मुड़ते। सिखों के मजहबी और दुनियावी रस्मों में अक्सर सिबाय मजन गाने और प्रार्थना करने के और कुछ नहीं होता।

एक महाराजा अपने बराबर वाले महाराजों में अपना मर्तबा किस तरह कायम रख सकता है जब तक कि वह गद्दी पर बैठने व अपनी शादी के मौक़े पर नज़ूमियों और पंडितों को बुलाकर उन रस्मों और जलसों को शानदार न बना दे। सिख राजाओं और अमीरों को सिख धर्म को अपनी पसन्द के मुताबिक़ बना लेना हमेशा मुश्किल रहा है। इसलिये जब कभी वह दिखावा और रस्में पूरी करना चाहते हैं तो सिख धर्म के दायरे के बाहर जाने के लिये मजबूर होते हैं।

महाराजा रंजीत सिंह के बाद जब बादशाहत सिक़ केबरो और क्रीमती कपड़ों तक ही रह गई तो ऊँचे खान्दानों के लिये सिख धर्म भी सिक़ पगड़ी और दाढ़ी का फैशन रह गया। नतीजा यह हुआ कि आगे चलकर ऐसेलोगों ने, जिनके रहन सहन के तरीक़ सख्त और जिनमें ज़ब्त भोजूद था, सिख सरदारों के हाथ से हुकूमत छीन ली। आम सिखों में अभी पुरानी इसमिट कुछ बाक़ी थी लेकिन वह भी गुरुद्वारों की हालत बदल जाने और लड़ाई में धक्का पहुँचने की वजह से कम होने लगी। अंग्रेजों ने उससे काबू उठाने की कोशिश की और सिखों की शरीफ़ाना

तक़दिर से बेरार, क़ोर सिंह आदिक़ों को क़रम सिंह मान वग़ैरे। एक मुसलमान को जिस का नाम सोनता था सिक़ बनाकर उस का नाम भी राम सिंह रखा गया था और उसकी लड़कियों की शादी रामगढ़िया के सरदारों के यहाँ हुई थी। मेवों के भाई हरिसिंह पैदाइशी मुसलमान थे। उनको भाई ओनेसिंह कंथल वाले ने सिख बनाया था। एक मुसलमान, जिसका सिख नाम निहाल सिंह रखा गया था, गुरुद्वारा भिलयानी का महंत हो गया था। महाराज नरेन्द्र सिंह पटियाला नरेश के इशारे से एक शरस सदर वहीन सिख बनाया गया था और महंत हयासिंह ने उसका नाम फतह सिंह रखा था। यह शरस 26 साल तक धर्मशाला फूल का महंत रहा और सन 1869 में मर गया। इस तरह महाराजा रंजीतसिंह के जमाने में हजारों मुसलमान मर्द और बचौरतें सिख धर्म के हलक़े में शामिल हुए थे।³

लेकिन महाराजे रنجित सिंह की حکومت میں ہندو اثر نے سکھ دھرم کو سخت دھکا پہنچایا۔ اُس کا اثر خالصہ سپاہیوں پر بھی پڑا، اگرچہ ان سپاہیوں میں سکھ دھرم قریب قریب اپنی پرانی پاکیزگی میں موجود تھا۔ نئی عیش پسندی نے سکھوں کی سادگی اور آزادی کو برباد کر دیا۔ اصل میں سکھ دھرم ایک سادا اور سخت دھرم ہے اور آسانی سے سکھ لوگ عیش اور آرام کی طرف نہیں جھکتے۔ سکھوں کے مذہبی اور دنیاوی رسموں میں اکثر سوائے بھجن گائے اور پرارتھنا کرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ایک مہاراجہ اپنے برابر والے مہاراجوں میں اپنا مرتبہ کس طرح قائم رکھ سکتا ہے جب تک کہ وہ گدی پر بیٹھنے والی شادی کے موقع پر نجومیوں اور پندتوں کو بلا کر ان رسموں اور اور جلسوں کو شاندار نہ بنا دے۔ سکھ راجاؤں اور امیروں کو سکھ دھرم کو اپنی پسند کے مطابق بنا لینا ہمیشہ مشکل رہا ہے۔ اِس لئے جب کہیں وہ دکھاوا اور رسمیں پوری کرنا چاہتے ہیں تو سکھ دھرم کے دائرے کے باہر جانے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد جب بادشاہت صرف زمینوں اور قیمتی کوڑوں تک ہی رہ گئی تو اونچے خاندانوں کے لئے سکھ دھرم بھی صرف پگڑی اور داڑھی کا فیشن رہ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر ایسے لوگوں نے جن کے رہن سہن کے طریقے سخت اور جن میں ضبط موجود تھا، سکھ سرداروں کے ہاتھ سے حکومت چھین لی۔ عام سکھوں میں اپنی پرانی اسورت کچھ باقی تھی لیکن وہ بھی گوروواروں کی حالت بدل جانے اور لوٹائی میں دھکا پہنچانے کی وجہ سے کم ہونے لگی۔ ٹکڑوں نے اُس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی اور سکھوں کی شریفانہ

رکھا۔ 8۔ عیسائی گرجوں کے کھل دھک تو انہی لوگوں کو دیے جاتے تھے جو یھودیوں سے عیسائی ہوتے تھے اور جنکا ختنہ ہوتا تھا۔

اسی طرح جب برائے سکھ جن کو گرو گوند سنگھ نے خود دیکھا دی تھی، شہید ہوئے اور ان کی اولاد جلاوطنی (بریدیس) میں رہنے کے لئے مجبور ہو گئی اور سنگتوں بلا سرداروں کے رہ گئیں تو وہ برائے رسم رواجوں اور وشواسوں میں ڈھل گئیں۔ جو لوگ چارٹی قوموں میں سے آئے تھے ان سے اور ان لوگوں سے فرق ہونے لگا جو اونچی ذاتوں سے آئے تھے۔ دیکھا لیٹے کے بعد بھی کچھ کو تو صرف دروازے پر ہی جگہ ملتی تھی اور دوسروں کو مندر کے اندر داخل ہونے کا حکم ہوتا تھا۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو اُس مصیبت کے زمانے میں کپے طرز پر سکھ ہونے کا اقرار کرنے کی ہمت نہ دے سکتے تھے۔ ان کو اجازت دی گئی کہ وہ سکھ دھرم کی اویسی نشانہوں کے بغیر ہی کام چلائیں اور ایسے آدمیوں کو 'سہجندھاری' کہا گیا۔ ان دنوں جب لمبے کدھر رکھنا موت کو بلاتا تھا کوئی آدمی ان کے اُس بھیس بدلنے پر اعتراض کرنے کا خیال دل میں نہیں لانا تھا جو سہجندھاریوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ ان کو سکھ دھرم پر پورا اعتقاد تھا مگر وہ اس کے لئے مرنے کو تیار نہ تھے۔ جن سہجندھاریوں نے یہ رعایتی طریقہ اختیار کر رکھا تھا وہ اصلی سکھوں کی برابری کا دعوہ نہیں کرتے تھے۔ یہ اپنے جلاوطن بھائیوں کی اسورت اور ان کی ظاہری شکل کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے اور ہر طرح ان کی مدد کیا کرتے تھے۔

اسی طرح سکھ اسورت اور طرز زندگی خالصہ کی صورت میں اُس وقت بھی قائم رکھا گیا جب کہ قصوں اور شہروں میں پابندیاں تھیلی بڑ گئیں تھیں۔ سردارتن سنگھ کے انکھ ہوئے "پلوت پرکاش" میں لکھا ہے کہ مصیبت کے زمانے کے بعد بھی جس میں ہو کر وہ گذر چکے تھے لڑنے والے سکھوں کے دلوں میں پرانی بھاؤ اب بھی صاف صاف اور مستعدی سے موجود تھی۔ وہ اب بھی روزی پوجا سے دور رہتے تھے اور نئے طریقے پر شادی کرتے اور بلتے کی حکومت سب سے بڑھ کر مانتے تھے۔ جو سوجھاؤ (نچوہڑیں) ان کی سلطنت یا پلنگایت میں ملے ہوتی تھیں ان پر عمل کرتے تھے۔ جیہ، اوتار، ذات-پات یا چھوا چھوت کو نہیں مانتے اور آزادی سے ان لوگوں کو واپس لے لیتے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ بہت سے مشہور سکھوں نے ایسی مسلمان عورتوں سے شادی کی جنہوں نے سکھ دھرم کو اپنا لیا تھا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں—اثرپ سنگھ جو چلدر تھال کا رہنے والا برہمن تھا، ستھ سنگھ بیچ گڈہ کا کھتری تھا۔

پھر بھی بلدا کے سرحد فتح کرنے پر کچھ مسلمانوں نے سکھ دھرم اختیار کیا تھا (دیکھا دستورالکھا مصنف باو محمد)۔

پھر بھی بلدا کے سرحد فتح کرنے پر کچھ مسلمانوں نے سکھ دھرم اختیار کیا تھا (دیکھا دستورالکھا مصنف باو محمد)۔

پھر بھی بلدا کے سرحد فتح کرنے پر کچھ مسلمانوں نے سکھ دھرم اختیار کیا تھا (دیکھا دستورالکھا مصنف باو محمد)۔

پھر بھی بلدا کے سرحد فتح کرنے پر کچھ مسلمانوں نے سکھ دھرم اختیار کیا تھا (دیکھا دستورالکھا مصنف باو محمد)۔

گुरु گوبیند सिंह نے بیلکھل صاف-صاف کہا ہے کہ
 سیکھ دوسری کیموں سے ہمہدھی اور مودھت رکھتے ہی ایسا نہ کریں کہ اپنے
 معیار کو دوسروں کے ساتھ ملا کر گر کر دیں۔ سیکھ اپنی
 رسموں کو چاروں فرقوں کے لوگوں سے الگ ہی رکھیں گے۔ وہ
 سب سے مناسب ہوتا کریں گے لیکن اُن کا رشواس اور زندگی
 کے کام کا عمل سب سے الگ رہیگا۔ 2 سیکھ اپنے اہلین کو
 بہت دنوں تک ہرگز نہ رکھے رہے اور ہندو اور مسلمان دونوں کے
 میل سے بہت فائدہ اٹھاتے رہے اور اپنی ترقی کو دونوں طرف
 کے غلام اثر سے بچاتے رہے۔ لیکن جب سکھوں کو مثل حکومت
 سے لڑنا پڑا تو اُن کی وہ بھڑانا کم ہونے لگی۔ گورو گوند سنگھ
 محبت کے بھندار ہونے کے سبب سے اپنے دشمنوں کے دلوں میں
 بھی محبت پیدا کر سکے۔ اور تزیب کا ایک سپہ سالار سید
 بیگ گورو سے جنگ کرتے آیا لیکن اُن سے ملاقات ہونے پر اُسے
 افسوس ہوا اور شرم سے لوت کر اُس نے عہد کر لیا کہ ظلم کی
 مدد کے لئے میں کبھی جنگ نہ کروں گا۔ بدھو شاد، نبی خاں
 اور غنی خاں مسلمان ہی تھے جنہوں نے بہت نازک وقت پر
 گورو کی مدد کی تھی۔ سکھوں سے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی
 نفرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں سکھ دھرم کی بڑھتی
 پر اثر پڑا اور مسلمانوں کا سکھوں میں شامل ہونا کم ہوتا گیا۔
 پہلے تک کہ جب بعد کے مثل بادشاہوں کی سختیاں باہا بلدا کے
 ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف بڑھ گئیں تو سکھوں میں دیکھا صرف
 ہندوؤں تک ہی محدود ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ دھرم
 نے جو تھا خیال پیدا کیا تھا اُس میں پرانے ہندو خیال بھی
 شامل ہونے لگے۔

یہی حال عیسائی دھرم کا بھی ہوا تھا۔ شری میں جب
 یساکاشر یھودیوں میں سے بھی عیسائی بننے لگے تو نئے عیسائیوں
 کے ساتھ پرانے یھودی طریقہ پر ہوتا ہوا تھا۔ اُس طریقہ میں
 اندر کے حلقے کے مریدوں اور باہر والے مریدوں میں فرق سمجھا
 جاتا تھا۔
 اندر کے حلقے کے مریدوں کا ختمہ ہوا کرتا تھا اور وہ یھودی
 رسم ادا کیا کرتے تھے، گرجہ کے سب سے اندر کے حصہ تک جانے
 کا حقدار ہوتے تھے اور باہر کے حلقے کے مریدوں کو جو اُن رسموں
 کی پابندی نہ کرتے تھے صرف 'معمود' سمجھا جاتا تھا۔
 اُن کو صرف گرجہ کے دروازے پر ہی پوجا کرنے کی اجازت
 ہوتی تھی۔ عیسائیوں اور غیر یھودیوں میں بھی فرق

یہی حال عیسائی دھرم کا بھی ہوا تھا۔ شری میں جب
 یساکاشر یھودیوں میں سے بھی عیسائی بننے لگے تو نئے عیسائیوں
 کے ساتھ پرانے یھودی طریقہ پر ہوتا ہوا تھا۔ اُس طریقہ میں
 اندر کے حلقے کے مریدوں اور باہر والے مریدوں میں فرق سمجھا
 جاتا تھا۔

اندروں کے حلقے کے مریدوں کا ختمہ ہوا کرتا تھا اور وہ یھودی
 رسم ادا کیا کرتے تھے، گرجہ کے سب سے اندر کے حصہ تک جانے
 کا حقدار ہوتے تھے اور باہر کے حلقے کے مریدوں کو جو اُن رسموں
 کی پابندی نہ کرتے تھے صرف 'معمود' سمجھا جاتا تھا۔
 اُن کو صرف گرجہ کے دروازے پر ہی پوجا کرنے کی اجازت
 ہوتی تھی۔ عیسائیوں اور غیر یھودیوں میں بھی فرق

سجّان—جاکہ پہلے ایک ڈاکو تھا مگر گرونانک فی
کی نسیہت سے سیکھ گیا اور اُن کے دھرم کا اُس نے پرجا کیا۔
ایک نواب کا لڑکا جس کو تالا کے بھائی یا د نے جالندھر دو آب
میں سکھ بلایا تھا؛ وزیر خاں—اکبر کا ایک نائب وزیر تھا اور
خفیہ طور پر گرو ارجن دیو کی تعلیم پر عمل کرتا تھا؛ دھن
شاہ—گرو نانک کا بڑا بھتیجا تھا اور آخر میں گرو گورد
زمانے میں سکھ ہو کر ہی مرا؛ بی بی گلن—لاہور کے
قلی کی لڑکی تھی اور اُس کو گرو گورد سکھ دھرم کی
تعلیم دی تھی؛ سیفباد ریاست—پتالہ کے رہنے والے شفیع
الدین کو گرو تیغ بہادر نے عین اپنی گرفتاری سے پہلے سکھ
بلایا تھا؛ سید شاہ کو بھائی نند لال نے سکھ بلایا۔ ایک
مسلمان فقیر ابراہیم نے سب سے پہلے اپنے کو گرو گورد سکھ کے
روہ سکھ دھرم اختیار کرنے کے لئے پیش کیا تھا۔ گرو نے اُس کا
نام اجمیر سکھ رکھا اور سکھوں کو ایک حکم جاری کیا کہ
”اگر کوئی مسلمان آدمی ہو یا اعلیٰ سچائی سے خالصہ دھرم
ماننا چاہتا ہو تو مناسب ہے کہ اُس کو دیکھا دی جائے اور
سکنت میں شامل کر لیا جائے۔“

بہت سے ناموں میں سے جنہوں نے سکھ دھرم اختیار کیا تھا
یہ صرف چند نام ہیں۔ ان نئے سکھوں کی حالت جانچ کرنے
پر، جو گرو نانک اور اُن کے بعد سکنت میں شامل ہوئے تھے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سید اور شیخ جن کو معلوم نے
شکست دے دی تھی سکھ مذہب کو زیادہ پسند کرتے تھے
جب کہ مغرور مغل اُن لوگوں کا دھرم اختیار کرنا اپنی توہین
سمجھتے تھے جن کو اُنہوں نے جنگ میں شکست دی تھی۔
جہانگیر کو گرو ارجن نے خلاف جیسا کہ جہانگیر نے خود
”تُرک جہانگیری“ میں لکھا ہے، سب سے بڑی شکایت یہ تھی
کہ ”بہت سے سیدھے سادے ہندو ہی نہیں بلکہ بہت سے بدوقوف
مسلمان بھی گرو ارجن کی دیکھا اور طریقوں سے موہت ہو جاتے
ہیں۔“ گرو نے بہت سے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا دی تھی جو
نیچے ذاتوں کے تھے۔ مثلاً رام داس جو سوجی تھے۔ گرو گورد
سکھ نے پہول (سکھ ہلمے) کا دروازہ سب کے لئے برابر کھول دیا
تھا۔ یہاں تک کہ مہتروں کو بھی دیکھا دی تھی اور اُنہوں اُن
کے مضبوط وشولس کے لئے ”مذہبی“ کہا جاتا تھا۔ اُن مذہبیوں کو
بعض وقت وزن رنگریٹا بھی کہتے ہیں؛ اِس کی وجہ یہ ہو سکتی
ہے کہ اُن میں سے بہت سے لوگ ”رائگر“ ذات کے مسلمان تھے۔
اِن لوگوں نے گرو تیغ بہادر کی بلی ہوئی لاش کو نکال لے کر
نہایت جواہرزدی سے کام لیا تھا۔ اِس پر اُن کو گرو گورد سکھ
نے ”تکریٹ کے چھلے“ کہہ کر پکڑا تھا۔

سجّان—جاکہ پہلے ایک ڈاکو تھا مگر گرونانک فی
کی نسیہت سے سیکھ گیا اور اُن کے دھرم کا اُس نے پرجا کیا۔
ایک نواب کا لڑکا جس کو تالا کے بھائی یا د نے جالندھر دو آب
میں سکھ بلایا تھا؛ وزیر خاں—اکبر کا ایک نائب وزیر تھا اور
خفیہ طور پر گرو ارجن دیو کی تعلیم پر عمل کرتا تھا؛ دھن
شاہ—گرو نانک کا بڑا بھتیجا تھا اور آخر میں گرو گورد
زمانے میں سکھ ہو کر ہی مرا؛ بی بی گلن—لاہور کے
قلی کی لڑکی تھی اور اُس کو گرو گورد سکھ دھرم کی
تعلیم دی تھی؛ سیفباد ریاست—پتالہ کے رہنے والے شفیع
الدین کو گرو تیغ بہادر نے عین اپنی گرفتاری سے پہلے سکھ
بلایا تھا؛ سید شاہ کو بھائی نند لال نے سکھ بلایا۔ ایک
مسلمان فقیر ابراہیم نے سب سے پہلے اپنے کو گرو گورد سکھ کے
روہ سکھ دھرم اختیار کرنے کے لئے پیش کیا تھا۔ گرو نے اُس کا
نام اجمیر سکھ رکھا اور سکھوں کو ایک حکم جاری کیا کہ
”اگر کوئی مسلمان آدمی ہو یا اعلیٰ سچائی سے خالصہ دھرم
ماننا چاہتا ہو تو مناسب ہے کہ اُس کو دیکھا دی جائے اور
سکنت میں شامل کر لیا جائے۔“

بہت سے ناموں میں سے جنہوں نے سکھ دھرم اختیار کیا تھا
یہ صرف چند نام ہیں۔ ان نئے سکھوں کی حالت جانچ کرنے
پر، جو گرو نانک اور اُن کے بعد سکنت میں شامل ہوئے تھے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سید اور شیخ جن کو معلوم نے
شکست دے دی تھی سکھ مذہب کو زیادہ پسند کرتے تھے
جب کہ مغرور مغل اُن لوگوں کا دھرم اختیار کرنا اپنی توہین
سمجھتے تھے جن کو اُنہوں نے جنگ میں شکست دی تھی۔
جہانگیر کو گرو ارجن نے خلاف جیسا کہ جہانگیر نے خود
”تُرک جہانگیری“ میں لکھا ہے، سب سے بڑی شکایت یہ تھی
کہ ”بہت سے سیدھے سادے ہندو ہی نہیں بلکہ بہت سے بدوقوف
مسلمان بھی گرو ارجن کی دیکھا اور طریقوں سے موہت ہو جاتے
ہیں۔“ گرو نے بہت سے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا دی تھی جو
نیچے ذاتوں کے تھے۔ مثلاً رام داس جو سوجی تھے۔ گرو گورد
سکھ نے پہول (سکھ ہلمے) کا دروازہ سب کے لئے برابر کھول دیا
تھا۔ یہاں تک کہ مہتروں کو بھی دیکھا دی تھی اور اُنہوں اُن
کے مضبوط وشولس کے لئے ”مذہبی“ کہا جاتا تھا۔ اُن مذہبیوں کو
بعض وقت وزن رنگریٹا بھی کہتے ہیں؛ اِس کی وجہ یہ ہو سکتی
ہے کہ اُن میں سے بہت سے لوگ ”رائگر“ ذات کے مسلمان تھے۔
اِن لوگوں نے گرو تیغ بہادر کی بلی ہوئی لاش کو نکال لے کر
نہایت جواہرزدی سے کام لیا تھا۔ اِس پر اُن کو گرو گورد سکھ
نے ”تکریٹ کے چھلے“ کہہ کر پکڑا تھا۔

दोबारा जारी करने का मौका मिल गया था. सिख गुरुद्वारे मठधारी महन्तों के हाथ में पड़ गये और संगतों से जब पहले के हम-मजहब सिख खत्म हो गये तो हकूमत वहाँ महन्तों के हाथ में आ गई जो गुरुद्वारों पर कब्जा रखते थे.

एक बात और भी थी जिस से सिख धर्म के सन्चार के साथ बढ़ने में खलल पड़ गया. सिक्खों की तारीख के आखिरी जमाने में सिख धर्म में दाखिलजा सिर्फ एक मौके के लिये रह गया. चूँकि इस पहलू पर आम तौर से विचार नहीं किया गया है इसलिये मैं इसको कुछ तफसील के साथ बयान करना चाहता हूँ.

सिख धर्म सब जातों और किरकों के लिये था और शुरु में हिन्दू और मुसलमान दोनों में से ही सिख लिये जाते थे. गुरु नानक ने पशियाई कोचक, ईरान और दूसरे मुल्कों में, जहाँ जहाँ वह गये थे, बहुत से सूरिद बनाये थे. सेवादास ने अपने ग्रंथ "जन्म साखी" (1528 ईस्वी) में बहुत सी ऐसी जगहों का जिक्र किया है जैसे "पठानों की किरि", जहाँ बहुत से मुसलमानों ने सिख धर्म अपनाया था. सिक्खों की इस फेहरिस्त से जो भाई गुरुदास (1629) ने अपने ग्यारहवें गीत में दी है इसमें और नामों के साथ ऐसे नाम भी लिखते हैं जैसे मर्दाना जो गुरु नानक के साथ रहता था, दौलतखॉ पठान जो बाद में एक सिख संत हुआ है और गूतर लोहार जो गुरु अंगद का चेला था. उसने अपने गाँव में सिख धर्म की लोगों को तालीम दी थी. इनके अलावा हमजा और मियाँ जमाल बराबर गुरु गोविन्द की खिदमत में हाजिर रहते थे. तारीख में हमकां मुसलमानों के बहुत से नाम मिलते हैं जो सिख धर्म का सराहते थे; मसलन राय बूजा रतलबन्डी का मुसलमान सरदार जो गुरुनानक के माँ बाप की निश्चत भी गुरु नानक को ज्यादा क्रूर करता था. अल्लाहयार और हुसेनो शाह, जिन्होंने गुरु अमरदास से रुहानी सचक लिया था, करीब करीब सिख हो सकते जा सकते हैं. अकबर की रवादास पर और सती के रिवाज के बन्द करने पर भी गुरु अमरदास का असर था. साई मियाँ मीर का गुरु अर्जुन देव से इस क्रूर गहरा ताल्लुक था कि गुरु जी अमृतसर के गुरुद्वारे की नींव रखने के लिये साई मियाँ मीर को लाये थे. गुरुद्वारे की नींव साई मियाँ मीर के हाथों की रखी हुई है. दाराशिकोह का सिखों की तरफ इतना ज्यादा क्रूर था कि इसी बजह से औरंगजेब ने उनके साथ ज्यादा दुराव की थी. सैयद बुख्शाह साकिन सुधौरा, कालेखॉ और सैयद बेग गुरु गोविन्द सिंह की तरफ से लड़े थे. इनके सिवाय और बहुत से ऐसे लोग भी थे जिन्होंने सिख धर्म कुबूल कर लिया था. इनमें सिर्फ बोदे से नाम यहाँ दिये जा सकते हैं. मसलन—

दोबारा जारी करने का मौका मिल गया था. सिख गुरुद्वारे मठधारी महन्तों के हाथ में पड़ गये और संगतों से जब पहले के हम-मजहब सिख खत्म हो गये तो हकूमत वहाँ महन्तों के हाथ में आ गई जो गुरुद्वारों पर कब्जा रखते थे.

एक बात और भी थी जिस से सिख धर्म के सन्चार के साथ बढ़ने में खलल पड़ गया. सिक्खों की तारीख के आखिरी जमाने में सिख धर्म में दाखिलजा सिर्फ एक मौके के लिये रह गया. चूँकि इस पहलू पर आम तौर से विचार नहीं किया गया है इसलिये मैं इसको कुछ तफसील के साथ बयान करना चाहता हूँ.

सिख धर्म सब जातों और किरकों के लिये था और शुरु में हिन्दू और मुसलमान दोनों में से ही सिख लिये जाते थे. गुरु नानक ने पशियाई कोचक, ईरान और दूसरे मुल्कों में, जहाँ जहाँ वह गये थे, बहुत से सूरिद बनाये थे. सेवादास ने अपने ग्रंथ "जन्म साखी" (1528 ईस्वी) में बहुत सी ऐसी जगहों का जिक्र किया है जैसे "पठानों की किरि", जहाँ बहुत से मुसलमानों ने सिख धर्म अपनाया था. सिक्खों की इस फेहरिस्त से जो भाई गुरुदास (1629) ने अपने ग्यारहवें गीत में दी है इसमें और नामों के साथ ऐसे नाम भी लिखते हैं जैसे मर्दाना जो गुरु नानक के साथ रहता था, दौलतखॉ पठान जो बाद में एक सिख संत हुआ है और गूतर लोहार जो गुरु अंगद का चेला था. उसने अपने गाँव में सिख धर्म की लोगों को तालीम दी थी. इनके अलावा हमजा और मियाँ जमाल बराबर गुरु गोविन्द की खिदमत में हाजिर रहते थे. तारीख में हमकां मुसलमानों के बहुत से नाम मिलते हैं जो सिख धर्म का सराहते थे; मसलन राय बूजा रतलबन्डी का मुसलमान सरदार जो गुरुनानक के माँ बाप की निश्चत भी गुरु नानक को ज्यादा क्रूर करता था. अल्लाहयार और हुसेनो शाह, जिन्होंने गुरु अमरदास से रुहानी सचक लिया था, करीब करीब सिख हो सकते जा सकते हैं. अकबर की रवादास पर और सती के रिवाज के बन्द करने पर भी गुरु अमरदास का असर था. साई मियाँ मीर का गुरु अर्जुन देव से इस क्रूर गहरा ताल्लुक था कि गुरु जी अमृतसर के गुरुद्वारे की नींव रखने के लिये साई मियाँ मीर को लाये थे. गुरुद्वारे की नींव साई मियाँ मीर के हाथों की रखी हुई है. दाराशिकोह का सिखों की तरफ इतना ज्यादा क्रूर था कि इसी बजह से औरंगजेब ने उनके साथ ज्यादा दुराव की थी. सैयद बुख्शाह साकिन सुधौरा, कालेखॉ और सैयद बेग गुरु गोविन्द सिंह की तरफ से लड़े थे. इनके सिवाय और बहुत से ऐसे लोग भी थे जिन्होंने सिख धर्म कुबूल कर लिया था. इनमें सिर्फ बोदे से नाम यहाँ दिये जा सकते हैं. मसलन—

سیخ مہاجر کا درمیانی راستا

پروفیسر تے جاسیہ ایم۔ اے۔

سیخ دھرم اس وقت تک صرف ایک مہاجری آبادیوں تھا جب تک کہ دنیاوی طاقت کی حوس کا اس پر اثر نہ ہوا تھا۔ شروع کے سکھ گروں نے ظالم حاکموں سے لڑائی ضرور لڑی تھی مگر وہ کسی لوہے میں نہ اُٹے تھے۔ چٹے سکھ گرو نے جنگی لڑائیاں لڑیں ان سب میں فتح پائی اور دسویں گرو صاحب نے بھی زیادہ تر لڑائیاں میں فتح پائی تھی۔ مگر ان لڑائیوں میں جیتلے پر بھی انہوں نے ایک اچھے زمانے پر بھی قبضہ نہیں کیا۔ جو کچھ زمین ان کے پاس تھی اس کو انہوں نے یا تو نقد روپیہ دے کر خرید لیا یا ان کے چیلوں نے انہیں نذر دی تھی۔

سیخ گروؤں کے پاس جب عیشی آرام کے سارے سامان مہیجود تھے تب بھی انہوں نے اپنا رہن سہن سادہ ہی بنایا رکھا۔ جین راگیاؤں کی ساکھیاں پُربھ ساہب میں جما کی گئی ہیں انہوں نے ہمیشہ اوسط درجے کے رہن سہن کے طریقے کو ہی سراہا ہے۔ اسے وہ راجیوگ کہا کرتے تھے۔ ایسا یوگ جو تہاگ اور یوگ دونوں کے بیچ کا راستہ ہے۔ یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کہ پانچویں یا چھٹے سکھ گرو کے زمانے سے سکھ دھرم کا معیار گر گیا اور گروں کو سچا بادشاہ اور ان کی گدی کو تخت اور سکھوں کی سلطنت کو دربار کہا جانے لگا۔ لیکن شروع گروں اور خاص کر ان راگہوں کی تحریروں سے جن کی ساکھیاں دوسرے گرو کے وقت سے ہی لکھی جانے لگی تھیں یہ صاف معلوم ہوتا ہے اس طرح کے لفظ بعد میں نہیں چلے بلکہ شروع سے ہی کام میں آئے رہے ہیں۔ ایشیا میں فقیر مہاتماؤں کا درجہ بادشاہوں سے بڑا مانا جانا رہا ہے اور ان کی شاہن میں اسی طرح کی پدویاں کام میں لائی جاتی رہی ہیں۔

سیخ دھرم میں تبدیلی بعد میں ضرور ہوئی لیکن یہ تبدیلی اس وقت سے ہی نظر آتی ہیں جب آخری گرو صاحب پنجاب سے چلے گئے تھے اور انہوں میں چاکر انہوں نے شہر تہاگ دیا تھا۔ گرو کے جن چلے ہوئے بھکتوں نے گرو گورند سکھ سے سبق پایا اور تھا جن کی موجودگی سے عام سکھوں میں سچائی کی پہچان قائم رہ سکتی تھی ان کو گرو کے شہر تہاگ کے بعد کمزوروں کی حفاظت کرنے کے لئے اپنی زندگی بچانا اور ظالموں سے لڑنا پڑ گیا اور انہیں عام لوگوں سے دور چلا جانا پڑا۔ اس وقت عام سکھوں کو یا تو اپنی قسمت پر ہر دم کرنا پڑا یا ان پرالے پیشہ ور گروں سے سبق لینا پڑا اور جن کو اب روپیہ نہ کر اپنے پرالے پیشہ کو

سیکھ مذہب کا درمیانی راستہ

پروفیسر لیچا سنگھ ایم۔ اے۔

سیکھ دھرم اس وقت تک صرف ایک مذہبی آبادیوں تھا جب تک کہ دنیاوی طاقت کی حوس کا اس پر اثر نہ ہوا تھا۔ شروع کے سکھ گروں نے ظالم حاکموں سے لڑائی ضرور لڑی تھی مگر وہ کسی لوہے میں نہ اُٹے تھے۔ چٹے سکھ گرو نے جنگی لڑائیاں لڑیں ان سب میں فتح پائی اور دسویں گرو صاحب نے بھی زیادہ تر لڑائیاں میں فتح پائی تھی۔ مگر ان لڑائیوں میں جیتلے پر بھی انہوں نے ایک اچھے زمانے پر بھی قبضہ نہیں کیا۔ جو کچھ زمین ان کے پاس تھی اس کو انہوں نے یا تو نقد روپیہ دے کر خرید لیا یا ان کے چیلوں نے انہیں نذر دی تھی۔

سیکھ گروں کے پاس جب سب عیش و آرام کے سارے سامان موجود تھے تب بھی انہوں نے اپنا رہن سہن سادہ ہی بنائے رکھا۔ جن راگہوں کی ساکھیاں گرو صاحب میں جمع کی گئیں ہیں انہوں نے ہمیشہ اوسط درجے کے رہن سہن کے طریقے کو ہی سراہا ہے۔ اس سے راج یوگ کہا کرتے تھے۔ ایسا یوگ جو تہاگ اور یوگ دونوں کے بیچ کا راستہ ہے۔ یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کہ پانچویں یا چھٹے سکھ گرو کے زمانے سے سکھ دھرم کا معیار گر گیا اور گروں کو سچا بادشاہ اور ان کی گدی کو تخت اور سکھوں کی سلطنت کو دربار کہا جانے لگا۔ لیکن شروع گروں اور خاص کر ان راگہوں کی تحریروں سے جن کی ساکھیاں دوسرے گرو کے وقت سے ہی لکھی جانے لگی تھیں یہ صاف معلوم ہوتا ہے اس طرح کے لفظ بعد میں نہیں چلے بلکہ شروع سے ہی کام میں آئے رہے ہیں۔ ایشیا میں فقیر مہاتماؤں کا درجہ بادشاہوں سے بڑا مانا جانا رہا ہے اور ان کی شاہن میں اسی طرح کی پدویاں کام میں لائی جاتی رہی ہیں۔

سیکھ دھرم میں تبدیلی بعد میں ضرور ہوئی لیکن یہ تبدیلی اس وقت سے ہی نظر آتی ہیں جب آخری گرو صاحب پنجاب سے چلے گئے تھے اور انہوں میں چاکر انہوں نے شہر تہاگ دیا تھا۔ گرو کے جن چلے ہوئے بھکتوں نے گرو گورند سکھ سے سبق پایا اور تھا جن کی موجودگی سے عام سکھوں میں سچائی کی پہچان قائم رہ سکتی تھی ان کو گرو کے شہر تہاگ کے بعد کمزوروں کی حفاظت کرنے کے لئے اپنی زندگی بچانا اور ظالموں سے لڑنا پڑ گیا اور انہیں عام لوگوں سے دور چلا جانا پڑا۔ اس وقت عام سکھوں کو یا تو اپنی قسمت پر ہر دم کرنا پڑا یا ان پرالے پیشہ ور گروں سے سبق لینا پڑا اور جن کو اب روپیہ نہ کر اپنے پرالے پیشہ کو

मुसलमानों की दोस्ताना मजहबी बहस बराबर चलती रहती थी.

مسلمانوں کی دوستانہ مذہبی بحث برابر چلتی رہتی تھی.

1. Islamic Culture Vol. 1, No. 2 pp. 190-191.
2. فتوح المل-ملدان (लेटेन, सफा 446) مفتح البلدان (ایڈین) p. 295
3. Ibn Batuta (H. A. R. Gibb) p. 295
4. Burton's Pilgrimage to Al-Madinah, Vol. 11, p. 174.
5. AS. Soc. Vols. iii and iv
6. Balazuri, p. 489.
7. The Caliphate its Rise, Decline and Fall, by Sir W. Muir, pp. 354-355.
8. Islamic Culture, Vol. I, No. 2. p. 205
9. Ajaib al Hind (ed. P. A. Von Der Lith), p. 155.
10. Abid, p. 481.
11. Voyage du Merchant Sulayman (Paris), p. 119.
12. Ibn Hauqal (de Goeje) p. 232.
13. Ahsan ut-Taqasim, p. 482.
14. Voyage du Merchant Sulayman (Paris), p. 119.
15. Muruj-uz-Zahab (Paris), Vol I. pp. 253-54.
16. Ajaib al-Hind, pp. 2-3
17. Voyage du Merchand Arb (Frrand), p. 139.
18. Ajaib al-Hind, p. 147.
19. Fihrist pp. 345-349.

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madra.

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to the lighty mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

پجاری تھے اور انکے تعداد میں عرب، سیاح، عالم، تاریخ دان اور جغرافیہ دان بھارت میں آ کر کہاں کے اس محدود خزانے سے دان حاصل کرتے تھے۔ ہارون الرشید کے وزیر بہوہرمکی نے ایک عام کو اس بات کے لئے مقرر کیا کہ وہ ہندستان میں مختلف مذہبوں اور ہندستان کی جڑی بوٹیوں کے بارے میں اپنی تفصیلی رپورٹ پیش کرے۔ ابن-ان-نظم کا کہنا ہے: کہ اُس نے بتاریخ 349 ہجری کی آمدی کے نام کی لکھی ہوئی اس رپورٹ کی ایک نقل دیکھی ہے۔ ابن-ان-نظم کے مطابق اس رپورٹ میں بلہ رائے کی راجدھانی مہاتکر کے دیو مندر اور ملتان اور بھارت کے مختلف مذہبوں اور مذہبی کتابوں کا بھی بیان تھا۔ ابن-ان-نظم نے پوری کتاب کا خلاصہ بھی دیا ہے۔ جن مذہبی کتابوں کا اس میں بیان ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں—سہاکالیا، آدت بھکتیا، چلندر بھکتیا، وکرانتیا (جس کے پیروکار زنجیر پہنتے تھے)، گنگا یاتریا، راج پتریا اور ایک اور فرقہ جس کے حامی امیر بال رکیتے تھے، شراب سے پرہیز کرتے تھے اور عورتوں کی صحبت سے بچتے تھے۔“ 19

ہندوستان کے مغربی ساحل پر جگہ جگہ ہندو مسلمانوں کی جس طرح کی ملی جلی آبادیاں اُس وقت بس گئیں تھیں اور جس طرح دونوں ایک دوسرے کے مذہب کی کہانی اور مذہبی گہرائیوں میں داخلہ پانے کی کوشش کر رہے تھے، اُن کا یہ شوق آپس کے گہرے تعاقب اور مہل جھول سے ہی پوری ہو سکتی تھی۔

اس وقت کے ایک راجہ کے بابت لکھا ہے کہ اُس نے خلیفہ ہارون الرشید کو خط لکھ کر کسی ایسے مسلم عالم کو بھیجنے کی درخواست کی جو راجہ کے ہندو پیغمبروں سے مذہبی بحث کر سکے۔ اسی واقعے کا ایک دوسرا بیان یہ ہے کہ راجہ نے مسلمان عالم کو اس لئے بلایا تاکہ وہ ایک بہت اُنچے بودہ عالم سے مذہبی بحث مباحثہ کر سکے۔ یہ صحیح بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال وہ مسلم عالم بھارت آیا، لیکن اُس بودہ عالم کے سامنے اُس کی ایک نہ چلی۔ کئی دن تک بحث ہوئی رہی۔ مسلم عالم قرآن اور حدیث کو آخری سند کہہ کر پیش کرنا تھا جب کہ بودہ عالم قرآن اور حدیث دونوں سے انکار کرتا تھا۔ اُس کے بعد بحث خدا کے وجود پر شروع ہو گئی اور بودہ لاجواب ہوئے لگا، اور اُس ہار کی شرم سے بچنے کے لئے کہتے ہیں، ایک دن اُس مسلمان عالم کو زہر دے کر مرنا چاہا۔ لیکن اُس انسپسٹاک رائج سے یہ مذہبی بحث رکی نہیں اور اُس زمانے کے واقعات میں اُن کی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو

پجاری تھے اور انکے تعداد میں عرب، سیاح، عالم، تاریخ دان اور جغرافیہ دان بھارت میں آ کر کہاں کے اس محدود خزانے سے دان حاصل کرتے تھے۔ ہارون الرشید کے وزیر بہوہرمکی نے ایک عام کو اس بات کے لئے مقرر کیا کہ وہ ہندستان میں مختلف مذہبوں اور ہندستان کی جڑی بوٹیوں کے بارے میں اپنی تفصیلی رپورٹ پیش کرے۔ ابن-ان-نظم کا کہنا ہے: کہ اُس نے بتاریخ 349 ہجری کی آمدی کے نام کی لکھی ہوئی اس رپورٹ کی ایک نقل دیکھی ہے۔ ابن-ان-نظم کے مطابق اس رپورٹ میں بلہ رائے کی راجدھانی مہاتکر کے دیو مندر اور ملتان اور بھارت کے مختلف مذہبوں اور مذہبی کتابوں کا بھی بیان تھا۔ ابن-ان-نظم نے پوری کتاب کا خلاصہ بھی دیا ہے۔ جن مذہبی کتابوں کا اس میں بیان ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں—سہاکالیا، آدت بھکتیا، چلندر بھکتیا، وکرانتیا (جس کے پیروکار زنجیر پہنتے تھے)، گنگا یاتریا، راج پتریا اور ایک اور فرقہ جس کے حامی امیر بال رکیتے تھے، شراب سے پرہیز کرتے تھے اور عورتوں کی صحبت سے بچتے تھے۔“ 19

ہندوستان کے مغربی ساحل پر جگہ جگہ ہندو مسلمانوں کی جس طرح کی ملی جلی آبادیاں اُس وقت بس گئیں تھیں اور جس طرح دونوں ایک دوسرے کے مذہب کی کہانی اور مذہبی گہرائیوں میں داخلہ پانے کی کوشش کر رہے تھے، اُن کا یہ شوق آپس کے گہرے تعاقب اور مہل جھول سے ہی پوری ہو سکتی تھی۔

اس وقت کے ایک راجہ کے بابت لکھا ہے کہ اُس نے خلیفہ ہارون الرشید کو خط لکھ کر کسی ایسے مسلم عالم کو بھیجنے کی درخواست کی جو راجہ کے ہندو پیغمبروں سے مذہبی بحث کر سکے۔ اسی واقعے کا ایک دوسرا بیان یہ ہے کہ راجہ نے مسلمان عالم کو اس لئے بلایا تاکہ وہ ایک بہت اُنچے بودہ عالم سے مذہبی بحث مباحثہ کر سکے۔ یہ صحیح بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال وہ مسلم عالم بھارت آیا، لیکن اُس بودہ عالم کے سامنے اُس کی ایک نہ چلی۔ کئی دن تک بحث ہوئی رہی۔ مسلم عالم قرآن اور حدیث کو آخری سند کہہ کر پیش کرنا تھا جب کہ بودہ عالم قرآن اور حدیث دونوں سے انکار کرتا تھا۔ اُس کے بعد بحث خدا کے وجود پر شروع ہو گئی اور بودہ لاجواب ہوئے لگا، اور اُس ہار کی شرم سے بچنے کے لئے کہتے ہیں، ایک دن اُس مسلمان عالم کو زہر دے کر مرنا چاہا۔ لیکن اُس انسپسٹاک رائج سے یہ مذہبی بحث رکی نہیں اور اُس زمانے کے واقعات میں اُن کی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو

ہندو مسلمانوں کا تعلق...

حاضرمان میں بڑا۔ مسلمان کے تئیں ہندو مسلمانوں کے ساتھ، جو اس کے دربار میں آتے تھے، مذہبی خیالات کا تبادلہ کرنا تھا۔ 15

اسی طرح سے بزرگ بن شہریار لکھتا ہے کہ اور کے راجہ مہروگ نے جس کی حکومت اونچے اور نیچے کے کشمیر کے بیچ میں تھی، ملصوا کے راجہ کو لکھا کہ وہ کسی ایسے آدمی کو بھیجے جو ہندی زبان میں اسلام کے اصولوں کو سمجھا سکے۔ ملصوا کے بادشاہ نے عبداللہ نامی ایک قابل شخص کو جو تین برس تک ملصوا میں رہ چکا تھا، اور ملصوا کے راجہ پر اس کا گہرا اثر پڑا۔ 16 اس طرح کے اثر پڑنے اس وقت قدرتی تھے۔ اس کے بعد مسلم ملکوں میں ہندوؤں کی آمدن شروع ہوئی اور دونوں کے بیچ کے سماجی تعلقات اور زیادہ گہرے اور دلچسپ ہوتے گئے۔ سلیمان لکھتا ہے—

اسرائیل کے باندوگاہ سیراف میں بہت سے ہندو رہتے تھے اور جب کوئی عرب سوداگر ان کی دعوت کرتا ہے تو ان کی تعداد تک پہنچ جاتی ہے۔ ان میں سے ہر شخص کا کھانا الگ الگ رکاوٹوں میں پڑا جاتا ہے کیونکہ ایک ہی رکابی میں کوئی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں کھاتا۔ 17 انہیں ہندوؤں کے مطابق بزرگ بن شہریار کہتا ہے—

”یہ لوگ بول چال کی عربی اس سفاہ سے اور جلد جلد بولتے ہیں کہ ہمارے عالم افضل موافقہ اور حیران رہ جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں عام طور پر سادگی، کجوائی اور ملٹانی ہیں جو عرصہ قدیم سے ہمارے ملکوں کے ساتھ تجارت کرتے آ رہے ہیں۔“ 18

اس تجارتی رشتے سے ہندوستان مسلمانوں کے گہرے مہل چل رہا ہے اور اسلامی دنیا پر اپنے گہرے رشتوں کی تعلقات اور مذہب کا اثر ڈال رہا ہے۔ عرب اور ایرانی سوداگر ہندوستان سے تجارتی مال کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے گہرے بھی لے جاتے تھے۔

دوسری طرف عباسی خلیفوں کے دربار کی انسانی رحمدلی اور مذہبی برداشت سے متاثر ہو کر ہندو ملت بڑی تعداد میں ہندوؤں میں جمع ہوئے لکھ خلیفہ کے دربار میں نجوم اور ہندو کے سب سے اعلیٰ عہدوں پر ہندو ملت ہی سرفراز تھے۔ مسلمانوں کے دلوں میں ہندوستان کے گہرے رشتوں کی بھاری گہرائی کی تھاپ لگ رہی تھی، گہرائی اور سرچشمنی شہر ہندو کو خاندان کا گہرا شوق پیدا ہوا۔ عرب کے عالم گہرائی کے سچے

ہندو مسلمانوں کا تعلق...

عراق کے باندوگاہ سیراف میں بہت سے ہندو رہتے ہیں اور جب کوئی عرب سوداگر ان کی دعوت کرتا ہے تو ان کی تعداد تک پہنچ جاتی ہے۔ ان میں سے ہر شخص کا کھانا الگ الگ رکاوٹوں میں پڑا جاتا ہے کیونکہ ایک ہی رکابی میں کوئی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں کھاتا۔ 17 انہیں ہندوؤں کے مطابق بزرگ بن شہریار کہتا ہے—

”یہ لوگ بول چال کی عربی اس سفاہ سے اور جلد جلد بولتے ہیں کہ ہمارے عالم افضل موافقہ اور حیران رہ جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں عام طور پر سادگی، کجوائی اور ملٹانی ہیں جو عرصہ قدیم سے ہمارے ملکوں کے ساتھ تجارت کرتے آ رہے ہیں۔“ 18

اس تجارتی رشتے سے ہندوستان مسلمانوں کے گہرے مہل چل رہا ہے اور اسلامی دنیا پر اپنے گہرے رشتوں کی تعلقات اور مذہب کا اثر ڈال رہا ہے۔ عرب اور ایرانی سوداگر ہندوستان سے تجارتی مال کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے گہرے بھی لے جاتے تھے۔

دوسری طرف عباسی خلیفوں کے دربار کی انسانی رحمدلی اور مذہبی برداشت سے متاثر ہو کر ہندو ملت بڑی تعداد میں ہندوؤں میں جمع ہوئے لکھ خلیفہ کے دربار میں نجوم اور ہندو کے سب سے اعلیٰ عہدوں پر ہندو ملت ہی سرفراز تھے۔ مسلمانوں کے دلوں میں ہندوستان کے گہرے رشتوں کی بھاری گہرائی کی تھاپ لگ رہی تھی، گہرائی اور سرچشمنی شہر ہندو کو خاندان کا گہرا شوق پیدا ہوا۔ عرب کے عالم گہرائی کے سچے

عراق کے باندوگاہ سیراف میں بہت سے ہندو رہتے ہیں اور جب کوئی عرب سوداگر ان کی دعوت کرتا ہے تو ان کی تعداد تک پہنچ جاتی ہے۔ ان میں سے ہر شخص کا کھانا الگ الگ رکاوٹوں میں پڑا جاتا ہے کیونکہ ایک ہی رکابی میں کوئی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں کھاتا۔ 17 انہیں ہندوؤں کے مطابق بزرگ بن شہریار کہتا ہے—

”یہ لوگ بول چال کی عربی اس سفاہ سے اور جلد جلد بولتے ہیں کہ ہمارے عالم افضل موافقہ اور حیران رہ جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں عام طور پر سادگی، کجوائی اور ملٹانی ہیں جو عرصہ قدیم سے ہمارے ملکوں کے ساتھ تجارت کرتے آ رہے ہیں۔“ 18

اس نے اسلام کے بارے میں اپنی واقفیت لوگوں کو بتائی۔ اس نے بتایا کہ مسلمانوں کا خلیفہ نہایت ساری زندگی بسر کرتا ہے اور غرور اسے چھو تک نہیں گھا۔ شہر بار لکھتا ہے۔ ”یہی وجہ ہے کہ ہندو مسلمانوں سے اتنی محبت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اتنی ہمدردی رکھتے ہیں۔“ 10۔ سلیمان سوداگر لکھتا ہے۔ ”راجہ بلہر کی طرح راجہ گجر بھی عربوں کی جانب دوستانہ برتاؤ رکھتا ہے۔“ 11

استاخری 951 عیسوی میں ہندوستان آیا تھا۔ اس کے جغرافیہ کی کتاب میں ہندستان کا بیان ہے۔ استاخری نے سب سے پہلے ہندستان کے ایک صوبے سندھ کا نقشہ تیار کیا۔ استاخری کے وقت تک خاص خاص شہروں میں ہندو مسلم تجارت کے مرکز قائم ہو چکے تھے۔ ایک مسلم مصنف نے مطابق ان مرکوزوں میں ہندو اور مسلمانوں کے سماجی رشتے کے نتیجے کی شکل میں ملے جیسے رسم رواج اور برتاؤ بننے جارہے تھے۔ اس ہوکل لکھتا ہے۔ ”ملتان میں ہندو اور مسلمان ایک ہی سی پوشاک پہنتے ہیں اور ایک ہی فیشن کے بال سلواتے ہیں۔ منصرہ اور ملتان اور اس پاس کے شہروں میں دونوں یکساں عربی اور سندھی زبان بولتے ہیں۔“ 12۔ بسہری لکھتا ہے کہ۔ ”سندھ میں عربی، فارسی اور سندھی تینوں یکساں سمجھی جاتی ہیں۔“ 13۔ استاخری اور ابن ہوکل لکھتے ہیں کہ ہندو علاقوں میں مسلمان جگہ جگہ بس گئے تھے اور انہوں نے عبادت کے لئے مسجدیں تعمیر کر لی تھیں۔ سلیمان سوداگر سنگھ کے بارے میں لکھتا ہے کہ ! ”سنگھ میں مختلف مذاہب کے پیروکار بسے ہیں اور سال کا راجہ ان مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو اپنے اپنے مذہب کو پھیلانے کی اجازت دیتا ہے۔“ 14

اس نے اسلام کے بارے میں اپنی واقفیت لوگوں کو بتائی۔ اس نے بتایا کہ مسلمانوں کا خلیفہ نہایت ساری زندگی بسر کرتا ہے اور غرور اسے چھو تک نہیں گھا۔ شہر بار لکھتا ہے۔ ”یہی وجہ ہے کہ ہندو مسلمانوں سے اتنی محبت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اتنی ہمدردی رکھتے ہیں۔“ 10۔ سلیمان سوداگر لکھتا ہے۔ ”راجہ بلہر کی طرح راجہ گجر بھی عربوں کی جانب دوستانہ برتاؤ رکھتا ہے۔“ 11

استاخری 951 عیسوی میں ہندستان آیا تھا۔ اس کے جغرافیہ کی کتاب میں ہندستان کا بیان ہے۔ استاخری نے سب سے پہلے ہندستان کے ایک صوبے سندھ کا نقشہ تیار کیا۔ استاخری کے وقت تک خاص خاص شہروں میں ہندو مسلم تجارت کے مرکز قائم ہو چکے تھے۔ ایک مسلم مصنف نے مطابق ان مرکوزوں میں ہندو اور مسلمانوں کے سماجی رشتے کے نتیجے کی شکل میں ملے جیسے رسم رواج اور برتاؤ بننے جارہے تھے۔ اس ہوکل لکھتا ہے۔ ”ملتان میں ہندو اور مسلمان ایک ہی سی پوشاک پہنتے ہیں اور ایک ہی فیشن کے بال سلواتے ہیں۔ منصرہ اور ملتان اور اس پاس کے شہروں میں دونوں یکساں عربی اور سندھی زبان بولتے ہیں۔“ 12۔ بسہری لکھتا ہے کہ۔ ”سندھ میں عربی، فارسی اور سندھی تینوں یکساں سمجھی جاتی ہیں۔“ 13۔ استاخری اور ابن ہوکل لکھتے ہیں کہ ہندو علاقوں میں مسلمان جگہ جگہ بس گئے تھے اور انہوں نے عبادت کے لئے مسجدیں تعمیر کر لی تھیں۔ سلیمان سوداگر سنگھ کے بارے میں لکھتا ہے کہ ! ”سنگھ میں مختلف مذاہب کے پیروکار بسے ہیں اور سال کا راجہ ان مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو اپنے اپنے مذہب کو پھیلانے کی اجازت دیتا ہے۔“ 14

یہ ظاہر ہے کہ تجارت کے مرکز تہذیبی ردوبدل کے بھی مرکز تھے۔ اس میں خاص شہر خوددار، ماحوڑا، منصرہ اور جلدو وغیرہ تھے۔ جو مسلمان ان شہروں میں بس گئے تھے وہ قوم کے عرب تھے۔ وہ بھارتیوں میں اس درجے مل جل گئے تھے کہ کچھ بڑھاپوں بعد ان کا پہچانا جانا بھی ناممکن ہو گیا۔

ان کے طور طریقے، خیالات بالکل ہندوؤں جیسے ہو گئے۔ ان لوگوں کی ایک الگ ہی جماعت بن گئی جو تمام جنوبی بھارت میں پھیل گئی۔ ان میں سے ایک جماعت علی کو شو کا اوتار سمجھ کر پوجا کرتی تھی۔

تجارتی رشتے کے ساتھ جہوں جہوں تہذیبی لہن دہن ہوتا نہیں تھا، بھارتیوں اور عربوں میں ایک دوسرے کو جاننے سمجھنے اور ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے کے مذہب کی زیادہ واقفیت حاصل کرنے کا

ابھرا ہے کہ تجارت کے مرکز تہذیبی ردوبدل کے بھی مرکز تھے۔ اس میں خاص شہر خوددار، ماحوڑا، منصرہ اور جلدو وغیرہ تھے۔ جو مسلمان ان شہروں میں بس گئے تھے وہ قوم کے عرب تھے۔ وہ بھارتیوں میں اس درجے مل جل گئے تھے کہ کچھ بڑھاپوں بعد ان کا پہچانا جانا بھی ناممکن ہو گیا۔

ان کے طور طریقے، خیالات بالکل ہندوؤں جیسے ہو گئے۔ ان لوگوں کی ایک الگ ہی جماعت بن گئی جو تمام جنوبی بھارت میں پھیل گئی۔ ان میں سے ایک جماعت علی کو شو کا اوتار سمجھ کر پوجا کرتی تھی۔

تجارتی رشتے کے ساتھ جہوں جہوں تہذیبی لہن دہن ہوتا نہیں تھا، بھارتیوں اور عربوں میں ایک دوسرے کو جاننے سمجھنے اور ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے کے مذہب کی زیادہ واقفیت حاصل کرنے کا

باسموت اور تفصیل سے لکھا ہے اور جسکا ماد کے مسلمانوں نے بھی سناد کے تہر پر ہوا دیا ہے۔ ان کے علاوہ ابن رستاق (903 عیسوی) ابووظیف (943 عیسوی) استاخری (951 عیسوی) مسعودی (945 عیسوی) مطاعر ابن طاهر البہرانی (999 عیسوی) ابن بطوطہ (918 عیسوی) حمداللہ مصطفیٰ اور بعد کے دوسرے مسلم تاریخ دانوں نے اس وقت کے ہندستان کے بارے میں نہایت قیمتی تاریخی، تجارتی، جغرافیائی اور سماجی جانکاری کی باتیں اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔

عرب یا عربی تہذیب نے یونانی اور ہارنی آریہ تہذیب سے ہی وجود پایا۔ عرب عیسائی تہذیب کی بدرونی شکل حالانکہ سیمٹک اور ایرانی تھی لیکن اس کا سائنسی اور روحانی گہاں اس کی ویدک اور اس کی فلسفی پر گہرا ہارنی اور بعد میں یونانی اثر پڑا۔ اس کے عربی تغاچے میں ہارنی روح ظاہر ہو رہی تھی۔ سندھ کی فتح کے بعد ہارت کی مالی دولت کے ساتھ ساتھ ہارت کی روحانی دولت بھی خلیفہ کے دربار میں پہنچی۔ ہارنی یونیورسٹیوں میں نکشلا میں ضرور مسلم طالب علم رہے ہوں گے۔ کاشمیر اس زمانے میں تہذیب کا خاص مرکز تھا جہاں ایرانی بودہ طلبا تعلیم حاصل کرتے آئے کرتے تھے۔ عیسائی تہذیب کو خلیفہ کے ہرمی (بودہ) دوزیروں نے جو عظمت اور شان دی وہ بلاشک بے مثال ہے۔ قانون اور انصاف کے دوزیروں کی حیثیت سے اور تہذیب کے روشنی کے مہینار کی حیثیت سے کوئی بھی ایرانی یا عرب شاعری خاندان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ ہرمی اس وقت بودہ مذہب سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور انہیں کی کوشش سے عربوں اور ہارتوں میں گہرا تہذیبی رشتہ قائم ہوا تھا۔ انہیں کی کوششوں سے اسلامی تہذیب نے دل کھول کر ہارتی تہذیب کی دین کو دونوں ہاتھوں سے قبول کیا۔

جب مسلمانوں نے سن 707 عیسوی میں سندھ کی فتح کیا تو انہوں نے دیکھا کہ ملک ہردھوں اور براہمن حکمرانوں میں بٹا ہوا ہے اور براہمن دھیرے دھیرے بؤڈوں کو پھانسی دے رہے ہیں۔ براہمنوں اور عربوں کی جگہ میں بؤڈوں نے عربوں کا ساتھ دیا اور اس طرح سے عربوں کی سندھ فتح کو آسان بنا دیا۔ سندھ فتح کرنے کے بعد ابوالقاسم نے اعلان کیا کہ ”ہارت کے باشندے بھی ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں اور ان کے مندر بھی عیسائی کے گرجوں پرستش کے سنگوں اور ماگوں کے آتشکدوں کی طرح ہیں اور اسی طرح سے یہ لوگ اہل کتاب ہیں جس طرح سے عیسائی اور یہودی“ 6 سندھ وچنے کے بعد سے ہی عربوں اور ہارتوں میں ایک ایسی مہربان

جس کا بعد کے مصنفوں نے بھی سناد کے طور پر حوالہ دیا ہے۔ ان کے علاوہ ابن رستاق (903 عیسوی) ابووظیف (943 عیسوی) استاخری (951 عیسوی) مسعودی (945 عیسوی) مطاعر ابن طاهر البہرانی (999 عیسوی) ابن بطوطہ (918 عیسوی) حمداللہ مصطفیٰ اور بعد کے دوسرے مسلم تاریخ دانوں نے اس وقت کے ہندستان کے بارے میں نہایت قیمتی تاریخی، تجارتی، جغرافیائی اور سماجی جانکاری کی باتیں اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔

عرب یا عربی تہذیب نے یونانی اور ہارنی آریہ تہذیب سے ہی وجود پایا۔ عرب عیسائی تہذیب کی بدرونی شکل حالانکہ سیمٹک اور ایرانی تھی لیکن اس کا سائنسی اور روحانی گہاں اس کی ویدک اور اس کی فلسفی پر گہرا ہارنی اور بعد میں یونانی اثر پڑا۔ اس کے عربی تغاچے میں ہارنی روح ظاہر ہو رہی تھی۔ سندھ کی فتح کے بعد ہارت کی مالی دولت کے ساتھ ساتھ ہارت کی روحانی دولت بھی خلیفہ کے دربار میں پہنچی۔ ہارنی یونیورسٹیوں میں نکشلا میں ضرور مسلم طالب علم رہے ہوں گے۔ کاشمیر اس زمانے میں تہذیب کا خاص مرکز تھا جہاں ایرانی بودہ طلبا تعلیم حاصل کرتے آئے کرتے تھے۔ عیسائی تہذیب کو خلیفہ کے ہرمی (بودہ) دوزیروں نے جو عظمت اور شان دی وہ بلاشک بے مثال ہے۔ قانون اور انصاف کے دوزیروں کی حیثیت سے اور تہذیب کے روشنی کے مہینار کی حیثیت سے کوئی بھی ایرانی یا عرب شاعری خاندان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ ہرمی اس وقت بودہ مذہب سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور انہیں کی کوشش سے عربوں اور ہارتوں میں گہرا تہذیبی رشتہ قائم ہوا تھا۔ انہیں کی کوششوں سے اسلامی تہذیب نے دل کھول کر ہارتی تہذیب کی دین کو دونوں ہاتھوں سے قبول کیا۔

جب مسلمانوں نے سن 707 عیسوی میں سندھ کی فتح کیا تو انہوں نے دیکھا کہ ملک ہردھوں اور براہمن حکمرانوں میں بٹا ہوا ہے اور براہمن دھیرے دھیرے بؤڈوں کو پھانسی دے رہے ہیں۔ براہمنوں اور عربوں کی جگہ میں بؤڈوں نے عربوں کا ساتھ دیا اور اس طرح سے عربوں کی سندھ فتح کو آسان بنا دیا۔ سندھ فتح کرنے کے بعد ابوالقاسم نے اعلان کیا کہ ”ہارت کے باشندے بھی ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں اور ان کے مندر بھی عیسائی کے گرجوں پرستش کے سنگوں اور ماگوں کے آتشکدوں کی طرح ہیں اور اسی طرح سے یہ لوگ اہل کتاب ہیں جس طرح سے عیسائی اور یہودی“ 6 سندھ وچنے کے بعد سے ہی عربوں اور ہارتوں میں ایک ایسی مہربان

نیشانہ۔ کبھی ایک اونچے کالے پتھر پر نقشہ ہے۔ یہ نشانہ پتھر پر ہونے پر اندازہ ہوتا ہے کہ اب تک جہوں کا نہیں قائم ہے۔ یہ نشانہ سوا آٹھ فٹ لمبا ہے۔ 8 اس سچائی کو ثابت کرنے کے لئے کہ ہندوستان سب ملکوں کا سرکار ہے اس طرح کی دلیلیں آخری نبوت کی طرح پیش کی جاتی ہیں۔ ان باتوں سے مسلمان ہندوستان کے اور زیادہ قریب آتے ہیں اور اسے اپنا ملک سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ لوگ اس وقت تک روایتیں نہیں کرتے جب تک کہ اس کے پیچھے کوئی خاص وجہ نہ ہو۔

اسی طرح ہندو بھی مسلمانوں کے کعبہ کو اپنا ہی دھرم مندر سمجھتے ہیں۔ ایک زمانے میں کعبہ، عرب اور عرب کے اس پاس کے رہنے والے سہمی دھرم مذہب والوں کا ایک پاک مرکز تھا۔ نیچے کے واقعہ کو ناممکن ماننے والے بھی اس سے حیرت میں نہیں آنا چاہئے۔ برٹن لکھتا ہے—

”ہندو پختہ اس بات کو جاننے کے ساتھ کہتے ہیں کہ مکہ میں شو اور پاروتی ’کوتیشور‘ اور ’کوتیشوری‘ کی شکل میں جلوہ افروز ہیں۔۔۔ کچھ مصنفوں کا کہنا ہے کہ حضرت محمد کے وقت مکہ کے دیوی دیوتاؤں میں لکڑی میں لکھی ہوئی کوتیشور اور کوتیشوری کے بت تھے جنہیں علی نے پیغمبر کے کندھوں پر چڑھ کر نیچے گرا دیا تھا۔ 4

ویلنگٹن لکھتا ہے—

”ہندو کہتے ہیں کہ مکہ کا یا ’موتیشور‘ یا ’موتیشور‘ میں جو کالا پتھر یا ’سج-پ-اسود‘ ہے وہ ’موتیشور‘ بگوان شیب کے ابھارت کا نشانہ ہے۔ بگوان شو اور پاروتی العجاز کے اپنے بھکتوں کی پوجا سے خوش ہو کر موتیشور کی شکل میں مکہ میں جلوہ گر ہوئے تھے۔ 5

ہم ابھر مسلمان سچاؤ اور مسلمانوں نے ہارت کی اس وقت کی حالت کو اپنے گرتوں میں درج کیا ہے۔ سندھ کے انہاس پر پہا گرتہ ’چھہ نامہ‘ ہے جو ہادی شکل میں عربی میں لکھا گیا۔ وہ مسلم تاریخ دانوں کی ہندوستان پر پر پٹی تاریخی کتاب ہے۔ ’چھہ نامہ‘ کے بعد ابن خداداد پہلے نے سن 815 عیسوی میں ہندوستان کے جغرافیہ پر ایک کتاب لکھی۔ ایک دوسری کتاب ابوہد لے سن 916 عیسوی میں لکھی جس میں سلیمان سوداگر کی ہارت اور چین کی سیاحتوں کا حال درج ہے۔ اس میں ہندوستان کی مذہبی اور سماجی حالتوں پر بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس زمانے کا ایک دوسرا تاریخ دان ابوہد البلیہی (984 عیسوی) ہے جس نے ہندوستان کی تاریخ پر بہت

نشان قدم ایک اونچے کالے پتھر پر نقشہ ہے۔ یہ نشانہ پتھر پر ہونے پر اندازہ ہوتا ہے کہ اب تک جہوں کا نہیں قائم ہے۔ یہ نشانہ سوا آٹھ فٹ لمبا ہے۔ 8 اس سچائی کو ثابت کرنے کے لئے کہ ہندوستان سب ملکوں کا سرکار ہے اس طرح کی دلیلیں آخری نبوت کی طرح پیش کی جاتی ہیں۔ ان باتوں سے مسلمان ہندوستان کے اور زیادہ قریب آتے ہیں اور اسے اپنا ملک سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ لوگ اس وقت تک روایتیں نہیں کرتے جب تک کہ اس کے پیچھے کوئی خاص وجہ نہ ہو۔

اسی طرح ہندو بھی مسلمانوں کے کعبہ کو اپنا ہی دھرم مندر سمجھتے ہیں۔ ایک زمانے میں کعبہ، عرب اور عرب کے اس پاس کے رہنے والے سہمی دھرم مذہب والوں کا ایک پاک مرکز تھا۔ نیچے کے واقعہ کو ناممکن ماننے والے بھی اس سے حیرت میں نہیں آنا چاہئے۔ برٹن لکھتا ہے—

”ہندو پختہ اس بات کو جاننے کے ساتھ کہتے ہیں کہ مکہ میں شو اور پاروتی ’کوتیشور‘ اور ’کوتیشوری‘ کی شکل میں جلوہ افروز ہیں۔۔۔ کچھ مصنفوں کا کہنا ہے کہ حضرت محمد کے وقت مکہ کے دیوی دیوتاؤں میں لکڑی میں لکھی ہوئی کوتیشور اور کوتیشوری کے بت تھے جنہیں علی نے پیغمبر کے کندھوں پر چڑھ کر نیچے گرا دیا تھا۔ 4

ول فورت لکھتا ہے—

”ہندو کہتے ہیں کہ مکہ یا ’موتیشور‘ یا ’موتیشور‘ میں جو کالا پتھر یا ’سج-پ-اسود‘ ہے وہ ’موتیشور‘ بگوان شو کے اوتار کا نشانہ ہے۔ بگوان شو اور پاروتی العجاز کے اپنے بھکتوں کی پوجا سے خوش ہو کر موتیشور کی شکل میں مکہ میں جلوہ گر ہوئے تھے۔ 5

ہم ابھر مسلمان سچاؤ اور مسلمانوں نے ہارت کی اس وقت کی حالت کو اپنے گرتوں میں درج کیا ہے۔ سندھ کے انہاس پر پہا گرتہ ’چھہ نامہ‘ ہے جو ہادی شکل میں عربی میں لکھا گیا۔ وہ مسلم تاریخ دانوں کی ہندوستان پر پر پٹی تاریخی کتاب ہے۔ ’چھہ نامہ‘ کے بعد ابن خداداد پہلے نے سن 815 عیسوی میں ہندوستان کے جغرافیہ پر ایک کتاب لکھی۔ ایک دوسری کتاب ابوہد لے سن 916 عیسوی میں لکھی جس میں سلیمان سوداگر کی ہارت اور چین کی سیاحتوں کا حال درج ہے۔ اس میں ہندوستان کی مذہبی اور سماجی حالتوں پر بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس زمانے کا ایک دوسرا تاریخ دان ابوہد البلیہی (984 عیسوی) ہے جس نے ہندوستان کی تاریخ پر بہت

عرب سؤداگروں کا ایک جتھا سنگھل دیپ میں 'آدم کی چوٹی' کا سفر کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ کنگالور کے ہلدیگاہ میں راجہ چیرومن پیرومل نے ان سؤداگروں کا استقبال کیا۔ سؤداگروں نے پیغمبر محمد کے ذریعہ چاند کے ٹکڑے کئے جانے کی کہانی راجہ کو سنائی۔ راجہ نے اسلام قبول کر لیا اور چپ چاپ ان سؤداگروں کے ساتھ مدینہ کا سفر کیا۔ واپس لوٹتے ہوئے راستے میں اُس کا انتقال ہو گیا۔ مرنے وقت چیرومن نے مسلمانوں کو شاہی فرمان کے ذریعہ مسجدیں بنوانے کی اجازت دے دی۔ اُسی کے مطابق ملبار میں کئی چھ مسجدیں بنائی گئیں۔ ہجری 842 عیسوی کے قریب پچھسی اندھارت کے ایک راجہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ ملتا ہے۔ 2 بزرگ بن شہریار اور سؤداگر سلیمان، جو نویں صدی میں ہندستان آئے تھے، لکھتے ہیں کہ ہندستان کے راجوں کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف بے حد اچھا خیال موجود تھا۔

پتا نہیں کہسے مسلمانوں کے دلوں میں یہ پتہ باریاں بکھیر کر گئی ہیں کہ انسانی قوم کے پہلے پیغمبر اور پہلے انسان حضرت آدم پرشت سے نکالے جانے کے بعد ہندستان میں سنگھل دیپ میں آکر اترے۔ ہندستان میں جو خوشبودار پھول اور جڑی بوٹی پھرتی تھیں وہ حضرت آدم ہی پرشت کے 'بغ ارم' سے پہلے آئے تھے جس پر حضرت آدم اترے اُس پر ان کے قدموں کا نشان آج تک موجود ہے۔ اسی پتھر کے نشان کو سنگھل کے ہندو بھکوں پروردہ کے نشان قدم مسجد پر پوجتے ہیں۔ بعد کے مسلم لکھکوں نے دوسرے لکھکوں کے مقابلے میں بھارت کی عظمت پر اس ہٹا پر اور زیادہ زور دیا ہے کہ حضرت آدم انسانی قوم کے پہلے پیغمبر تھے اور اللہ نے اپنا حکم سب سے پہلے انہیں کو سنایا اور آدم چونکہ اُس وقت ہندستان میں تھے اُس لئے ہندستان ہی کو سب سے پہلے حکم خدا سننے کا فخر ہو سکتا ہے، ممکن ہے کہ شاید اسی لئے اسلام کے پیغمبر نے فرمایا ہے—”میں ہندستان سے بھڑک کر آئی ہوں“۔ ہندستان سے بھڑک کر آئی ہوئی اللہ کے وجود کی بھلی بھلی خوشبو سن کر رہا ہوں۔“ عام مسلمانوں کے لئے ہندستان کی سرزمین کی پاکیزگی کی یہ آخری اور زبردست دلیل ہے۔ اِس طرح کی روایتیں کہیں شروع ہوئیں اِس کی میں وجہ نہیں پہنچ سکا لیکن یہ بھی یہ بھارت کے مسلمانوں کے علم اعتبار کا جزو بنی ہوئی ہے۔ پڑھ لکھ اور سمجھدار لوگ بھی ان روایتوں کو لفظ بہ لفظ سچ مانتے ہیں۔

ابن بطوطہ (1377 عیسوی) نے بھی حضرت آدم کے پاک نشان قدم کی زیارت کی تھی۔ اِس نشان کو دیکھ کر اُس نے کہا ہے—”حضرت آدم کا یہ پاک

عرب سؤداگروں کا ایک جتھا سنگھل دیپ میں 'آدم کی چوٹی' کا سفر کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ کنگالور کے ہلدیگاہ میں راجہ چیرومن پیرومل نے ان سؤداگروں کا استقبال کیا۔ سؤداگروں نے پیغمبر محمد کے ذریعہ چاند کے ٹکڑے کئے جانے کی کہانی راجہ کو سنائی۔ راجہ نے اسلام قبول کر لیا اور چپ چاپ ان سؤداگروں کے ساتھ مدینہ کا سفر کیا۔ واپس لوٹتے ہوئے راستے میں اُس کا انتقال ہو گیا۔ مرنے وقت چیرومن نے مسلمانوں کو شاہی فرمان کے ذریعہ مسجدیں بنوانے کی اجازت دے دی۔ اُسی کے مطابق ملبار میں کئی چھ مسجدیں بنائی گئیں۔ ہجری 842 عیسوی کے قریب پچھسی اندھارت کے ایک راجہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ ملتا ہے۔ 2 بزرگ بن شہریار اور سؤداگر سلیمان، جو نویں صدی میں ہندستان آئے تھے، لکھتے ہیں کہ ہندستان کے راجوں کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف بے حد اچھا خیال موجود تھا۔

پتہ نہیں کہسے مسلمانوں کے دلوں میں یہ پتہ باریاں بکھیر کر گئی ہیں کہ انسانی قوم کے پہلے پیغمبر اور پہلے انسان حضرت آدم پرشت سے نکالے جانے کے بعد ہندستان میں سنگھل دیپ میں آکر اترے۔ ہندستان میں جو خوشبودار پھول اور جڑی بوٹی پھرتی تھیں وہ حضرت آدم ہی پرشت کے 'بغ ارم' سے پہلے آئے تھے جس پر حضرت آدم اترے اُس پر ان کے قدموں کا نشان آج تک موجود ہے۔ اسی پتھر کے نشان کو سنگھل کے ہندو بھکوں پروردہ کے نشان قدم مسجد پر پوجتے ہیں۔ بعد کے مسلم لکھکوں نے دوسرے لکھکوں کے مقابلے میں بھارت کی عظمت پر اس ہٹا پر اور زیادہ زور دیا ہے کہ حضرت آدم انسانی قوم کے پہلے پیغمبر تھے اور اللہ نے اپنا حکم سب سے پہلے انہیں کو سنایا اور آدم چونکہ اُس وقت ہندستان میں تھے اُس لئے ہندستان ہی کو سب سے پہلے حکم خدا سننے کا فخر ہو سکتا ہے، ممکن ہے کہ شاید اسی لئے اسلام کے پیغمبر نے فرمایا ہے—”میں ہندستان سے بھڑک کر آئی ہوں“۔ ہندستان سے بھڑک کر آئی ہوئی اللہ کے وجود کی بھلی بھلی خوشبو سن کر رہا ہوں۔“ عام مسلمانوں کے لئے ہندستان کی سرزمین کی پاکیزگی کی یہ آخری اور زبردست دلیل ہے۔ اِس طرح کی روایتیں کہیں شروع ہوئیں اِس کی میں وجہ نہیں پہنچ سکا لیکن یہ بھی یہ بھارت کے مسلمانوں کے علم اعتبار کا جزو بنی ہوئی ہے۔ پڑھ لکھ اور سمجھدار لوگ بھی ان روایتوں کو لفظ بہ لفظ سچ مانتے ہیں۔

ابن بطوطہ (1377 عیسوی) نے بھی حضرت آدم کے پاک نشان قدم کی زیارت کی تھی۔ اِس نشان کو دیکھ کر اُس نے کہا ہے—”حضرت آدم کا یہ پاک

خوشامدوں سے متبرک ہیں۔“ لیکن ہندوستان کے بارے میں صحیح جانکاری حاصل کرنے کی پہلی کوشش شاید خلیفہ عثمان کے زمانے میں کی گئی۔ عثمان نے 624 اور 664 عیسوی کے بیچ حکام بن جبالہ کو مقرر کیا کہ وہ لاکھ ہندوستان کے بارے میں صحیح صحیح خبریں خلیفہ کو دے۔ جبالہ نے ہندوستان آکر یہاں کے بارے میں ایک رپورٹ (Thaghar-al Hind) تیار کر کے خلیفہ کی خدمت میں پیش کی۔ 1 اس بات کے بھی بہت سے ثبوت ملتے ہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کے شروعات میں ایران سے لے کر ہندوستان کے صوبوں کے ساتھ عرب سوداگروں کا تجارتی رشتہ قائم تھا اور وہ جاٹوں اور مدوروں سے واقف تھے۔ چنانچہ ہندوستان کے ان حصوں پر ایک وقت ایرانیوں کی حکومت تھی اس لیے ان حصوں کے ہندوستانی قبیلوں اور ایرانیوں کے بیچ قریبی رشتہ رہا ہوتا۔ جب ایران نے اسلام قبول کیا تو تجارتی رشتے کے ساتھ ساتھ یہ نزدیکی اور زبان بڑھی ہوئی۔ ایک بات ہمیں اور دھیان میں رکھنی چاہئے کہ ایک زمانے میں خراسان، ترکستان اور ایران میں ہندو مذہب پھیل چکا تھا اور ہندو مذہب کے پیرو اعراف، موصلا اور شام کی سرحد تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان ملکوں کے باشندوں نے حالانکہ ہندو مذہب کی جگہ اسلام قبول کر لیا تھا پھر بھی ان کے دلوں میں ہندوستان کے لئے ایک محبت اور عزت کا خیال ضرور رہا ہوگا۔

جبکہ آپس کے تعلقوں کا بہت بڑا اثر تھا تب بھی ہندوستان کو دنیا کا سب سے زیادہ تہذیبی و تمدنی ملک سمجھا جاتا تھا۔ اس کی وجہ سے ہندوستان کی تہذیب و تمدن کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات حاصل کی گئیں۔ اس کی وجہ سے ہندوستان کی تہذیب و تمدن کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات حاصل کی گئیں۔ اس کی وجہ سے ہندوستان کی تہذیب و تمدن کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات حاصل کی گئیں۔

اس وقت کے عرب سوداگروں نے گجرات کے بلوچ راجوں اور ملتان کے سامری راجوں کو اپنی طرف سے بہت سی دوستی سے بہرا ہوا پایا۔ سندھ کے کنارے کنارے انہیں اپنی بستیوں کے لئے اور مسجدیں بنوانے کی اجازت تھی۔ ان مسلمانوں نے ہندو لڑکوں سے عی شادی کی جن کی ملی جلی اولادیں ملتان میں ’موہا‘ اور کوکن میں ’ہٹیا‘ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اگر ہم ملتان کے راجہ چدرمن پرمول کے اسلام قبول کرنے کی عام فہم روایت ’ان لوں تو ہندو ہندوستان کی مسلم نو آبادیوں کا وقت پندرہویں کی زندگی کے ہی قریب ماننا پڑے گا۔ روایت یہ ہے کہ

خوشامدوں سے متبرک ہیں۔“ لیکن ہندوستان کے بارے میں صحیح جانکاری حاصل کرنے کی پہلی کوشش شاید خلیفہ عثمان کے زمانے میں کی گئی۔ عثمان نے 624 اور 664 عیسوی کے بیچ حکام بن جبالہ کو مقرر کیا کہ وہ لاکھ ہندوستان کے بارے میں صحیح صحیح خبریں خلیفہ کو دے۔ جبالہ نے ہندوستان آکر یہاں کے بارے میں ایک رپورٹ (Thaghar-al Hind) تیار کر کے خلیفہ کی خدمت میں پیش کی۔ 1 اس بات کے بھی بہت سے ثبوت ملتے ہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کے شروعات میں ایران سے لے کر ہندوستان کے صوبوں کے ساتھ عرب سوداگروں کا تجارتی رشتہ قائم تھا اور وہ جاٹوں اور مدوروں سے واقف تھے۔ چنانچہ ہندوستان کے ان حصوں پر ایک وقت ایرانیوں کی حکومت تھی اس لیے ان حصوں کے ہندوستانی قبیلوں اور ایرانیوں کے بیچ قریبی رشتہ رہا ہوتا۔ جب ایران نے اسلام قبول کیا تو تجارتی رشتے کے ساتھ ساتھ یہ نزدیکی اور زبان بڑھی ہوئی۔ ایک بات ہمیں اور دھیان میں رکھنی چاہئے کہ ایک زمانے میں خراسان، ترکستان اور ایران میں ہندو مذہب پھیل چکا تھا اور ہندو مذہب کے پیرو اعراف، موصلا اور شام کی سرحد تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان ملکوں کے باشندوں نے حالانکہ ہندو مذہب کی جگہ اسلام قبول کر لیا تھا پھر بھی ان کے دلوں میں ہندوستان کے لئے ایک محبت اور عزت کا خیال ضرور رہا ہوگا۔

جبکہ آپس کے تعلقوں کا بہت بڑا اثر تھا تب بھی ہندوستان کو دنیا کا سب سے زیادہ تہذیبی و تمدنی ملک سمجھا جاتا تھا۔ اس کی وجہ سے ہندوستان کی تہذیب و تمدن کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات حاصل کی گئیں۔ اس کی وجہ سے ہندوستان کی تہذیب و تمدن کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات حاصل کی گئیں۔ اس کی وجہ سے ہندوستان کی تہذیب و تمدن کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات حاصل کی گئیں۔

اس وقت کے عرب سوداگروں نے گجرات کے بلوچ راجوں اور ملتان کے سامری راجوں کو اپنی طرف سے بہت سی دوستی سے بہرا ہوا پایا۔ سندھ کے کنارے کنارے انہیں اپنی بستیوں کے لئے اور مسجدیں بنوانے کی اجازت تھی۔ ان مسلمانوں نے ہندو لڑکوں سے عی شادی کی جن کی ملی جلی اولادیں ملتان میں ’موہا‘ اور کوکن میں ’ہٹیا‘ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اگر ہم ملتان کے راجہ چدرمن پرمول کے اسلام قبول کرنے کی عام فہم روایت ’ان لوں تو ہندو ہندوستان کی مسلم نو آبادیوں کا وقت پندرہویں کی زندگی کے ہی قریب ماننا پڑے گا۔ روایت یہ ہے کہ

تुकों کا ہندوستان میں آنا ایک اتنا ہی اہم اور عجیب و غریب قدرتی واقعہ ہے جتنا طوفانوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ سے مقلدانا ترکوں نے آکر ہندوستان کو اُس کی چوڑوں تک دنیا اور لوگوں کو چھوڑ کر اپنے امکانات کے لئے جگہ کر تیار اور باخبر کر دیا۔ یہ بدلتا اپنے آپ میں فائدہ مند یا نقصان دہ ہیں اس کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بدلتا نے بھارت کی سماجی بنیادوں کو ہی بدل دیا۔ اُنہوں کے حملہ نے بھارت کی سماجی زندگی کو جس طرح جوڑ سے ہلا دیا تھا ترکوں کا حملہ اُس سے تھوڑا ہی کچھ کم رہا۔ لیکن طوفان کے بعد سکون لڑی ہے۔ زلزلے کے بعد دوبارہ تعمیر ضروری ہے۔ جب ندیوں کا میل ہوتا ہے تو درنوں ندیوں کی دھاراؤں گرجتے ہوئے ٹکراتی ہیں لیکن جلد ہی وہ خاموش ہو کر دل مل کر ایک دھارا میں بہنے لگ جاتی ہیں۔ الہ آباد کے بعد گنگا جمنی کی دھارا میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ اسی طرح ہندو اور مسلمان آپس میں ٹکرا کر ایک انسانی سنگم میں ملے تھے اور پھر اُن کی تہذیبیں دل مل کر بھارتی تہذیب کی اثوت دھارا میں کر بیٹھے اکی تھیں کہ جس نے صامت اور حرفت، کاریگری اور سائنس، ادب اور شاعری، مصوری اور بہت تراشی سیسی مودائیوں کو سرمہز اور ہرا ہرا کر دیا تھا۔ آج ہم پھر ایک بار ذوال طریقوں کے ذریعہ تہذیب کی اُس اثوت دھارا کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی، جمنی کی دھارا کو گنگا کی دھارا سے الگ کرنے کی شرمناک کوشش کر رہے ہیں۔

بھارت میں ترکوں کے حملے کے تین سو برس پہلے سے مسلمانوں میں بھارت کی اہم تہذیب اور اُس کے سائنس کے لامحدود ذخیرے کو سمجھنے اور اُس کی طرف عزت کا اظہار کرنے کی لگاتار کوشش ہو رہی تھی۔ بھارت اور عرب کے بیچ بہت پرانے زمانے سے تجارتی تعلقات چلے آ رہے تھے لیکن موجودہ تعلقات کا سرا ہم اُسی وقت سے جوڑ سکتے ہیں جب عربوں نے اپنے مشرقی حکومت میں تہذیب کے نئے نئے مرکز قائم کئے۔ خلیفہ عمر کے زمانے تک اسلامی دنیا کو ہندوستان کے بارے میں سچی جانکاری تھی۔ ہندوستان کے سمندری کلاؤں کے بارے میں عرب اور ایرانی ملاحوں کو تھوڑی بہت واقفیت تھی اور وہ ہندوستان کی تجارتی دولت کی تعریف کے گیت گاتا کرتے تھے۔ جب خلیفہ عمر نے ایک عرب ملاح سے ہندوستان کے بارے میں پوچھا تو وہ تعریف کے پل باندھنے لگا کہ—’ہندوستان کے دریا، موتیوں سے بھرے ہیں اور اُس کے پہاڑوں میں جواہرات کی کھائیاں ہیں اور اُس کے پتھر پوسہ

بھارت میں ترکوں کے حملہ کے تین سو برس پہلے سے مسلمانوں میں بھارت کی اہم تہذیب اور اُس کے سائنس کے لامحدود ذخیرے کو سمجھنے اور اُس کی طرف عزت کا اظہار کرنے کی لگاتار کوشش ہو رہی تھی۔ بھارت اور عرب کے بیچ بہت پرانے زمانے سے تجارتی تعلقات چلے آ رہے تھے لیکن موجودہ تعلقات کا سرا ہم اُسی وقت سے جوڑ سکتے ہیں جب عربوں نے اپنے مشرقی حکومت میں تہذیب کے نئے نئے مرکز قائم کئے۔ خلیفہ عمر کے زمانے تک اسلامی دنیا کو ہندوستان کے بارے میں سچی جانکاری تھی۔ ہندوستان کے سمندری کلاؤں کے بارے میں عرب اور ایرانی ملاحوں کو تھوڑی بہت واقفیت تھی اور وہ ہندوستان کی تجارتی دولت کی تعریف کے گیت گاتا کرتے تھے۔ جب خلیفہ عمر نے ایک عرب ملاح سے ہندوستان کے بارے میں پوچھا تو وہ تعریف کے پل باندھنے لگا کہ—’ہندوستان کے دریا، موتیوں سے بھرے ہیں اور اُس کے پہاڑوں میں جواہرات کی کھائیاں ہیں اور اُس کے پتھر پوسہ

ہندو-مسلمانوں کے تہذیبی میل-جول کی شروعات

ڈاکٹر لطف دھستری ایم۔ اے، ڈی۔ فیل

مسلمانوں کو ان کے پنجاب آنے کے ایک صدی بعد ہی ہندو اور مسلمانوں کے تہذیبی میل-جول کی پہلی داغ بیل ملی-جولی بولی کے شکل میں پڑی۔ ہندی اور فارسی نے ملکر بڑی بولی کو جنم دیا۔ ملی-جولی بولی کی پیدائش اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت تک ہندو اور مسلمانوں میں ایک ملا جلا باہمی خیال ہماری سماجی، سیاسی اور فکری زندگی کے ہر میدان میں گہرائی کے ساتھ پیدا ہو رہا تھا۔ اس لیے جیسے خیال نے تہذیبی ارتقاء کی گہری چھاپ ہماری کارپوری ہمارے ادب اور ہمارے مذہب کے اوپر چھوڑی ہے۔

ہندو کے اس تہذیبی عکاس کے خوج سے بھرے ہوئے ہوتا ہے کہ اب تک بہت تہذیبی ارتقاء کے کوچ سے بھرے ہوئے مطالعہ کی اب تک بہت تہذیبی سی کشش کی گئی ہے۔ اس بارے میں جو چند کتابیں چھپی ہوئی ہیں ان میں مولیٰ سید سلیمان ندوی کی 'عرب اور ہند کے تعلقات' ڈاکٹر سی۔ آر۔ بھٹاکر کی 'The Slow Progress of Islam in India' ڈاکٹر تاراچند کی 'The Influence of Islam on Indian Culture' اور ایک یورپی اسکریپٹورم آرابم دے ریبس انڈیس لوسی ایٹ اوپسکولا اینڈیٹا' بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ پچھلے سترہویں برس میں انسانی بہتری کے پوجاری کئی مسلمان سائنس دانوں اور فاضلوں نے ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کے ملنے سے جو اچھلیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ان کے محبت سے بھرے ہوئے حل کھوجے ہیں بہت سا غور خواہش کیا ہے۔ ہندوستانی عالموں کے ذریعہ ان کی نیک کوششوں کو جتنی اہمیت دی جاتی جائے اتنی اہمیت نہیں دی گئی۔ اہمیت دینا تو دور رہا دونوں فریقوں کے عالم غیر تاریخی اور جھوٹی دلیلیوں کے ذریعہ ملی جلی ہمارے تہذیب کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے اور ہندو اور مسلمانوں کے دہلیز کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی خراب اور بڑی کوششیں کر رہے ہیں۔ ہندو اور مسلمانوں نے سترہویں برس تک جس ہندوستانی تہذیب کو اپنا وسیع بنایا ہے انہوں نے نام لیا آج ہندوستانی طریقوں سے اس کی دھجیاں اڑانے میں مشغول ہیں۔

ہندو مسلمانوں کے تہذیبی میل جول کی شروعات

ڈاکٹر لطیف دھستری ایم۔ اے، ڈی۔ فیل

مسلمان ترکوں کے پنجاب آنے کے ایک صدی بعد ہی ہندو اور مسلمانوں کے تہذیبی میل جول کی پہلی داغ بیل ملی جلی ہوئی کے شکل میں پڑی۔ ہندی اور فارسی نے مل کر اردو بولی کو جنم دیا۔ ملی جلی بولی کی پیدائش اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت تک ہندو اور مسلمانوں میں ایک ملا جلا باہمی خیال ہماری سماجی، سیاسی اور فکری زندگی کے ہر میدان میں گہرائی کے ساتھ پیدا ہو رہا تھا۔ اس لیے جیسے خیال نے تہذیبی ارتقاء کی گہری چھاپ ہماری کارپوری ہمارے ادب اور ہمارے مذہب کے اوپر چھوڑی ہے۔

بھارت کے اس تہذیبی ارتقاء کے کوچ سے بھرے ہوئے مطالعہ کی اب تک بہت تہذیبی سی کشش کی گئی ہے۔ اس بارے میں جو چند کتابیں چھپی ہوئی ہیں ان میں مولیٰ سید سلیمان ندوی کی 'عرب اور ہند کے تعلقات' ڈاکٹر سی۔ آر۔ بھٹاکر کی 'The Slow Progress of Islam in India' ڈاکٹر تاراچند کی 'The Influence of Islam on Indian Culture' اور ایک یورپی اسکریپٹورم آرابم دے ریبس انڈیس لوسی ایٹ اوپسکولا اینڈیٹا' بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ پچھلے سترہویں برس میں انسانی بہتری کے پوجاری کئی مسلمان سائنس دانوں اور فاضلوں نے ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کے ملنے سے جو اچھلیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ان کے محبت سے بھرے ہوئے حل کھوجے ہیں بہت سا غور خواہش کیا ہے۔ ہندوستانی عالموں کے ذریعہ ان کی نیک کوششوں کو جتنی اہمیت دی جاتی جائے اتنی اہمیت نہیں دی گئی۔ اہمیت دینا تو دور رہا دونوں فریقوں کے عالم غیر تاریخی اور جھوٹی دلیلیوں کے ذریعہ ملی جلی ہمارے تہذیب کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے اور ہندو اور مسلمانوں کے دہلیز کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی خراب اور بڑی کوششیں کر رہے ہیں۔ ہندو اور مسلمانوں نے سترہویں برس تک جس ہندوستانی تہذیب کو اپنا وسیع بنایا ہے انہوں نے نام لیا آج ہندوستانی طریقوں سے اس کی دھجیاں اڑانے میں مشغول ہیں۔

اب رہن کھلا لگا ہے۔ آج کا انسان جن نکتہ نئے تجربوں سے گزر رہا ہے اُن کی بنا پر اُسے کھلا پوتا ہے :

کتنے شکست آئے ہیں اُن میں جو ہشک ہیں مول

میں !

کتنے دھرماتما ایسے ہیں اُپر سے جو پائی ہیں ہیتر سے اُن

کتنے پریم دھاری ہلکاری ہیں اور کتنے کرمچاری اُتھچاری ہیں !

اخلاقی طور پر اُتھائے اور اُتھچار سے توبہ کر کے، پاپ کا دامن گنگا جل سے دھو کر، دُور کی ہو من سے نکال کر اور بھگوان کا بے دل میں رکھ کر، اپنا نیتک سدھار کرنا چاہئے۔ ورنہ جب انسانوں کی دنیا بے گی تو ایسے لوگ اُس دائرے سے خارج سمجھے جائیں گے۔

انت سے بے خبر رہنے والی ہر ش نہیں بے ہوش ہوتی ہیں۔ سم سے اُن کو ہر ش میں لاسکتا۔ تب تک یہ اُتھ پتھ رہیں گے۔ ہم نے بہت کچھ دیکھا اِس آٹ پھر میں، کل سے لیکر آج تک اور آج سے لیکر آگے تک۔

ناگوں کو دھارمک سنسار میں بڑا مان ملتا ہے اور درودہ کا اُن کو دان ملتا ہے۔ اُن کی پوجا بھی ہوتی ہے، لیکن ہر دیہ اور ہر ہردے میں نہیں۔ ہر دیہ اور ہر من کا چلن جدا ہوتا ہے۔ کہیں یہ پوجا جانا ہے، کہیں پالا جانا ہے، کہیں کھانا جانا ہے، کہیں مارا جانا ہے—اپنے اپنے من کی بات ہے، کسی کے من پر کسی کا بس نہیں۔ من بھی دیہ کی مانند آزاد ہوتا ہے جیسے آزاد حکومت! من زور جبر سے کبھی ناہو میں نہیں لایا جا سکتا۔ من پر رچہ رہی ہے ہمیشہ پریم کی۔

کہنے کو ایک سانپ ہے آستین میں لیکن اُس کی پوندہ اور بچ کتنی رینکتی پھر رہی ہے اُس پاس تلظیم کے ساتھ، جیسے کہ سلیم ہو سانپوں کا، اور گھبرا ڈال کر قید میں لے رکھا ہو دھیرہ اور نہرہکتا کی ایک اتم اور مہان چٹان کو۔ اُن کی لکڑیں اور نشان، اُن کے کراس اور جال درشن شاستر کا کام دیتے ہیں، سوچتے سمجھتے والوں کے لئے اور ہوشیہ وائیں کے لئے۔

اگر سانپ مارنا ہلکا ہے یا ماح ہے آپ کے مت۔ میں تو یہ چھوڑے بھی جا سکتے ہیں، لیکن اُن کو آزاد کرنے کے دو ہی سادھن ہیں۔ یا تو ڈالو ”شری شکر“ کے گلے میں اُن کو، یا پھر دھو یہ سب سانپ سادھی سادھوں کو، جو راجنیتک ہیں پریم کے راگ اپ کو اور تماشا اُن کا دکھا کر کھاتے پھریں، پھر نکر، پوانت پوانت، پتھ پتھ، گرام گرام۔

کिसی بھی جات یا نام کا ہو، کسی بھی مہم یا مہم کا ہو، دشمنی سے اپنی حفاظت میں دوسری کیوں غفلت کا ہی نتیجہ ہوتی ہے۔ ہر کچھ تو اور سہم کا ہی کرنا ہوتا ہے۔ سہم رہنے سے شہر و سامان یا تا ہے۔ شہر و یا دشمن کو کبھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ سائپ کا بیچہ سائپ ہی کہلاتا ہے۔ ناگ کی اولاد ناگ ہی ہوتی ہے آخر۔

سामاںجک راجنیتی کی طرح "ناگنک نیتی" میں بھی بدلے کا भाव होता है जिसकी मुदत बारह बरस तक कही जाती है. लेकिन राजनीतिक नाग का बदला शताब्दियों तक चलता है और चलता ही रहता है. वह तो सिर्फ एक से बदला लेता है और यह नसलों तक जहर उगलता रहता है साम्प्रदायिकता का; अपने दुश्मन को पकड़ने या क्रोध करने के लिये नागों के पास हड्डियों की गिरहबन्द रस्सियाँ होती हैं. और बलिदान का पद देने के लिये जहर का जाम तैयार रहता है. इन कालों के पास केवल मीठी छुरी होती है मगर जहर की बुन्नी !

महात्मा गाँधी पर हमला करने वाला कौन था ? वह एक नाग ही तो था जिसने उनको डसा.

मगर दुनिया उसे दूसरे नाम से जानती है. दुनिया की नजरों में वह इन्सान ही था जिसने इन्सान की जान ली.

अब भी कितने ऐसे हिंसक हैं जो नुमायशी रूप और लिबास में अहिंसक हैं मगर उनको उपदेश देने का बड़ा शौक है. न देखें बड़ा न देखें मौका, न देखें विद्वान न देखें सभ्य, बदतमीजी शुरू कर देते हैं.

अपना सुधार और निर्माण करने से पहले दूसरे के घरों की ताक भाँक- बड़ी हद तक बेहूदा जसارت है. सेवा और सुधार के काम में तमीज और तहजीब पहली चीज है. पहले अपना मन साफ करें और अपना दामन धोवें. पहले अपनी अन्तर आत्मा को जबाब दे लें फिर आगे बढ़ें.

मानते हैं हम कि प्रेम इन्सानियत का सन्देश है. और एकता का केन्द्र ही सही मुकाम है इन्सानियत का. लेकिन इसी मुकाम पर प्रेम और एकता का गला काटा जाता है और इन्सानियत का खून किया जाता है. कितना दुख होता है यह कहते कि इसी प्रेमिक और अहिंसक वातावरण में कितने बेगुनाह शूट किये गए, कितनों को जहर दिया गया, कितने साक्षियों का शिकार हुए और कितनों को "डॉज आफ डेथ" दिया गया. यह वह सच्चाईयाँ हैं जिनसे कोई इनकार नहीं कर सकता और जिनको तारीख ने समेट कर अपने दामन में महकूज कर रखा है.

आज शिक्षक और उपदेशक इतने ही सस्ते शब्द हो गए हैं जैसे लीडर और नेता के शब्द हलके और बेवजन हो गए हैं. इनके अर्थ तक अब पलट गए हैं. रहबर

कسی بھی جات یا نام کا ہو، کسی بھی مہم یا مہم کا ہو، دشمنی سے اپنی حفاظت میں دوسری کیوں غفلت کا ہی نتیجہ ہوتی ہے۔ ہر کچھ تو اور سہم کا ہی کرنا ہوتا ہے۔ سہم رہنے سے شہر و سامان یا تا ہے۔ شہر و یا دشمن کو کبھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ سائپ کا بیچہ سائپ ہی کہلاتا ہے۔ ناگ کی اولاد ناگ ہی ہوتی ہے آخر۔

ساماںجک راجنیتی کی طرح "ناگنک نیتی" میں بھی بدلے کا भाव होता है जिसकी मुदत बारह बरस तक कही जाती है. लेकिन राजनीतिक नाग का बदला शताब्दियों तक चलता है और चलता ही रहता है. वह तो सिर्फ एक से बदला लेता है और यह नसलों तक जहर उगलता रहता है साम्प्रदायिकता का; अपने दुश्मन को पकड़ने या क्रोध करने के लिये नागों के पास हड्डियों की गिरहबन्द रस्सियाँ होती हैं. और बलिदान का पद देने के लिये जहर का जाम तैयार रहता है. इन कालों के पास केवल मीठी छुरी होती है मगर जहर की बुन्नी !

महात्मा गाँधी पर हमला करने वाला कौन था ? वह एक नाग ही तो था जिसने उनको डसा.

मगर दुनिया उसे दूसरे नाम से जानती है. दुनिया की नजरों में वह इन्सान ही था जिसने इन्सान की जान ली.

अब भी कितने ऐसे हिंसक हैं जो नुमायशी रूप और लिबास में अहिंसक हैं मगर उनको उपदेश देने का बड़ा शौक है. न देखें बड़ा न देखें मौका, न देखें विद्वान न देखें सभ्य, बदतमीजी शुरू कर देते हैं.

अपना सुधार और निर्माण करने से पहले दूसरे के घरों की ताक भाँक- बड़ी हद तक बेहूदा जसارت है. सेवा और सुधार के काम में तमीज और तहजीब पहली चीज है. पहले अपना मन साफ करें और अपना दामन धोवें. पहले अपनी अन्तर आत्मा को जबाब दे लें फिर आगे बढ़ें.

मानते हैं हम कि प्रेम इन्सानियत का सन्देश है. और एकता का केन्द्र ही सही मुकाम है इन्सानियत का. लेकिन इसी मुकाम पर प्रेम और एकता का गला काटा जाता है और इन्सानियत का खून किया जाता है. कितना दुख होता है यह कहते कि इसी प्रेमिक और अहिंसक वातावरण में कितने बेगुनाह शूट किये गए, कितनों को जहर दिया गया, कितने साक्षियों का शिकार हुए और कितनों को "डॉज आफ डेथ" दिया गया. यह वह सच्चाईयाँ हैं जिनसे कोई इनकार नहीं कर सकता और जिनको तारीख ने समेट कर अपने दामन में महकूज कर रखा है.

घात में लगी रहती हैं, घात और काट का असर सर्प की सन्तान को विरसे में मिलता है.

नाग के सम्बन्ध में हमने "गुण गान" के शब्दों के बारे में कुछ खोज की है. इस खोज के अनुसार हम "गान" के मानी नाग के लेते हैं. गान को उल्टा करके देखो तो मालूम होगा कि गान ही से नाग ने जन्म लिया है. इसी तरह "गुण" से नाग का अर्थ निकलता है. वह नाग ही तो है जो नाग के मणि से निकल कर राज के ताज को जगमगाता और शोभा देता है—कहने को तो यह एक कीड़ा है मगर मणि का हीरा है.

भारत में नाग और नागिन देवी देवता माने जाते हैं. इनमें राजा भी होता है जिसको "वासुकी" कहते हैं.

आजकल विश्व मित्रता के कारण देश और अन्तर देश भाई-भाई का नारा बुलन्द है. इसी राजनीतिक नीति के अनुसार अमरीका और भारत में भी बहनापा शुरू हो गया है. मगर यह नाता हमको खटकता है. अमरीका का "मिल्क पाउडर" भारती नागिन के स्वभाव और मिजाज को अनुकूल नहीं पड़ेगा, क्योंकि वह हमेशा से शुद्ध दूध के आदी रहे हैं. यह बात अच्छी तरह अनुभव में आ चुकी है कि सियासी भाई एतबारी भाई नहीं होते, इसलिये कि सियासत खुद एतबारी चीज नहीं.

यूँ तो साँपों की सैकड़ों किसमें हैं लेकिन भारत में इनकी दो जातें खास हैं—धार्मिक और राजनैतिक.

धार्मिक अहिंसक होते हैं और राजनैतिक हिंसक.

आजकल राजनीतिक काले अधिक उबल पड़े हैं देश के भाग-भाग में, बस्ती-बस्ती और गाँव-गाँव में. यही काले प्यादा कटीले और जियादा-जहरीले होते हैं.

यह बात याद रखने की है कि धार्मिक नाग अहिंसक ही नहीं रहता सदा. उस भी लेता है अचानक. मगर उसका दोष नहीं. वह तो उसकी कितरत है.

नाग जब डसता है तो हिंसक कहलाता है और जब हँसता है तो अहिंसक होता है. उस समय वह कितना सुन्दर और प्रेमी मालूम होता है! उसका डसना जितना खतरनाक है, उसका हँसना भी खतरे से खाली नहीं. वह हँसते-हँसते जान लेता है और खेलते-खेलते जाम पी जाता है किसी के भी प्राण का, उसपर भरोसा राहत. भरोसे की चीज तो मनुष्य भी नहीं; वह तो फिर आखिर कोड़ा है.

मनुष्य भी डसता है अवश्य, पर सर्प और मनुष्य के डसने डसने में अन्तर है. भाव भाव में अन्तर है.

सर्प डसता है अपनी जात बाहर किसी भी प्राणी को, और मनुष्य डसता है अपनी ही जात को, यानी आदमी आदमी को. यही इसकी वह विशेषता है जिसके कारण इसने बरबरता को जीता है और विजय प्राप्त की है दैवानों की खू. खसलत पर.

कहत. میں لگی دھتی ہیں۔ کھات اور کاٹ کا اثر سرب کی سلتان کو ورثہ میں ملتا ہے.

ناگ کے سلسلہ میں ہم نے "گن گن" کے شبدوں کے بارے میں کچھ کھوج کی ہے. اس کھوج کے अनुसार ہم "گن" کے معنی ناگ کے لیتے ہیں. گن کو اٹا کر کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ گن ہی سے ناگ نے جنم لیا ہے. اسی طرح "گن" سے نگ کا ارت نکلتا ہے. وہ نگ ہی تو ہے جو ناگ کے من سے نکل کر راج کے تاج کو چمکانا اور شوہا دیتا ہے—کہنے کو تو یہ ایک کپڑا ہے مگر من کا ہیرو ہے.

بھارت میں ناگ اور ناگن دیوی دیوتا مانے جاتے ہیں. ان میں راجا بھی ہوتا ہے جس کو "واسکی" کہتے ہیں.

آجکل وشومرتا کے کارن دیس اور انٹر دیس بھائی بھائی کا نعرہ بلند ہے. اسی راجنیتک نیٹی کے अनुसार امریکہ اور بھارت میں بھی بھنپا شروع ہو گیا ہے. مگر یہ نانا ہم کو کھٹکتا ہے. امریکہ کا "ملک پوتہ" بھارتی ناگن کے سپھاؤ اور مزاج کو انوکھل نہیں پڑیگا، کیونکہ وہ ہمیشہ سے شدہ دودھ کے عادی رہے ہیں. یہ بات اچھی طرح انوکھو میں آچکی ہے کہ سیاسی بھائی اعتباری بھائی نہیں ہوتے. اس لئے کہ سیاست خود اعتباری چیز نہیں.

یہ تو سانپوں کی سینکڑوں قسمیں ہیں لیکن بھارت میں ان کی دو جاٹیں خاص ہیں—دھارمک اور راجنیتک.

دھارمک اہنسک ہوتے ہیں اور راجنیتک ہنسک.

آجکل راجنیتک کالہ ادھک اہل پڑے ہیں دیس کے بھاگ بھاگ میں، بستی بستی اور گلوں گلوں میں. یہی کالہ زیادہ کٹیلاے اور زیادہ زہریلے ہوتے ہیں.

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دھارمک ناگ اہنسک ہی نہیں رہتا سدا. دس بھی لھتا ہے اچانک. مگر اُس کا دوش نہیں. وہ تو اُس کی فطرت ہے.

ناگ جب ڈستا ہے تو ہنسک کہلاتا ہے اور جب ہنسنا ہے تو اہنسک ہوتا ہے. اُس سمہ وہ کتنا سندر اور پریمی معلوم ہوتا ہے! اُس کا ڈستا جتنا خطرناک ہے اُس کا ہنسنا بھی خطرے سے خالی نہیں. وہ ہنسے ہنسے جان لھتا ہے اور کھیلتے کھیلتے جام پی جاتا ہے کسی کے بھی پیران کا، اُس پر ہرورسہ غلط. ہرورسہ کی چیز تو منشیہ بھی نہیں، وہ تو پیر آخر کپڑا ہے.

منشیہ بھی ڈستا ہے ارشہ، پر سرب اور منشیہ کے ڈسنے ڈسنے میں اُنتر ہے. بھاؤ بھاؤ میں اُنتر ہے.

سرب ڈستا ہے اپنی جات باہر کسی بھی پڑائی کو، اور منشیہ ڈستا ہے اپنی ہی جات کو، یعنی آدمی آدمی کو. یہی اُس کی وہ وشہتا ہے جس کے کارن اُس نے ہربرتا کو جیتا ہے اور وجہ پرواہت کی ہے حیوانوں کی خو خصلت پر.

آسٹین میں ساँپ

भाई अब्दुल हलीम अनसारी, आर्टिस्ट

जैसे अमन में जंग—रंग में भंग—मन्दिर में पाप—यह केवल सियासत की बात कि आसतीन में साँप.

सियासत हमेशा सेवा और प्रेम का दम भरती रहती है. कितनी सुन्दर होती हैं उसकी भावनाएं और कितने लुभावने होते हैं उसके प्रेम भाषण सियासी स्टेज पर.

जैसे किसी पिकचर हाउस के किल्मी परदे पर मूठी मुहब्बत के बनावटी अदाकार !

जैसे समाज सुधार के नाटक और प्रेम थ्यार के झूठे किरदार !

सफेद आस्तीन की लम्बी गुफा में रहने वाला सर्प राज-नीति की बीन पर प्रेम की रागिनी से कितना आनन्द लेता है और गोल कुन्डल पर बैठा पहरा देता है. केवल उसके फुंकार की दहशत और विष का भय मनमानी कराने के लिये काफी होता है. इनसानियत के साथ प्रेम और हमदर्दी के कारण हमारी यह शुभ कामना कभी-कभी दिल से निकले बिना नहीं रहती कि उस आसतीन का फिटक देना ही उचित है.

जैसे धन के ढेर पर साँप नाथ लहराते हैं, इसी तरह राज्य के संघ पर नाग नाथ पहरा देते हैं. राज्य का भन्डार केवल धन का ही नहीं होता. उसका भन्डार भिन्न भिन्न प्रकार का होता है. यह कहना अनुचित नहीं कि आज के समय जबकि नए-नए टैक्सों की भरमार है, भूमि का कण-कण भन्डार है और मनुष्य का अंश-अंश धन है राज्य के निकट.

जान की रक्षा सब से अधिक अकलमन्दी की बात है और शत्रु की मित्रता बड़ी नादानी !

एक शत्रु को जिहादा दिन मुहलत देने से एक के दो होते हैं, और दो के चार. अब भी कितने रंग बिरंग के सर्प छुपे हुए हैं, मतभेद के सूराखों में, साम्प्रदायिकता के गारों में, और राजनीति के पिढारों में. इनकी ज़बान का बारीक और लहरदार करेन्ट पेटम से कम नहीं, इसलिये कि जान लेना दोनों का मकसद है.

एक नागिन सैकड़ों अण्डे देती है, उन अण्डों से सैकड़ बच्चे निकालती है. उनसे कितनी नसलें बनती हैं. कितनी पीढ़ियां चलती हैं जो रंगती फिरती हैं धरती के ऊपर भी और भीतर भी और फुंकारती रहती हैं इफर उधर, जिससे वातावरण जहरीला होता है—कितने ही सफिल और लापरवाह लोग खतरों के घेरों में आ जाते हैं. साँपों की रस्सी के गले में बँध जाते हैं. नई नसलें उनको अपनी निगरानी में रखते हुए अपनी-अपनी

آستین میں سانپ

بھائی عبدالکلام انصاری آرٹسٹ

جیسے امن میں جنگ—رنگ میں بھنگ—مندر میں پاپ—یہ کہل سہادت کی بات کہ آستین میں سانپ .

سہادت ہمیشہ سرو اور یریم کا دم بھرتی رہتی ہے . کئی سندر ہوتی ہیں اُس کی بھاؤنائیں اور کتنے بھاؤلے ہوتے ہیں اُس کے یریم بھاؤن سیاسی اسٹیج پر .

جیسے کسی پکچر ہاؤس کے فلمی پردے پر چوٹی محبت کے بھاؤنی اداکار !

جیسے سماج سدھار کے نائک اور یریم پیار کے چھوٹے کردار . سفید آستین کی لمبی گھٹا میں رہنے والا سرپ راجلٹی کی یون پر یریم کی راگنی سے تننا آند لیتا ہے اور گول کنڈل پر بیٹھا پہرا دیتا ہے . کہل اُس کے بھنگار کی دھشت اور رش کا بھ . بن مانی کرائے کے لئے کالی ہوتا ہے . انسانیت کے ساتھ یریم اور ہمدردی کے کان ہماری یہ شیعہ کاملا کہی کہی دل سے نکلے بنا نہیں رہتی کہ اُس آستین کا جھٹک دینا ہی اچت ہے .

جیسے دھن کے تھیر پر سانپ ناتھ لہراتے ہیں ! اسی طرح راجہ کے سنگ پر ناگ ناتھ پہرا دیتے ہیں . راجہ کا بھندار کہل دھن کا ہی نہیں ہوتا . اُس کا بھندار بہن بہن پرکار کا ہوتا ہے . یہ کہا انرجٹ نہیں کہ آج کے سمے جب کہ نئے نئے ٹیکسوں کی بھرمار ہے . ہومی کا دن کن بھندار ہے اور ماشیہ کا انہی انہی دھن ہے راجہ کے نکم .

جان کی رکشا سب سے ادھک نقلمانی کی بات ہے اور شترو کی مہرنا بڑی نادانی !

ایک شترو، زیادہ دن مہلت دینے سے ایک کے دو ہوتے ہیں اور دو کے چار . اب بھی اتنے رنگ بھنگ کے سرپ چھوٹے ہوئے ہوں . مت ہود کے سوراخوں میں سا پردا بکتا کے غاروں میں اور راجنٹی کے مقاروں میں . اُن کی زبان کا باریک اور لہردار کریمنٹ ایٹم سے کم نہیں ! اِس لئے کہ جان لینا درنوں کا مقصد ہے .

ایک ناگن سیکڑوں اٹڈے دیتی ہے ! اُن اٹڈوں سے سیکڑوں بچے نکالتی ہے . اُن سے کئی نسلیں بنتی ہیں . کئی پیڑہالی چلی ہوں جو ریلنگی پھرتی ہوں دھرتی کے اوپر بھی اور بہتر بھی . اور بھنگرتی رہتی ہیں ! دھر ! دھر ! جس سے اناورن زہریلا ہوتا ہے—اتنے ہی غافل اور لاپرواہ لوگ خطروں کے گھیرے میں آجاتے ہیں ! سانپوں کی رسی کے پالہ میں بلندہ جاتے ہوں . نئی نسلوں اُن کو اپنی نکرانی میں رکھتے ہوئے اپنی اپنی

ہیرات کی غادی میں 'تاجیکوں' کی کافی بڑی آبادی ہے۔ تاجیک ملک کے بہت بڑے باشندے ہیں اور انہیں کے بعد انہیں کی آبادی سب سے زیادہ ہے۔ آج کل یہ زیادہ تر افغانستان کے شمال میں رہتے ہیں خاص کر ہرات صوبہ میں جہاں وہ کل آبادی کے 34 فیصدی ہیں؛ کابل صوبہ (28.8 فیصدی)، کنگاہن بدخشان صوبہ (46 فیصدی)، مزار شریف صوبہ میں (23.7 فیصدی)۔ وہ ہندوکش، گوربند، پانچوہ، نیاکوب، نورستان اور کوگر کی پہاڑیوں میں بھی رہتے ہیں۔

تاجیک مہنتکش آبادی ہیں۔ لیکن وہ ज्यादातर کسان ہیں اور زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر کام کرتے ہیں۔ یہ لوگ چھوٹے کھیتے ہیں اور بہت غریبی میں رہتے ہیں۔ سوکھی یا تازہ ملبہ ہی ان کی خوراک ہے۔ بہت سے گلوں میں حور کا دلوا، جس میں گھاس بھی ملی رہتی ہے، بہت ذائقہ سے کھایا جاتا ہے۔ ہر وہ اور بالخصوص کی گھائیوں میں اور ان کے جلوں میں بھی کسانوں کو لکڑی کے ٹکڑے سے زمین جوڑتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔

کسان افغانستان کی آبادی کے 70 فیصدی ہیں، لیکن ان کو صرف دو تہائی ہی کمتر زمین فی شخص ملتی ہے۔

کھیتی کی جانے والی زمین کا رقبہ 15,00,000 ہے، جس میں سے 9,00,000 بڑے زمینداروں کے پاس ہے، باقی 60 فیصدی کسانوں کے پاس ہے یا تو کوئی زمین نہیں ہے اور کسی کے پاس ہے بھی تو بہت کم۔

کھیتی کی ترقی نہیں ہو سکتی۔

افغانستان کی زندگی اسی طرح چلتی رہتی ہے لیکن خانہ بدوشوں کے تہذیبوں میں پرانا امن ہی قائم ہے۔ ہر نئے اپریل کے مہینے میں گولے اور ان کے جانوروں کے جھنڈ اپنے سفر کے لئے روانہ ہوتے ہیں، جیسا کہ صدیوں سے کرتے آئے ہوں۔ ہر بسنت کو یہ چٹانیں اور محلات کھس قافلہ شمال کی جانب کوچ کرنا ہے، جب کہ خزاں آئے واپس اپنے پہلے کی جگہ پر آتی ہے۔

تاجیک ملک کے بہت بڑے باشندے ہیں اور انہیں کے بعد انہیں کی آبادی سب سے زیادہ ہے۔ آج کل یہ زیادہ تر افغانستان کے شمال میں رہتے ہیں خاص کر ہرات صوبہ میں جہاں وہ کل آبادی کے 34 فیصدی ہیں؛ کابل صوبہ (28.8 فیصدی)، کنگاہن بدخشان صوبہ (46 فیصدی)، مزار شریف صوبہ میں (23.7 فیصدی)۔ وہ ہندوکش، گوربند، پانچوہ، نیاکوب، نورستان اور کوگر کی پہاڑیوں میں بھی رہتے ہیں۔

کسان افغانستان کی آبادی کے 70 فیصدی ہیں، لیکن ان کو صرف دو تہائی ہی کمتر زمین فی شخص ملتی ہے۔

کھیتی کی جانے والی زمین کا رقبہ 15,00,000 ہے، جس میں سے 9,00,000 بڑے زمینداروں کے پاس ہے، باقی 60 فیصدی کسانوں کے پاس ہے یا تو کوئی زمین نہیں ہے اور کسی کے پاس ہے بھی تو بہت کم۔

کھیتی کی ترقی نہیں ہو سکتی۔

افغانستان کی زندگی اسی طرح چلتی رہتی ہے لیکن خانہ بدوشوں کے تہذیبوں میں پرانا امن ہی قائم ہے۔ ہر نئے اپریل کے مہینے میں گولے اور ان کے جانوروں کے جھنڈ اپنے سفر کے لئے روانہ ہوتے ہیں، جیسا کہ صدیوں سے کرتے آئے ہوں۔ ہر بسنت کو یہ چٹانیں اور محلات کھس قافلہ شمال کی جانب کوچ کرنا ہے، جب کہ خزاں آئے واپس اپنے پہلے کی جگہ پر آتی ہے۔

افغانستان کی زندگی اسی طرح چلتی رہتی ہے لیکن خانہ بدوشوں کے تہذیبوں میں پرانا امن ہی قائم ہے۔ ہر نئے اپریل کے مہینے میں گولے اور ان کے جانوروں کے جھنڈ اپنے سفر کے لئے روانہ ہوتے ہیں، جیسا کہ صدیوں سے کرتے آئے ہوں۔ ہر بسنت کو یہ چٹانیں اور محلات کھس قافلہ شمال کی جانب کوچ کرنا ہے، جب کہ خزاں آئے واپس اپنے پہلے کی جگہ پر آتی ہے۔

مشرقی افغان جانپوں نے اپنے خاص قسم کے انتہائی شکل کو قائم رکھا ہے۔ مگر مغربی جانپوں، خاص کر غلجائی اور ترائی فرقوں کا قبیلہ عمارن ٹوٹ رہا ہے اور ان میں اسروں اور جاگیرداروں کا زور بڑھ رہا ہے۔ یہ جانپوں اب خانہ بدوشی چھوڑ کر سنجائی والی زمین پر آباد ہو رہی ہیں۔ قبیلوں کے اونچے خاندان تمام زمین پر قبضہ کر لیتے ہیں اور قبیلے کے سردار بن جاتے ہیں۔ یہ اونچا طبقہ دھیرے دھیرے بڑھتا جا رہا ہے۔ اس سے قبیلے والوں کو نقصان ہے۔ یہ سردار خان ان گذریوں سے ان خرید لیتے ہیں جنہیں انہوں نے ادھار دیکر قرضدار بنا دیا ہے۔ یہ خان سرکار کے لئے ٹیکس بھی وصول کرتے ہیں۔

کراہ سے فراه تک کا سفر گرمیوں کے دنوں میں برداشت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ گرمی بہت سخت پڑتی ہے۔ مگر بہت سی شروعات میں یہ ضلع بہت خوشنما ہو جاتے ہیں۔ گردش کے نزدیک گرمی ہلندگھائی کو یہ سوک پار کرتی ہے۔ 'دلارام' نامی جگہ کے پاس سے یاقوتہ نامی ریکستان شروع ہوتا ہے۔ ادھر اب خانہ بدوشوں کے تہو بھی ہوتا ہے لکھ لکھ ہیں۔

فراج نامی صوبائی دارالسلطنت، جس کو پہلے فہرہ کہتے تھے، پہلے ایک تہذیبی مرکز تھا۔ اس کے جنوب میں رستم کا مشہور شہر نوروز ہے۔ پرانے زمانے میں یہ حصہ سیستان کے نام سے مشہور تھا، یہاں بہت سی سنجائی کی نہریں تھیں اور یہاں کی کھیتی بھی بڑھی چڑھی تھی۔ اس کا سب سے زیادہ عروج ہوناموں کے وقت میں ہوا تھا۔

لیکن ملکوں نے سب کچھ برباد کر دیا۔ آخری حملہ تیمور لنگ کے ذریعہ کیا گیا، جس نے ہلند دریا کے سب پشتوں اور سب سنجائی کی نہروں کو برباد کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریکستان سیستان کو پار کر تمام علاقہ میں پھیل گیا اور آج فراج کی حالت ازحد قابل رحم ہے۔

فراج سے شمال کی طرف جاتے ہوئے ہم کالہ تہوؤں (خانہ بدوشوں) کے علاقہ کو چھو کر ان ضلعوں میں داخل ہوتے ہیں جہاں پشتو نامی افغانی زبان بہت کم سن پڑتی ہے۔

ہم ایک پہاڑی سڑک پر چل کر شمالی افغانستان چلے جاتے ہیں، جہاں ہم ہرات کی زرخیز گھاٹی میں رکتے ہیں۔ افغانستان کا چوتھا نمبر کا شہر ہرات اس گھاٹی کے ٹھیک وسط میں ہے جو لمبائی میں 120 کلومیٹر اور چوڑائی میں 30 کلومیٹر ہے۔

ہرات کی پرانی شان چلی گئی ہے۔ شہر کی آبادی آج 25,000 آدمیوں سے زیادہ نہیں ہے، لیکن یہ ایک پختیلی روایت ہے کہ ملکوں کے حملہ کے پہلے ہرات کی آبادی دس لاکھ تھی۔

ہم ایک پہاڑی سڑک پر چل کر شمالی افغانستان چلے جاتے ہیں، جہاں ہم ہرات کی زرخیز گھاٹی میں رکتے ہیں۔ افغانستان کا چوتھا نمبر کا شہر ہرات اس گھاٹی کے ٹھیک وسط میں ہے جو لمبائی میں 120 کلومیٹر اور چوڑائی میں 30 کلومیٹر ہے۔

ہرات کی پرانی شان چلی گئی ہے۔ شہر کی آبادی آج 25,000 آدمیوں سے زیادہ نہیں ہے، لیکن یہ ایک پختیلی روایت ہے کہ ملکوں کے حملہ کے پہلے ہرات کی آبادی دس لاکھ تھی۔

فراج نامی صوبائی دارالسلطنت، جس کو پہلے فہرہ کہتے تھے، پہلے ایک تہذیبی مرکز تھا۔ اس کے جنوب میں رستم کا مشہور شہر نوروز ہے۔ پرانے زمانے میں یہ حصہ سیستان کے نام سے مشہور تھا، یہاں بہت سی سنجائی کی نہریں تھیں اور یہاں کی کھیتی بھی بڑھی چڑھی تھی۔ اس کا سب سے زیادہ عروج ہوناموں کے وقت میں ہوا تھا۔

لیکن ملکوں نے سب کچھ برباد کر دیا۔ آخری حملہ تیمور لنگ کے ذریعہ کیا گیا، جس نے ہلند دریا کے سب پشتوں اور سب سنجائی کی نہروں کو برباد کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریکستان سیستان کو پار کر تمام علاقہ میں پھیل گیا اور آج فراج کی حالت ازحد قابل رحم ہے۔

فراج سے شمال کی طرف جاتے ہوئے ہم کالہ تہوؤں (خانہ بدوشوں) کے علاقہ کو چھو کر ان ضلعوں میں داخل ہوتے ہیں جہاں پشتو نامی افغانی زبان بہت کم سن پڑتی ہے۔

ہم ایک پہاڑی سڑک پر چل کر شمالی افغانستان چلے جاتے ہیں، جہاں ہم ہرات کی زرخیز گھاٹی میں رکتے ہیں۔ افغانستان کا چوتھا نمبر کا شہر ہرات اس گھاٹی کے ٹھیک وسط میں ہے جو لمبائی میں 120 کلومیٹر اور چوڑائی میں 30 کلومیٹر ہے۔

ہرات کی پرانی شان چلی گئی ہے۔ شہر کی آبادی آج 25,000 آدمیوں سے زیادہ نہیں ہے، لیکن یہ ایک پختیلی روایت ہے کہ ملکوں کے حملہ کے پہلے ہرات کی آبادی دس لاکھ تھی۔

دنیا میں ऐसा कोई मुल्क नहीं है जहाँकि अफ़ग़ानि-
स्तान की तरह बाशिन्दों की खाना बंदोश जिन्दगी में
बदलाव हुए हों, तमाम साल भर जानवरों के मुन्ड के
मुन्ड चरते रहते हैं और मुल्क की चौथाई आबादी हमेशा
चरागाह ही ढूँढने में मशगूल रहती है, गर्मी के मोसम की
गरमी जन्व के चरागाहों को सुखा देती है, जिससे हजारों
अफ़ग़ान शुमाल से जन्व और मशरिक से मशरिब तक हर
साल चरागाहों की तलाश में भटकते रहने पर मजबूर होते
हैं, भेड़ों, बकरों, और ऊँटों के बड़े-बड़े मुन्ड सबकों में भरे
रहते हैं और उनके साथ उनका स्याह तम्बू और सीधा सादा
सामान भी रहता है, अपने 'खानों' और बड़े-बूढ़ों की
देख-रेख में यह क्राफिले हमेशा चलते फिरते रहते हैं।

जब खिजाँ आती है तो यह क्राफिले अपने जाड़ों की
चरागाहों की तरफ वापस चले जाते हैं, हरेक कबीले और
फिरके के अपने खास रास्ते हैं, और उन लोगों की खराबी
होती है जो दूसरे कबीलों के चरागाहों को छीनने की
कोशिश करते हैं, अच्छे चरागाहों की कमी के सबब से कई
जिलों में इस तरह के हथियार बन्द भगड़े होते रहते हैं
जहाँ पर हमलावरों के खिलाफ हथियारों का इस्तेमाल किया
जाता है।

यह खानाबंदोश धीरे-धीरे घूमते हैं—कस्बों में उन,
चमड़ा और फ़र बेचते हैं और बदले में रुई का कपड़ा,
बारूद, कारतूस और राइफल खरीदते हैं।

ज्यादातर लोग हथियार रखते हैं, जिन्दगी उनके लिये
आराम की चीज़ नहीं है और वे हमेशा चौकन्ने रहते हैं,
उनकी मुश्किलतात में उनकी बहादुर अफ़ग़ान औरतें, माँ
और बच्चे भी उनका साथ देते हैं, अपने शहर की बहनों की
तरह गाँव की अफ़ग़ानी औरतें अपनी खानाबंदोशी में
पर्दे का इस्तेमाल नहीं करतीं।

अफ़ग़ान एक खूबसूरत और मेहनतकश क़ौम है, वे
लम्बे मजबूत पट्टों वाले, नपे तुले सिडौल क़द के और
धुंधले बालों वाले होते हैं।

अफ़ग़ान अपनी आजादी की मोहब्बत के लिये मशहूर
हैं, बूढ़े अपनी लकी गई पुरानी लड़ाइयों को बयान करने
के लिये हमेशा तैयार रहते हैं।

अफ़ग़ानिस्तान ने बरतानिया से तीन लड़ाइयाँ लड़ीं,
1838-42 की जंग में अंग्रेजी 'फौजों' हारीं, दूसरी
लड़ाई 1878-80 में हुई, इस जंग के नतीजे की शकल है
अफ़ग़ानिस्तान बरतानिया के पूरे कब्जे में नहीं तो मातेहल्ली
में तो आ ही गया, सन 1919 में लकी गई तीसरी
जंग से, जिसमें अफ़ग़ानिस्तान के साथ सोवियत रूस की
'फौजें' भी थीं, अफ़ग़ानिस्तान को आजादी मिल गई।

دنیا میں ایسا کوئی ملک نہیں ہے جہاں کہ اندیشہ
کی طرح باشندگی کی خانہ بدوش زندگی میں بدلاؤ ہوتا ہو،
تمام سال بھر جانوروں کے جانٹے چرتے رہتے ہیں اور
ملک کی چوتھائی آبادی ہمیشہ چراگاہ ہی ڈھونڈنے میں
مشغول رہتی ہے، گرمی کے موسم کی گرمی جنوب کے چراگاہوں
کو سکھا دیتی ہے، جس سے ہزاروں افغان شمال سے جنوب اور
مشرق سے مغرب تک ہر سال چراگاہوں کی تلاش میں بھٹکتے
رہتے ہیں، بھڑوں، بکروں اور اونٹوں کے بڑے
بڑے چھتے سڑوں میں بھرے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ ہزاروں
ایسی چلتے رہتے ہیں، ان کے ساتھ ان کا سہارا تمبر اور سیدھا
سادہ سامان بھی رہتا ہے، اپنے 'خانوں' اور بڑے بڑے بڑوں کی
دیکھ ریکھ میں یہ قافلے ہمیشہ چلتے پھرتے رہتے ہیں۔

جب خزاں آتی ہے تو یہ قافلے اپنے چاروں کی چراگاہوں
کی طرف واپس چلے جاتے ہیں، ہر ایک قبیلے اور فرقے کے اپنے
خاص راستے ہیں، اور ان لوگوں کی خرابی ہوتی ہے جو دوسرے
قبیلوں کے چراگاہوں کو چھیننے کی کوشش کرتے ہیں، اچھے
چراگاہوں کی کمی کے سبب سے کئی ضلعوں میں اس طرح کے
ہتھیار بند چھتے ہوتے رہتے ہیں، جہاں پر حملہ آوروں کے خلاف
ہتھیاروں کا استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ خانہ بدوش دھورے دھورے گھومتے ہیں—تصویروں میں
'اون' چمڑا اور نو بھتے ہیں اور بدھ میں روئی کا کپڑا، بارون
کارتوس اور رائفل خریدتے ہیں۔

زیادہ تر لوگ ہتھیار رکھتے ہیں، زندگی ان کے لئے آرام کی
چیز نہیں ہے اور وہ ہمیشہ چوکنے رہتے ہیں، ان کی مشغلات
میں ان کی بہادر افغان عورتوں، ماں اور بچے بھی ان کا ساتھ
دیتے ہیں، اپنے شہر کی بھیموں کی طرح گلوں کی افغانی عورتوں
اپنی خانہ بدوشی میں پردے کا استعمال نہیں کرتیں۔

افغان ایک خوبصورت اور محنت کش قوم ہے، وہ لمبے
مضبوط پتھروں والے، نہ تھلے سڈول قد کے اور کھمکھالہ بالوں والے
ہوتے ہیں۔

افغان اپنی آزادی کی محبت کے لئے مشہور ہیں، بڑے
اپنی لڑکی گئی پرانی لڑائیوں کو بیان کرنے کے لئے ہمیشہ تیار
رہتے ہیں۔

افغانستان نے برطانیہ سے تین لڑائیاں لڑیں، 1842-18
جنگ میں انگریزی فوجیں ہاریں، دوسری لڑائی 1878-80
میں ہوئی، اس جنگ کے نتیجے کی شکل میں افغانستان
برطانیہ کے پورے قبضے میں نہیں تو ماتحتی میں تو آئی گیا،
سن 1919 میں لڑی گئی تیسری جنگ سے، جس میں افغانستان
کے ساتھ ہی سوویت روس کی فوجیں بھی تھیں، افغانستان کو
آزادی مل گئی۔

ہونی پہلے چنگیز خاں کے قریب اور بعد کو اس پر حسن کے قریب بہاد کر دیا گیا تھا۔ اس چوٹ سے کمزور ہو کر شہر کا ذوال ہو چکا ہے، اس کی پرانی چمک دمک کے آخری نشان کچھ بقی ہونی شاندار تھیں اور ایک پرانا قلعہ ہی رہ گئے ہیں۔

غزنی صوبہ میں افغان قوم کا 16, 25,000 آبائی والا غذائی فرقہ رہتا ہے۔ وزارتات تک سارا غزنی کا پتھر انہیں جانیوں سے بسا ہے، جن کا پدشہ زراعت اور گردنم انہیں کرنا ہے، مگر وہاں مٹی کی بہت کمی ہے اور غذائیں میں سے ایک حصہ ہر سال خانہ بدوشی کے لئے بھارت کی طرف نکل جاتا ہے۔ اور بھی جنوب کی ایک اور بڑی پٹھانی ہونی گھائی میں ملک کا پرانا دارالسلطنت قندھار ہے۔ یہاں کی حرارت سدا جازوں میں بھی پانی جسم کی حرارت سے زیادہ نہیں بھتی۔ قندھار جنوبی اور جنوبی-مغربی افغانستان کا ایک بڑا تجارتی مرکز ہے۔ کابل جانے والی سڑکوں اور ہرات کو بھارت سے ملانے والے راستوں کا بھی یہ مرکز ہے۔

قندھار اور فاریز صوبے جن نے زرخیز نخلستان ہیلند،
اقلداب اور فرا-رود کی گھاٹیوں میں ۱۴,۴۰,۰۰۰
آہادی والے درودی درخت لگائے ہیں۔ جو کہ ملک کے حکومت کرنے
والے افغان فرقوں میں سے سب سے زبردست ہیں۔ اسی فرقہ
میں سے حکومت کرنے والوں اور اُنہی عہدوں کے سرکاری کام
کرنے والوں کو چھانڈا جاتا ہے۔

فونی سے قندھار جالے والی سڑک سے گذرنے پر ہم کسانوں کو اپنے چروٹے سے کہیتوں کو اپنے لکڑی کے ہلوں سے جوڑتے یا پتھر اور لکڑی کی کڈالوں سے کھودتے دیکھ سکتے ہیں۔ سارے جنوبی افغانستان کی (ہزارہ جات کی پہاڑی قبائلوں کو چھوڑ کر) کہنی سلچائی کے اوپر ماسٹر ہے، مگر سلچائی بڑے ہی پرانے طریقوں سے ہوتی ہے، وہ پرانے ہاندہ، جنہوں نے یہاں سلچائی سے بڑے بڑے رزخیز نظامستان بنا دیئے تھے، اب نہیں رہے۔ فٹے ہاندہ ہاتھ بھی نہیں جا رہے ہیں۔ ابرو، اور ابراگشیا کے تاریخی مشہور شہروں نے آج کلنر ہی وہاں نظر آتے ہیں، پرانی بستیوں کے کلنر ہی روت سے پتے جا رہے ہیں۔

قلندار سے نراج جانے والی سڑک پر بھڑوں کے بڑے
چھلٹے چرتے ہیں۔ کالی پکڑی اور قہیٹے لباس پہنے اعدائے گندہ
انہیں چرایا کرتے ہیں۔

ملک کی مالی زندگی میں جانوروں کا پالا جانا بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ بہت سا کچا سامان جیسے اُون، چمڑا اور کراں درآمد کے لئے پیدا ہوتا ہے۔

افغانستان جا تیریاں آس تیر پر انڈیا کی طرف پارے جاتی ہیں، جب کہ ہندو کی شمال میں مقیم ملک کے ہائی حصہ میں، افغان شمار میں کم و بڑے ہی ہیں۔

افغانی چار خاص حصوں میں بٹا ہے—شمالی، غلڈانی، کپڑانی اور گرمک۔ ان میں سے بھی ہر شاخ کئی فرقوں خاندانوں اور بڑے یا چھوٹے قبیلوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ مغربی گرمک کے خاندانی قبیلوں کا حکومتی انتظام پشایی 'خان' نامی افسر کرتے ہیں۔ لیکن مشرقی کپڑانی گرمک میں آج بھی بڑے بڑوں کے پنجابی گرمک چاہیں 'جرمک' کہا جاتا ہے قبیلوں کی تنظیم کرتے ہیں۔

افغانستان ایک شاہی خودمختار ملک ہے۔ یہاں کا شاہ جو ساتھ ہی ساتھ تمام فوجی دستوں کا کمانڈر-ان-چیف بھی ہے، یہاں کا سب سے اونچا حاکم ہے۔ یہاں کی پارلیمنٹ میں دو چیمبر، ایک حکومتی مجلس جس کے نمائندے رعایا چنتے ہیں اور ایک سینیٹ ہوتا ہے جس کے ممبر خاندانی امیروں اور سرداروں میں سے شاہ کی رائے کے مطابق چنے جاتے ہیں۔

قانون کے ذریعہ پارلیمنٹ کو ہل پھل کرنے و پاس کرنے کی آزادی ہے۔ اس کے ذریعہ سرکاری قانون بھی بنائے جاتے ہیں اور صلحناموں کو منظور کرنے کا حق بھی اسی کو ہے۔ دوسرے لفظوں میں پارلیمنٹ کو قانون بننا کر وزیروں کو ان کے مطابق حکومت کے لئے ذمہ دار بنانا ہے۔ یہ اصلیت میں قانونی مجلس میں ایسے قاعدے بھی ہیں، جنہوں نے پارلیمنٹ کی طاقتوں کو محدود کر دیا ہے جیسے کہ قانون میں یہ بھی ہے کہ حکومتی نمائندوں کی مجلس کے فیصلے سرکاری پالیسی یا اسلام کے خلاف نہیں ہونے چاہئیں۔ پارلیمنٹ سرکار کے اوپر عظیم اعتماد کی تحریز نہیں پاس کر سکتی اور نہ وزیروں کی مجلس کے استیفاء کی ہی مانگ کر سکتی ہے۔ تمام وزیر وزیر اعلیٰ کی رائے سے شاہ کے ذریعہ قائم کئے یا نکالے جاتے ہیں۔

اس وقت ظاہر طور پر افغانستان نے بھارتی حد کے 'آزاد قبیلوں' کی حفاظتی پالیسی کو چھوڑ دیا ہے۔ ان قبیلوں کے کچھ سرداروں کا یہ اعتقاد ہے کہ برطانیہ نے افغانستان کو ان کے خلاف کرنے کے لئے کچھ مالی رعایتیں دی ہیں جن میں افغان مال کے پھارت سے ہو کر گذرنے دینے کی منظوری اور اس ملک سے زیادہ تجارت کرنے کی منظوری بھی شامل ہے۔

اگر یہاں پر دیکھا جائے کہ افغانستان کی زیادہ تر درآمد بھارتی حد کے اندر سے ہی ہوتی ہے تو رائے مذکور درست معلوم دیتی ہے۔

کابل سے جنوب کی طرف مرکز، کچھ گھنٹوں کے سفر کے بعد غزنی نامی صوبہ کے غزنی نامی مرکز میں ہی پہونچتے ہیں۔ محمود غزنوی کے وقت میں غزنی ہی ملک کا دارالسلطنت تھا۔ اس کی شہرت کی شروعات دسویں صدی میں ہی ہو گئی تھی جب کہ وہ جنوبی مشرقی ایران کی سیاست کا مرکز تھا۔

افغانی چار خاص حصوں میں بٹا ہے—شمالی، غلڈانی، کپڑانی اور گرمک۔ ان میں سے بھی ہر شاخ کئی فرقوں خاندانوں اور بڑے یا چھوٹے قبیلوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ مغربی گرمک کے خاندانی قبیلوں کا حکومتی انتظام پشایی 'خان' نامی افسر کرتے ہیں۔ لیکن مشرقی کپڑانی گرمک میں آج بھی بڑے بڑوں کے پنجابی گرمک چاہیں 'جرمک' کہا جاتا ہے قبیلوں کی تنظیم کرتے ہیں۔

افغانستان ایک شاہی خودمختار ملک ہے۔ یہاں کا شاہ جو ساتھ ہی ساتھ تمام فوجی دستوں کا کمانڈر-ان-چیف بھی ہے، یہاں کا سب سے اونچا حاکم ہے۔ یہاں کی پارلیمنٹ میں دو چیمبر، ایک حکومتی مجلس جس کے نمائندے رعایا چنتے ہیں اور ایک سینیٹ ہوتا ہے جس کے ممبر خاندانی امیروں اور سرداروں میں سے شاہ کی رائے کے مطابق چنے جاتے ہیں۔

قانون کے ذریعہ پارلیمنٹ کو ہل پھل کرنے و پاس کرنے کی آزادی ہے۔ اس کے ذریعہ سرکاری قانون بھی بنائے جاتے ہیں اور صلحناموں کو منظور کرنے کا حق بھی اسی کو ہے۔ دوسرے لفظوں میں پارلیمنٹ کو قانون بننا کر وزیروں کو ان کے مطابق حکومت کے لئے ذمہ دار بنانا ہے۔ یہ اصلیت میں قانونی مجلس میں ایسے قاعدے بھی ہیں، جنہوں نے پارلیمنٹ کی طاقتوں کو محدود کر دیا ہے جیسے کہ قانون میں یہ بھی ہے کہ حکومتی نمائندوں کی مجلس کے فیصلے سرکاری پالیسی یا اسلام کے خلاف نہیں ہونے چاہئیں۔ پارلیمنٹ سرکار کے اوپر عظیم اعتماد کی تحریز نہیں پاس کر سکتی اور نہ وزیروں کی مجلس کے استیفاء کی ہی مانگ کر سکتی ہے۔ تمام وزیر وزیر اعلیٰ کی رائے سے شاہ کے ذریعہ قائم کئے یا نکالے جاتے ہیں۔

اس وقت ظاہر طور پر افغانستان نے بھارتی حد کے 'آزاد قبیلوں' کی حفاظتی پالیسی کو چھوڑ دیا ہے۔ ان قبیلوں کے کچھ سرداروں کا یہ اعتقاد ہے کہ برطانیہ نے افغانستان کو ان کے خلاف کرنے کے لئے کچھ مالی رعایتیں دی ہیں جن میں افغان مال کے پھارت سے ہو کر گذرنے دینے کی منظوری اور اس ملک سے زیادہ تجارت کرنے کی منظوری بھی شامل ہے۔

اگر یہاں پر دیکھا جائے کہ افغانستان کی زیادہ تر درآمد بھارتی حد کے اندر سے ہی ہوتی ہے تو رائے مذکور درست معلوم دیتی ہے۔

جنوب کی طرف بڑھ سڑا جنوبی علاقے کے حصے سے ملا ہوا ہے جس میں افغانی پہاڑی باشندوں کی جاتی 'مٹال' جاتی، 'درویش خیل'، 'وزیری' وغیرہ جاتیں بسنی ہیں۔ ان پہاڑی گلوں میں بڑی غریبی ہے۔ یہاں کی مٹی کی تول سرنے کے برابر ہے، کیونکہ لوگ اسے حاتم اور سر میں بھر اور رک کر اونچے پہاڑوں میں اپنے کھیتوں تک لے گئے ہیں۔ اپنے اس 'انٹھک' محنت سے یہی لوگوں کی گذر نہیں ہوتی اور قبیلے کے قبیلے خوراک حاصل کرنے کے لئے بھارت کی طرف چل پڑتے ہیں۔

مشرقی اور جنوبی صوبہ ان چلتے ہوئے افغان جاتوں کے رہنے کے علاقے میں جو کہ کوہ سلیمان سے ادھر چلی آئی ہیں۔ شمال اور مغرب کی طرف بڑھ کر ان جاتوں نے باہری حملہ آوروں کے راستے کو روک دیا اور پہلی افغان ریاست کی بنیاد ڈالی۔ جنوبی حد کے بار بھی کئی ضلعے ہیں جو کہ افغانوں سے آباد ہیں۔ یہ قبیلے جو کہ اپنے ملک سے الگ کر دیئے گئے ہیں 'آزاد قبیلوں کے علاقے' نامی اپنی خاص زمین میں رہتے ہیں۔ ایک صدی سے وہ انگریزوں کے ذریعہ جوتے جالے کی کوششوں کا مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ کتھ ہی چھوٹے چھوٹے فوجی دستے ان کو دہانے کے لئے بھیجے جا چکے ہیں؛ چندسے اٹھنے لگے جا چکے ہیں اور ان کے سرداروں کو شہوت دہک بھڑ لہنے کی کوششیں بھی ہوئی ہیں، پر ان کے حفاظتی مورچے کو کبھی نہیں توڑا جا سکا۔

افغانستان میں آئے والے مسافر یہاں کی جاتیوں اور باشندوں میں پہیلی بدانتظامی کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ یہ اس ملک کی جغرافیائی حالت کا ہی نتیجہ نہیں ہے، جس نے کہ پچھلے دنوں میں کئی طرح کی جاتیوں کے لئے راستہ بنایا۔ اس کا سبب کچھ حد تک برطانوی نوآبادیاتی پالیسی بھی ہے، جس نے اس ملک کی حدود کو بھی قائم کیا۔ برطانیہ افغانستان کو ایک ہنر (روکاری) ریاست بنانے پر لا ہوا تھا۔ اس طرح اس کی حدود میں ایسے ضلعے بھی ہیں جہاں ترکمانی، ازبک و تازی جاتیں رہتی ہیں، جب کہ جنوب میں 40 لاکھ سے زیادہ (41,78,500) افغانی رعایا اپنے ملک سے الگ کر کے ہندوستان اور بلوچستان میں ملا دی گئی ہے۔ یہ حصہ آزاد قبیلوں کا اور ہنر، پشاور، کھات، ڈیرہ اسماعیل خاں اور بھارتی وزارت کے شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں ہے۔

افغانستان میں رہنے والی خاص جاتیں افغان (44,84,562)، تازی (21,06,000)، ازبک (8,02,000) اور ہزارہ (8,67,000) ہیں۔ باقی رعایا ترکمانوں اور دوسری غیر جاتوں جیسے 'نورستان'، 'طہلی'، 'فرز کوہ'، 'جمہودی'، 'نوروزی'، 'بلوچی'، 'عرب'، 'ہندستانی'، 'ترکی'، 'پہودی'، 'کھانی'، 'کرد' اور 'پشپاک' لوگوں سے بنی ہے۔

افغانستان میں رہنے والی خاص جاتیں افغان (44,84,562)، تازی (21,06,000)، ازبک (8,02,000) اور ہزارہ (8,67,000) ہیں۔ باقی رعایا ترکمانوں اور دوسری غیر جاتوں جیسے 'نورستان'، 'طہلی'، 'فرز کوہ'، 'جمہودی'، 'نوروزی'، 'بلوچی'، 'عرب'، 'ہندستانی'، 'ترکی'، 'پہودی'، 'کھانی'، 'کرد' اور 'پشپاک' لوگوں سے بنی ہے۔

ہندوکشا کا بڑا پھاڑ مُلک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ شمالی اور جنوبی، جن میں کہ جغرافیائی اور آبادی سے ملتی جلتی فرق ہے۔ ملک کے سب سے بڑے زرعتی نظمستان شمالی افغانستان میں ہی ہیں، جہاں درجنوں جاتیں اور فرقہ آباد ہیں۔ یہی حصہ جنوبی افغانستان کو خوراک دیتا ہے جو کہ چٹانی اور افغان جاتیوں سے بسی زمین ہے۔

سب سے اُچھے کوہستان شمال۔ مشرق میں ہیں، جہاں کہ سمندر کی سطح سے تین یا چار ہزار میٹر تک کی اونچائی کے بہت سے درے ہیں۔ ہندو کش، کوہ ابابا کے نام سے اُگے پہل کر آمو دریا اور سندھ کے بیچ کے میدان میں پانی پانی بائیں والے کا کام کرتا ہے۔ وسطی افغانستان 'مزار جت' نام کے سخت پہاڑی حصے سے بنا و گہرا ہے۔ مغرب کی طرف کوہ ابابا کی پہاڑی تین سلسلوں میں ملت جاتی ہے جو کہ دہرے دہرے لغو، ہلد اور پاکستان کی چٹانی اور ہالودار زمین میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

افغانی جاتیوں کی پودایشی جگہ بھارت سلیمان پہاڑوں کے اُس پار ہے۔ بلوچستان چٹانی کے پہاڑوں کے جنوب میں ہے۔

یہ پہاڑی سلسلے ملک کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، گو کہ حال ہی میں ہلی سڑکوں نے الگ الگ صوبوں کو ایک دعامے میں باندھنے میں مدد دی ہے۔ لیکن حالت میں سدھار نہیں ہوا ہے۔ شمالی اور جنوبی حصوں کو ملانے والی ایک خاص کڑی خانہ بدوش افغان جاتیں ہیں، جو کہ ہر سال ملک کو پار کرتی ہیں اور جنوب سے شمال ہرات، میمانہ اور کٹاکان۔ بدخشاں کے صوبوں کی طرف جاتی ہیں۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملا ہوا ہے۔ اِس صوبہ کا وسط جلال آباد کا میدان ہے۔ یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت کھلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملا ہوا ہے۔ اِس صوبہ کا وسط جلال آباد کا میدان ہے۔ یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت کھلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

مشرقی صوبوں کی آبادی افغان جاتوں سے بنی ہے جو کہ کپھالی، شلوری، موہند، صفی وغیرہ نسل کی ہیں۔ ان میں سے کچھ جاتیں ابھی بھی غاروں میں رہتی ہیں۔ صوبائی مرکز جلال آباد ہی یہاں کا ایک قصبہ ہے۔ پوشاور سے کابل جانے والے راکٹ پر آباد ہے، کابل کے اسی طبقہ کے لوگوں کی جاتوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ اُس کے چوتھے شہروں میں بہت سے خوب صورت باغیچوں سے گھرے ہوئے شاعی محل بھی ہیں۔

افغانستان کا مشرقی صوبہ بھارتی سرحد سے ملا ہوا ہے۔ اِس صوبہ کا وسط جلال آباد کا میدان ہے۔ یہاں کی آب ہوا گرم ہے، جہاں کہ کھجور و گنے کی کھیتی ہوتی ہے۔ کابل اور کونار ندیوں کی گھاٹیاں بہت کھلی آباد ہیں؛ پر شمال کی طرف نورستان نامی پہاڑ ہے جو کہ ابھی تک دشوار گزار ہی ہے۔

مشرقی صوبوں کی آبادی افغان جاتوں سے بنی ہے جو کہ کپھالی، شلوری، موہند، صفی وغیرہ نسل کی ہیں۔ ان میں سے کچھ جاتیں ابھی بھی غاروں میں رہتی ہیں۔ صوبائی مرکز جلال آباد ہی یہاں کا ایک قصبہ ہے۔ پوشاور سے کابل جانے والے راکٹ پر آباد ہے، کابل کے اسی طبقہ کے لوگوں کی جاتوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ اُس کے چوتھے شہروں میں بہت سے خوب صورت باغیچوں سے گھرے ہوئے شاعی محل بھی ہیں۔

مشرقی صوبوں کی آبادی افغان جاتوں سے بنی ہے جو کہ کپھالی، شلوری، موہند، صفی وغیرہ نسل کی ہیں۔ ان میں سے کچھ جاتیں ابھی بھی غاروں میں رہتی ہیں۔ صوبائی مرکز جلال آباد ہی یہاں کا ایک قصبہ ہے۔ پوشاور سے کابل جانے والے راکٹ پر آباد ہے، کابل کے اسی طبقہ کے لوگوں کی جاتوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ اُس کے چوتھے شہروں میں بہت سے خوب صورت باغیچوں سے گھرے ہوئے شاعی محل بھی ہیں۔

مشرقی صوبوں کی آبادی افغان جاتوں سے بنی ہے جو کہ کپھالی، شلوری، موہند، صفی وغیرہ نسل کی ہیں۔ ان میں سے کچھ جاتیں ابھی بھی غاروں میں رہتی ہیں۔ صوبائی مرکز جلال آباد ہی یہاں کا ایک قصبہ ہے۔ پوشاور سے کابل جانے والے راکٹ پر آباد ہے، کابل کے اسی طبقہ کے لوگوں کی جاتوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ اُس کے چوتھے شہروں میں بہت سے خوب صورت باغیچوں سے گھرے ہوئے شاعی محل بھی ہیں۔

مشرقی صوبوں کی آبادی افغان جاتوں سے بنی ہے جو کہ کپھالی، شلوری، موہند، صفی وغیرہ نسل کی ہیں۔ ان میں سے کچھ جاتیں ابھی بھی غاروں میں رہتی ہیں۔ صوبائی مرکز جلال آباد ہی یہاں کا ایک قصبہ ہے۔ پوشاور سے کابل جانے والے راکٹ پر آباد ہے، کابل کے اسی طبقہ کے لوگوں کی جاتوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ اُس کے چوتھے شہروں میں بہت سے خوب صورت باغیچوں سے گھرے ہوئے شاعی محل بھی ہیں۔

مشرقی صوبوں کی آبادی افغان جاتوں سے بنی ہے جو کہ کپھالی، شلوری، موہند، صفی وغیرہ نسل کی ہیں۔ ان میں سے کچھ جاتیں ابھی بھی غاروں میں رہتی ہیں۔ صوبائی مرکز جلال آباد ہی یہاں کا ایک قصبہ ہے۔ پوشاور سے کابل جانے والے راکٹ پر آباد ہے، کابل کے اسی طبقہ کے لوگوں کی جاتوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ اُس کے چوتھے شہروں میں بہت سے خوب صورت باغیچوں سے گھرے ہوئے شاعی محل بھی ہیں۔

हमारा पड़ोसी अफ़ग़ानिस्तान

प्रोफ़ेसर कजलबाश खाँ

अफ़ग़ानिस्तान एशिया के ठीक दक्खिन-पूरब पर अवस्थित है जहाँ की बड़ी-बड़ी पहाड़ियाँ मिलकर हिन्दु-स्तान की तरफ एक पहाड़ी सिलसिला बनकर मुड़ जाती हैं।

अफ़ग़ानिस्तान ग़ालों और किसानों का मुल्क है। आज भी यहाँ की करीब-करीब चौथाई जनता खाना-बदोश है।

अफ़ग़ानिस्तान का रकबा 6,55,000 मुरब्बा (वर्ग) किलोमीटर है पर उसकी आबादी 95,00,000 से ज्यादा नहीं है। मुसलमान मगर शुमाल मशरिफ़ की तरफ कुछ तंग हव लिये हुए, अफ़ग़ानिस्तान के शुमाल में सोवियत रूस का तुर्क-मानिया, उजबैक और ताजीक जम्हूरियत, मरारिब में ईरान और जनुब व जनुब-मशरिफ़ में भारत और ब्लाचिस्तान हैं।

मौजूदा अफ़ग़ानिस्तान के संगठन से पहिले, जॉकि अठारहवीं सदी में किया गया, यह मुल्क कई हिस्सों में मुनकसिम था, जिसकी तबारीख़ मुख्तलिफ़ थी। इसकी जुग्राफ़ियाई हालत ने इस सारे इलाक़े को बस्ती-मशरिफ़ से दूर दराज मशरिफ़ को मिलाने वाले मरकज का रुतबा देकर दुनिया की खास शाहराहों में खास जगह दे दी है। एक वक़्त था जबकि योरप और ऐशिया से बड़ी-बड़ी फ़ौजों और आबादियों ने इस मुल्क के अन्दर से गुज़र कर हिन्दु-स्तान में क़दम रखा। अफ़ग़ानिस्तान में पार्थी, हुण, और सक जातियाँ आईं; मेसिडोन के सिकन्दर आज़म ने भी इस मुल्क को फ़तह किया। चंगेज़ख़ाँ के ग़िरोहों, तेमूर लंग की फ़ौजों और इस्लाम कायम करने वाली अरब फ़ौजों ने भी इस देश पर वक़तन-वक़तन क़ब्ज़ा किया। मशरिफ़ से लेकर मरारिब तक और शुमाल से लेकर जनुब तक बस्ती बनती और बरबाद होती रहीं। कोई भी ऐसा हमला नहीं हुआ जिसके नतीजे के बाइस यहाँ नये आदमियों की कोई नई बस्ती आबाद न हुई हो। यहाँ से बड़ी-बड़ी सलतन्तों के उरुज के सितारे का दौर शुरू हुआ और यहाँ से वे ज़वाल के तबारीख़ी निशान से बनकर रायच भी हो गये।

अपनी ज़मीन के 4/5 हिस्से के पहाड़ियों से घिरे होने के सबब अफ़ग़ानिस्तान एक पहाड़ी मुल्क है। इसलिये यहाँ की रिश्तियाँ का बड़ा हिस्सा बड़ी या छोटी घाटियों में, नदियों के किनारे या शुमाल व शुमाल-मरारिब के तंग सड्डों के तालों में कायम करता था।

हमारा पड़ोसी अफ़ग़ानिस्तान

प्रोफ़ेसर कजलबाश खाँ

अफ़ग़ानिस्तान एशिया के ठीक दक्खिन-पूरब पर अवस्थित है जहाँ की बड़ी-बड़ी पहाड़ियाँ मिलकर हिन्दु-स्तान की तरफ एक पहाड़ी सिलसिला बनकर मुड़ जाती हैं।

अफ़ग़ानिस्तान ग़ालों और किसानों का मुल्क है। आज भी यहाँ की करीब-करीब चौथाई जनता खाना-बदोश है।

अफ़ग़ानिस्तान का रकबा 6,55,000 मुरब्बा (वर्ग) किलोमीटर है पर उसकी आबादी 95,00,000 से ज्यादा नहीं है। मुसलमान मगर शुमाल मशरिफ़ की तरफ कुछ तंग हव लिये हुए, अफ़ग़ानिस्तान के शुमाल में सोवियत रूस का तुर्क-मानिया, उजबैक और ताजीक जम्हूरियत, मरारिब में ईरान और जनुब व जनुब-मशरिफ़ में भारत और ब्लाचिस्तान हैं।

मौजूदा अफ़ग़ानिस्तान के संगठन से पहिले, जॉकि अठारहवीं सदी में किया गया, यह मुल्क कई हिस्सों में मुनकसिम था, जिसकी तबारीख़ मुख्तलिफ़ थी। इसकी जुग्राफ़ियाई हालत ने इस सारे इलाक़े को बस्ती-मशरिफ़ से दूर दराज मशरिफ़ को मिलाने वाले मरकज का रुतबा देकर दुनिया की खास शाहराहों में खास जगह दे दी है। एक वक़्त था जबकि योरप और ऐशिया से बड़ी-बड़ी फ़ौजों और आबादियों ने इस मुल्क के अन्दर से गुज़र कर हिन्दु-स्तान में क़दम रखा। अफ़ग़ानिस्तान में पार्थी, हुण, और सक जातियाँ आईं; मेसिडोन के सिकन्दर आज़म ने भी इस मुल्क को फ़तह किया। चंगेज़ख़ाँ के ग़िरोहों, तेमूर लंग की फ़ौजों और इस्लाम कायम करने वाली अरब फ़ौजों ने भी इस देश पर वक़तन-वक़तन क़ब्ज़ा किया। मशरिफ़ से लेकर मरारिब तक और शुमाल से लेकर जनुब तक बस्ती बनती और बरबाद होती रहीं। कोई भी ऐसा हमला नहीं हुआ जिसके नतीजे के बाइस यहाँ नये आदमियों की कोई नई बस्ती आबाद न हुई हो। यहाँ से बड़ी-बड़ी सलतन्तों के उरुज के सितारे का दौर शुरू हुआ और यहाँ से वे ज़वाल के तबारीख़ी निशान से बनकर रायच भी हो गये।

अपनी ज़मीन के 4/5 हिस्से के पहाड़ियों से घिरे होने के सबब अफ़ग़ानिस्तान एक पहाड़ी मुल्क है। इसलिये यहाँ की रिश्तियाँ का बड़ा हिस्सा बड़ी या छोटी घाटियों में, नदियों के किनारे या शुमाल व शुमाल-मरारिब के तंग सड्डों के तालों में कायम करता था।

اگست 1957 اگست

<u>کيا کيس سے</u>	<u>صفحہ</u>	<u>کيا کس سے</u>
1. ہمارا پڑوسی افغانستان —پروفیسر کمالیہا شاہ	... 47 ...	1. ہمارا پڑوسی افغانستان —پروفیسر کمالیہا شاہ
2. آسٹین میں سائپ —میر عبدالکلیم انصاری آرٹسٹ	... 55 ...	2. آسٹین میں سائپ —میر عبدالکلیم انصاری آرٹسٹ
3. ہندو مسلمانوں کے تہذیبی میل جول کی شروعات —ڈاکٹر لکشمی دھرتی एस० ए० बी० फिला०	... 59 ...	3. ہندو مسلمانوں کے تہذیبی میل جول کی شروعات —ڈاکٹر لطیف دھرتی एस० ए० बी० फिला०
4. سیلہ مڑھ کا درمیانی راستہ —پروفیسر تاجا سید एस० ए०	... 70 ...	4. سیلہ مڑھ کا درمیانی راستہ —پروفیسر تاجا سید एस० ए०
5. ہماری راہ— شانہ بھٹا؛ آجکل کی سرکاریں—سندر لال	... 72 ...	5. ہماری راہ— شانہ بھٹا؛ آجکل کی سرکاریں—سندر لال

ہندوستان کا نیا ہفت روزہ

نمبر 2 نمبر 24 جلد 24 جلد

اگست 1957 اگست

ہندوستانی کلچر سوسائٹی کولچر سوسائٹی
ہندوستانی کولچر سوسائٹی

145 مودی گنج، ایس۔ ایس۔

145 مودی گنج، ایس۔ ایس۔

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editor

Suresh Ramabhai

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.

— from —

— NAYA HIND —

نیامند

اس نمبر کے خاص لےو



ہمارا پکوسی افغانستان

—پروفیسر کمال چاروا سہ

جاسٹس میں سہ

3 AUG 1957

پروفیسر کمال چاروا سہ

اس میں سہ

—پروفیسر کمال چاروا سہ
—پروفیسر کمال چاروا سہ

—پروفیسر کمال چاروا سہ
—پروفیسر کمال چاروا سہ

ہندو مسلمانوں کے تہذیبی میل جول
کی شروعات

—پروفیسر کمال چاروا سہ

—پروفیسر کمال چاروا سہ

سینٹرل سولہ کا درمیانی راستہ

—پروفیسر کمال چاروا سہ

—پروفیسر کمال چاروا سہ

—پروفیسر کمال چاروا سہ

हिन्दी घर

हिन्दी घर

कलचर पर हर तरह की किताबें मिलने का एक बड़ा केन्द्र—पाठक हिन्दी, उर्दू, अंग्रेजी की अपनी मन-पसन्द किताबों के लिखे हमें लिखें।

हमारी नई किताबें

महात्मा गान्धी की वसीयत

(हिन्दी और उर्दू में)

लेखक—गान्धीवाद के माने जाने

विद्वान : स्व. श्री मंजर अली सारुता

सके 225, कीमत दो रुपया

—:०:—

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

लेखिका—कुवसिया जैदी

भूमिका—पंडित जवाहरलाल नेहरू

मोटा काराज, मोटा टाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें

दाम दो रुपया

—:०:—

पंडित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सके, दाम दस रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सके, दाम बारह आने

महात्मा गान्धी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत चार आने

बंगाल और उससे सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुद्रोगंज इलाहाबाद

कलचर पर हर तरह की किताबें मिलने का एक बड़ा केन्द्र—पाठक हिन्दी, उर्दू, अंग्रेजी की अपनी मन-पसन्द किताबों के लिखे हमें लिखें।

हमारी नई किताबें

महात्मा गान्धी की वसीयत

(हिन्दी और उर्दू में)

लेखक—गान्धीवाद के माने जाने

विद्वान : स्व. श्री मंजर अली सारुता

सके 225, कीमत दो रुपया

—:०:—

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

लेखिका—कुवसिया जैदी

भूमिका—पंडित जवाहरलाल नेहरू

मोटा काराज, मोटा टाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें

दाम दो रुपया

—:०:—

पंडित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सके, दाम दस रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सके, दाम बारह आने

महात्मा गान्धी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत चार आने

बंगाल और उससे सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुद्रोगंज इलाहाबाद

सांस्कृतिक साहित्य

सान्स्कृतिक साहित्य

हजरत मोहम्मद और इसलाम

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इसलाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

सुमेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय फिराक, कीमत—तीन रुपया

मिलने का पता

حضرت محمد اور اسلام

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولاہ—تین روپیہ
اسلام کے پیغمبر کے سمبندھ میں بیارتیہ بھاشاؤں میں اس سے
سندر کوئی دوسری پستک نہیں

حضرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولاہ—ڈیڑ روپیہ

مہاتما زر تھسٹر اور ایرانی سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

یہودی دھرم اور سامی سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

پراچین مصر کی سبھیتا اور سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

سمیر، بابل اور اسوریائی پراچین سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

پراچین یونانی سبھیتا اور سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

گنگا سے گوتمی تک

(پرگتی شیل کہانی سنڈرہ)

لیکھک—شری مجیب رفوی، قیمت—دو روپیہ

آگ اور آنسو

(بھاؤپورن سماجک کہانیاں)

لیکھک—ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، قیمت—ڈیڑ روپیہ

قرآن اور دھارمک مت بھید

لیکھک—مولا ابوالکلام آزاد، قیمت—ڈیڑ روپیہ

جھنکار

(پرگتی شیل کہانیاں کا سنڈرہ)

لیکھک—رگھوپتی سہائے فریق، قیمت—تین روپیہ

ہندوستانی کلچر سوسائٹی ہندوستانی کالچر سوسائٹی

145 مڈگنج، ایلاہ آباد 145 مڈگنج، ایلاہ آباد

لیا ہے اہلکار کے ہول کرکٹیں ہیں میں زمین کی دھواں مٹاتی
میں ہیں ہیں تا گردان کر لے میں جہاں جاتیں۔ اسی دوسری
آواز کو ہی "ہارپون" کے دن اس کلم کی پوری ہو سکتی
ہے۔ ستاروں مٹی کا آئینہ روں ہمارے ساتھ ہے۔ یہاں خون ہمارے
ساتھ ہے۔

—सुरेश राममाई

سورہی و لم عہائی

22 8 57

Rs. 7. 8. 0

BY PANDIT SUNDARLAL

—National Herald, Lucknow.

—Leader, Allahabad.

— Blitz, Bombay

--Bharat Jyoti, Bombay

—Indian Express, Madras

-Vicki Dahl

جیسے بچوں کے کام کر کے ان کو مستحکم شہرہ نامی شہ
سکین کے ؟ وہ تو اپنی کلیرنا کا اپنی نرہلنا کا اپنی لاجوں کا
ہی پرتوک ہوا۔ وہ پڑشوں کی لڑن اگر ہمارے جیسی
تربوک و کلر نکلی تو پڑ اولن کہالے کے اپنے دعوے نو ہی کہو
ہتھے کی۔

لیکن 'نہیں' ہمیں ہمت نہیں ہارنی ہے۔ زمین کی مالکیت مقالے کا کام اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ بھاس ہوتا ہے۔ زمین کی مالکیت کی دیواریں تباہ رہی ہیں، جو باقی ہیں وہ بھی ہل رہی ہیں۔ ایک دو نہیں، دس بیس نہیں، سو سولسو نہیں۔ دعائی ہزار گڑوں میں زمین کی مالکیت مٹ چکی ہے! مٹ چکی ہے!! مٹ چکی ہے!!! ہمیشہ کے لئے ختم۔ ہڑالے زمانے کی ایک ستیکارہ گئی ہے۔ اُن گڑوں میں اُس کا کوئی نہیں استکو نہیں بچا۔ تو جو بات دعائی ہزار گڑوں میں ہو سکتی ہے، وہ دہش کے کل کے سارے کل پانچ لاکھ گڑوں میں کیوں نہیں ہو سکتی؟ کیا اُن دعائی ہزار گڑوں کے لوگ دیوتا یا فرشتے ہیں اور باقی اُن سے کُتھ نیچے ہیں؟

نہیں، نہیں، کبھی کبھل اپنے پورائے کی ہے۔ بلکہ ہم کہیں
 گے کسی اپنی شردھا کی ہے۔ جو شردھا ہمارے پورے میں کو
 انگریزوں کی حکومت مقالے میں تھی، وہ ہسکو زمین کی
 مالکیت مقالے میں ابھی تک نہیں آئی ہے۔ شردھا کوئی پردا
 نہیں ہے جو اندر اُدھر تولد۔ شردھا دیوار کی طرح ہے جو با
 کوکری ہے یا کڑی ہے، یا تو ہے یا نہیں ہے۔ اپنا دل قبول کر ہم
 دیکھیں کہ ہم کہاں ہیں، وہ شردھا ہم میں کتنی ہے، ہے ہی
 کہ نہیں؟

جہاں ہمارے اندر وہ شردھا اُئی، زمین کی مالکیت مثلاً
 کی اُڑھنڈا اور اُنھوڑتا پر یقین آیا کہ دیکھتے دیکھتے یہ مالکیت
 ٹوٹ کر چٹنا چور ہو جائے گی۔ جس طرح صدیوں کا اندھوا
 ایک چھوٹا سا چراغ چھن ہو میں ختم کر دیتا ہے، اُسی طرح
 صدیوں کی زمین کا دیکتی گت سوامتو ایک دن میں ایک
 شخصیت گھڑی پر ختم ہو سکتا ہے۔ پھر یہ تیسری چیز نہیں
 جو اُترنی ہو۔ سڈن نے کہا ہے ”سید بھومی کوپال کی“
 پچھلے دو تھائی سو سال میں ہم اس پاتھ کو بھول سے گئے تھے۔
 آج پھر سے یاد کر اس پر اب عمل کر ڈالنا ہے۔ دیکھتے دیکھتے یہ
 مالکیت مٹ جائے گی اور اپنے مری بزرگوں کو ہم سچی شردھاتجلی
 لپٹ کر سنبھال لیں گے۔

یہی ہے ستاروں مائی کی اصلی پوجا کرنے کی ریتھی ۔
ستاروں کے چھ مہینے پورے ہو رہے ہیں، چھ ہی بچے ہیں ۔
نہایت نامی ہمارے، آگے کی سڑک لے۔ ابھی کچھ مہینے بگڑا
ہو، اب یہی سب چیزیں سنبھال سکتی ہے ۔ ہم اب چوت جانتیں
اب سب مل کر۔ اپنے جاتمے، بہنو، عیاشا بہنو، دیکھو،

چہرہ پر کئی کئی گون میں پہنچا ہے۔ تھی ساج بولن ہوتا اور
 ہر انسان میں ہی آتم شکتی نکل اٹھ گی۔ کیا یعنی، کیا
 ساج، دوستوں کا بولن ہوئے۔

سوال ہے کہ یہ ہو کیسے؟ بہت ہی کٹھن سوال ہے کہ گڑوں گڑوں کس طرح ہلوآن اور خودمختار بنے۔ ذرا دھیان پوروکھو چار کریں گے تو سوچ پتہ چلیگا کہ دیس بھر میں گڑوں گڑوں کے اندر جس چیز نے ہم کو نس تیج اور نیرویہ ہلا دیا ہے، جس نے گارن ہم موٹن نہ آتم سمان بچا ہے نہ سہر دیتا، جس کی وجہ سے ہم نے آتم وشواس اور مانوئا کو اٹھا کر مانو طاق پر رکھ دیا ہے، وہ ہے دھرتی کا دیکتی گت سوامتو یا نجی ملکیت۔ دیکتی گت سوامتو کے اھنکار سے ہوسوامی ہو مانا کی اپنے ہاتھ سے سیوا کرنا آنا دھرتی نہیں، آدھرم سمجھتا ہے۔ دوسری طرف دیکتی گت سوامتو کے پورن اپہاڑ میں، ہوس میں مزدوروں کی ہو سیوا نش ہوان اور جز بن گئی ہے۔ اور جب تک زمین کی یہ نجی ملکیت قائم رہتی ہے، جب تک زمین کی خرید بکری چلتی ہے، جب تک دھرتی مانا کی پکروت آپاسا کل اولاد نہیں کرتی، تب تک کیسا سوراجیہ، کیسی سوادھیلتا اور کیسی شردھا نجلی !!!

اِس واسطے ستاروں مائی کی پوجا کے لئے سب سے پہلی ضرورت اِس بات کی ہے کہ دھرتی مانا ویکتی گت سوامتو کے بلندھوں سے مکت ہونی چاہئے۔ اُس کی خرید بکری سدا سرودا کے لئے بلند ہونی چاہئے۔ اُس کا انصاف سے اور ایک رائے سے گلوں گلوں میں پھر سے ہلتوارہ ہونا چاہئے۔ دیہش میں نہ کوئی بھومی ہین رہے نہ بھومی سوامی۔ سب بھومی پتر ہلیں۔ پتر ہین کر مانا کی پتھا شکتی سہوا کریں اور پتریم سے ایک نوسرے کا سپورگ لیں۔ اگر ہم ایسا نہ کر کے، ادھر ادھر کی بھوسوں ہاتھیں کریں، سہکڑوں گاریہ کرم رچیں، دیانکھان جھاریں، پھول مالٹھیں اِسٹارکوں کو پہنائیں تو اِس کا کوئی اثر نہ ہمارے جھون پر پڑیگا، نہ سراج پر پڑیگا اور نہ اُن پوتر اُناؤں کو سنتوش ہی ہوگا۔ اِن چھپ پت کاموں میں اپنی طاقت نہ خرچ کر ہم کو اپنی پوری طاقت بلھانی اور پہلا کام کرنے میں لگانی چاہئے۔

ظاہر بات ہے کہ کام مشکل ہے، دور دور سے دیکھنے میں
 ممکن بھی لگتا ہے۔ لیکن کیا انگریزی راج کو نکال باہر کر
 دینا بھی کوئی آسان کام تھا؟ جس انگریزوں پر چٹانیں دیکھ
 کر ہی ہم لوگ ہلکے ہو جاتے، اُس کا شامس اُنہار پھینکتا
 کیسی ہلکی تھیل تھا؟ دیر آسان کام کے لئے نہیں، مشکل کام کرنے
 کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ تو جن دہیروں نے انگریزی راج سے منکلی
 ہے، جیسا مشکل کام اُٹھایا، کیا ہم کبھی پھول مالا یا دیکھتے ہیں

سत्تاवन مائی کی پوجا کیسے ہو؟

پیدھلی دس مہینے سے دہرا ہر مہینے، خاص کر ہندی भाषा-भाषी علاقوں میں، سن 1857 کے اپنے پرائے اسمبلی، کیوں اور یادداشتوں کے प्रति अष्टांजलि की धूम मची है. शहरों में तो इस कार्यक्रम को मनाने के लिये सभायें होती हैं, जुलूस निकलते हैं, स्मारकों पर फूल-मालायें चढ़ायी जाती हैं. लेकिन दूर देशों में इस अष्टांजलि ने सत्तावन माई की पूजा का नाम लिया है. आजकल देशों में बेचक की यानी देवी माई का जोर बेसे ही है, माई की पूजा होती है. इसी तरह दशहरा पर काली माई की और दूसरे मौकों पर दूसरी माईयों की पूजा होती है. तो सत्तावन शताब्दि समारोह भी माई बनकर सामने आ रहा है. मगर इस पूजा का अभी कोई ठोस शकल नहीं निकल पाई है. पर धीरे-धीरे वह शकल निकल भी आयेगी. क्या शकल निकलेगी, कोई नहीं कह सकता—पर उसकी दिशा क्या हो, इस सम्बन्ध में कुछ सुझाव यहाँ पर नम्रतापूर्वक पेश किये जा रहे हैं.

अपने बुजुर्गों को अष्टांजलि अर्पित करना हर किसी का धर्म है. वह पूजा सचमुच अपने समाधान और सन्तोष के लिये होती है. फिर, जब हमारे जैसे देश में, जो आत्मा को शरीर, मन और बुद्धि से अलग मानता हो, इस पूजा का प्रयोजन अपने हित के लिये ही है, न कि दिवंगत पूज्य आत्माओं के लिये. और कौन नहीं जानता कि आत्मा की शान्ति सद्गुण के विकास में, सद्भावना के निर्माण में है. इसलिये सच्ची अष्टांजलि वही है जिससे पूजा करने वाले आवामी या समाज के अन्दर सद्गुण या सद्भावना जाग जावे. अगर ऐसा नहीं होता तो सारी पूजा बाहरी आडम्बर बन जायेगी और ढकोसला साबित होगी. सत्तावन माई की पूजा इस दृष्टि को ध्यान में रखकर ही होनी चाहिये.

जाहिर है कि सन सत्तावन में जो बीड़ा उठाया गया वह था स्वाधीनता के लिये. किस की स्वाधीनता? देश भर की—देश भर के गांव गांव में रहने वाले हर बच्चे की. अंग्रेजी सरकार उसमें सबसे बड़ी बाधा थी, इसलिये उसको हटाना पहला जरूरी काम समझा गया. इसी कामना ने स्वराज्य का नाम लिया. 1857 में हमारी वीर आत्माओं ने जो बीज बोया, 1947 में उसमें फल आया और देश को स्वराज्य मिला. देश स्वाधीन हुआ. लेकिन कहने की जरूरत नहीं कि इस स्वाधीनता का अर्थ केवल यही है कि शक्ति व शासन का पारसल लंदन से लुकाकर दिल्ली ले आया गया. देश का नियंत्रण, संचालन, संयोजन आदि सब कुछ दिल्ली से होता है. गांव वहीं के वहीं हैं. इस तरह देश अगर स्वाधीन है, पर गांव पराधीन है. सत्तावन माई की वही पूजा, कार्यक कह जायेगी जो इस पराधीनता को मिटावे—यानी शक्ति व शासन के पारसल को दिल्ली से

स्ताون माई की पूजा کیسے ہو؟

پیدھلی دس مہینے سے دہرا ہر مہینے، خاص کر ہندی भाषा-भाषी علاقوں میں، سن 1857 کے اپنے پرائے اسمبلی، کیوں اور یادداشتوں کے प्रति अष्टांजलि की धूम मची है. शहरों में तो इस कार्यक्रम को मनाने के लिये सभायें होती हैं, जुलूस निकलते हैं, स्मारकों पर फूल-मालायें चढ़ायी जाती हैं. लेकिन दूर देशों में इस अष्टांजलि ने सत्तावन माई की पूजा का नाम लिया है. आजकल देशों में बेचक की यानी देवी माई का जोर बेसे ही है, माई की पूजा होती है. इसी तरह दशहरा पर काली माई की और दूसरे मौकों पर दूसरी माईयों की पूजा होती है. तो सत्तावन शताब्दि समारोह भी माई बनकर सामने आ रहा है. मगर इस पूजा का अभी कोई ठोस शकल नहीं निकल पाई है. पर धीरे-धीरे वह शकल निकल भी आयेगी. क्या शकल निकलेगी, कोई नहीं कह सकता—पर उसकी दिशा क्या हो, इस सम्बन्ध में कुछ सुझाव यहाँ पर नम्रतापूर्वक पेश किये जा रहे हैं.

अपने बुजुर्गों को अष्टांजलि अर्पित करना हर किसी का धर्म है. वह पूजा सचमुच अपने समाधान और सन्तोष के लिये होती है. फिर, जब हमारे जैसे देश में, जो आत्मा को शरीर, मन और बुद्धि से अलग मानता हो, इस पूजा का प्रयोजन अपने हित के लिये ही है, न कि दिवंगत पूज्य आत्माओं के लिये. और कौन नहीं जानता कि आत्मा की शान्ति सद्गुण के विकास में, सद्भावना के निर्माण में है. इसलिये सच्ची अष्टांजलि वही है जिससे पूजा करने वाले आवामी या समाज के अन्दर सद्गुण या सद्भावना जाग जावे. अगर ऐसा नहीं होता तो सारी पूजा बाहरी आडम्बर बन जायेगी और ढकोसला साबित होगी. सत्तावन माई की पूजा इस दृष्टि को ध्यान में रखकर ही होनी चाहिये.

जाहिर है कि सन सत्तावन में जो बीड़ा उठाया गया वह था स्वाधीनता के लिये. किस की स्वाधीनता? देश भर की—देश भर के गांव गांव में रहने वाले हर बच्चे की. अंग्रेजी सरकार उसमें सबसे बड़ी बाधा थी, इसलिये उसको हटाना पहला जरूरी काम समझा गया. इसी कामना ने स्वराज्य का नाम लिया. 1857 में हमारी वीर आत्माओं ने जो बीज बोया, 1947 में उसमें फल आया और देश को स्वराज्य मिला. देश स्वाधीन हुआ. लेकिन कहने की जरूरत नहीं कि इस स्वाधीनता का अर्थ केवल यही है कि शक्ति व शासन का पारसल लंदन से लुकाकर दिल्ली ले आया गया. देश का नियंत्रण, संचालन, संयोजन आदि सब कुछ दिल्ली से होता है. गांव वहीं के वहीं हैं. इस तरह देश अगर स्वाधीन है, पर गांव पराधीन है. सत्तावन माई की वही पूजा, कार्यक कह जायेगी जो इस पराधीनता को मिटावे—यानी शक्ति व शासन के पारसल को दिल्ली से

ہمارا ہمسایہ

ہندوستان کی دولت بڑی ہے !

پچھلے پانچ برسوں میں پہلی پانچ سالہ یोजना کے چارے ہندوستان کی تمامدنیوں میں کچھ نہ کچھ بچاؤ ہوا ہے۔ ماحیروں کا خیال ہے کہ ہر فرد پچھلے پانچ سالہ ملک کی مالی ترقی کو ظاہر کرتا ہے۔ ماحر ظاہر جب کوئی بات کرتا ہے تو ملک کیسے اس کی سچائی سے انکار کر سکتا ہے ؟ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکریٹری اچاریہ اکرال بھی اس سچائی سے انکار نہیں کرتے لیکن وہ کہتے ہیں کہ دولت کے اس اضافے سے ملک کے امیروں کی تجزیات اور زیادہ بڑی ہیں۔ وہ بڑے درد کے ساتھ کہتے ہیں کہ ”امیر زیادہ امیر ہوتے جا رہے ہیں اور غریب دنوں دن زیادہ غریب ہوتے جا رہے ہیں۔ امیروں اور غریبوں کا یہ فرق دنوں دن بڑھتا جا رہا ہے۔“ اگر اسی رفتار سے یہ فرق بڑھتا گیا تو ملک میں سماج وادی سماج کیسے قائم ہوا ؟ ایک اور جب کہ اُنہیں بڑھا ہے دوسری اور لوگوں کی خریداری کی طاقت دنوں دن گہٹی جا رہی ہے۔ دوسری پانچ سالہ یोजना کو پورا کرنے کے لئے اور زیادہ دھن کی ضرورت ہے۔ اس دھن کا ایک بڑا حصہ ٹیکسوں سے ہی اٹھا کرنا پڑے گا۔ ماحر کہتے ہیں کہ چلتا تو خوشحال بنانے کے لئے یہ ٹیکس ضروری ہیں۔ اور چلتا ان ٹیکسوں کے بوجھ سے دن بدن زندگی کے بنیادی اسباب سے بھی بچھے گئی جا رہی ہے۔

ہندستان کی دولت بڑی ہے !

ہندستان کی آمدنی میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوا ہے۔ ماحیروں کا خیال ہے کہ ہر فرد پچھلے پانچ سالہ ملک کی مالی ترقی کو ظاہر کرتا ہے۔ ماحر ظاہر جب کوئی بات کرتا ہے تو ملک کیسے اس کی سچائی سے انکار کر سکتا ہے ؟ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکریٹری اچاریہ اکرال بھی اس سچائی سے انکار نہیں کرتے لیکن وہ کہتے ہیں کہ دولت کے اس اضافے سے ملک کے امیروں کی تجزیات اور زیادہ بڑی ہیں۔ وہ بڑے درد کے ساتھ کہتے ہیں کہ ”امیر زیادہ امیر ہوتے جا رہے ہیں اور غریب دنوں دن زیادہ غریب ہوتے جا رہے ہیں۔ امیروں اور غریبوں کا یہ فرق دنوں دن بڑھتا جا رہا ہے۔“ اگر اسی رفتار سے یہ فرق بڑھتا گیا تو ملک میں سماج وادی سماج کیسے قائم ہوا ؟ ایک اور جب کہ اُنہیں بڑھا ہے دوسری اور لوگوں کی خریداری کی طاقت دنوں دن گہٹی جا رہی ہے۔ دوسری پانچ سالہ یोजना کو پورا کرنے کے لئے اور زیادہ دھن کی ضرورت ہے۔ اس دھن کا ایک بڑا حصہ ٹیکسوں سے ہی اٹھا کرنا پڑے گا۔ ماحر کہتے ہیں کہ چلتا تو خوشحال بنانے کے لئے یہ ٹیکس ضروری ہیں۔ اور چلتا ان ٹیکسوں کے بوجھ سے دن بدن زندگی کے بنیادی اسباب سے بھی بچھے گئی جا رہی ہے۔

ہمیں تسلی ہے کہ اس مسئلے پر وہ لوگ بھی اب سلجھتے ہوئے ہیں جو اس دردناک کیفیت کے لئے رستہ ہیں۔

ہمیں تسلی ہے کہ اس مسئلے پر وہ لوگ بھی اب سلجھتے ہوئے ہیں جو اس دردناک کیفیت کے لئے رستہ ہیں۔

—بی. نا. پانڈے

—بی. نا. پانڈے

एक दोली होगी, तुम्हें उनका स्याल होगा ! तुम्हें बंगलों और ओहोंसे प्यार होगा ! बरा सोचो तो सही, समाज के बेधुमार जीव जिनकी माएँ बहिनें तब-तब कर प्राण दे रही हैं, जिनके बच्चे रोटी के टुकड़ों के न मिलने पर सीधे स्वर्ग चले जाते हैं, तो सोचो ! अगर समाज को उठाने के काम में, उसे चेतनमय कर डालने में अगर कष्ट आ पड़ें, जेलों की हवा खानी पड़े, अगर तुम्हें फाँसी का डर भी दिखाया जावे तो इतना याद रखो, हमारे समाज के हजारों लाखों को इस नरक से बचाने के काम में अगर तुम सहायक हो सको तो तुम चेतनामय हो, उठ चुके हो।

ऐसी कठिनाई में याद करो राष्ट्रपिता महात्मा गान्धी को, दरिद्र नारायण के उस सच्चे पुजारी को, गरीब हिन्दुस्तानियों के उस सच्चे वकील को, अपने आत्म बल से तोपों का मुकाबला करने वाले उस फकीर को, उनका रास्ता तुम्हारा रास्ता रहे, उनका प्रेम भरा दिल तुम्हारा दिल हो तो तुम अजय हो।

आज का समाज जिसमें अभी, शोषण है, दोहन है, गरीबी है, उसमें पिसने वाले, उसको भुगतने वाले बेधुमार साथियो उठो ! इसलिये कि तुम्हारा काम आज उठना है, तुम्हारा काम आज इन्सानियत की स्थापना करना है, पर उसका रास्ता क्या हो ? उसका रास्ता यही है कि समाज को उठने दो, ठेकेदारों को इजारेदारों को, समाजकी इजारेदारी से अलग करो, अपने प्रेम और बलिदान के सहारे अलग करो ! क्यों ? इसलिये कि अब तुम भी सोच सकने का माहा रखते हो, और पहले भी तुम में माहा था, पर उस समय उसपर परदा था ! पदें हटा दो, लम्बी नींद से जाग उठो, और उठकर एक काम करो ! वैसे कि गुलामी और छीना झपटी से इन्सान को मुक्त करो ! शोषण का—मेहनत के शोषण का—रास्ता बन्द करो, विचारकी आजादी दो ! यही पुन्य काम है ! समाज की कुरूपता को भिटा दो !

उठो, मेहनत का लाभ उसे उठाने दो जिसकी मेहनत है, जिसका जिस्म है, जिसकी मशकत है !

एक ठोली होगी, तुम्हें उनका स्याल होगा ! तुम्हें बंगलों और ओहोंसे प्यार होगा ! बरा सोचो तो सही, समाज के बेधुमार जीव जिनकी माएँ बहिनें तब-तब कर प्राण दे रही हैं, जिनके बच्चे रोटी के टुकड़ों के न मिलने पर सीधे स्वर्ग चले जाते हैं, तो सोचो ! अगर समाज को उठाने के काम में, उसे चेतनमय कर डालने में अगर कष्ट आ पड़ें, जेलों की हवा खानी पड़े, अगर तुम्हें फाँसी का डर भी दिखाया जावे तो इतना याद रखो, हमारे समाज के हजारों लाखों को इस नरक से बचाने के काम में अगर तुम सहायक हो सको तो तुम चेतनामय हो, उठ चुके हो।

ऐसी कठिनाई में याद करो राष्ट्रपिता महात्मा गान्धी को, दरिद्र नारायण के उस सच्चे पुजारी को, गरीब हिन्दुस्तानियों के उस सच्चे वकील को, अपने आत्म बल से तोपों का मुकाबला करने वाले उस फकीर को, उनका रास्ता तुम्हारा रास्ता रहे, उनका प्रेम भरा दिल तुम्हारा दिल हो तो तुम अजय हो।

आज का समाज जिसमें अभी, शोषण है, दोहन है, गरीबी है, उसमें पिसने वाले, उसको भुगतने वाले बेधुमार साथियो उठो ! इसलिये कि तुम्हारा काम आज उठना है, तुम्हारा काम आज इन्सानियत की स्थापना करना है, पर उसका रास्ता क्या हो ? उसका रास्ता यही है कि समाज को उठने दो, ठेकेदारों को इजारेदारों को, समाजकी इजारेदारी से अलग करो, अपने प्रेम और बलिदान के सहारे अलग करो ! क्यों ? इसलिये कि अब तुम भी सोच सकने का माहा रखते हो, और पहले भी तुम में माहा था, पर उस समय उसपर परदा था ! पदें हटा दो, लम्बी नींद से जाग उठो, और उठकर एक काम करो ! वैसे कि गुलामी और छीना झपटी से इन्सान को मुक्त करो ! शोषण का—मेहनत के शोषण का—रास्ता बन्द करो, विचारकी आजादी दो ! यही पुन्य काम है ! समाज की कुरूपता को भिटा दो !

پر میں بھج گیا، تو میں بھی تو آج بھوکے ہو! بیکار ہو۔ بیکاری کے مزار پر کھڑے ہو! پر بھوکے مرنے، گولامی سہی-کار کرنا، یہ بھی تو ہلکا ہے! چوری کرنا، سماج کی روٹی کھینچنا، بہت بڑی ہلکا ہے! دوسروں کی مہینت پر جیبت رہنا، پیسے اور خٹملوں کی کوٹ میں آنا ہے! پر پیسے اور خٹملا جانوروں کی گینتی میں ہیں اور تو میں آدھی ہو! विश्वास کے साथ اٹو، اس جہنم پر اپنا ہاتھ ڈال دو!

اٹو! جوانو! विश्वास کرو! اب انسان گولام نہیں رہنے والا ہے، اٹو، اب مہینت کر کے بھی آدھی بھوکا نہیں سولے والا ہے! دھوکا دہی اور یہ استیلا کا وہاں اب مر جانے والا ہے۔ یہ بھانجی سیبیٹا کا سماج، دم گھڑو سماج اب مر جانے والا ہے! اٹو! آج انسان کی آزادی کی روٹی اور مکان کی بات پر اٹو! یہ مانگ اتنی نہیں، یہ مانگ زیادہ نہیں! اتنا تو سب کا حق ہے کہ آدمی کا بیٹا، آدمی کی طرح ہی رہ سکے، وہ مجبوروں کا مارا جانور بن کر نہ رہے! جوانو! تمہاری جوانی زندہ باد!

اٹو! لکھو! بہت لکھا جا چکا ہے پریم اور عشق کے تہذیبی قصوں پر، اپنی فلم کو اب روز درہم تمہارے سہی ہی دم توڑے اناہ بچوں، ماناؤں اور دکھیا سماج کی طرف! مانتے ہوں! اس میں تمہیں نکھائی ہوگی۔ پر یاد کرو، ٹالسٹائی کو، یاد کرو گورکی کو، اور یاد کرو اے ایہی ہی مرے ہمارے ساتھہ کے دیونا پریم چند کو! پریم چند نے جو کچھ لکھا، وہ بے چارے! پر پریم چند آج امر ہے، ہاں جاسوسی کہانیاں لکھ جانے والوں کو زمانہ یاد نہ رکھ سکے! ہندوستان کے جاگیرداروں کے دورا شوشٹ کسان آج پریم چند پر گور کر سکتا ہے، وہ دھوئیں، وہ بچ کے درجے کے پسے ہوئے جوان آج بھی پریم چند کو یاد کر کے اٹھ سکتے ہیں۔ کہہئے پریم چند ان کسانوں کا تھا، ان غریبوں کا تھا، جن کا کوئی نہ تھا! پریم چند نے آنا نہ دھجی، غلامی کو توڑ دینا، ساتھہ ہی دھڑا اس نے وہاں مر دی جہاں سماج کا آکھن روگ، سماج کا سروہاروگ سو رہا تھا۔ اٹو! نکھائو تو لکھو ان پر جو سکتا ہوئے ہیں، جو گہرائی ہوئے ہیں، جو ہیئت ہیں۔ تم پیرا مے ہو جاؤ، اپنی وائی اور قلم کو ان کے آدھر بچھاؤ کو دو! یہی تمہارا آٹھنا ہے!

پر تمہاری ایک دلیل ہو سکتی ہے کہ یہ سب شاید کچھ سرکاری لوگوں کو پسند نہ ہوگا، یہ سب سماج کا وہ روگ پسند نہ کریگا جو کہ آج بڑا کم سکتا ہے۔ اور اس جگہ اگر مجھے پتا آجاتا ہے، ہاں، تمہارے ہی مل ہوگی، ہوں ہوگی، پتی ہوگی، بدکھ والے بچوں کی

پر میں بھج گیا، تو میں بھی تو آج بھوکے ہو! بیکار ہو۔ بیکاری کے مزار پر کھڑے ہو! پر بھوکے مرنے، گولامی سہی-کار کرنا، یہ بھی تو ہلکا ہے! چوری کرنا، سماج کی روٹی کھینچنا، بہت بڑی ہلکا ہے! دوسروں کی مہینت پر جیبت رہنا، پیسے اور خٹملوں کی کوٹ میں آنا ہے! پر پیسے اور خٹملا جانوروں کی گینتی میں ہیں اور تو میں آدھی ہو! विश्वास کے साथ اٹو، اس جہنم پر اپنا ہاتھ ڈال دو!

اٹو! جوانو! विश्वास کرو! اب انسان گولام نہیں رہنے والا ہے، اٹو، اب مہینت کر کے بھی آدھی بھوکا نہیں سولے والا ہے! دھوکا دہی اور یہ استیلا کا وہاں اب مر جانے والا ہے۔ یہ بھانجی سیبیٹا کا سماج، دم گھڑو سماج اب مر جانے والا ہے! اٹو! آج انسان کی آزادی کی روٹی اور مکان کی بات پر اٹو! یہ مانگ اتنی نہیں، یہ مانگ زیادہ نہیں! اتنا تو سب کا حق ہے کہ آدمی کا بیٹا، آدمی کی طرح ہی رہ سکے، وہ مجبوروں کا مارا جانور بن کر نہ رہے! جوانو! تمہاری جوانی زندہ باد!

اٹو! لکھو! بہت لکھا جا چکا ہے پریم اور عشق کے تہذیبی قصوں پر، اپنی فلم کو اب روز درہم تمہارے سہی ہی دم توڑے اناہ بچوں، ماناؤں اور دکھیا سماج کی طرف! مانتے ہوں! اس میں تمہیں نکھائی ہوگی۔ پر یاد کرو، ٹالسٹائی کو، یاد کرو گورکی کو، اور یاد کرو اے ایہی ہی مرے ہمارے ساتھہ کے دیونا پریم چند کو! پریم چند نے جو کچھ لکھا، وہ بے چارے! پر پریم چند آج امر ہے، ہاں جاسوسی کہانیاں لکھ جانے والوں کو زمانہ یاد نہ رکھ سکے! ہندوستان کے جاگیرداروں کے دورا شوشٹ کسان آج پریم چند پر گور کر سکتا ہے، وہ دھوئیں، وہ بچ کے درجے کے پسے ہوئے جوان آج بھی پریم چند کو یاد کر کے اٹھ سکتے ہیں۔ کہہئے پریم چند ان کسانوں کا تھا، ان غریبوں کا تھا، جن کا کوئی نہ تھا! پریم چند نے آنا نہ دھجی، غلامی کو توڑ دینا، ساتھہ ہی دھڑا اس نے وہاں مر دی جہاں سماج کا آکھن روگ، سماج کا سروہاروگ سو رہا تھا۔ اٹو! نکھائو تو لکھو ان پر جو سکتا ہوئے ہیں، جو گہرائی ہوئے ہیں، جو ہیئت ہیں۔ تم پیرا مے ہو جاؤ، اپنی وائی اور قلم کو ان کے آدھر بچھاؤ کو دو! یہی تمہارا آٹھنا ہے!

پر تمہاری ایک دلیل ہو سکتی ہے کہ یہ سب شاید کچھ سرکاری لوگوں کو پسند نہ ہوگا، یہ سب سماج کا وہ روگ پسند نہ کریگا جو کہ آج بڑا کم سکتا ہے۔ اور اس جگہ اگر مجھے پتا آجاتا ہے، ہاں، تمہارے ہی مل ہوگی، ہوں ہوگی، پتی ہوگی، بدکھ والے بچوں کی

وٹو ! موٹے موٹے گدھے پر، بڑے کے بیلوں پر، پٹوں کی
 ڈبلی ہوا کے نیچے، سڑکیاں دھکیلی ہوئی دھکیلی ہوا کے نیچے،
 کورسی توڑ پھوڑ پر ! بیلوں کے مالک ! بیل کے رکھ رکھاؤ،
 وٹو ! انجان کا भाव مہنگا کرنے کے لیے نہیں ! اس لیے
 میں نہیں کہ سڑے اور کاٹنے کے گریبانوں کی سڑکیاں کے
 ساتھ ساتھ چلو ! اس لیے کہ میں نہیں کہ چور بازار ! اور روٹیوں کا
 قہر جمع کرو ! پر اس لیے کہ میں نہیں کہ سب کے لیے کوئی
 ہے 'شوشن' کی 'خون چوسنے' کی کڑ سے آزاد ہونا ہے اور سب
 کو آزاد کرنا ہے ! انسان اور سماج ایک دوسرے کے
 ہیں ۔ انسان کو آزادی دو ! انسان کو روٹی ملے دو ! اسے روٹی
 بانٹو مت ! وہ تو خود روٹی پیدا کرتا ہے ۔ پھر اسے تم کیا
 روٹی بانٹو گے ؟ اسے مکان دو ! کیونکہ وہ خود مکان بناتا ہے ۔
 یہ سب ہونے دو ! سماج اپنے آپ بڑے گا ۔ اٹھو ! انسان کی آزادی
 کے نام پر سماج میں پہلی ہوئی ان خندوں اور کھانوں کو
 ہٹا دو ! شوشن کے شوشن ناگو ! آج پھیلنا بند کرو ! کمزوروں
 کو کٹا رک دو ! اٹھو ! تمہارا سماج بدل رہا ہے ! انسان اور آج
 کا دھرم 'مذہب' و شواس بدل رہا ہے ! اس بدلتے ہوئے انسان
 و شواس اور سماج سب کا ساتھ دو ! اپنی مانسک غلطی کے
 مقابلے کے لیے دماغ کے روشندان کھول دو ! ہر تم متحسوس
 کرو کہ سڑک پر بڑے بڑے گاڑیوں کی کراہٹ ! ہیبت میں ہلکتے
 ہیبت کی روٹی کی مٹک ! پر ایک کو اٹھا کر دوسرے کو نہ
 گراؤ۔ سب کا دھرم ہے اٹھنا ! اٹھو ! اس و شواس کے ساتھ
 اٹھو کہ انسان کو اٹھنا ہے ! اس لیے اٹھنا ہے کہ وہ بین کی
 سہا لگ چکا ہے ! وہ آتم ہٹا کرے پر اٹارو ہے آج ! پر کھاتم
 چاہتے ہو کہ بھڑوں کو آبدھش دہلے سے خون کی تریبی
 نہیں ہونی ! انہیں خون کی ہی چاہ ہوتی ہے ! تو شوشن 'کرو'
 تم انسان ہو ! بڑے بڑے نہیں ! اپنی سبھنا اور سنسکرتی پر آج
 ہیبت کرو کرتے ہو ! تم چور ہو ! دھرم کے پرچارک ہو ! اس بھڑے
 بین سے آزاد ہو ! شوشن کا جامہ اٹار پھینکو ! اٹھو ! سب کو
 اٹھنا دو ! اٹھنا سب کا اھیکار ہے ۔

جوانو اٹھو ! تمہارا یہ سب سے بڑا کام ہے ! تم تو مرثلی
 کے کہنے ہو ! اٹھو ! ہر دھش کی لہجہ ہے تم پر ! دھشوں
 کی آموں کو سن کر اٹھو ! بے بسی کی ماری میں کی چپے کو
 سن کر اٹھو ! اٹھو ! انسانیت کو بھی شرمناک دھش والی دھشیں
 چالے والی ماری میں ہواؤں کی لہجہ کی خاطر اٹھو ! اٹھو ! شوشن
 کی چکی کے باتیں سے پس رہے سماج کو آگے بڑھا کر شوشن
 ہیبت کو دھش کا کام تم پر ہے ! آؤ اٹھو ! کھلے مت لہو ! اہلیں
 مت پھینکو ! آؤ غلطی کو سونپناک مت کرو !

جوانو وٹو ! تمہارا یہ سب سے بڑا کام ہے ! تم تو
 سڑکی کے سڑکے ہو ! وٹو ! ہر دھش کی لہجہ ہے تم پر !
 دھشوں کی آموں کو سن کر اٹھو ! بے بسی کی ماری میں کی چپے کو
 سن کر اٹھو ! اٹھو ! انسانیت کو بھی شرمناک دھش والی دھشیں
 چالے والی ماری میں ہواؤں کی لہجہ کی خاطر اٹھو ! اٹھو ! شوشن
 کی چکی کے باتیں سے پس رہے سماج کو آگے بڑھا کر شوشن
 ہیبت کو دھش کا کام تم پر ہے ! آؤ اٹھو ! کھلے مت لہو ! اہلیں
 مت پھینکو ! آؤ غلطی کو سونپناک مت کرو !

اب پٹان نے اسے بتایا کہ "میری گردن پر تلوار کا ایک
اتو مارو۔ مجھے لے کھائے" "اچھا" اور تلوار چھو کر کے کسی
لوہن پر ڈھرتے سے ماری۔ اس پر بگو کر پٹان نے کہا— "بھئی"
تم تو بالکل اتنی معلوم ہوتے ہو۔ قتل کرنا ایک ذرا سی بات
بات ہے، وہ بھی تم نہیں جانتے!"
پٹان نے تلوار پھینک دی اور کہا— "بھئی" میری تیزی
انکھوں سے خون تو بہا دیا۔ خون بہنے سے تیرے ہاتھ کی بات
پوری ہو گئی۔"

وٹو !

ایک اہلندی ہاشی بھائی

وٹو ! کچھ ! اسلئے کہ بہت سو چکے ہو ! پر
سونا، اور وٹنا تو نیت کا کام ہے ! نہیں ! میں تمہاری چھتکا کو چکنا
چھتکا ہوں ! میں نہیں چھتکا دینا چاہتا ہوں ! کیوں ! تم
چاہتے ہوئے بھی سو رہے ہو ! یہ نیت نہیں سئلدا ہے۔ یہ جب
آدمی پر چھا جاتی ہے، تو آدمی سو جاتا ہے اور پھر سماج
بھی سو جاتا ہے۔

آج آہلے کی بٹا ہے، بلیدان کی کھڑی ہے ! وٹو !
سماں ہاندہ لو ! پر سامان نہیں ہاندھائیں ! پوجا بھی نہیں۔
یہ سب پرانا ہو چکا ! آج سماں ہاندھو نہیں، آسکو بکھڑ دو !
ہاتھ کی بھی اڑھتکا نہیں ! سب کو پالے دو ! پوجا کی
تھالی کو آج مندر میں نہیں، وہاں جالے دو ! جہاں بھوک کی
چھتکا ہے، لچارگی کا ماتم ہے، موت کا تالترناچ ہے !
وٹو ! پوجا کرو انسان کی، بھئی دےوتا ہے، نرنائن ہے
وہی راج ہے، وہی ہالے والا ہے، مزدوروں کے سلسار کا مصلحت
کی دنیا کے آگن چمبی مصلحتوں اور آٹاریوں کا بڑے بڑے دھن کے
بھاروں کا !

وٹو ! پوجا کرو انسان کی، بھئی دےوتا ہے، نرنائن ہے
وہی راج ہے، وہی ہالے والا ہے، مزدوروں کے سلسار کا مصلحت
کی دنیا کے آگن چمبی مصلحتوں اور آٹاریوں کا بڑے بڑے دھن کے
بھاروں کا !

وٹو ! کارخانے کی چمکی کے دھوئیں میں دم توڑ کر مر
جانے والے مزدور وٹو ! جیتے کی دوپہری میں پسینے میں لٹے
پست ہوئے کسان وٹو ! مصلحت کی چٹان سے لڑنے والے بکڑوں
کے پھلے وٹو ! آہ ! تم سوئے ہو کب ! ہاں تم سوئے نہیں ! پر یہ
بھی سے ہار کھا کر پڑ گئے ! تم روئے نہیں ! چوٹوں کی مار سے
پھلے ہو کر تندرست ہو گئے !

لیئے انکے پاس پہنچا اور بولا—”لو، آگے بڑھے اس سے۔“ سٹھ جی نے ہر کے مارے دونوں ہاتھوں سے آگے مڑے لی اور دھڑائی دینے لگے۔

پٹان کے سامنے بڑھانے پر جب سٹھ جی کے ہوش جڑا ٹیکانے آئے، تو پٹان نے ان سے مافی مافی اور کہا—”ماہی، تُو تو میری جان کا مالک ہے۔ تُو ابھی میری گردن کاٹ لے۔ اتنی دُور سے چل کر جس کام کے لیے تُو آیا ہے، وہ تُو پورا کر۔“

اب سٹھ جی کی سامنے آگیا کہ دراصل معاملہ اتنا ہے۔ سٹھ جی سوچ میں پڑ گئے کہ کیا جواب دیں؟ اگر انکار کرتے ہیں، تو خیر نہیں، اور منظور کرتے ہیں، تو قتل کا گناہ ہوتا ہے۔ کہنے لگے—”اچھا بھائی، کچھ ٹھہر کر تمہیں مارونگا، کیونکہ میں نہیں جانتا، تم ہو کون؟ تمہارے گھر پر چل کر پہلے تمہارے بھائی سے پوچھ لوں، پھر مارونگا۔“

بھائی کا نام سن کر ہی پٹان نے کہا—”اُس دشمن کا میرے سامنے نام نہ لو۔ ہاں، اگر گھر پر چل کر مارنا چاہتے ہو، تو چلو، وہیں سہی۔“

دونوں گھر آئے۔ سٹھ جی نے کہا—”بھائی، میں تجھے تب مارونگا جب کہ تُو اپنے بھائی سے میل کر لے، ورنہ سب یہی کہیں گے کہ سٹھ جی نے تیرے بھائی کے چکرے کے سبب مار ڈالا۔ تیرے بھائی سے بھی لوگ یہی کہیں گے کہ آپسی چکرے کے سبب اپنے منہ بولے دھرم بھائی کو ہلا کر اُس سے ملے بھائی کو مروا ڈالا۔ جو تو میری بات نہیں مانتے تو پھر تو ہی مجھے مار ڈال۔“

ہار کر پٹان اپنے بھائی سے جا کر ملا۔ دونوں میں صلح ہو گئی۔ آخر میں چھوٹے بھائی نے سٹھ جی سے کہا کہ اب تو مجھے مار ڈال، ناکہ میرے باپ کی بات یہی پوری ہو جائے۔“ پٹھان نے پہلے دن تو یہ بہانہ بتایا کہ آج صلح کا دن ہے، اس لئے مارنا نہیں۔ دوسرے دن سٹھ جی نے کہا—”بھائی، میرے بھائی سے صلح ہو گئی۔ اب تو یہی میری جان بخش۔“

چھوٹے بھائی نے کہا—”یہ نہیں ہو سکتا۔ تم میری جان بخش کر مجھے نالایق بنانا چاہتے ہو؟ یہ کسے نہیں معلوم کہ تمہارے آئے ہی میں نہیں مارنے کو دوڑا تھا؟ یہ ہو نہیں سکتا کہ تم میرا خون نہ کرو۔ میں اپنے باپ کی بات کو کسی طرح لالہ نہ دوں گا۔“

وہ کسی طرح بھی نہیں مانتا اور خلیج بڑے کے ہاتھ میں سے کر، گردن چھکا کر آگے بڑھا۔ بڑے نے اُس کی انگلی میں خلیج کی نوک لٹائی۔ وہ بکر کر بولا—”یہ تم کیا کر رہے ہو؟“ بڑے نے ہنس کر کہا—”تمہیں قتل کرنا ہوں۔“ اُس نے کہا—”تم بھی بڑے عجیب آدمی ہو۔“ اُس پر ہنسا بولا—”پھر مجھے ہڈی“ میں تو یہ سب قتل و قتل کے چکرے جانتا نہیں۔“

پٹان کے سامنے آگیا کہ دراصل معاملہ اتنا ہے۔ سٹھ جی سوچ میں پڑ گئے کہ کیا جواب دیں؟ اگر انکار کرتے ہیں، تو خیر نہیں، اور منظور کرتے ہیں، تو قتل کا گناہ ہوتا ہے۔ کہنے لگے—”اچھا بھائی، کچھ ٹھہر کر تمہیں مارونگا، کیونکہ میں نہیں جانتا، تم ہو کون؟ تمہارے گھر پر چل کر پہلے تمہارے بھائی سے پوچھ لوں، پھر مارونگا۔“

اب سٹھ جی کی سامنے آگیا کہ دراصل معاملہ اتنا ہے۔ سٹھ جی سوچ میں پڑ گئے کہ کیا جواب دیں؟ اگر انکار کرتے ہیں، تو خیر نہیں، اور منظور کرتے ہیں، تو قتل کا گناہ ہوتا ہے۔ کہنے لگے—”اچھا بھائی، کچھ ٹھہر کر تمہیں مارونگا، کیونکہ میں نہیں جانتا، تم ہو کون؟ تمہارے گھر پر چل کر پہلے تمہارے بھائی سے پوچھ لوں، پھر مارونگا۔“

بھائی کا نام سن کر ہی پٹان نے کہا—”اُس دشمن کا میرے سامنے نام نہ لو۔ ہاں، اگر گھر پر چل کر مارنا چاہتے ہو، تو چلو، وہیں سہی۔“

دونوں گھر آئے۔ سٹھ جی نے کہا—”بھائی، میں تجھے تب مارونگا جب کہ تُو اپنے بھائی سے میل کر لے، ورنہ سب یہی کہیں گے کہ سٹھ جی نے تیرے بھائی کے چکرے کے سبب مار ڈالا۔ تیرے بھائی سے بھی لوگ یہی کہیں گے کہ آپسی چکرے کے سبب اپنے منہ بولے دھرم بھائی کو ہلا کر اُس سے ملے بھائی کو مروا ڈالا۔ جو تو میری بات نہیں مانتے تو پھر تو ہی مجھے مار ڈال۔“

ہار کر پٹان اپنے بھائی سے جا کر ملا۔ دونوں میں صلح ہو گئی۔ آخر میں چھوٹے بھائی نے سٹھ جی سے کہا کہ اب تو مجھے مار ڈال، ناکہ میرے باپ کی بات یہی پوری ہو جائے۔“ پٹھان نے پہلے دن تو یہ بہانہ بتایا کہ آج صلح کا دن ہے، اس لئے مارنا نہیں۔ دوسرے دن سٹھ جی نے کہا—”بھائی، میرے بھائی سے صلح ہو گئی۔ اب تو یہی میری جان بخش۔“

چھوٹے بھائی نے کہا—”یہ نہیں ہو سکتا۔ تم میری جان بخش کر مجھے نالایق بنانا چاہتے ہو؟ یہ کسے نہیں معلوم کہ تمہارے آئے ہی میں نہیں مارنے کو دوڑا تھا؟ یہ ہو نہیں سکتا کہ تم میرا خون نہ کرو۔ میں اپنے باپ کی بات کو کسی طرح لالہ نہ دوں گا۔“

وہ کسی طرح بھی نہیں مانتا اور خلیج بڑے کے ہاتھ میں سے کر، گردن چھکا کر آگے بڑھا۔ بڑے نے اُس کی انگلی میں خلیج کی نوک لٹائی۔ وہ بکر کر بولا—”یہ تم کیا کر رہے ہو؟“ بڑے نے ہنس کر کہا—”تمہیں قتل کرنا ہوں۔“ اُس نے کہا—”تم بھی بڑے عجیب آدمی ہو۔“ اُس پر ہنسا بولا—”پھر مجھے ہڈی“ میں تو یہ سب قتل و قتل کے چکرے جانتا نہیں۔“

وہ کسی طرح بھی نہیں مانتا اور خلیج بڑے کے ہاتھ میں سے کر، گردن چھکا کر آگے بڑھا۔ بڑے نے اُس کی انگلی میں خلیج کی نوک لٹائی۔ وہ بکر کر بولا—”یہ تم کیا کر رہے ہو؟“ بڑے نے ہنس کر کہا—”تمہیں قتل کرنا ہوں۔“ اُس نے کہا—”تم بھی بڑے عجیب آدمی ہو۔“ اُس پر ہنسا بولا—”پھر مجھے ہڈی“ میں تو یہ سب قتل و قتل کے چکرے جانتا نہیں۔“

پٹان بولا—“भाई, और तो कोई बात नहीं, सिवाय इसके कि तुम्हें उसके हमले का खतरा है.”

सेठ जी ने कहा—“हाँ, और कोई बात नहीं.”

पटान बोला—“फिर तुम बेधड़क मेरे साथ चलो. किसी बात की फिक्र मत करो. जरा भी न चबराओ, वह अगर मेरा एक मेहमान मार डाले तो मैं उसके दो मेहमान मार डालूँगा. तुम चलो, देखें अगर वह तुम्हारा बाल भी बीका करे.”

उसने सेठ जी को लाख समझाया कि उन्हें अपने बारे में डरने की कतई जरूरत नहीं, पर उनकी समझ में कुछ नहीं आया. पटान ने उनकी बड़ी मिननत. खुशामद की, मगर सब बेकार. सेठ जी वहाँ से दूर जाकर ऐसी जगह ठहरे कि उसके जालिम भाई को उसका पता न चले. लांटा, डोर और चादर भी गँवाई, पर जान बची लाखों पाये.

पटान के छोटे भाई ने लोटा-डोर के साथ एक चादर भी पाई, जिसमें एक गाँठ लगी थी. उसने उसे खोला, तो उसमें से उसके बाप का खत निकला, जिसमें सेठ जी को लिखा था कि आप आकर मेरे छोटे लड़के को मार अपने भाई के खून का बदला लें. था वह सपूत. खत पढ़कर बहुत सोच विचार में पड़ गया. आखिर तै किया कि वह अपने बाप की बात पूरी करके ही दम लेगा. उसने सोचा, सेठ घर असल मुझे मारे ही डालने को आया था. लेकिन वह तो मेरे बाप का बुलाया हुआ आया था और मैंने उल्टा उसे ही मार डाला होता ! बड़ा गच्चब होता. खैर, अब भी कुछ नहीं बिगड़ा है. सेठ जी को तलाश कर फौरन उनके हाथों फ़तल हो जाना चाहिये. वह तो बदला लेने आवें और मैं जान सुराऊँ, यह पटान के लड़के को शोभा नहीं देता.

पटान सेठ जी का पता लगाने में रात भर हैरान होता रहा. सुबह होते-होते वह ठीक जगह पर पहुँच गया. सेठ जी उस वक्त जंगल गये थे. वह भी उधर हो गया. सेठ जी उधर से झोट ही रहे थे कि सामने पटान का भाई आता हुआ दिखाई दिया. उसे देखते ही सेठ जी सरपट भागे तो वह भी उनके पीछे खजर हाथ में लिये यह कहता हुआ भागा कि “प्यारे भाई, तुम्हें क्रसम है, भाग मत, मुझे मार डाल और मेरे बाप की बात पूरी कर.” मगर जनाब, वहाँ होश किसे, कौन सुने और कौन समझे ? पटान हाथ में खजर लिये चीखता ही रहा. उसने सोचा, वे निकल न जायें, वना उसके बाप की बात अधूरी रह जायगी. वह और तेजी से उनके पीछे भागने लगा. न वह साईं देखता और न खन्दक. भागते-भागते सेठ जी के पैर थक गये थे और सौंस फूल रही थी. आखिर बेचारे गिर ही तो पड़े. उनके गिरते ही पटान खजर हाथ में

पटान बोला—“بھائی، اور تو کوئی بات نہیں، سوائے اس کے کہ تمہیں اس کے حملے کا خطرہ ہے.”

سیدہ جی نے کہا — “ہاں، اور کوئی بات نہیں.”

پٹان بولا—“پھر تم پہ دھڑک میرے ساتھ چلو. کسی بات کی فکر مت کرو. ذرا بھی نہ گھبرائو، وہ اگر میرا ایک مہمان مار ڈالے تو میں اس کے دو مہمان مار ڈالوں گا. تم چلو، دیکھیں اگر وہ تمہارا بال بھی بیکا کرے.”

اُس نے سیدہ جی کو لائے سمجھایا کہ انہیں اپنے بارے میں ڈرنے کی قطعی ضرورت نہیں، پر ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا. پٹان نے ان کی ہنسی منت خوشامد کی، مگر سب بیکار. سیدہ جی وہاں سے دور جا کر ایسی جگہ ٹھہرے کہ اُس کے ظالم بھائی کو اس کا پتہ نہ چلے. لوٹا دور اور چادر بھی گنوانی، پر جان بچتی لاہور پائے.

پٹان کے چھوٹے بھائی نے لوٹا دور کے ساتھ ایک چادر بھی پائی، جس میں ایک گانٹھ لگی تھی. اس نے اسے کھولا، تو اُس میں سے اُس کے باپ کا خط نکلا، جس میں سیدہ جی کو لکھا تھا کہ آپ اگر میرے چھوٹے لڑکے کو مار اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لیں. تھا وہ سپوت. خط پڑھ کر بہت سوچ وچار میں پڑ گیا. آخر طے کیا کہ وہ اپنے باپ کی بات پوری کر کے ہی دم لے گا. اس نے سوچا، سیدہ دراصل مجھے مارنے ڈالنے کو آیا تھا. لیکن وہ تو میرے باپ کا بھائی ہوا آیا تھا، اور میں نے اِنا اسے ہی مار ڈالا ہوتا ! بڑا غصہ ہوتا. خیر، اب بھی کچھ نہیں بکرا ہے. سیدہ جی کو نقش کر فوراً ان کے ہاتھوں قتل ہو جانا چاہئے. وہ تو بدادہ لہجہ آویں اور میں جان چڑوں یہ پٹان کے لڑکے کو شویہ نہیں دیتا.

پٹان سیدہ جی کا پتہ لگانے میں رات بھر حیران ہوتا رہا. صبح ہوتے ہوتے وہ ٹھیک جگہ پر پہنچ گیا. سیدہ جی اُس وقت جنگل گئے تھے. وہ بھی اُدھر ہی گیا. سیدہ جی اُدھر سے لوٹ ہی رہے تھے کہ سامنے پٹان کا بھائی آنا ہوا دکھائی دیا. اسے دیکھتے ہی سیدہ جی سرپٹ بھاگے تو وہ بھی ان کے پیچھے خلعچر ہاتھ میں لٹے یہ کہتا ہوا بھاگا کہ “بھارے بھائی، مجھے دسم ہے، بیک مت، مجھے مار ڈال اور میرے باپ کی بات پوری کر.” مگر جناب، وہاں ہوش کسے، کون سمجھ کر سمجھے ؟ پٹان ہاتھ میں خلعچر لٹے چیختے ہی رہا. اُس نے سوچا، وہ نکل نہ جائیں، ورنہ اُس کے باپ کی بات ادھوری رہ جائیگی. وہ اور تیزی سے ان کے پیچھے بھاگنے لگا. نہ وہ کھٹی دیکھتا اور نہ خلعچر. بھاگتے بھاگتے سیدہ جی کے پیرو ٹھک گئے تھے اور سانس پھل رہی تھی. آخر بھکاریہ گری تو پڑے. ان کے گرتے ہی پٹان خلعچر ہاتھ میں

نہیں۔“ اسی رات پٹان نے جا کر چوپचाپ بنیے کے भाई को मार डाला. लौटकर पठान ने सेठजी को यह खुराखबरी सुनाई, फिर कहा—“अब उन कजदारों का भी नाम बताओ, जिन्होंने उसके बरगलाने से तुम्हारा रुपया मार लिया है.”

“हाय भाई! हाय” कहते हुए बनिया पछाड़ खाकर गिरा और गिड़गिड़ा कर बोला “यह तुमने क्या किया?” पठान घबराया कि माजरा क्या है? उसने कहा—“भाई बात क्या है? मैंने अगर तुम्हारे भाई को मारकर बुरा किया, तो तुम मेरे भाई को मार डालो. चलो, किस्सा खत्म. अब राने-धाने से क्या हासिल? यह कहकर उसने सेठजी का हाथ पकड़ा और कहा कि “चलो मेरे घर अपने भाई के खून का बदला लेने.”

सेठजी ने सोचा, गनीमत यही है कि इसको रखसत किया जाय. उन्होंने उसे कुछ रुपया नकद देकर रखसत किया और सोचा कि चलो, आफत कटी, पठान ने चलते-चलते कहा कि, “मैं अपने बाप और भाई से मिलकर बदला लेने के लिये तुमको -खबर दूंगा.”

पठान को घर छोड़े साल भर हो गया था. इसलिये उसके बाप ने समझा कि शायद मर-खप गया होगा. उसे फिर घर लौटा देखकर बुड़े को खुशी हुई. पठान ने बनिये के यहाँ का सारा किस्सा अपने बाप से कह सुनाया. उसके बाप ने कहा—“पठान की बात नहीं जाना चाहिये.” और दोनों बदले के लिये राजी हो गये. खुद उसके भाई ने कहा कि मुझे खुशी से ज्ञान देना मंजूर है सेठजी आकर खुशी से अपने भाई के बदले में मुझे मार डालें.”

पठान के बाप ने एक चिट्ठी सेठजी को आकर बदला लेने के लिये लिखा. उसमें अपन लड़के के साथ की गद्द उसकी मेहरबानी का शुक्रिया अदा किया और लिखा कि दूसरा बेटा हाजिर है, जब खुशी हो, आकर उसे अपने भाई के खून के बदले में मार डालो.

बाप-बेटों ने महीनों इन्तजार किया, मगर न तो सेठजी आए और न उनका कोई जबाब ही आया, महीनों तक उन्होंने अपने कई काम रोक रखे और यह मान लिया कि छोटा बेटा अब मरने वाला है, लेकिन सेठजी की कुछ खबर न आई. आखिर में सब ताउम्मीद हो गये.

थाड़े दिनों में पठान भाइयों का बाप मर गया. जाय-दादकी बात पर दोनों भाइयों में बड़ा झगड़ा हुआ. घर का भी बँटवारा हो गया. आधा छोटे भाई को मिला और आधा बड़े को. बीच आँगन में चारपाई की अर्धवान खोलकर इस सिरे से उस सिरे तक जमीन पर खूँटी गाड़ कर बाँध दी गई. यही घर के दो भागों की हद्द बनी थी. “अगर एक दूसरे की संहद्द में कदम रखते, तो बस जंग!

نہیں۔“ اسی رات پٹان نے جا کر چپ چاپ بنیے کے भाई को मार डाला. लौटकर पठान ने सेठजी को यह खुराखबरी सुनाई, फिर कहा—“अब उन कजदारों का भी नाम बताओ, जिन्होंने उसके बरगलाने से तुम्हारा रुपया मार लिया है.”

“हाय भाई! हाय” कहते हुए बनिया पछाड़ खाकर गिरा और गिड़गिड़ा कर बोला “यह तुमने क्या किया?” पठान घबराया कि माजरा क्या है? उसने कहा—“भाई बात क्या है? मैंने अगर तुम्हारे भाई को मारकर बुरा किया, तो तुम मेरे भाई को मार डालो. चलो, किस्सा खत्म. अब रुपये दھونے से क्या حاصل? یہ کہہ کر اس نے سیٹھ جی کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ “چلو میرے گھر اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لیتے۔“

سیٹھ جی نے سوچا غلیمت یہی ہے کہ اُس کو رخصت کیا جائے. انہوں نے اُسے کچھ روپیہ نقد دے کر رخصت کیا اور سوچا کہ چلو! آفت نئی. بٹھان نے چلتے چلتے کہا کہ “میں اپنے باپ اور بھائی سے ملکر بدلہ لینے کے لئے تم کو خبر دوں گا۔“

پٹان کو گھر چھوڑے سال بھر ہو گیا تھا. اس لئے اس کے باپ نے سمجھا کہ شاید مر چپ گیا ہوگا. اُسے بھر گھر لوٹا دیم کر بڑھے کو خوشی ہوئی. بٹھان نے بلیئے کے یہاں کا سارا قصہ اپنے باپ سے کہہ سنایا. اس کے باپ نے کہا—“بٹھان کی بات نہیں جانی چاہیئے.” اور دونوں بدلہ کے لئے راضی ہو گئے. خود اُس کے بھائی نے کہا کہ “مجھے خوشی سے جان دنیا منظور ہے. سیٹھ جی اگر خوشی سے اپنے بھائی کے بدلہ میں مجھے مار ڈالیں.”

پٹان کے باپ نے ایک چھٹی سیٹھ جی کو آکر بدلہ لینے کے لئے لکھا. اس میں اپنے لڑکے کے ساتھ کی گئی اس کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ دوسرا بھتیجا حاضر ہے، جب خوشی ہو، آکر اُسے اپنے بھائی کے خون کے بدلہ میں مار ڈالو.

باپ بھتیجوں نے مہینوں انتظار کیا، مگر نہ تو سیٹھ جی آئے اور نہ ان کا کوئی جواب ہی آیا. مہینوں تک انہوں نے اپنے نئی کلم روک رکھے اور یہ مان لیا کہ چھوٹا بھتیجا اب مرے والا ہے لیکن سیٹھ جی کی کچھ خبر نہ آئی. آخر کو سب ناامید ہو گئے.

تھوڑے دن میں بٹھان بھائیوں کا باپ مر گیا. جائیداد کی بانٹ پر دونوں بھائیوں میں بڑا جھگڑا ہوا. گھر کا بھی بٹوارا ہو گیا. آدھا چھوٹے بھائی کو ملا اور آدھا بڑے کو. بیچ آنگن میں چوپائی کی اردوایں کھول کر اس سرے سے اُس سرے تک زمین پر کھینچی کر کر بانڈے دی گئی. یہی کے دو بھاگوں کی حد بنی تھی. اگر ایک دوسرے کی سرحد میں قدم رکھ دے تو بے جنگ!

آکھتا ہو جائے کہ آدھ سے ایک بلنا نکلا ، بلنا نکلا پر کہیں سے اناج بیج کو آرہا تھا ۔ اُس نے دور سے دیکھا اور قریب آئے ہوئے ذرا مگر آخر کار آیا ، تو گھنٹہ ذرا مٹ گئے ۔ اُس نے دیکھا کہ خاں صاحب کے پیرو گھڑوں نے بیچ ڈالے ہیں ۔ خاں صاحب نے ہلکے سے کہے — ”بھائی یا تو تم مجھے مارا لو ، نہیں تو ان گھڑوں سے بچاؤ ۔“ پہلے تو وہ بہت قرا مگر پھر اُس سے نہ رہا گیا ۔ اُس نے پتھان کو اپنے گلو پر اناج کی بوربوں میں چھپا کر لے لیا ، تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے ۔ سوچا کہیں لے جا کر چھوڑ دوں گا ، مگر یہ بھی نہ تھا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے ، کیونکہ نواب اور انگریزوں کے آدمی وہیں اور ان کے ساتھیوں کا برابر پیچھا کر رہے تھے ۔ جنگل میں چھوڑنے سے خاں صاحب کی جان کا خطرہ تھا اور ہستی میں لے جانے میں خود اُس کو مشکل میں پھنس جانے کا خطرہ تھا ۔ آدمی وہ دم دل تھا ۔ سوچا گھر ہی لے چلو ۔ اور چھپا کر خاں صاحب کو اپنے گھر لے آیا ۔

بلنے کی بی بی خاں صاحب کو دیکھ کر گھبرائی کہ یہ کیا نئی آفت گھر لے آئے ۔ لیکن بلنے نے کہا کہ اِس کی سہوا کر دو اور اِسے چھپا کر رکھو ۔ پتھان کو گھر کے اندر ایک کوٹھری میں چھپا کر رکھا اور چھپکے سے اُن کی مرہم پتی اور علاج کرایا گیا ۔ مہینوں میں جا کر کہیں پتھان اچھا ہوا ۔ پتھان نے جب چلنے کی بات کہی ، تو بلنے نے کہا ، ”ابھی تم کمزور ہو ، ذرا دودھ بھی کھا کر موٹے تازہ ہو لو ، تب جانا۔“ پتھان اسن گیا اور وہیں رہ کر خوب دودھ بھی کھاتے لگا ۔

(2)

(2)

پتھان کو اِس بات کا بڑا خیال تھا کہ بلنے نے اُس کی جان بچائی ہے ۔ اُس نے بلنے کو اپنا دھرم بھائی بنا لیا ۔ وہ دن رات اِسی سوچ میں رہتا کہ بلنے کی ہمدردی کا کیا بدلہ چکاؤں ۔ اُس کے قرض سے کسے چھٹکارا پاؤں ؟ پتھان اچھا ہو چکا تھا اور چلے آ رہا تھا کہ ایک عجیب معاملہ پیش ہوا ۔ بلنے کا ایک بھائی تھا ، جس سے اُس کی لڑائی تھی ، اِس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے گراہک تورتے اور بگڑتے رہتے تھے ۔ ایک روز بلنا بڑا آداس تھا ۔ اسے آداس دیکھ کر پتھان نے پوچھا — ”سوتلہ جی ، معاملہ کیا ہے ؟ آپ شکین کہیں ہیں ؟“ اُس نے ہلکا ہلکا ”میرے اپنے بھائی سے دشمنی ہے ۔ اُس نے جینا مشکل کر رکھا ہے ۔ سارے قرضداروں کو درغل دیا ہے کہ بقیہ قرض میت ادا کرو ۔ میرے خلاف اُس نے پوری پارٹی بنا لی ہے ۔“ اُس نے ہلکا ہلکا ”میرے سے تنگ تو کرتا تھا ، پر اب تو مجھے بالکل تباہ کر لے پڑا ہے اور سچے میں نہیں آتا کہ ابھی کیا کیا کرے گا ؟“ پتھان نے بلنے کو دلاستہ دیا اور کہا ، ”گھبرائو

آکھتا ہو جائے کہ آدھ سے ایک بلنا نکلا ، بلنا نکلا پر کہیں سے اناج بیج کو آرہا تھا ۔ اُس نے دور سے دیکھا اور قریب آئے ہوئے ذرا مگر آخر کار آیا ، تو گھنٹہ ذرا مٹ گئے ۔ اُس نے دیکھا کہ خاں صاحب کے پیرو گھڑوں نے بیچ ڈالے ہیں ۔ خاں صاحب نے ہلکے سے کہے — ”بھائی یا تو تم مجھے مارا لو ، نہیں تو ان گھڑوں سے بچاؤ ۔“ پہلے تو وہ بہت قرا مگر پھر اُس سے نہ رہا گیا ۔ اُس نے پتھان کو اپنے گلو پر اناج کی بوربوں میں چھپا کر لے لیا ، تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے ۔ سوچا کہیں لے جا کر چھوڑ دوں گا ، مگر یہ بھی نہ تھا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے ، کیونکہ نواب اور انگریزوں کے آدمی وہیں اور ان کے ساتھیوں کا برابر پیچھا کر رہے تھے ۔ جنگل میں چھوڑنے سے خاں صاحب کی جان کا خطرہ تھا اور ہستی میں لے جانے میں خود اُس کو مشکل میں پھنس جانے کا خطرہ تھا ۔ آدمی وہ دم دل تھا ۔ سوچا گھر ہی لے چلو ۔ اور چھپا کر خاں صاحب کو اپنے گھر لے آیا ۔

بلنے کی بی بی خاں صاحب کو دیکھ کر گھبرائی کہ یہ کیا نئی آفت گھر لے آئے ۔ لیکن بلنے نے کہا کہ اِس کی سہوا کر دو اور اِسے چھپا کر رکھو ۔ پتھان کو گھر کے اندر ایک کوٹھری میں چھپا کر رکھا اور چھپکے سے اُن کی مرہم پتی اور علاج کرایا گیا ۔ مہینوں میں جا کر کہیں پتھان اچھا ہوا ۔ پتھان نے جب چلنے کی بات کہی ، تو بلنے نے کہا ، ”ابھی تم کمزور ہو ، ذرا دودھ بھی کھا کر موٹے تازہ ہو لو ، تب جانا۔“ پتھان اسن گیا اور وہیں رہ کر خوب دودھ بھی کھاتے لگا ۔

خون کا बदلتا !

میرزا اجماعیہ چوراہا

سن 1761 کی پانیپت کی لڑائی کے بعد ۷۰۰ پی۰ میں
رہیلوں کا زور ہوا۔ وہ 'گنگوٹری سے گنگ' علاقے کے مالک
ہو گئے۔ رہیلوں کی حکومت سرداروں کے ہاتھ میں تھی، جنکا
موجودہ تھا حافظ رحمت خاں۔ حافظ رحمت خاں ایک جنگجو
اور اچھے حاکم تھے۔ وہ اپنے ہندو وزیر کی مدد سے مسجد
میں بیٹھ کر حکومت کا سارا کام کرتے تھے۔ رعایا بھی اُن سے
خوش تھی۔

جب اودھ کے نواب اور رہیلوں میں ان بن ہو گئی، تب
رحمت خاں نے اودھ کے نواب کو جنگ کے لئے لکھا اور ہری
طرح ہرایا۔ تب نواب نے انگریزوں کی مدد لی۔ انگریزوں
اور رحمت میں ویسے تو صلح تھی؛ مگر انگریزوں نے رہیلوں
کا ہوتا ہوا زور نزلنے کا یہ اچھا موقع دیکھ صلح کو ہلاک
رکھ دیا۔ انہیں خبر تھا کہ ایلے اودھ کے نواب کو فرصت کے وقت
یہ آسانی سے بیٹھ کر رہیں گے۔ لہذا اودھ کے نواب سے روپیہ
لے کر وہ اُس کی طرف سے مگر اپنے مطلب کے لئے لڑنے
آ گئے۔

اودھ اور انگریزوں کی فوجیں رہیلوں کی طرف بڑھیں۔
ادھر سے حافظ رحمت بھی اپنے رہیل سرداروں کو لے کر بڑھا۔
دجورا کے میدان میں دونوں طرف کی فوجوں میں گھمسان
جنگ ہوئی۔ اُس جنگ میں روہیلے بڑی بہادری سے لڑے
اور جیت گئے؛ مگر دشمن کا پیچھا کرنے کے بدلہ وہ اُن کے
کمپ لوٹنے لگے اور رحمت خاں انہیں روکے ہی رہ گئے۔
انگریزی فوج، جو کہیں میں چھپ گئی تھی، لڑائی اور جمع
ہو کر فوراً روہیلوں پر ٹوٹ پڑی۔ پانسیہ اٹ پڑا۔ جیت کے
بدلہ روہیلوں نے ہار ہوئی۔ حافظ رحمت خاں میدان سے نہ
ہٹے اور بڑی بہادری سے لڑ کر کٹ مرے۔

روہیلوں کی طرف سے لڑنے والوں میں دو پٹان भाई بھی
آئے تھے، جن میں سے ایک تو لڑتے لڑتے مارا گیا اور دوسرا گھائل
ہو کر لڑائی کے میدان میں اُدھ مرا پڑا تھا۔ اصل میں یہ
دون بھائی تھے۔ اُن کا باپ زندہ تھا۔ اُس نے ایک بھائی کو
روک کر اور دو بھائیوں کو لڑنے کے لئے بھیج دیا تھا۔

رات کا وقت تھا۔ گیدڑ اور کتہ میدان میں لڑیں کو
کہا رہے تھے۔ اور گھائل خاں صاحب بڑے بڑے اپنے کونڈوں
سے بچا رہے تھے۔ مگر گیدڑ بڑے چالاک تھے۔ انہیں نوچ
نچکر ہانکھ تھے۔ اُس طرح صبح ہو گئی اور گیدڑ بدستور
خاں صاحب کو نوچتے رہے۔ قریب تھا کہ اُن کا

خون کا بدلہ !

مرزا عظیم بیگ چندانی

سن 1761 کی پانیپت کی لڑائی کے بعد ۷۰۰ پی۰ میں
رہیلوں کا زور ہوا۔ وہ 'گنگوٹری سے گنگ' علاقے کے مالک
ہو گئے۔ رہیلوں کی حکومت سرداروں کے ہاتھ میں تھی، جنکا
موجودہ تھا حافظ رحمت خاں۔ حافظ رحمت خاں ایک جنگجو
اور اچھے حاکم تھے۔ وہ اپنے ہندو وزیر کی مدد سے مسجد
میں بیٹھ کر حکومت کا سارا کام کرتے تھے۔ رعایا بھی اُن سے
خوش تھی۔

جب اودھ کے نواب اور رہیلوں میں ان بن ہو گئی، تب
رحمت خاں نے اودھ کے نواب کو جنگ کے لئے لکھا اور ہری
طرح ہرایا۔ تب نواب نے انگریزوں کی مدد لی۔ انگریزوں
اور رحمت میں ویسے تو صلح تھی؛ مگر انگریزوں نے رہیلوں
کا ہوتا ہوا زور نزلنے کا یہ اچھا موقع دیکھ صلح کو ہلاک
رکھ دیا۔ انہیں خبر تھا کہ ایلے اودھ کے نواب کو فرصت کے وقت
یہ آسانی سے بیٹھ کر رہیں گے۔ لہذا اودھ کے نواب سے روپیہ
لے کر وہ اُس کی طرف سے مگر اپنے مطلب کے لئے لڑنے
آ گئے۔

اودھ اور انگریزوں کی فوجیں رہیلوں کی طرف بڑھیں۔
ادھر سے حافظ رحمت بھی اپنے رہیل سرداروں کو لے کر بڑھا۔
دجورا کے میدان میں دونوں طرف کی فوجوں میں گھمسان
جنگ ہوئی۔ اُس جنگ میں روہیلے بڑی بہادری سے لڑے
اور جیت گئے؛ مگر دشمن کا پیچھا کرنے کے بدلہ وہ اُن کے
کمپ لوٹنے لگے اور رحمت خاں انہیں روکے ہی رہ گئے۔
انگریزی فوج، جو کہیں میں چھپ گئی تھی، لڑائی اور جمع
ہو کر فوراً روہیلوں پر ٹوٹ پڑی۔ پانسیہ اٹ پڑا۔ جیت کے
بدلہ روہیلوں نے ہار ہوئی۔ حافظ رحمت خاں میدان سے نہ
ہٹے اور بڑی بہادری سے لڑ کر کٹ مرے۔

روہیلوں کی طرف سے لڑنے والوں میں دو پٹان भाई بھی
آئے تھے، جن میں سے ایک تو لڑتے لڑتے مارا گیا اور دوسرا گھائل
ہو کر لڑائی کے میدان میں اُدھ مرا پڑا تھا۔ اصل میں یہ
دون بھائی تھے۔ اُن کا باپ زندہ تھا۔ اُس نے ایک بھائی کو
روک کر اور دو بھائیوں کو لڑنے کے لئے بھیج دیا تھا۔

رات کا وقت تھا۔ گیدڑ اور کتہ میدان میں لڑیں کو
کہا رہے تھے۔ اور گھائل خاں صاحب بڑے بڑے اپنے کونڈوں
سے بچا رہے تھے۔ مگر گیدڑ بڑے چالاک تھے۔ انہیں نوچ
نچکر ہانکھ تھے۔ اُس طرح صبح ہو گئی اور گیدڑ بدستور
خاں صاحب کو نوچتے رہے۔ قریب تھا کہ اُن کا

کہا کہ میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ برا رہے تھے۔ مگر تیزی دیر میں وہ سمجھ گئی باتیں کر لے لگے۔ ہر ایک کو دعا دی اور آخری رخصت لی۔

....جب صبح میں نے اُنہیں بستر پر پڑے دیکھا تو وہ مری ہوئی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اُن کے چہرے پر خاموشی تھی۔ اُن کی بدشانی پر اب بھی وہی شان موجود تھی، لیکن وہ شخصیت کہاں تھی، صرف ایک بے جان خول باقی رہ گیا تھا۔

اُن کا انتقال 80 برس کی عمر میں ہوا۔ اُن کے ساتھ ایک نسل کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھے جن کو ہندوستان کی جنگ آزادی خوب یاد تھی، جسے ہمارے انگریز تاریخ دان سن 1857 عیسوی کا گذر کہتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے ہاتھوں، پیازوں، بزرگوں اور ہم وطنوں کو بے دردی سے قتل ہوتے دیکھا۔ ہر روز ہنگامے والوں کی لاشوں، کھنڈروں اور گلوں میں پڑی ملتی تھیں اور ہر روز وہ ایک نظار میں کھڑے کئے جاتے اور اُن کے سر کاٹ لٹے جاتے۔ اُنہوں نے عورتوں کو بے پردہ ہوتے ہوئے، بچوں کو کچلے جاتے اور ہزاروں کو ہڈیوں مریے دیکھا تھا۔ اُنہوں نے بادشاہ کو گرفتار ہوتے ہوئے اور ملک سے نکالے جاتے دیکھا تھا۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے شہزادے ذبح کئے گئے اور اُن کے سر دلی دارے پر لٹکائے گئے، جو اب بھی خونی دروازے کے نام سے مشہور ہے، اُنہوں نے اپنے وطن اور اپنے شہر پر انگریزوں کو قابض ہوتے دیکھا۔ اُن کے ہاتھوں اُنہوں نے ہندوستان کی تہذیب اور اس کی عظمت کو خاک میں ملنے دیکھا تھا۔

پھر کیا تعجب کہ انگریزوں کے لئے اُن کے دل میں نفرت تھی اور اُس قدر کہ ہم بھی اتنی نفرت نہیں کر سکتے۔ اُنہوں نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کو، جب اُنہوں نے انگریزی پڑھنا شروع کیا، گھر سے نکال دیا اور اُن کو اپنے چچا کے گھر پناہ لینی پڑی، تاکہ وہ اپنا پڑھنا جاری رکھ سکیں۔ انگریزوں کی ہر چیز کے ساتھ اُس قدر نفرت غالباً اُن کے بڑے ہوئے تعصب کی بنا پر تھی۔ لیکن آج ہم اس کو سمجھ سکتے ہیں اور پسند کرتے ہیں اُن کے بیٹوں کی نسل ایسی تھی جو غالباً نہ انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور نہ محبت ہی کرتے تھے۔ وہ انگریزوں کے درمیان کام کرتے تھے، کیونکہ انگریز اُن کو ملازمت دیتے تھے۔ لیکن اب پہلے نے پورا چکر لے لیا ہے۔ آج ہمارا ملک آزاد ہے۔ یہ ایسی آزادی ہے جو پہلے نہیں حاصل ہو سکتی تھی، جس کا اندازہ بھی ہمارے بزرگ نہ کر سکتے تھے۔

کہا کہ میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ برا رہے تھے۔ مگر تیزی دیر میں وہ سمجھ گئی باتیں کر لے لگے۔ ہر ایک کو دعا دی اور آخری رخصت لی۔

....جب صبح میں نے اُنہیں بستر پر پڑے دیکھا تو وہ مری ہوئی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اُن کے چہرے پر خاموشی تھی۔ اُن کی بدشانی پر اب بھی وہی شان موجود تھی، لیکن وہ شخصیت کہاں تھی، صرف ایک بے جان خول باقی رہ گیا تھا۔

اُن کا انتقال 80 برس کی عمر میں ہوا۔ اُن کے ساتھ ایک نسل کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھے جن کو ہندوستان کی جنگ آزادی خوب یاد تھی، جسے ہمارے انگریز تاریخ دان سن 1857 عیسوی کا گذر کہتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے ہاتھوں، پیازوں، بزرگوں اور ہم وطنوں کو بے دردی سے قتل ہوتے دیکھا۔ ہر روز ہنگامے والوں کی لاشوں، کھنڈروں اور گلوں میں پڑی ملتی تھیں اور ہر روز وہ ایک نظار میں کھڑے کئے جاتے اور اُن کے سر کاٹ لٹے جاتے۔ اُنہوں نے عورتوں کو بے پردہ ہوتے ہوئے، بچوں کو کچلے جاتے اور ہزاروں کو ہڈیوں مریے دیکھا تھا۔ اُنہوں نے بادشاہ کو گرفتار ہوتے ہوئے اور ملک سے نکالے جاتے دیکھا تھا۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے شہزادے ذبح کئے گئے اور اُن کے سر دلی دارے پر لٹکائے گئے، جو اب بھی خونی دروازے کے نام سے مشہور ہے، اُنہوں نے اپنے وطن اور اپنے شہر پر انگریزوں کو قابض ہوتے دیکھا۔ اُن کے ہاتھوں اُنہوں نے ہندوستان کی تہذیب اور اس کی عظمت کو خاک میں ملنے دیکھا تھا۔

उनके प्यारों को दिखाते हैं. दादा अब्बा का बूढ़ा और कमजोर जिस्म सिसकियों से काँप रहा है.

लोग कब्र में किट्टी डाल रहे हैं. दादा अब्बा अपने काँपते हुए हाथों में थाड़ी सी मिट्टी उठाते हैं. कहार बोली को कब्र के करीब ले जाते हैं. आँखों से दो कतरे आँसू के उस ताजा मिट्टी पर गिर पड़ते हैं जो वे हाथों में लिये हुए हैं. वे बेबसी से हाथों की मिट्टी कब्र में गिरा देते हैं और चेहरा ढक लेते हैं.

❀

❀

❀

बेटे की मौत के तीन बरस बाद दादा और जिन्दा रहे, हालाँकि वे जिन्दगी से थककर आजिज हो गये थे. वे अक्सर राते थे, लेकिन उनका खात्मा बहुत खामोशी से हुआ. उन पर एक मर्तबा फ़ालिज गिर ही चुका था. एक मर्तबा और गिरा. उनका दाहिना हाथ और दाहिना पाँव पहले ही बेकार था, अबकी बार बाँए हाथ और पैर पर असर हुआ.

मरने से कुछ पहले वे बहुत बिड़बिड़े हो गये थे और हर तीमारदार को उनकी खरगी का सामना करना पड़ता था. सिर्फ़ एक बूढ़ी मामा उनको चुप करा सकती थी और उनकी तबियत के मुआफ़िक़ काम कर सकती थी. दादा अब्बा अपने लड़के के मरने के बाद ज़नानख़ाने में पहुँचा दिये गये थे. यह मामा भी अपनी जवानी के ज़माने से हमारे ही यहाँ मुलाजिम थी और लोग कहते थे कि वह दादा की दास्ता थी. इनसे एक लड़का भी हुआ था, जो बचपन में ही मर गया था. वही दादा की राक़ थाम कर सकती थी, क्योंकि न तो वह उनकी बातों की परवाह करती और न उनके मिज़ाज की. यह देखकर तकलीफ़ होती कि वह अपने बूढ़े मालिक से कितनी बेपरवाही से पेश आती है. दादा अपनी कमजोर आवाज़ में कुछ कहते, लेकिन वह न सुनती. अगर कोई उसे कहता कि सुनो देखो क्या माँग रहे हैं, तो वह जवाब देती:—

“उनकी यही आदत है. उनको किसी चीज़ की ज़रूरत नहीं. वे सिर्फ़ मुझे परेशान करते हैं”...लेकिन किसी का कुछ बस न चलता क्योंकि वही उन्हें ख़ामोश कर सकती थी. फिर इसमें शक़ नहीं कि अब वह सब बौझ महसूस कर रहे थे.

वह रात में शान्ति के साथ गुज़र गये. उनकी जुबान आखिरी वक़्त तक उनके क़ाबू में रही और मौत से कुछ पहले उन्होंने सबको दुआएँ दीं और अपने तमाम प्यारों को, जो वहाँ नहीं थे या मर गये थे, याद किया.

मौत से कुछ ही पहले वह राफ़लत में थे और कुछ बिड़बिड़ते थे. एक मर्तबा उन्होंने किसी को मुखातिब किया, जो अर्धा हुआ मर चुका था और उससे बुलन्द आवाज़ में

अन के प्यारों को دکھاتے ہیں. دادا ابا کا بوڑھا اور کمزور جسم سسکیوں سے کانپ رہا ہے.

لوگ قبر میں مٹی ڈال رہے ہیں. دادا ابا اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں تھوڑی سی مٹی اٹھاتے ہیں. کہار بولی کو قبر کے قریب لے جاتے ہیں. آنکھوں سے دو قطرے آنسو کے اس تازہ مٹی پر گر پڑتے ہیں جو وہ ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں. وہ بے بسی سے ہاتھوں کی مٹی قبر میں گرا دیتے ہیں اور چہرہ ڈھانک لیتے ہیں.

❀

❀

❀

بیٹہ کی موت کے تین برس بعد دادا اور زندہ رہے، حالانکہ وہ زندگی سے تھک کر عاجز ہو گئے تھے. وہ اکثر راتے تھے، لیکن اُن کا خاتمہ بہت خاموشی سے ہوا. اُن پر ایک مرتبہ فالج گر ہی چکا تھا. ایک مرتبہ اور گرا. اُن کا داہنا ہاتھ اور داہنے پاؤں پہلے ہی بیکار تھا، اب کی بار بائیں ہاتھ اور پیر پر اثر ہوا.

مرنے سے کچھ پہلے وہ بہت چیزچیز ہو گئے تھے اور ہر تیماردار کو اُن کی خفگی کا سامنا کرنا پڑتا تھا. صرف ایک بوزی मामا اُن کو چپ کر سکتی تھی اور اُن کی طبیعت کے موافق کلم کر سکتی تھی. دادا ابا اپنے لڑکے کے مرنے کے بعد زناں خالے میں پہنچا دیئے گئے تھے. یہ मामا بھی اپنی جوانی کے زمانہ سے ہمارے ہی یہاں ملازم تھی اور لوگ کہتے تھے کہ وہ دادا کی داشتہ تھی. اُن سے ایک لڑکا بھی ہوا تھا، جو بچپن ہی میں مر گیا تھا. وہی دادا کی روک تھام کر سکتی تھی، کیونکہ نہ تو وہ اُن کی باتوں کی پرواہ کرتی اور نہ اُن کے مزاج کی. یہ دیکھ کر تکلیف ہوتی کہ وہ اپنے بوزی مامک سے ککلی پے پرواہی سے پیش آتی ہے. دادا اپنی کمزور آواز میں کچھ کہتے، لیکن وہ نہ سنتی. اگر کوئی اسے کہتا کہ سنو دیکھو کیا منگ رہے ہیں، تو وہ جواب دیتی:—

“اُن کی یہی عادت ہے. اُن کو کسی چیز کی ضرورت نہیں. وہ صرف مجھے پریشان کرتے ہیں...” لیکن کسی کا کچھ بس نہ چلتا کیونکہ وہی انہیں خاموش کر سکتی تھی. پھر اِس میں شک نہیں کہ اب وہ سب بوجہ محسوس کر رہے تھے.

وہ رات میں شانتی کے ساتھ گذر گئے. اُن کی زبان آخری وقت تک اُن کے قابو میں رہی اور موت سے کچھ پہلے انہوں نے سب کو دعاؤں دیں اور اپنے تمام پداروں کو، جو وہاں نہیں تھے یا مر گئے تھے، یاد کیا.

موت سے کچھ ہی پہلے وہ غلط میں تھے اور کچھ بربڑاتے تھے. ایک مرتبہ انہوں نے کسی کو مخاطب کیا، جو عرصہ ہوا مر چکا تھا اور اُس سے بلند آواز میں

وہ 70 برس کے تھے جب میرے والد، جو انکے بڑے بھائی تھے، بیمار ہوئے۔ ہر طرح کا علاج کیا گیا۔ تمام ڈاکٹروں اور حکیموں نے جواب دے دیا۔ بہت سے مولویوں نے اپنے عقلی گندے لڑائے اور اپنے تجربے کے مطابق جادو ٹوٹے اور اسباب وغیرہ کا علاج کیا؛ مگر ان کی حالت خراب ہوتی گئی۔

شروع شروع میں تو والد دادا ابا کے ساتھ مکان کے مردانے حصے میں ہی رہتے تھے؛ کیونکہ اسی میں سہولیت تھی۔ دوسرے پرانے زمانے کے لوگ زمانہ میں زیادہ دیر تک رہنا پسند نہ کرتے تھے۔ دادا کے سب سے قریبی دوست آتے اور دعائیں مانگتے۔ مگر ان کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ تب وہ مکان کے اندر پہنچا دیئے گئے؛ تاکہ ان کی تیمارداری اچھی طرح ہو سکے۔ دادا پر فالج کر چکا تھا اور وہ ہر دوسرے تیسرے اپنے بھائی کو دیکھنے ایک چھوٹی سی چارپائی پر چار آدمیوں کی مدد سے لائے جاتے اور کچھ گھنٹے گزر جانے کے بعد وہ اسی طرح باہر لے جاتے جاتے۔

والد کی حالت اب اور خراب ہو گئی، تو تازہ ہوا کے خاطر انہیں کونٹے پر لے جایا گیا۔ دادا ابا نے دیکھا کہ ان کی حالت مایوس کرنے والی ہے اور وہ جب انہیں دیکھنے کے لئے کونٹے پر لائے گئے، تو زینہ کی تنگی کی وجہ سے بڑی دقت ہوئی۔ یہ دیکھ کر کہ ان کے لئے جانے میں کتنی دقت ہوتی ہے؛ وہ بیہوش کر دیئے۔ میں نے انہیں زندگی میں پہلے پہل روتے دیکھا۔ وہ ایک بے بس اور پرزور آدمی کے خاموش اور درد سے بھرے آنسو تھے۔ انہوں نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن سب سمجھ گئے کہ وہ بہت مایوس ہیں۔

آخر ایک دن والد کا انتقال ہو گیا۔ مجھے یاد ہے دادا اپنے پلنگ پر پڑے روتے تھے۔ میرے سامنے اُس وقت کی ان کی تصویر ہے۔ زار زار رو رہے ہیں۔ ان کی سسکیوں سے پلنگ ہل رہا ہے۔ یہ ایک بوڑھے آدمی کی سسکیاں ہیں جو محسوس کرتا ہے کہ اُس کی ہستی اب دلہا میں صرف ایک فرد کی مدد ہے۔

مجھے یاد ہے کہ پھر وہ جنازے کے پیچھے ایک قبری میں قبرستان لے جانے گئے۔ ان کی آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ سسکیاں لیتے اور زندگی کے فنا ہونے کی شکایت کرتے۔ اہلی اس بے چارگی پر روتے کہ بڑے کے جنازہ کو کدھا ہو دے سکے تھے۔ موت قبر میں اتاری جا رہی ہے۔ کھودی ہوئی مٹی کے قہر پر دادا ابا قبری میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ قبر کے اندر نہیں دیکھ سکے؛ کیونکہ ان کے اکہ آدمیوں کی ہیز ہے۔

یہ چھاتی ہے۔ موت قبر میں ہے۔ کھار قبری کو قبر تک لے جاتے ہیں۔ لوگ مرحوم والد کا چہرہ آخری بار

میرے 70 برس کے تھے جب میرے والد، جو ان کے چھ بھائی تھے، بیمار ہوئے۔ ہر طرح کا علاج کیا گیا۔ تمام ڈاکٹروں اور حکیموں نے جواب دے دیا۔ بہت سے مولویوں نے اپنے عقلی گندے لڑائے اور اپنے تجربے کے مطابق جادو ٹوٹے اور اسباب وغیرہ کا علاج کیا؛ مگر ان کی حالت خراب ہوتی گئی۔

شروع شروع میں تو والد دادا ابا کے ساتھ مکان کے مردانے حصے میں ہی رہتے تھے؛ کیونکہ اسی میں سہولیت تھی۔ دوسرے پرانے زمانے کے لوگ زمانہ میں زیادہ دیر تک رہنا پسند نہ کرتے تھے۔ دادا کے سب سے قریبی دوست آتے اور دعائیں مانگتے۔ مگر ان کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ تب وہ مکان کے اندر پہنچا دیئے گئے؛ تاکہ ان کی تیمارداری اچھی طرح ہو سکے۔ دادا پر فالج کر چکا تھا اور وہ ہر دوسرے تیسرے اپنے بھائی کو دیکھنے ایک چھوٹی سی چارپائی پر چار آدمیوں کی مدد سے لائے جاتے اور کچھ گھنٹے گزر جانے کے بعد وہ اسی طرح باہر لے جاتے جاتے۔

والد کی حالت اب اور خراب ہو گئی، تو تازہ ہوا کے خاطر انہیں کونٹے پر لے جایا گیا۔ دادا ابا نے دیکھا کہ ان کی حالت مایوس کرنے والی ہے اور وہ جب انہیں دیکھنے کے لئے کونٹے پر لائے گئے، تو زینہ کی تنگی کی وجہ سے بڑی دقت ہوئی۔ یہ دیکھ کر کہ ان کے لئے جانے میں کتنی دقت ہوتی ہے؛ وہ بیہوش کر دیئے۔ میں نے انہیں زندگی میں پہلے پہل روتے دیکھا۔ وہ ایک بے بس اور پرزور آدمی کے خاموش اور درد سے بھرے آنسو تھے۔ انہوں نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن سب سمجھ گئے کہ وہ بہت مایوس ہیں۔

آخر ایک دن والد کا انتقال ہو گیا۔ مجھے یاد ہے دادا اپنے پلنگ پر پڑے روتے تھے۔ میرے سامنے اُس وقت کی ان کی تصویر ہے۔ زار زار رو رہے ہیں۔ ان کی سسکیوں سے پلنگ ہل رہا ہے۔ یہ ایک بوڑھے آدمی کی سسکیاں ہیں جو محسوس کرتا ہے کہ اُس کی ہستی اب دلہا میں صرف ایک فرد کی مدد ہے۔

مجھے یاد ہے کہ پھر وہ جنازے کے پیچھے ایک قبری میں قبرستان لے جانے گئے۔ ان کی آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ سسکیاں لیتے اور زندگی کے فنا ہونے کی شکایت کرتے۔ اہلی اس بے چارگی پر روتے کہ بڑے کے جنازہ کو کدھا ہو دے سکے تھے۔ موت قبر میں اتاری جا رہی ہے۔ کھودی ہوئی مٹی کے قہر پر دادا ابا قبری میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ قبر کے اندر نہیں دیکھ سکے؛ کیونکہ ان کے اکہ آدمیوں کی ہیز ہے۔

یہ چھاتی ہے۔ موت قبر میں ہے۔ کھار قبری کو قبر تک لے جاتے ہیں۔ لوگ مرحوم والد کا چہرہ آخری بار

लाता। इस दरमیان में दादा अब्बा हमारा सबक दोहराते या हल्फ़ कहलाते। और जब हम में से कोई सबक भूल जाता, तो हम सब डर जाते, क्योंकि दादा अब्बा को गुस्सा आ जाता और वे बिगड़ने लगते, हालाँकि आम तौर पर वे मेहरबान रहते।

एक मर्तबा मैं और कुछ मेरे बड़े भाइयों ने बड़ी चची का एक रुपया चुरा लिया। दरअसल रुपया लुटक गया था और हमने चुपके से उसे चठा लिया था। हमने उसको जाकर भुना लिया और उसके चौंसठ पैसे कर लिये। हमने दो पैसे के बिस्कुट और मिठाई खरीदी। उस जमाने में चीजें काफी सस्ती मिलती थीं, और बाकी पैसों को पोशीदा जगह पर रख दिया। लेकिन किसी ने उसको देख लिया। अब तो हम सब बहुत डरे कि कहीं दादा को इसका पता न चल जाये, लेकिन जिस बात से डरते थे वही हुई। दादा अब्बा को बेहद गुस्सा आया और उन्होंने कहा कि मैं तुम सबको मार डालूँगा। उन्होंने अपनी तलवार के निकाले जाने का हुक्म दिया, जो एक बड़े लकड़ी के सन्दूक में बन्द रहती थी। यह सन्दूक एक अंधेरी कोठरी में रखा हुआ था, जिसके अंदर जाने के लिये लालटेन की जरूरत पड़ती थी; सब उन्होंने मेरे बड़े भाइयों को बुलाया और उनकी आँखों के सामने तलवार चमकाई। दोनों ने पातामे में पेशाब कर दिया और खौफ़ के मारे उनका रंग उड़ गया। शायद मेरे कमसिन होने के रुयाल से उन्होंने मुझको तलवार से नहीं धमकाया, लेकिन उनकी आवाज ही मेरे हवास उड़ा देने के लिये क्या कम थी। हम सबने वादा किया कि आइन्दा चोरी न करेंगे और अच्छे लड़कों की तरह रहेंगे।

मगर जब हम चाय के लिये भूखे कुत्तों की तरह दादा अब्बा के चारों तरफ़ बैठे रहते थे, तो हमको कोई खौफ़ नहीं होता था। वह आम तौर से मजे मजे की बातें करते, मोहबत से पेश आते और कहानियाँ सुनाते। जब चाय तैयार हो जाती, तो उसको वह चीनी की छांटी प्यालियों में डालते। यह चीनी के प्याले आजकल की प्यालियों की तरह न थे, यह बहुत खूबसूरत असली चीनी के थे। इनमें हस्ता न था। उनका पेंदा तंग और मुँह चौड़ा था। चाय दूर से महकती थी। अक्सर बेसबरी में हम अपने हाँठ हिला लेते थे। हमको छोटे-छोटे, फूले फूले बिस्कुट दिये जाते, जिनका हम चाय में डबोकर चमचे से खाते। चाय ऐसी मजेदार होती थी कि उसके बाद कभी ऐसी मजेदार चाय पी ही नहीं और न मैं इसका मजा कभी चख सकूँगा।

दादा की बन्द और बातें मुझे याद हैं। यह याद एक - अच्छे मजज़ब आदमी की है, जिसे ज़िन्दगी के बोझ ने ख़त्म कर दिया।

ता। इस दरमیان में दादा अब्बा हमारा सबक दोहराते या हल्फ़ कहलाते। और जब हम में से कोई सबक भूल जाता, तो हम सब डर जाते, क्योंकि दादा अब्बा को गुस्सा आ जाता और वे बिगड़ने लगते, हालाँकि आम तौर पर वे मेहरबान रहते।

एक मर्तबा मैं और कुछ मेरे बड़े भाइयों ने बड़ी चची का एक रुपया चुरा लिया। दरअसल रुपया लुटक गया था और हमने चुपके से उसे चठा लिया था। हमने उसको जाकर भुना लिया और उसके चौंसठ पैसे कर लिये। हमने दो पैसे के बिस्कुट और मिठाई खरीदी। उस जमाने में चीजें काफी सस्ती मिलती थीं, और बाकी पैसों को पोशीदा जगह पर रख दिया। लेकिन किसी ने उसको देख लिया। अब तो हम सब बहुत डरे कि कहीं दादा को इसका पता न चल जाये, लेकिन जिस बात से डरते थे वही हुई। दादा अब्बा को बेहद गुस्सा आया और उन्होंने कहा कि मैं तुम सबको मार डालूँगा। उन्होंने अपनी तलवार के निकाले जाने का हुक्म दिया, जो एक बड़े लकड़ी के सन्दूक में बन्द रहती थी। यह सन्दूक एक अंधेरी कोठरी में रखा हुआ था, जिसके अंदर जाने के लिये लालटेन की जरूरत पड़ती थी; सब उन्होंने मेरे बड़े भाइयों को बुलाया और उनकी आँखों के सामने तलवार चमकाई। दोनों ने पातामे में पेशाब कर दिया और खौफ़ के मारे उनका रंग उड़ गया। शायद मेरे कमसिन होने के रुयाल से उन्होंने मुझको तलवार से नहीं धमकाया, लेकिन उनकी आवाज ही मेरे हवास उड़ा देने के लिये क्या कम थी। हम सबने वादा किया कि आइन्दा चोरी न करेंगे और अच्छे लड़कों की तरह रहेंगे।

मगर जब हम चाय के लिये भूखे कुत्तों की तरह दादा अब्बा के चारों तरफ़ बैठे रहते थे, तो हमको कोई खौफ़ नहीं होता था। वह आम तौर से मजे मजे की बातें करते, मोहबत से पेश आते और कहानियाँ सुनाते। जब चाय तैयार हो जाती, तो उसको वह चीनी की छांटी प्यालियों में डालते। यह चीनी के प्याले आजकल की प्यालियों की तरह न थे, यह बहुत खूबसूरत असली चीनी के थे। इनमें हस्ता न था। उनका पेंदा तंग और मुँह चौड़ा था। चाय दूर से महकती थी। अक्सर बेसबरी में हम अपने हाँठ हिला लेते थे। हमको छोटे-छोटे, फूले फूले बिस्कुट दिये जाते, जिनका हम चाय में डबोकर चमचे से खाते। चाय ऐसी मजेदार होती थी कि उसके बाद कभी ऐसी मजेदार चाय पी ही नहीं और न मैं इसका मजा कभी चख सकूँगा।

दादा की बन्द और बातें मुझे याद हैं। यह याद एक - अच्छे मजज़ब आदमी की है, जिसे ज़िन्दगी के बोझ ने ख़त्म कर दिया।

था और उनमें से बड़बू आती थी. फर्श को भी गन्दा कर देता और अपनी ँगली को गन्दगी में तर करके सूँघता, मगर लोग उसे पागल न समझते. उनके खयाल में वह एक मज्जबूब था.

दादा के पास और भी फकीर आया करते थे. लेकिन वे कुछ एक दो तो थे नहीं. चुनांचे मैं बहुतों से नावाक़िफ़ था.

दादा की सब से ज्यादा दिलपसन्द चीज़ उनकी मजेदार द्वाइयाँ थी. यह द्वाइयाँ वे हम लोगों को बाँटते थे. दिलचस्पी के साथ वे उन्हें बनाते थे. सब लड़कों में, जो मेरे भाई होते थे, मैं ही सब से छोटा था और मुझको सबसे ज्यादा चाहते थे. इसलिये सब लड़के मुझको दादा अब्बा के पास चूरन लेने के लिये भेजते. मैं बेधड़क उनके पास चला जाता और कहता—“दादा अब्बा, मुझे ज़रासा चूरन दे दीजिये.”

वे मोहब्बत से मुस्कुराते और अपने पुराने नौकर को, जो बरसों से उनकी खिदमत में रहा करता था, पुकारते—“राफ़ूर, उस बोतल को अस्मारी से निकाल ला.”

राफ़ूर, जो अपने स्वामी की तरह खुद भी बूढ़ा हो गया था, लड़खड़ाता हुआ अस्मारी तक जाता और गलती से दूसरी बोतल उठा लाता.

“यह नहीं, दूसरी बोतल जो मैंने तुमसे कहा था”—दादा अब्बा ऊँची आवाज़ कर के कहते. फिर बोतल से एक चुटकी चूरन निकालकर मेरी हथेली पर रख देते.

“थोड़ा सा और दादा अब्बा?”

“बस अब नहीं, यह ज्यादा नहीं खाया जाता.”

“लेकिन फ़लों, फ़लों भाई भी खाँग रहे हैं”—मैं गिड़गिड़ा कर कहता और वे कुछ चुटकियाँ चूरन और दे देते. मैं उसे जुवान से चाटता हुआ बाहर निकल जाता. मेरे भाई बाहर की तंग गली में मेरा इन्तज़ार करते और दौड़कर मुझे पकड़ लेते.

लेकिन चाय पीने में हम सब को बड़ा मज़ा आता. शाम को हम सब चार या पाँच लड़के, जो पाँच सात साल की उम्र के थे, दादा अब्बा के बड़े कमरे में जमा हो जाते. कभी कभी हम लोग बुलाए जाते और कभी खुद से पहुँच जाते. दादा अब्बा आराम करते और सोते होते और हम सब अपनी छोटी छोटी मुठ्ठियों से उनके पाँव पर मुक़्तियाँ लगाते. तब राफ़ूर ‘समादार’ जलाता. मुझे नहीं मालूम कि क्यों उस जमाने में चाय तैयार करने के लिये समादार इस्तेमाल किये जाते थे, राफ़ूर समादार लाता और पास रखता. जब पानी सनसनाते लगता तो दादा अब्बा इसमें दारचीनी और इलायची डाल देते ताकि उसमें खुशबू आजाय. वे किसी दूसरे को चाय न बनाने देते. जब चाय तैयार हो रही होती, तो राफ़ूर चीनी के प्याले और चमचे

था और उन में से बहुतो को भी गन्दा कर देता और अपनी अंगली को गन्दगी में तर कर के सुँघता. मगर लोग उसे पागल न समझते. उन के खयाल में वह एक मज्जबूब था.

दादा के पास और भी फकीर आया करते थे. लेकिन वे कुछ एक दो तो थे नहीं. चुनांचे मैं बहुतों से नावाक़िफ़ था.

दादा की सब से ज्यादा दिल पसन्द चीज़ उनकी मजेदार द्वाइयाँ थी. यह द्वाइयाँ वे हम लोगों को बाँटते थे. दिलचस्पी के साथ वे उन्हें बनाते थे. सब लड़कों में, जो मेरे भाई होते थे, मैं ही सब से छोटा था और मुझको सबसे ज्यादा चाहते थे. इसलिये सब लड़के मुझको दादा अब्बा के पास चूरन लेने के लिये भेजते. मैं बेधड़क उनके पास चला जाता और कहता—“दादा अब्बा, मुझे ज़रासा चूरन दे दीजिये.”

वे मोहब्बत से मुस्कुराते और अपने पुराने नौकर को, जो बरसों से उनकी खिदमत में रहा करता था, पुकारते—“राफ़ूर, उस बोतल को अस्मारी से निकाल ला.”

राफ़ूर, जो अपने स्वामी की तरह खुद भी बूढ़ा हो गया था, लड़खड़ाता हुआ अस्मारी तक जाता और गलती से दूसरी बोतल उठा लाता.

“यह नहीं, दूसरी बोतल जो मैंने तुमसे कहा था”—दादा अब्बा ऊँची आवाज़ कर के कहते. फिर बोतल से एक चुटकी चूरन निकालकर मेरी हथेली पर रख देते.

“थोड़ा सा और दादा अब्बा?”

“बस अब नहीं, यह ज्यादा नहीं खाया जाता.”

“लेकिन फ़लों, फ़लों भाई भी खाँग रहे हैं”—मैं गिड़गिड़ा कर कहता और वे कुछ चुटकियाँ चूरन और दे देते. मैं उसे जुवान से चाटता हुआ बाहर निकल जाता. मेरे भाई बाहर की तंग गली में मेरा इन्तज़ार करते और दौड़कर मुझे पकड़ लेते.

लेकिन चाय पीने में हम सब को बड़ा मज़ा आता. शाम को हम सब चार या पाँच लड़के, जो पाँच सात साल की उम्र के थे, दादा अब्बा के बड़े कमरे में जमा हो जाते. कभी कभी हम लोग बुलाए जाते और कभी खुद से पहुँच जाते. दादा अब्बा आराम करते और सोते होते और हम सब अपनी छोटी छोटी मुठ्ठियों से उनके पाँव पर मुक़्तियाँ लगाते. तब राफ़ूर ‘समादार’ जलाता. मुझे नहीं मालूम कि क्यों उस जमाने में चाय तैयार करने के लिये समादार इस्तेमाल किये जाते थे, राफ़ूर समादार लाता और पास रखता. जब पानी सनसनाते लगता तो दादा अब्बा इसमें दारचीनी और इलायची डाल देते ताकि उसमें खुशबू आजाय. वे किसी दूसरे को चाय न बनाने देते. जब चाय तैयार हो रही होती, तो राफ़ूर चीनी के प्याले और चमचे

मज्जबूब कहना चाहिये, यह वे लोग हैं जिन पर रुहानियत का एक ऐसा दौरा आता है, जिसके कारन उन पर एक खास रंग छा जाता है, वे दुनिया से मुँह मोड़ लेते हैं, कहा जाता है कि दुनिया का कारखाना सूफियों की बदीलत चल रहा है, हर सूफी का एक खास हल्कए असर होता है, यह लोग बेपरवाज फकीर होते हैं और सूफियाना जिन्दगी बसर करते हैं, कोई उनके रुतबे को नहीं जानता; लेकिन वह अपने असर वाले हल्के की देख भाल करते हैं, हम मामूली लोग उनको नहीं जान सकते, सिर्फ ऊँचे दर्जे के सूफी उनको पहचान सकते हैं।

बहुत से ऐसे लोग हमारे घर आया करते थे, हालाँकि दादा कोई सूफी नहीं थे, अलबत्ता वह सूफियों और फकीरों की कदर बहुत किया करते थे, मगर उनके सूफी दोस्त सब के सब कीमिया बनाने में बहुत दिलचस्पी लेते थे, वह अजीबो गरीब जड़ी बूटियों के, नायाब नुस्खे रखते थे और साँपों बौरह के बारे में उनको बड़ी जानकारी थी, मेरे दादा भी साँपों के बारे में बहुत कुछ जानते थे और उन्हें हाथ से पकड़ लेते थे।

बाज और दूसरी तरह के फकीर भी हमारे घर आया करते थे, उनमें एक चालीस बरस की उम्र का अंधा था, वह 'अंधा हाफिज' के नाम से मशहूर था, वह हमेशा नंगा और गन्दगी में लुथड़ा हुआ रहता, उसकी ढाढ़ी की तरह सर और जिस्म के बाल भी उलझे रहते, वह हमेशा हाथ में एक बड़ी लाठी लिये रहता और हमारे घर पर आम तौर पर रात को डोली में बैठकर आता, वह शायद ही कभी सोता और सारी रात, चाहे जाड़ा हो या गर्मी, इधर उधर घूमा करता था, लोग उसे बहुत पहुँचा हुआ फकीर समझते, असली मज्जबूब ! उनके खयाल में उसे इल्मेगौब भी हासिल था, वह बहुत बचपने से मज्जबूब हो गया था और कहा जाता है कि उसने बहुत सी करामातें भी दिखाई थीं, वह कभी कोई ज़बानी बात न कहता, उसकी गुप्तगू सदा उलझी हुई होती थी, जब लोग उससे अपने मुसतक़-बिल की बात पूछते या कोई खास मुश्किल मामला समझना चाहते तो सबाल को अपने दिमाग में लेकर हाफिज जी के पास बैठ जाते और अक्सर उसकी उलझी हुई बात चीत और इशारों में अपने सबाल का जबाब पा लेते।

जंगे अजीम के जमाने में अंधे हाफिज पर गुस्से और राजब की हालत तारी रहती और वह अपना डन्डा जमीन पर बार बार पटकता, जब तक वह घर में रहता किसी फिक्र में इधर उधर घूमता फिरता और एक घड़ी भर भी दम न लेता, लोग कहते कि वह जंग का सब हाल जानता है कि इस वक्त कहाँ लड़ाई हो रही है, कौन जीत रहा है और कौन हार रहा है, मैं कभी नहीं भूल सकता कि वह अपनी ही गन्दगी में लुथड़ा हुआ, फर्श पर पड़ा रहता

मज्जबूब कहा चाहते, ये दो लोग हैं, जो روحानियत का एक ऐसा दौरा आता है, जिस के कारन उन पर एक खास रंग छा जाता है, वे दुनिया से मुँह मोड़ लेते हैं, कहा जाता है कि दुनिया का कारखाना सूफियों की बदीलत चल रहा है, हर सूफी का एक खास हल्कए असर होता है, यह लोग बेपरवाज फकीर होते हैं और सूफियाना जिन्दगी बसर करते हैं, कोई उनके रुतबे को नहीं जानता; लेकिन वह अपने असर वाले हल्के की देख भाल करते हैं, हम मामूली लोग उनको नहीं जान सकते, सिर्फ ऊँचे दर्जे के सूफी उनको पहचान सकते हैं।

बहुत से ऐसे लोग हमारे घर आया करते थे, हालाँकि दादा कोई सूफी नहीं थे, अलबत्ता वह सूफियों और फकीरों की कदर बहुत किया करते थे, मगर उनके सूफी दोस्त सब के सब कीमिया बनाने में बहुत दिलचस्पी लेते थे, वह अजीबो गरीब जड़ी बूटियों के, नायाब नुस्खे रखते थे और साँपों बौरह के बारे में उनको बड़ी जानकारी थी, मेरे दादा भी साँपों के बारे में बहुत कुछ जानते थे और उन्हें हाथ से पकड़ लेते थे।

बाज और दूसरी तरह के फकीर भी हमारे घर आया करते थे, उनमें एक चालीस बरस की उम्र का अंधा था, वह 'अंधा हाफिज' के नाम से मशहूर था, वह हमेशा नंगा और गन्दगी में लुथड़ा हुआ रहता, उसकी ढाढ़ी की तरह सर और जिस्म के बाल भी उलझे रहते, वह हमेशा हाथ में एक बड़ी लाठी लिये रहता और हमारे घर पर आम तौर पर रात को डोली में बैठकर आता, वह शायद ही कभी सोता और सारी रात, चाहे जाड़ा हो या गर्मी, इधर उधर घूमा करता था, लोग उसे बहुत पहुँचा हुआ फकीर समझते, असली मज्जबूब ! उनके खयाल में उसे इल्मेगौब भी हासिल था, वह बहुत बचपने से मज्जबूब हो गया था और कहा जाता है कि उसने बहुत सी करामातें भी दिखाई थीं, वह कभी कोई ज़बानी बात न कहता, उसकी गुप्तगू सदा उलझी हुई होती थी, जब लोग उससे अपने मुसतक़-बिल की बात पूछते या कोई खास मुश्किल मामला समझना चाहते तो सबाल को अपने दिमाग में लेकर हाफिज जी के पास बैठ जाते और अक्सर उसकी उलझी हुई बात चीत और इशारों में अपने सबाल का जबाब पा लेते।

जंगे अजीम के जमाने में अंधे हाफिज पर गुस्से और राजब की हालत तारी रहती और वह अपना डन्डा जमीन पर बार बार पटकता, जब तक वह घर में रहता किसी फिक्र में इधर उधर घूमता फिरता और एक घड़ी भर भी दम न लेता, लोग कहते कि वह जंग का सब हाल जानता है कि इस वक्त कहाँ लड़ाई हो रही है, कौन जीत रहा है और कौन हार रहा है, मैं कभी नहीं भूल सकता कि वह अपनी ही गन्दगी में लुथड़ा हुआ, फर्श पर पड़ा रहता

میں کبھی کامیابی نہیں ہوئی، ایک ماں سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے نانا، جو میرے دادا کے چچا پرے بھائی تھے، ایک مرتبہ کامیاب ہو گئے تھے۔ کسی فقیر نے انہیں ایک شیشی میں کوئی چیز دی تھی، جس کے ذریعے انہوں نے ایک نانبہ کے پیسے کو سولے میں بدل دیا تھا اور جس سے مہروی ماں کے لٹے سولے کی بالیاں بنائی گئی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس کو صندوق میں بند کر کے رکھ دیا۔ لیکن ان کے دوست قلندر شاہ صوفی کو جب یہ معلوم ہوا کہ میرے نانا کے ہاتھ کیمیا لگ گئی ہے، تو انہوں نے اس کو پرہیز کرنے کا حکم دیا، کیونکہ اس سے آدمی لالچی ہو جاتا ہے اور اس کا دل خدا اور صوفیوں کی طرف سے پھر جاتا ہے۔ مہروی ماں کو، جو اس وقت بہت چھوٹی تھیں، اس نایاب چیز کے پرہیز ہوجانے کا ہوا دکھ ہوا، جو نانبہ کو سولے میں بدل دیتی تھی۔ لیکن مہرے نانا، جو ایک صوفی بزرگ تھے اور قلندر شاہ سے صحبت کرتے تھے، آپس کے تعلقات کو بگاڑنا نہ چاہتے تھے اور انہوں نے قلندر شاہ کی دل شکنی کے قریب سے دولت کی کنجی کو پرہیز کر دیا۔ دوستی کے خاطر کون اپنی دولت کے ایک حصہ کی بھی قربانی کر لے گا اور پھر آجکل؟

مجھے اپنے دادا کے ایک دوست خوب یاد ہیں۔ ان کا نام نام نادرشاہ تھا۔ وہ فقیر تھے۔ ہوشہ ایک کالا گھیل اوتھ رہا کرتے تھے۔ وہ بڑے تھے مگر شاندار۔ جب کبھی ہم ان کی موجودگی میں گھر سے باہر نکلتے، تو وہ ہمارے سر پر ہاتھ پھیرتے اور ہم کو آشورواد اور دعا دیتے۔ وہ دادا کے سب سے زیادہ گہرے دوست تھے۔ ان کی خاطر دادا ابا بہت کچھ کر ڈالتے۔ جب کبھی کسی پریشانی میں پھنسنے ہوتے تو فوراً نادرشاہ کو بلا لیتے۔ انہوں نے مجھ کو بچہ تعویذ دیتے تھے، جو دس گیارہ برس کی عمر میں چاندی کے خول میں لے ہوئے میرے گلے میں پڑے رہتے۔

دادا کے ایک اور کیمیا گر دوست تھے۔ لیکن میں ان سے گہرا ناتھا، کیونکہ وہ مجھے دوبارہ ختنہ کا تر دلا کر دھمکاتے تھے۔ حالانکہ یہ سب مذاق ہی مذاق تھا، لیکن میں سہم جانا تھا۔ ایک دن انہوں نے میرا گلے کاٹ لیا۔ وہ ایک لڑکے کی کہانی سناتے تھے، جس نے اپنے باپ کے دوست کی طرف سے پیررواہی پرستی کی تھی۔ ان بزرگ نے اس وقت تو کچھ نہ کہا، لیکن ایک دن لڑکے کو بلایا اور اس کے گلے میں کچھ ٹپلے کے پھانے سے جھپک کر اس کے گلے کی لو کاٹ لی۔ انہوں نے واقعہ بتاتے بتاتے میرا گلے بھی کاٹ لیا۔ میں سوچتا ہوں کہ کہوں میں نے تو کبھی جانتے ہوئے ان کی طرف سے پیررواہی نہیں ہوتی تھی۔

اسی طرح ار بہت سے لوگ اندر مہرے دادا سے ملے آہا کرتے تھے۔ بہت سے گھوڑے اور پاگل قسم کے لوگ۔ لیکن ان کو پاگل کہا حماقت ہوگی۔ ان کو

میں کبھی کامیابی نہیں ہوئی، ایک ماں سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے نانا، جو میرے دادا کے چچا پرے بھائی تھے، ایک مرتبہ کامیاب ہو گئے تھے۔ کسی فقیر نے انہیں ایک شیشی میں کوئی چیز دی تھی، جس کے ذریعے انہوں نے ایک نانبہ کے پیسے کو سولے میں بدل دیا تھا اور جس سے مہروی ماں کے لٹے سولے کی بالیاں بنائی گئی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس کو صندوق میں بند کر کے رکھ دیا۔ لیکن ان کے دوست قلندر شاہ صوفی کو جب یہ معلوم ہوا کہ میرے نانا کے ہاتھ کیمیا لگ گئی ہے، تو انہوں نے اس کو پرہیز کرنے کا حکم دیا، کیونکہ اس سے آدمی لالچی ہو جاتا ہے اور اس کا دل خدا اور صوفیوں کی طرف سے پھر جاتا ہے۔ مہروی ماں کو، جو اس وقت بہت چھوٹی تھیں، اس نایاب چیز کے پرہیز ہوجانے کا ہوا دکھ ہوا، جو نانبہ کو سولے میں بدل دیتی تھی۔ لیکن مہرے نانا، جو ایک صوفی بزرگ تھے اور قلندر شاہ سے صحبت کرتے تھے، آپس کے تعلقات کو بگاڑنا نہ چاہتے تھے اور انہوں نے قلندر شاہ کی دل شکنی کے قریب سے دولت کی کنجی کو پرہیز کر دیا۔ دوستی کے خاطر کون اپنی دولت کے ایک حصہ کی بھی قربانی کر لے گا اور پھر آجکل؟

مجھے اپنے دادا کے ایک دوست خوب یاد ہیں۔ ان کا نام نام نادرشاہ تھا۔ وہ فقیر تھے۔ ہوشہ ایک کالا گھیل اوتھ رہا کرتے تھے۔ وہ بڑے تھے مگر شاندار۔ جب کبھی ہم ان کی موجودگی میں گھر سے باہر نکلتے، تو وہ ہمارے سر پر ہاتھ پھیرتے اور ہم کو آشورواد اور دعا دیتے۔ وہ دادا کے سب سے زیادہ گہرے دوست تھے۔ ان کی خاطر دادا ابا بہت کچھ کر ڈالتے۔ جب کبھی کسی پریشانی میں پھنسنے ہوتے تو فوراً نادرشاہ کو بلا لیتے۔ انہوں نے مجھ کو بچہ تعویذ دیتے تھے، جو دس گیارہ برس کی عمر میں چاندی کے خول میں لے ہوئے میرے گلے میں پڑے رہتے۔

دادا کے ایک اور کیمیا گر دوست تھے۔ لیکن میں ان سے گہرا ناتھا، کیونکہ وہ مجھے دوبارہ ختنہ کا تر دلا کر دھمکاتے تھے۔ حالانکہ یہ سب مذاق ہی مذاق تھا، لیکن میں سہم جانا تھا۔ ایک دن انہوں نے میرا گلے کاٹ لیا۔ وہ ایک لڑکے کی کہانی سناتے تھے، جس نے اپنے باپ کے دوست کی طرف سے پیررواہی پرستی کی تھی۔ ان بزرگ نے اس وقت تو کچھ نہ کہا، لیکن ایک دن لڑکے کو بلایا اور اس کے گلے میں کچھ ٹپلے کے پھانے سے جھپک کر اس کے گلے کی لو کاٹ لی۔ انہوں نے واقعہ بتاتے بتاتے میرا گلے بھی کاٹ لیا۔ میں سوچتا ہوں کہ کہوں میں نے تو کبھی جانتے ہوئے ان کی طرف سے پیررواہی نہیں ہوتی تھی۔

اسی طرح ار بہت سے لوگ اندر مہرے دادا سے ملے آہا کرتے تھے۔ بہت سے گھوڑے اور پاگل قسم کے لوگ۔ لیکن ان کو پاگل کہا حماقت ہوگی۔ ان کو

بالوں کے لکڑھے تھے۔ وہ اس بھدگی سے کٹے हुए ہوتے تھے کہ ان کا کنارہ ایک تلوار کی تیز بازو کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ وہ ایک سیدھے سونے چلتے تھے اور ان کی ہلکے رنگ کی کامدار ٹوپی ان کے سر پر جڑا آدھی رکھی رہتی تھی۔ ان کی نیگاہوں اور آواز میں بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔

گرمیوں کے زمانے میں وہ ہمیشہ تانجیہ کا آئینہ پہنتے تھے، جو اس طرح بنا ہوتا تھا کہ ایک طرف کا سیلہ کھلا رہتا تھا۔ (اگر زمانے میں نیچے دوسرا کھڑا پہنتے کا رواج نہ تھا)۔ چارے میں وہ جامہ دار کا انگریز پہنتے تھے، جس میں عام طور پر سیاہ زمیں پر سفید سادے پھول بنے ہوتے تھے۔ وہ چست مہرے کا چوڑدار پاجامہ پہنتے، پیروں میں دھندلے شوخ رنگ کا جوتا، جس پر سنہرے کام کا ایک پھول بنا ہوتا اور جس کی نوک اوپر کو مڑی ہوتی۔ اس پر جب وہ انگریز پہن کر کھڑے ہوتے، تو پھر شاندار معلوم ہوتے، یہی کہی جازوں میں وہ عائدہ باندھتے تھے، جس کے پیچ بہت کسے ہوتے تھے اور ان کی ایک بھر کو ڈمک لیتے تھے۔ اس سے وہ چست تو بہت معلوم ہوتے، لیکن خونخوار سے ہو جاتے۔

وہ زنانہ میں سوائے کھالے کے دستانے کے بہت کم آتے تھے۔ وہ اپنی چائے خور بنایا کرتے تھے۔ جب کبھی وہ آتے، تو اپنے آلے کی خور دینے کے لئے زر سے کھاتے، تاکہ عورتوں میں اچانک نہ پہنچ جائیں۔ ان کی آواز سننے ہی بالغ لڑکیوں، بھرتوں اور دوسری بیویاں اپنے ڈوٹے سنہال کر سرور کو ڈمک لیتیں اور ادب سے بیٹھ جاتیں۔ بچے خاموش ہو کر بھاگ جاتے۔ ان کی چال میں تو رعنائی ہمیشہ سے تھی، یہاں تک کہ 76 برس کی عمر میں ان پر لقوہ گرا، اس کے بعد سے وہ برابر بستر پر پڑے رہتے۔ یا تو کسی سے باتیں کیا کرتے یا اپنے غم کھایا کرتے، لیکن ان کی نگاہوں اور آواز میں اب بھی وہی رعب داب تھا۔ ان کے شوق، کیمیا، مچھلی کا شکار، بڑے چینی کے برتنوں کا بھنڈار جمع کرنا، دوائیں تیار کرنا وغیرہ تھے۔ ہر طرح کے فقیر اور صوفی ان کے پاس آہا کرتے تھے اور کہتے ان سے نایب جڑی بوٹیوں کے متعلق باتیں کیا کرتے۔ مکان کا مردانہ حصہ بوندوں سے بھرا ہوا تھا اور ان میں چوڑے بڑے عصبیہ تجزیہ بوندوں کے کاتے دار بوندے تھے، جو ایک کیمیاگر کے سار اور سامان کا حصہ ہونے لگیں۔ الماریوں میں بہت سے پتھر، ہر قسم کی دوائیوں، خشک جڑی بوٹیاں اور پھول بھرے ہوتے تھے۔

دادا ارباب اپنے بستر پر پڑے-پڑے ہی توجہ کیا کرتے اور ہمیشہ نئے نسخے کی تلاش میں رہتے، روز شام کو نوکر جامع مسجد جایا کرنا اور نئی بوٹیاں لاتا۔ لیکن جہاں تک مچھلی یاد ہے، ان کو سونا پالنے

بالوں کے لکڑھے تھے۔ وہ اس بھدگی سے کٹے हुए ہوتے تھے کہ ان کا کنارہ ایک تلوار کی تیز بازو کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ وہ ایک سیدھے سونے چلتے تھے اور ان کی ہلکے رنگ کی کامدار ٹوپی ان کے سر پر جڑا آدھی رکھی رہتی تھی۔ ان کی نیگاہوں اور آواز میں بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔

گرمیوں کے زمانے میں وہ ہمیشہ تانجیہ کا آئینہ پہنتے تھے، جو اس طرح بنا ہوتا تھا کہ ایک طرف کا سیلہ کھلا رہتا تھا۔ (اگر زمانے میں نیچے دوسرا کھڑا پہنتے کا رواج نہ تھا)۔ چارے میں وہ جامہ دار کا انگریز پہنتے تھے، جس میں عام طور پر سیاہ زمیں پر سفید سادے پھول بنے ہوتے تھے۔ وہ چست مہرے کا چوڑدار پاجامہ پہنتے، پیروں میں دھندلے شوخ رنگ کا جوتا، جس پر سنہرے کام کا ایک پھول بنا ہوتا اور جس کی نوک اوپر کو مڑی ہوتی۔ اس پر جب وہ انگریز پہن کر کھڑے ہوتے، تو پھر شاندار معلوم ہوتے، یہی کہی جازوں میں وہ عائدہ باندھتے تھے، جس کے پیچ بہت کسے ہوتے تھے اور ان کی ایک بھر کو ڈمک لیتے تھے۔ اس سے وہ چست تو بہت معلوم ہوتے، لیکن خونخوار سے ہو جاتے۔

وہ زنانہ میں سوائے کھالے کے دستانے کے بہت کم آتے تھے۔ وہ اپنی چائے خور بنایا کرتے تھے۔ جب کبھی وہ آتے، تو اپنے آلے کی خور دینے کے لئے زر سے کھاتے، تاکہ عورتوں میں اچانک نہ پہنچ جائیں۔ ان کی آواز سننے ہی بالغ لڑکیوں، بھرتوں اور دوسری بیویاں اپنے ڈوٹے سنہال کر سرور کو ڈمک لیتیں اور ادب سے بیٹھ جاتیں۔ بچے خاموش ہو کر بھاگ جاتے۔ ان کی چال میں تو رعنائی ہمیشہ سے تھی، یہاں تک کہ 76 برس کی عمر میں ان پر لقوہ گرا، اس کے بعد سے وہ برابر بستر پر پڑے رہتے۔ یا تو کسی سے باتیں کیا کرتے یا اپنے غم کھایا کرتے، لیکن ان کی نگاہوں اور آواز میں اب بھی وہی رعب داب تھا۔ ان کے شوق، کیمیا، مچھلی کا شکار، بڑے چینی کے برتنوں کا بھنڈار جمع کرنا، دوائیں تیار کرنا وغیرہ تھے۔ ہر طرح کے فقیر اور صوفی ان کے پاس آہا کرتے تھے اور کہتے ان سے نایب جڑی بوٹیوں کے متعلق باتیں کیا کرتے۔ مکان کا مردانہ حصہ بوندوں سے بھرا ہوا تھا اور ان میں چوڑے بڑے عصبیہ تجزیہ بوندوں کے کاتے دار بوندے تھے، جو ایک کیمیاگر کے سار اور سامان کا حصہ ہونے لگیں۔ الماریوں میں بہت سے پتھر، ہر قسم کی دوائیوں، خشک جڑی بوٹیاں اور پھول بھرے ہوتے تھے۔

دادا ارباب اپنے بستر پر پڑے-پڑے ہی توجہ کیا کرتے اور ہمیشہ نئے نسخے کی تلاش میں رہتے، روز شام کو نوکر جامع مسجد جایا کرنا اور نئی بوٹیاں لاتا۔ لیکن جہاں تک مچھلی یاد ہے، ان کو سونا پالنے

میرے بچپن کی سب سے بڑی یاد جیتی جاگتی تصویر میرے دادا کی یاد ہے۔ وہ ایک بڑی بھاری بھرے بوجھ کے بوجھوں پر اور ان لوگوں میں سے تھے، جو اب قریب قریب ناپاب ہیں۔ برطانوی سامراج کے دور دورے اور آمدنی اور خرچ کے بوجھوں والی طریقوں کے شروع ہونے کے ساتھ ہی جاگیرداری زمانے کے اس طرح کے لوگ اب بہت کم نظر آتے ہیں۔ کہیں کہیں دہلی یا لکھنؤ جیسے شہر کی کسی تنگ گلی میں ہمیں ایسے دے چار لوگ دھائی دے جاتے ہوں۔ وہ اپنے آس پاس کی چیز سے ملے مرز لیتے ہیں اور مغربی تہذیب اور خیال کو ملاحظہ کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان کے چلتے ہوئے شاید ان کو خرد جھینپ معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنے کو کچھ دیکھتے ہوئے زمانے کا محسوس کرتے ہیں۔ غالباً وہ تہذیب کے اس نئے دور کو پسند نہیں کرتے، جو ان پر لا دیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اپنا سر اونچا رکھتے ہیں، شاید یہ سوچ کر کہ وہ بھی کبھی کچھ تھے اور ان کی آنکھوں نے بھی بہت کچھ دیکھا ہے۔ انہوں نے ابھی اپنے لباس کو نہیں چھوڑا ہے اور اب بھی ملبے کا انکڑا اور پرانے طرز کے سرخ رنگ کے چوتے پہنے نظر آتے ہیں۔ ان کی ڈاڑھیاں بنی سادہ اور چڑھی ہوئی ہوتی ہیں، یا بڑی شان سے سفید پر کمری دیتی ہیں۔ ان کی ڈاڑھیاں موایوں کی ان ڈاڑھوں سے جدا ہوتی ہیں، جو گندھی اور اچھی ہوئی ہوتی ہیں اور جن میں کوئی خوبصورتی اور شان نہیں ہوتی۔ پرانے شریفوں کی ڈاڑھی میں ایک شان ہوتی تھی۔ وہ پائے رکھتے تھے، ان میں تھل لگا کر تنکھی سے سلواتے تھے اور پیچ سے مانگ نکالتے تھے۔ دہلی میں وہ کڑی دیوار کی گول کا مدار ٹوپیوں پہنتے اور لکھنؤ میں سفید چکن کی چھوٹی چھوٹی ڈوپیاں، جو ان کے سر پر بچھڑوں پیچ بڑی صفائی سے رہتی تھیں۔

لکھنؤ والوں کی آداب اور ترقی ترقی میں کچھ جنانا پنا پا یا جاتا۔ ان کی چال ڈال میں ایک جنانا لوت ہوتا، جیسا پورانے زمانے کی موہنجودادھ میں پایا جاتا تھا۔ جب وہ سلام کرتے، تو ان کی پتلی کمر بل کھا جاتی، ان کے ہاتھوں کی سی آداب آجاتی۔ یہاں مالوم ہوتا ہے کہ اگر گارڈن کے خم اور نیچے ہاتھوں کی آداب کو ملا کر وہ ہوا میں ایک مہرا بن رہے ہیں۔ اس کے برخلاف دہلی کے لوگوں میں مرادانگی بڑا ہے۔ یہاں پورانے شریفوں کا جیکر کر رہا ہے۔

میرے دادا کا کردار بڑا ہی تھا۔ وہ بڑے ذلیل ذلیل کے تھے اور ان کی روکھدار شاکسیت تھی۔ ان کی داڑھی سفید تھی اور بچہ میں سے بچہ بڑی رہتی تھی۔ ان کا سر گنجا تھا، مگر چاروں طرف سفید اور نرم

میرے بچپن کی سب سے زیادہ جیتی جاگتی تصویر میرے دادا کی یاد ہے۔ وہ ایک بڑی بھاری بھرے بوجھ کے بوجھوں پر اور ان لوگوں میں سے تھے، جو اب قریب قریب ناپاب ہیں۔ برطانوی سامراج کے دور دورے اور آمدنی اور خرچ کے بوجھوں والی طریقوں کے شروع ہونے کے ساتھ ہی جاگیرداری زمانے کے اس طرح کے لوگ اب بہت کم نظر آتے ہیں۔ کہیں کہیں دہلی یا لکھنؤ جیسے شہر کی کسی تنگ گلی میں ہمیں ایسے دے چار لوگ دھائی دے جاتے ہوں۔ وہ اپنے آس پاس کی چیز سے ملے مرز لیتے ہیں اور مغربی تہذیب اور خیال کو ملاحظہ کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان کے چلتے ہوئے شاید ان کو خرد جھینپ معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنے کو کچھ دیکھتے ہوئے زمانے کا محسوس کرتے ہیں۔ غالباً وہ تہذیب کے اس نئے دور کو پسند نہیں کرتے، جو ان پر لا دیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اپنا سر اونچا رکھتے ہیں، شاید یہ سوچ کر کہ وہ بھی کبھی کچھ تھے اور ان کی آنکھوں نے بھی بہت کچھ دیکھا ہے۔ انہوں نے ابھی اپنے لباس کو نہیں چھوڑا ہے اور اب بھی ملبے کا انکڑا اور پرانے طرز کے سرخ رنگ کے چوتے پہنے نظر آتے ہیں۔ ان کی ڈاڑھیاں بنی سادہ اور چڑھی ہوئی ہوتی ہیں، یا بڑی شان سے سفید پر کمری دیتی ہیں۔ ان کی ڈاڑھیاں موایوں کی ان ڈاڑھوں سے جدا ہوتی ہیں، جو گندھی اور اچھی ہوئی ہوتی ہیں اور جن میں کوئی خوبصورتی اور شان نہیں ہوتی۔ پرانے شریفوں کی ڈاڑھی میں ایک شان ہوتی تھی۔ وہ پائے رکھتے تھے، ان میں تھل لگا کر تنکھی سے سلواتے تھے اور پیچ سے مانگ نکالتے تھے۔ دہلی میں وہ کڑی دیوار کی گول کا مدار ٹوپیوں پہنتے اور لکھنؤ میں سفید چکن کی چھوٹی چھوٹی ڈوپیاں، جو ان کے سر پر بچھڑوں پیچ بڑی صفائی سے رہتی تھیں۔

میرے دادا کا کردار بڑا ہی تھا۔ وہ بڑے ذلیل ذلیل کے تھے اور ان کی روکھدار شاکسیت تھی۔ ان کی داڑھی سفید تھی اور بچہ میں سے بچہ بڑی رہتی تھی۔ ان کا سر گنجا تھا، مگر چاروں طرف سفید اور نرم

میرے دادا ابنا

[سن 1857 کے زمانے کے لوگوں کا ایک خاکہ]

پروفیسر احمد علی ایم اے

جیندگی ایک دریا کی طرح بہتی ہے اور اس کے بہاؤ کو کوئی نہیں روک سکتا۔ جب ہم جیندگی کے ایک خاص دور سے لڑتے ہیں، تو اس کے بہاؤ کو دیکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ ہم خود اس کی رو میں بہتے ہوئے ہیں، اس کے بہاؤ میں بہتے ہوئے ہوتے ہیں۔ کچھ چلے جاتے ہیں اور ہم کو زندگی کا یہ بہاؤ محسوس نہیں ہوتا۔ درخت ہوا میں جھومتے ہیں۔ ان کی اچھائی ہوئی پرچہ لٹاں سطح پر اپنا عکس ڈالتی ہیں اور ان پر پتیاں موندھنی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ جنوں کی سطح پر ہماری مثال بھی انہیں توہر تہائی ہوئی پرچہ لٹوں کی طرح ہے۔ مگر دریا بہتا جاتا ہے، ہماری پرچہ لٹوں سے لہروا ہوا ہوں کے ناچ کی طرف بغیر رخ نہ

کبھی کبھی ہمیں یہ خیال آتا ہے کہ ہم کیا ہیں اور کیا ہو سکتے ہیں، لیکن جب توفان سر سے گزر جاتا ہے، تب ہم اپنی نजर اس پر جما سکتے ہیں۔ اسی وقت ہم خیالوں سے آزاد ہو کر اس کی تھیلی جانچ کر سکتے ہیں۔

زندگی ایک جھوٹا درخت ہے، جس کی تصویر کوئی برا نہیں آڈر سکتا۔ ہم تو صرف اس کی زندگی ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ اس کے لہاؤ نے ناچ سے لطف اٹھا لیا ہے۔

گذر جانے کے بعد ہی ہم چیزوں کی کلیڈا اور ان کی تانیچ کر سکتے ہیں ان کی خصوصیتی کو جان سکتے ہیں۔ اس و زبردست گہرائی کو محسوس کر سکتے ہیں۔

زنداشت میں طوفان کی یاد نہیں رہتی۔ راجنیتک وٹھل پٹھل کا نیشان تک نہیں ہوتا اور ہم پر آج کل جو گزر رہی ہے، اس کی یاد ہم سے بہت دور ہوتی ہے۔ کھانے کمانے کے لیے کھانا کھانا، انسانیت کا شاندار زندگی کا شاندار جہوں سیکرام اور اپنی حالت کی بہتری اور حق کے لئے جنگ ہماری یاداشت سے سب بہت دور ہوتے ہیں۔ یاد دل کے سارے زخموں کو بہر دیتی ہے، سب مت بہت مت جاتے ہیں کیونکہ یاد، جو تھکے ہوئے دلوں کو لہریاں نہ کر سکتی ہے، انصاف کو عزیز ہے۔

میرے دادا ابنا

[سن 1857 کے زمانے کے لوگوں کا ایک خاکہ]

پروفیسر احمد علی ایم اے

زندگی ایک دریا کی طرح بہتی ہے اور اس کے بہاؤ کو کوئی نہیں روک سکتا۔ جب ہم زندگی کے ایک خاص دور سے لڑتے ہیں، تو اس کے بہاؤ کو دیکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ ہم خود اس کی رو میں بہتے ہوئے ہیں، اس کے بہاؤ میں بہتے ہوئے ہوتے ہیں۔ کچھ چلے جاتے ہیں اور ہم کو زندگی کا یہ بہاؤ محسوس نہیں ہوتا۔ درخت ہوا میں جھومتے ہیں۔ ان کی اچھائی ہوئی پرچہ لٹاں سطح پر اپنا عکس ڈالتی ہیں اور ان پر پتیاں موندھنی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ جنوں کی سطح پر ہماری مثال بھی انہیں توہر تہائی ہوئی پرچہ لٹوں کی طرح ہے۔ مگر دریا بہتا جاتا ہے، ہماری پرچہ لٹوں سے لہروا ہوا ہوں کے ناچ کی طرف بغیر رخ نہ

کبھی کبھی ہمیں یہ خیال آتا ہے کہ ہم کیا ہیں اور کیا ہو سکتے ہیں، لیکن جب طوفان سر سے گزر جاتا ہے، تب ہم اپنی نजर اس پر جما سکتے ہیں۔ اسی وقت ہم خیالوں سے آزاد ہو کر اس کی تھیلی جانچ کر سکتے ہیں۔

زندگی ایک جھوٹا درخت ہے، جس کی تصویر کوئی برا نہیں آڈر سکتا۔ ہم تو صرف اس کی زندگی ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ اس کے لہاؤ نے ناچ سے لطف اٹھا لیا ہے۔

گذر جانے کے بعد ہی ہم چیزوں کی کلیڈا اور ان کی تانیچ کر سکتے ہیں ان کی خصوصیتی کو جان سکتے ہیں۔ اس و زبردست گہرائی کو محسوس کر سکتے ہیں۔

زنداشت میں طوفان کی یاد نہیں رہتی۔ راجنیتک وٹھل پٹھل کا نیشان تک نہیں ہوتا اور ہم پر آج کل جو گزر رہی ہے، اس کی یاد ہم سے بہت دور ہوتی ہے۔ کھانے کمانے کے لیے کھانا کھانا، انسانیت کا شاندار زندگی کا شاندار جہوں سیکرام اور اپنی حالت کی بہتری اور حق کے لئے جنگ ہماری یاداشت سے سب بہت دور ہوتے ہیں۔ یاد دل کے سارے زخموں کو بہر دیتی ہے، سب مت بہت مت جاتے ہیں کیونکہ یاد، جو تھکے ہوئے دلوں کو لہریاں نہ کر سکتی ہے، انصاف کو عزیز ہے۔



इफ़लास

डाक्टर असर मीनाई

कल सरे राह^१ जमाने ने तमाशा देखा,
 एक इन्सान को फाक्तों से तड़पता देखा.
 पेट तलवार की मानिन्द खिंचा^२ ठोठ तलक,
 ऐसी तस्वीर कि था लर्जा बरअन्दाम^३ फ़लक^३.
 जिन्दगी कर्ब^४ से दम तोड़ रही थी ऐसे,
 राहे उलखत^५ में तड़पता हुआ बिस्मिल^६ जैसे.
 ऐसी तस्वीर का हर शख्स तमाशाई था,
 मरता इन्सान भी जिन्दों का मगर भाई था.
 मौत का था ये तक्काजा^७ कि रगे जाँ न रहे,
 बहरी^८ ताने हुए तलवार कि इन्साँ न रहे.
 बहरे इन्दाद^{१०} कोई दस्ते हमैयत^{११} न बढ़ा,
 और बिस्मिल का उधर ख़ात्मा बिल्खैर^{१२} हुआ.
 मेरे दिल पर वह असर था कि जुन्न^{१३} थी ख़ामोश,
 मुज्जमहिल^{१३} हो गए आज^{१४} कि रहा कोई न होश.
 कितने मुफ़लिस^{१५} यों ही रोखाना मुज्जर जाते हैं,
 यानी इफ़लास^{१६} से बेमौत ही मर जाते हैं.
 कशमक़श^{१७} हाए^{१७} जुन्न^{१३} चाहिये जीने के लिये,
 एक तूफ़ान है दरकार^{१८} सफ़ीने^{१९} के लिये.
 वो जुन्न^{१३} खेजिये^{२०} पैहम^{२१} जो सलासिल^{२२} तोड़े,
 मौजे तूफ़ान है जो सीनए सादिल^{२३} तोड़े.
 अक़ल बेदार^{२४} है इन्सान समरुदार है आज
 अपने बस में है 'असर' ऐसी तबाही का इलाज

افلاس

ڈاکٹر انرمیدائی

کل سر راہ زمانے نے تماشا دیکھا
 ایک انسان کو فاکتوں سے تڑپتا دیکھا.
 پیٹ تلوار کی مانند کھینچا پیٹم تلک
 ایسی تصویر کہ تھا لرزہ براندام^۳ فلک.
 زندگی کرب سے دم توڑ رہی تھی ایسے
 راہ اُلخت میں تڑپتا ہوا بے عمل جیسے.
 ایسی تصویر کا ہر شخص تماشا بنی تھا
 مرنے والا انسان بھی زندگیوں کا مگر بھائی تھا.
 موت کا تھا یہ تقاضا کہ رگ جاں نہ رہے
 وحشی خانے ہوا تلوار، انسان نہ رہے.
 بہر امداد کوئی دستِ حمایت نہ بڑھا
 اور بے عمل کا ادھر خاتمہ بالخیر ہوا.
 میرے دل پر وہ اثر تھا کہ زبان نہیں خاموش
 مضمحل ہو گئے افسانے کہ بھا کوئی نہ ہوش.
 کتنے مفلس بونہی روزانہ گذر جاتے ہیں
 یعنی افلاس سے بے موت ہی مر جاتے ہیں.
 کشمکش^{۱۷} جانوں چاہئے جینے کے لئے
 ایک طوفان ہے درکار سفینے کے لئے.
 وہ جانوں خیزنی بہم جو سلسل نہرے
 موج طوفان ہے جو سینے ساحل توڑے.
 عقل بے دار ہے انسان سجدہ دار ہے آج
 اپنے بس میں ہے 'اثر' ایسی تباہی کا علاج

१—मार्ग में, २—थरिया हुआ, ३—आकाश, ४—बेचैनी, ५—प्रेम, ६—घायल, ७—लगावा, ८—प्राण की नस,
 ९—जङ्गली, १०—सहायता के लिये, ११—सहायता का हाथ, १२—मृत्यु, १३—ढीले, १४—बंग, १५—निर्धन,
 १६—निर्धनता, १७—खींच तान, १८—आवश्यकता, १९—बेड़ा, २०—पागलपन, २१—लगातार, २२—बंधन, २३—तड़
 २४—जाग्रत.

یہ وہ پڑھ بھٹی مٹی تھی جسپر سن 1857 کی آ.جا.دی
نے کائنات کا سیرजन हुआ. एक भोजपुरी कवि इसकी
स्वीर खींचता हुआ कहता है:—

बड़ा अकाल रोम देखा मा बाटे,
बिपता के बादल गढ़गढ़ बोले।
दुखवा के नदिया अगम जल पनिआ,
जुलम के हवा सन सन बोले।

और तब यह ग्रामकवि साहस बटोरकर पेशोनगोई
रता है कि:—

अब तोर नइया न बचिहै बिदेसिया,
'राम नाम सत' अब नदिया में होले।

आज जब हम सन 1857 की आ.जा.दी की लड़ाई का
। साला जश्न, शताब्दी समारोह, मना रहे हैं तो वह
गिनगोई कितना सच बनी हुई है।

[इस लेख के लिखने में हमें भाई प्रकाश चन्द्र जी गुप्त,
। मिठाई लाज जायसवाल, श्री सुरेश सिंह, श्री वचनेश
। श्रीमती सुशीला देवी आदि से अनमोल सहायता मिली
—लेखक]

गुलामी के साथ मानवता की मित्रता

श्री अब्दुलहलीम अन्सारी

आजादी आ गई, आजादी आने के मानी गुलामी
बली गई. लेकिन मालूम ऐसा होता है कि गुलामी के साथ
मानवता भी गई. क्या गुलामी ऐसी ही अच्छी चीज थी
कि मानवता जैसी शुद्ध और सुन्दर चीज को वह अपने साथ
ले जाये या मानवता खुद उसके साथ हो गई केवल उसकी
अच्छाई, के कारण—हागी उसमें जरूर कोई खूबी और
अच्छाई वरना मानवता को तो आजादी का ही साथ देना
चाहिये था. बिना मानवता के आजादी कैसी सूनी सूनी और
बेरीनक सी है! कितना भयानकपन है उसके वातावरन में!

मानवता ने अपने असर से गुलामी को इन्सानियत
के कालिब में ढाला था. तहजीब का जामा पहनाया था.
जब गुलामी मानवता के रक्त रूप में अच्छी तरह ढल गई
तो इसने उससे दोस्ती गाँठी. इसकी दोस्ती भी दो सौ बरस
पुरानी और तारीखी दोस्ती थी. इस पुरानी दोस्ती के नाते
यह उसके साथ हो ली. दोस्ती का हक भी अदा किया और
मशरक़ी रबादारी को भी निभाया. हम ऐसा खयाल भी नहीं
कर सकते थे मगर यह एक नये प्रकार का अनुभव जो हम
को हुआ है उसकी बिना पर कोई शक और शंका की
गुन्जाइश नहीं रह जाती है अब.

یہ وہ پڑھ بھٹی مٹی تھی جس پر سن 1857 کی آزادی
کی کائنات کا سرजन ہوا. ایک بھوجپوری کوی اس کی تصویر
کھینچتا ہوا کہتا ہے:—

بڑا اکال روگ دیسوا ماہاتمہ!
بھٹا کے بادل کو گر ہوا!
دکھوا کے ندیا اکم جل پنہ!
جلم کے عودا سن سن قورہ!

اور تب یہ گرام کوی سامس بتور نہ پیشینگوئی کرتا
ہے کہ:—

اب تور نیا نہ بچہہہ بدیسیا!
'رام نام ست' اب ندیا میں ہولہ!

آج جب ہم سن 1857 کی آزادی کی لڑائی کا سوسالہ
جشن، شہادی سماروہ منا رہے ہیں تو وہ پیشینگوئی سچ
بلی ہوئی ہے.

[اس لہکے کے لکھنے میں ہمیں بھائی پرکاش چندر جی
گہت شری، بھائی لال جیسوال، شری سریش سنگھ، شری وچلوش،
شری مٹی سوشلا دیوی آدی سے انمول سپاہیتا ملی—لہک]

غلامی کے ساتھ مانوتا کی مترتا

شری عبدالحمید انصاری

آزادی آ گئی. آزادی آنے کے معلی غلامی چلی گئی.
لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غلامی کے ساتھ مانوتا بھی گئی. کیا
غلامی ایسی ہی اچھی چیز تھی کہ مانوتا جیسی شدہ اور سلندر
چیز کو وہ اپنے ساتھ لے جائے یا مانوتا خود اُس کے ساتھ ہو گئی
کہول اُس کی اچھائی کے کارن—ہرگی اُس میں ضرور کوئی
خوبی اور اچھائی، ورنہ مانوتا کو تو آزادی کا ہی ساتھ دینا
چاہئے تھا. بنا مانوتا کے آزادی، کسی سونی سونی اور پرورق
سی ہے! کتنا بھانک بن ہے اُس کے دائروں میں!

مانوتا نے اپنے اثر سے غلامی کو انسانیت کے قاب میں ڈھالا
تھا. تہذیب کا جامہ پہنایا تھا. جب غلامی مانوتا کے رنگ
روپ میں اچھی طرح ڈھل گئی تو اُس نے اُس سے دوستی
گنتھی. اُس کی دوستی بھی دو سو برس پرانی اور تاریخی
دوستی تھی. اُس پرانی دوستی کے نااتے یہ اُس کے ساتھ ہو
لی. دوستی کا حق بھی ادا کیا اور مشرقی رواداری کو بھی
نیہایا. ہم ایسا خیال بھی نہیں کر سکتے تھے مگر یہ ایک نئے
پرکار کا انبوہ جو ہم کو ہوا ہے اُس کی بنا پر کوئی شک اور
شکا کی گنتھاں نہیں رہ جاتی ہے اب.

ہوے گھلے گنگال ہو بیدہی تو رہے رجا میں ۔ ٹھک ۔
 سونوا کے ہالے ڈھواں جہنم جہنم رہاں،
 کٹوا کے ڈوکیا کے ہوئے گھلے گنگال ہو ॥ بیدہی تو رہے ॥
 भारत کے لوگ آج دانا بیانا ترسے بہاں ۔

لندن کے کٹا اڑاویں مچا مال ہو ॥ بیدہی تو رہے ॥
 عیسیٰ اکال کی صورت میں سن 57 کی تھریک شروع
 ہوئی۔ اسے دبانے کے لیے کمپنی کی سرکار نے جو . جٹلم
 اور انیٹی کی اس سے تھریک تو دبا دیا، ہندوستانیوں
 کے دل میں ڈر تو بٹ گیا لیکن بھومری دور نہ ہو سکی ۔ رسراج کو کہتے ہیں :—

گدا گناہ، گوارا جڑو، سلاہن میں لیا رہے جگ جانی ۔
 کہتے انانی انانی کیوں، سب ہندو جتا دیہ میں بھج جانی ॥
 دیش کی اس سے کی حالت پر سکالین کو 'پریم دھن'
 کہتے ہیں :—

भागो भागो अब काल पड़ा है भारी
 भारत पे घेरी घटा बिपत की कारी.
 सब गये बनज-व्यापार हतैं सो भागी,
 उद्यम पौरुष नहि दिये बनाय अभागी.
 अब बची खुची खेती हूँ खिखकन लागी,
 बारहुँ दिखि लागी है मेंहगी की आगी,
 सुनिये चिलायँ सब परजा भई भिखारी,
 भागो भागो अब काल पड़ा है भारी.

अंगरेजी राज में भारत की दरिद्रता की एक दूसरी
 साँकी भारतेन्दु के शब्दों में देखें:—

कल के कलबल छलन सों छलै इतै के लोग,
 नित नित धन सों घटत है, बाढ़त हैं दुःख सोग.
 मारकीन मलमल बिना चलत कछु नहि काम,
 परदेसी जुलहान के मानहु भए गलाम.
 वस्त्र काँव कागज कलम चित्र खिलौने आदि,
 आवत सब परदेस सों नितहि जहाजन लादि.

उस जमाने के बंगाली देशभक्त बजाय क्रान्ति के महच्च
 लेकचर और तक्ररीरों के जरिये देश की हालत सुधारने पर
 एतकाद रखते थे. उनपर फत्ती कसते हुए प्रतापनारायण
 मिश्र कहते हैं:—

सर्वस लिये जात अंगरेज,
 हम केवल 'ल्यकचर' के तेज.
 अम बिनु बातें का करती हैं,
 कहुँ टेटकन गाजें टरती हैं.
 अपना काम आपने ही हाथ मल होई,
 परदेशिन परधर्म ते आशा नहि कोई.

ہوئی کٹلے کنگال ہو بیدہی تو رہے رجا میں؛ ٹھک ۔
 سونوا کے ہالے ڈھواں جہنم جہنم رہاں،
 کٹوا کے ڈوکیا کے ہوئے گھلے گنگال ہو ॥ بیدہی تو رہے ॥
 भारत کے لوگ آج دانا بیانا ترسے بہاں،
 لندن کے کٹا اڑاویں مچا مال ہو ॥ بیدہی تو رہے ॥
 عیسیٰ اکال کی صورت میں سن 57 کی تھریک شروع ہوئی۔
 اسے دبانے کے لیے کمپنی کی سرکار نے جو ظلم اور انیٹی کی اس
 سے تھریک تو دبا دیا، ہندوستانیوں کے دل میں ڈر تو بٹ گیا
 لیکن بھومری دور نہ ہو سکی ۔ رسراج کو کہتے ہیں :—
 غدر غفیم غبار اٹھو، ستاون میں سکرے جگ جانی،
 کہتے انانی انانی کیوں، سب ہندو جتا دیہ میں بھج جانی۔

دیش کی اس سے کی حالت پر سکالین کو 'پریم دھن'
 کہتے ہیں :—

بھاگو بھاگو اب کال پڑا ہے भारी
 भारत پر گھیری گھٹا بہت کی گاری .
 سب گئے پنج ویاپار انہوں سو بھاگی
 اُدیم پوروش نہی دیئے بلانے اِہاگی .
 اب بچی کھچی کھیتی ہو کھسکن لاگی
 چار ہوں دس لاگی ہے مہنگی کی آگی .
 سنڈے چلائیں سب پر جا بھئی بھکاری
 بھاگو بھاگو اب کال پڑا ہے भारी .

انگریزی راج میں بھارت کی دردنا کی ایک دوسری
 جھانکی بھارتیلدو کے شبدوں میں دیکھیں :—

کل کے کلبل جہان سوں چلے اِنے کے لوگ،
 نت نت دھن سرگھٹت ہے، بارہت میں دیکھ سوگ .
 مارکین ملل ہنا چلت کچھو نہوں کام،
 پردیسی جٹھن کے مانہو، دھئے غلم .
 وسٹر کانچ کٹھ قلم چتر کھلوے آدی،
 اوت سب پردیس سوں نت میں جہان لادی .

اس زمانے کے ہنگالی دیہی بہت بچانے کرانتی کے محض
 لکچر اور تقریروں کے ذریعہ دیش کی حالت سدھارنے پر اعتقاد
 رکھتے تھے . ان پر پھٹی کستے ہوئے پرتاپ ناراین مشر کہتے
 ہیں :—

سرہس لہ جت انگریز
 ہم کھول 'لکچر' کے تیز .
 شرم بن باتیں کا کرتی ہیں،
 کہوں ٹھٹکن گجھیں ٹرتی ہیں .
 اپلو کام اپنے ہی ہاتھ میں ہوئی،
 پردیشن پردھرمی تے آشا نہیں کوئی .

“جیس مہربانی اور دھیرج کے ساتھ ناتھا اس بات کی
 ہلہائی کر رہا ہے وہ سچ مچ حیرت انگیز ہے۔ وہ ہمارا سب سے
 چتر شہر ثابت ہوا۔ پچھلے ایک برس سے اس نے مدینہ
 بھارت اور مدینہ پردیش میں تہلہ مچا رکھا ہے۔ وہ ہمارے
 فوجی بڑوں کو روک دیتا ہے، خزانوں کو لوٹ لیتا ہے اور ہماری
 مہکزیلوں کو خالی کر دیتا ہے۔ اس نے فوجیں جمع کیں اور
 کھڑی ہوں، لڑائیوں اڑی ہیں اور ہماری ہیں، نہیں حاصل
 کی ہوں اور انہیں کھو یا ہے۔ اس کے فوجی کوچ انہیں تیز
 ہونے میں جیسے بھلی کوندہ جاتے۔ اٹھاروں وہ تیس تیس
 اور چالیس چالیس مول کے حساب سے کوچ کرتا ہے، کبھی
 فرمدا کے اس پار اور کبھی اس پار۔ ہماری درجنوں فوجوں
 کے کبھی وہ بوج سے نکل جاتا ہے، کبھی پیچھے سے اور کبھی
 دائیں سے اور کبھی بائیں سے، کبھی کھڑیوں سے اور کبھی دلدلوں
 سے۔ ہماری آٹھ لاکھ فوج اسے پکڑنے کی کوشش کر رہی ہے پر
 وہ ہاتھ نہیں آتا۔“

ظاہر ہے ایسا ادھت ویر کریں کے لئے پریرنا کا سرورٹ بن
 جاتا۔ لیکن انسپس ہے اب تک ہمیں سوائے ایک کویتا کے
 ناتھا سے سہولت کوئی سکاپین کویتا نہیں ملی۔ کوئی لے جو
 کانہور کا نواسی ہے، بھارت وادیوں سے ناتھا کی پکار عرض کی ہے۔
 کوئی کے شہدوں میں ناتھا کہتے ہیں کہ ایک کمان، ایک چھنڈا،
 ایک حکیمہ انوشاسن کا پانن کرنے سے ہی دیہی کا آدمار ہو
 سکتا ہے۔ ہم دیہی کا مان بھجانے کے لئے اپنی جنوں کو گنوالے
 کے لئے تیار رہیں تبھی دیشیوں کا منکھار ہوگا اور تبھی سچی
 شانتی یا امن قائم ہوگا۔ کھت کے بول ہیں:—

سار ویرو، ناتھا کی پکار ہو !

ایکے نسلوا ہو رام،

ایکے کمنوا ہو رام،

ایکے کھکوا ہو رام،

تہہ دیسوا کے ہوئی آدمار ہو !

جائے یرنوا ہو رام،

بچے دیسوا کے منوا ہو رام،

تہہ چھائی منوا ہو رام،

تہہ ہوئی فرنگیا سلہار ہو !

سوناو ویرو، ناتھا کی پکار ہو !
 ایکے نیسنوا ہو رام،
 ایکے کمنوا ہو رام،
 ایکے کھکوا ہو رام،
 تہہ دیسوا کے ہوئی آدمار ہو !
 جائے یرنوا ہو رام،
 بچے دیسوا کے منوا ہو رام،
 تہہ چھائی منوا ہو رام،
 تہہ ہوئی فرنگیا سلہار ہو !

سن 1757 کی پلاسی کی لڑائی کے بعد 1857 تک
 ईस्ट इन्डिया कंपनी की आर्थिक या इकतसादी नीति ने
 सारे देश को कङ्काल बना दिया था. आये दिन भुखमरी
 और मौत सर पर नाच रही थी. सन 1765 में जब से
 बीवानी के अधिकार कंपनी को मिले थे उसकी लगान नीति
 ने अनगिनत किसानों को खेत छोड़कर भाग जाने पर
 मजबूर कर दिया था. उद्योग-बन्धे नष्ट हो रहे थे और
 क़हत सर पर मंडरा रहा था. देश की इस आर्थिक स्थिति
 की तस्वीर खींचते हुए एक कवि कहता है:—

سن 1757 کی پلاسی کی لڑائی کے بعد 1857 تک ایسٹ
 ہندیا کمپنی کی آرتھک یا اقتصادی نیٹی نے سارے دیہی کو
 کنگال بنا دیا تھا۔ آٹھ دن بھمیری اور موت سر پر ناچ رہی تھی۔
 سن 1765 میں جب سے دیوانی کے ادھیکار کمپنی کو ملے تھے
 اس کی لگان نیٹی نے انکلت کسانوں کو کھیت چھوڑ کر بھاگ
 جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اڈیوگ دھندلے نشٹ ہو رہے تھے
 اور قحط سر پر منڈرا رہا تھا۔ دیہی کی اس آرتھک استھیتی
 کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک کوئی کہتا ہے:—

مध्य भारत پر انگریزوں نے جب فیر سے کڑوا کیا اور نئیجے میں دیہی دسوں کو ظام پہلے پڑے، اسے مالوئی لوگ، گیتوں میں ایک 'آنت' اور 'کالی بدلی' کہہ کر یاد کیا گیا ہے :-

دیس پر آفٹ اہنگی ہو،
دیس پر آفٹ اہنگی ہو،
ہوہو فیرنگی راج،
بادلی کالی چھنگی ہو۔

آزادی کی جگہ میں جب اپنی تانکھت کو کاہی نہیں سمجھا گیا تو دیہی دیہاتوں کی مدد کے لئے بھی دعا مانگی گئی۔ اس طرح کی ایک مثال ہمیں مدھیہ پردیش کے کوی کے ہول میں ملتی ہے۔ بابو کنور سنگھ کے پروتساہن سے جاپور کے گوند راجہ شکر شاہ اور ان کے جیتے ہمار میدان جنگ میں کود پڑے۔ کوی ان کی کامیابی کے لئے کالی مائی سے پراپت کرنا اور کہتا ہے کہ شکر شاہ کا ایک ایک سوہی ایسا طاقتور بن جائے کہ ہزار دشمنوں کا مقابلہ کر سکے۔ ہول کے شبد ہیں :-

دیس پر آفٹ اہنگی ہو،
دیس پر آفٹ اہنگی ہو،
ہوہو فیرنگی راج،
بادلی کالی چھنگی ہو۔

آزادی کی جنگ میں جب اپنی طانت کو کٹی نہیں سمجھا گیا تو دیہی دیہاتوں کی مدد کے لئے بھی دعا مانگی گئی۔ اس طرح کی ایک مثال ہمیں مدھیہ پردیش کے کوی کے ہول میں ملتی ہے۔ بابو کنور سنگھ کے پروتساہن سے جاپور کے گوند راجہ شکر شاہ اور ان کے جیتے ہمار میدان جنگ میں کود پڑے۔ کوی ان کی کامیابی کے لئے کالی مائی سے پراپت کرنا اور کہتا ہے کہ شکر شاہ کا ایک ایک سوہی ایسا طاقتور بن جائے کہ ہزار دشمنوں کا مقابلہ کر سکے۔ ہول کے شبد ہیں :-

تو ہے شکر وناشن مائی
در شکر وناشن مائی
شکر شاہ ہے داس تہارا
داس کا رکھ لے مان مائی
آج فونگی ہونگے نہ پائے
کہہ کر میں تہارا مائی
شکر کا ایک ایک سوہیا
کر تو اسے ہزار مائی
ماں کا کاہلہ رن چلتی
بہہ روہر کی دھار مائی
اب دیہی کا کلم نہیں ہے
بھارت کرے پکار مائی
سن کر آرت کرہار مائی
اب تو لے اوتار مائی

کالکا نے کوی کی پکار سنی یا نہیں لیکن ہلیدان کی دیہی نے شکر شاہ کی پکار سنی۔ جاپور کے پریڈ کے میدان میں شکر شاہ اور ان کا پتر اور سوہیوں دیہی بہت سیلک توپ کے منہ سے ہالہتر آرا دئے گئے۔ جن لوگوں نے اس نظارے کو دیکھا ہے وہ سوہیا کرتے ہیں کہ شکر شاہ اور ان کے ساتھی جب توپ کے منہ سے آرائے گئے تو ان کے ہوتوں پر مسکرات تھی۔

اتھاس لہیک سرجان کے کے انوسار تانیا فوہ، سنگرام کے قابل سے قابل سہسلازوں میں سے تھے۔ آزادی کی لڑائی شروع ہونے سے لیکر اپنی پانسی کے دن تک، یعنی 18 اپریل سن 1859 تک تانیا ہلا رکے اور ہلا تھمے انگریز حکومت سے مورچہ لہتے رہے۔ 17 جنوری سن 1859 کو لندن ڈائمس نے لکھا تھا :-

راجستان میں سن 1857 کی آزادی کی تحریک کے नेता آڈوا جاگیر کے ٹاکور .خوشحالسیدھ थे. مارواڑ کے اس خطہ میں، ہولی کے موقع پر، آڈوا ٹاکور کے یاشا-گان کی پुरانی ڈھن اب بھی سنائی دیتی ہے :-

ٹول باجے، ڈالی باجے، مہلو باجے بانکیو،
اجڑت نے آو مارنے درواجے ناکیو،
جئے آڈو،
ہے آو جئے آڈو، آڈو مٹکوں میں باو آو،
جئے آڈو.

راجستان میں سن 1857 کی آزادی کی تحریک کے नेता آڈوا جاگیر کے ٹاکور خوشحال سنگھ تھے. مارواڑ کے اس خطہ میں، ہولی کے موقع پر، آڈوا ٹاکور کے یاشا-گان کی پورانی ڈھن اب بھی سنائی دیتی ہے :-

ٹھل باجے، ٹھالی باجے، بھلو باجے بانکیو،
اجڑت نے آو مارنے درواجے نا کھو .
جئے آڈو،
ہے آو جئے آڈو، آڈو ملک میں چارو آو،
جئے آڈو.

25 اگست سن 1857 کو یرنپورا اور ڈیسا کی ہندوستانی فوجوں نے بغاوت کردی اور اراد سے ہو کر کوچ شروع کیا. ان فوجوں نے خوشحال سنگھ کو ایذا نہیں اور ٹھانڈا کیا. جودھپور کے راجا نے پولیسٹا ایجنٹ، سرہیلاری لائسنس، کو فوجی مدد بھیجی. دہلی بہت تھکانداروں اسوہ میں گرا، آلیاواس، لمبیا اور بھولیا اور سامنتوں میں میوا کے سلیمبر و روپ نگر کے سامنتوں نے خوشحال سنگھ کا ساتھ دیا. جودھپور کا پولیسٹا ایجنٹ کھیتن مہشن فوج لیکر آڈوا گیا لیکن مارا گیا. انگریزی سفارت نے آڈوا پر پھر دھاوا بولا لیکن خوشحال سنگھ کے آگے اس کی ایک نہ چلی. دشمن کے دو ہزار سینک ڈم آئے. انگریزوں کی اس ہار نے آڈوا کو سن 57 کے آزاد ہندستان کے نقشہ میں چمکا دیا. اجمہر، نصیرآباد، ٹومچ اور مٹو کی چھوٹیوں کی ہندوستانی فوجوں نے آزادی کا بگل بجا کر آڈوا کی طرف کوچ کیا. لیکن ان فوجوں کے پہونچنے کے پہلے ہی تیسری بار نے زبردست حملہ میں مہاراجہ جودھپور کی مدد سے آڈوا کی پرانی گدھی دھول میں ملا دی گئی. خوشحال سنگھ نے جنگوں میں پہونچ کر چھاپا مار لڑائی کا طریقہ اختیار کیا. کوٹھاریا کے رات جودھ سنگھ نے خوشحال سنگھ کا پورا ساتھ دیا. راجستان کے نکالنے چارن کوہوں نے خوشحال سنگھ کی کھرتی کو گٹوں گاڑوں میں پہونچا دیا. انہوں کا ایک دوا

25 اگست سن 1857 کو یرنپورا اور ڈیسا کی ہندوستانی فوجوں نے بغاوت کردی اور اراد سے ہو کر کوچ شروع کیا. ان فوجوں نے خوشحال سنگھ کو ایذا نہیں اور ٹھانڈا کیا. جودھپور کے راجا نے پولیسٹا ایجنٹ، سرہیلاری لائسنس، کو فوجی مدد بھیجی. دہلی بہت تھکانداروں اسوہ میں گرا، آلیاواس، لمبیا اور بھولیا اور سامنتوں میں میوا کے سلیمبر و روپ نگر کے سامنتوں نے خوشحال سنگھ کا ساتھ دیا. جودھپور کا پولیسٹا ایجنٹ کھیتن مہشن فوج لیکر آڈوا گیا لیکن مارا گیا. انگریزی سفارت نے آڈوا پر پھر دھاوا بولا لیکن خوشحال سنگھ کے آگے اس کی ایک نہ چلی. دشمن کے دو ہزار سینک ڈم آئے. انگریزوں کی اس ہار نے آڈوا کو سن 57 کے آزاد ہندستان کے نقشہ میں چمکا دیا. اجمہر، نصیرآباد، ٹومچ اور مٹو کی چھوٹیوں کی ہندوستانی فوجوں نے آزادی کا بگل بجا کر آڈوا کی طرف کوچ کیا. لیکن ان فوجوں کے پہونچنے کے پہلے ہی تیسری بار نے زبردست حملہ میں مہاراجہ جودھپور کی مدد سے آڈوا کی پرانی گدھی دھول میں ملا دی گئی. خوشحال سنگھ نے جنگوں میں پہونچ کر چھاپا مار لڑائی کا طریقہ اختیار کیا. کوٹھاریا کے رات جودھ سنگھ نے خوشحال سنگھ کا پورا ساتھ دیا. راجستان کے نکالنے چارن کوہوں نے خوشحال سنگھ کی کھرتی کو گٹوں گاڑوں میں پہونچا دیا. انہوں کا ایک دوا

تھر دن اڑیاں رگتے، ندیہ پور پورگو نام،
آڈو کھوسیاں ہل، گارے گاسو گم.

خوشحال سنگھ کے ساتھ ساتھ جودھ سنگھ کی بھی تعریف راجستھانی کویوں نے گائی. بانکی کا ایک چھپتہ سلیں :-

مارے دوہہ اجڑت کھوں سرو دھر روکھو،
پھر پھرچاں چھوں آو، چور انگریجاں دیوہو .
منکڑاں بیچ پھر تو، سہر سلیمبر آو،
سرونا رات سلیں، کتھن نگر کے واہو .
پلتیا دیو دوجی دسا، سکا سرب ہی پلتیا،
کم دھپ کھو سال چانٹا ملک، رات چوہے رکھو.

خیر رانہ اڈیاں یوگیا، نچپور پوگو نام،
آڈو خوسیاں ہل، گارے گاسو گم.
خوشحالسیدھ کے ساتھ ساتھ جودھسیدھ کی بھی تعریف راجستھانی کویوں نے گائی. بانکی کا ایک چھپتہ سلیں :-

مارے دوہہ اجڑت کھوں سرو دھر روکھو،
پھر پھرچاں چھوں آو، چور انگریجاں دیوہو .
منکڑاں بیچ پھر تو، سہر سلیمبر آو،
سرونا رات سلیں، کتھن نگر کے واہو .
پلتیا دیو دوجی دسا، سکا سرب ہی پلتیا،
کم دھپ کھو سال چانٹا ملک، رات چوہے رکھو.

یعنی تم نے تو ویدیشوں کی فرمانبرداری کو ہی سب کچھ مان لیا۔ آزادی کا اپنا راستہ ہو مگر اُن کے ہتائے ہوئے راستے کو ہی اپنا راستہ سمجھ لیا۔ ارے شور ویدو! تم نے اُس اور عیسیٰ و گرام میں ہی ایلی عمر کھو دی!

करते हैं, उनके बिहार पहुँचने पर एक के बाद एक मशहूर अंगरेज कमान्डरों के मातहत अङ्गरेजी सेनायें उन्हें हराने के लिये भेजी जाती हैं, कप्तान इनवर, मेजर आयर, मेजर मिलमैन, कर्नल डेम्स, लार्ड मार्क, जनरल लगर्ड, जनरल डगलस, और जनरल लीमैड—सब को जिल्लत के साथ हारकर पीछे हटना पड़ा. इनमें से एक मोरचे का जिक्र करते हुये एक अंगरेज कमान्डर खुद लिखता है—“हम मैदान छोड़कर भागे. कुँअर सिंह पंछ से बराबर हमला करते रहे. हमारी जिल्लत की कोई हद नहीं रही, हमारी बिपता का वारापार न रहा. हममें से किसी में शर्म तक बाक़ी न रही. जिधर जिसका सींग समाया वह उधर भागा. बाहिर है ऐसा रणबाँकुरा बहादुर वीर कवियों का ध्यान अपनी तरफ खींचता. भोजपुरी में दर्जनों कविताएँ हैं जो कुँअर सिंह पर लिखी गई हैं. कवि शेखावत के बाल देखें:—

जानत सकल जहान बाबू कुँअरसिंह मरदान को,
शेखावत कहत बखान जेहि बिधि लख्यो फिरंग से.

चरबी के कारतूस का जिक्र करते हुये कुँअर सिंह अपने भाई अमर सिंह से जो कुछ कहते हैं वह एक दूसरे कवि के बोल में देखें:—

लिखि लिखि पतिया के भेजलन कुँअरसिंह,
ए सुन अमर सिंह, अमर सिंह भाय हो राम !
चमचा के टोक्वा दाँत से हो काटे कि,
छतरी के धरम नसाय हो राम !!
बाबू कुँअरसिंह ओ भाई अमरसिंह,
दोनों अपने हैं भाय हो राम !
बतिया के कारन से बाबू कुँअरसिंह,
फिरंगी से रेव बचाय हो राम !!

बाबू कुँअरसिंह की तरह महारानी लक्ष्मीबाई भी पिछली एक सदी से आजादी के दीवानों के लिये उम्मीदों का सरचश्मा साबित हुई हैं. रानी लक्ष्मीबाई ने मैदाने जङ्ग में आठ आठ अंगरेजी सेनाओं का बहादुरी के साथ मुकाबला किया. एक तरफ मशहूर अंगरेज जनरल और दूसरी तरफ बाईस बरस की रानी ! मगर उसने वह बहादुरी दिखाई कि बड़े से बड़े अंगरेज सूरमा के दाँत खट्टे कर दिये. आखिर में ग्वालियर के मैदान में रानी लड़ते लड़ते खेन रही मौत की देवी ने रानी के गले में जयमाला डाली. भारत की विविध भाषाओं के कवियों का रानी ने अपनी आर खींचा है. कुँअरसिंह के गाँव-गाँव में चारणों और हरबोलों ने रानी की कीर्ति गाथा गई है. इनमें से एक गीत की लाइनें ये हैं:—

लख लखी मरदानी, अरे माँझी वाली रानी,
बुरजन बुरजन तोयें लगाव दई, गोला चलाए आसमानी,
अरे माँझी वाली रानी, लख लखी मरदानी.

करते हैं. उन के भार पहुँचते पर एक के बाद एक मशहूर अंगरेज कमान्डरों के मातहत अङ्गरेजी सेनायें उन्हें हराने के लिये भेजी जाती हैं. कप्तान इनवर, मेजर आयर, मेजर मिलमैन, कर्नल डेम्स, लार्ड मार्क, जनरल लगर्ड, जनरल डगलस, और जनरल लीमैड—सब को जिल्लत के साथ हारकर पीछे हटना पड़ा. इनमें से एक मोरचे का जिक्र करते हुये एक अंगरेज कमान्डर खुद लिखता है—“हम मैदान छोड़कर भागे. कुँअर सिंह पंछ से बराबर हमला करते रहे. हमारी जिल्लत की कोई हद नहीं रही, हमारी बिपता का वारापार न रहा. हममें से किसी में शर्म तक बाक़ी न रही. जिधर जिसका सींग समाया वह उधर भागा. बाहिर है ऐसा रणबाँकुरा बहादुर वीर कवियों का ध्यान अपनी तरफ खींचता. भोजपुरी में दर्जनों कविताएँ हैं जो कुँअर सिंह पर लिखी गई हैं. कवि शेखावत के बाल देखें:—

जानत सकल जहान बाबू कुँअरसिंह मरदान को,
शेखावत कहत बखान जेहि बिधि लख्यो फिरंग से.

चरबी के कारतूस का जिक्र करते हुये कुँअर सिंह अपने भाई अमर सिंह से जो कुछ कहते हैं वह एक दूसरे कवि के बोल में देखें:—

लेह लख पतिया के भेजलन कुँअरसिंह,
ए सुन अमर सिंह, अमर सिंह भाय हो राम !
चमचा के टोक्वा दाँत से हो काटे कि,
छतरी के धरम नसाय हो राम !!
बाबू कुँअरसिंह ओ भाई अमरसिंह,
दोनों अपने हैं भाय हो राम !
बतिया के कारन से बाबू कुँअरसिंह,
फिरंगी से रेव बचाय हो राम !!

बाबू कुँअरसिंह की तरह महारानी लक्ष्मीबाई भी पिछली एक सदी से आजादी के दीवानों के लिये उम्मीदों का सरचश्मा साबित हुई हैं. रानी लक्ष्मीबाई ने मैदाने जङ्ग में आठ आठ अंगरेजी सेनाओं का बहादुरी के साथ मुकाबला किया. एक तरफ मशहूर अंगरेज जनरल और दूसरी तरफ बाईस बरस की रानी ! मगर उसने वह बहादुरी दिखाई कि बड़े से बड़े अंगरेज सूरमा के दाँत खट्टे कर दिये. आखिर में ग्वालियर के मैदान में रानी लड़ते लड़ते खेन रही मौत की देवी ने रानी के गले में जयमाला डाली. भारत की विविध भाषाओं के कवियों का रानी ने अपनी आर खींचा है. कुँअरसिंह के गाँव-गाँव में चारणों और हरबोलों ने रानी की कीर्ति गाथा गई है. इनमें से एक गीत की लाइनें ये हैं:—

लख लखी मरदानी, अरे माँझी वाली रानी,
बुरजन बुरजन तोयें लगाव दई, गोला चलाए आसमानी,
अरे माँझी वाली रानी, लख लखी मरदानी.

موت سے تمہارے پتا کو بڑا رنج ہوگا۔“ لال پرتاپ نے جواب دیا —
 ”چاچا! جی میں اپنے پتا کو جانتا ہوں۔ میرے مرنے پر نہیں بلکہ
 میرے لوت جانے پر اُنہیں دکھ ہوگا۔ آپ سوہ میں پڑ کر مجھے
 فرض ادا کرنے سے نہ روکوں۔“ یہ کہہ کر وہ بہادر نوجوان تلوار لیکر
 دشمنوں پر ٹوٹ پڑا اور لڑتے لڑتے دیر گئی پائی۔ چاندی کی
 اس مشہور لڑائی کا بہان اُس کے سامنے کے جن کوئی پراگ نے
 اپنے اس چہل قدمی کیا ہے —

شریمان لال پرتاپ چاندی میں جریو رندھیر ہے،
 ہانکے ہانکے ہانکے کے سنگ میں سپاہی دیر ہے !
 پایو حکم جب لال کو، دھاپو منی ہے کال کو،
 لیلو چھو دس گھڑ کے دیلو سمورچا پھور کے !
 بچھو نقاری ندال ہے، کر میں گڑھ کروال ہے،
 لیلو طمنچہ تمک کے برجھی چھدلی کل ہے !
 مادھو بڑو رندھیر ہے، پھرے کوسریا چدر ہے،
 مارو مرو مہدان میں مرکو نہ مورچا دیر ہے !
 گورے جھمکے چھو اور سے، دھاوا کریں ہو جڑ سے،
 تڑپیں جنجالیں پھتہیں آری انکنا سر کوٹکیں !
 موہرا پریو پرتاپ کو آر کھن بھرن تاپ کو،
 اُیسے پرتابی لال ہے پرتھو جو بھرن کل ہے !
 پھوشن بسٹھ ہنس کو چھوٹا رھو مانوہنس کو،
 حکمی رھو ہنومنٹ کو چھاپو سدا شرو کت کو !
 سو چلی گڑھ سر دھام کو کوی گڑھ چک نام کو،
 ہرداولی یہ چھند ہے کوی پراگ کرت یرہندہ ہے !

سن 1857 کے स्वाधीनता सप्ताम के महारथियों में
 जगदीशपुर के 80 बरस के बाबू कुँआर सिंह का नाम हमेशा
 इज्जत से लिया जायगा। जिस समय दानापुर की हिन्दु-
 ستानी सेना जगदीशपुर पहुँची बूढ़े कुँआर सिंह ने फौरन
 अपने महल से निकल कर इस सेना की कमान शाय में ले
 ली। उस दिन से लेकर 26 अप्रैल सन् 1858 तक, यानी
 अपनी शानदार मौत के दिन तक, कुँआर सिंह एक कतहयाब
 सेनापति के रूप में उम इनक़ताब की जङ्ग में हिस्सा लेते
 हुये दिखाई देते हैं। शाहाबाद, आरा, आजमगढ़, गाजीपुर
 विजय करते हुये कुँआर सिंह रीवाँ की सरहद तक पहुँच
 जाते हैं। उन्हीं इस विजय-यात्रा से बनारस में बैठा हुआ
 लार्ड कैनिंग घबरा जाता है। जबलपुर के राजा शंकरशाह
 कुँआरसिंह का पैगाम मिलते ही मैदान में उतर आते हैं।
 रीवाँ से कुँआर सिंह कालपी पहुँचते हैं। वहाँ तात्या टोपे,
 लक्ष्मी बाई, राव साहब, नाना साहब से उनकी मुलाकात
 होती है। कालपी से कुँआर सिंह लखनऊ आते हैं। बेगम
 हजरत महल से मुलाकात करते हैं और तब वापस आरा
 पहुँचते हैं। सैकड़ों मील के इस जङ्गी कूच में अंगरेजी फौजों
 की हिम्मत नहीं पड़ती कि वे कुँआर सिंह से मोरचा लें। कुँआर
 सिंह वापस बिहार पहुँच कर दोबारा जगदीशपुर पर कब्ज़ा

سن 1857 کے سوانہیفتا سہرام کے مہارنہوں میں جگدیش
 پور کے اسی برس کے بابو کنور سنگ کا نام ہمیشہ عزت سے لیا
 جائیگا۔ جس سمنے داناپور کی ہندستانی سینا جگدیش پور
 پہونچی ہوئے کنور سنگ نے فوراً اپنے محل سے نکل کر اُس سینا
 کی کمان ہانہ میں لے لی۔ اُس دن سے لیکر 26 اپریل سن
 1858 تک، یعنی اپنی شاندار موت کے دن تک کنور سنگ ایک
 فتکھاب سیناپاتی کے روپ میں اُس انقلاب کی جنگ میں
 حصہ لیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ شاہاباد، آرا، اعظم گڑھ،
 فازی پور وجئے کرنے ہوئے کنور سنگ ریواں کی سرحد تک پہنچ جاتے
 ہیں۔ اُن کی اس وجئے یاत्रا سے بنارس میں بیٹھا ہوا لارڈ کیننگ
 گھبرا جاتا ہے۔ جبپور کے راجہ شکر شاہ کنور سنگ کا پیغام
 ملنے ہی میدان میں اُتر آتے ہیں۔ ریواں کے کنور سنگ کا بھی
 پہونچتا ہے۔ وہاں تاتیاتوپے، لکشمی بائی، راؤ صاحب
 ناتا صاحب سے اُن کی ملاقات ہوتی ہے۔ کالپی سے کنور سنگ
 لکھنؤ آتے ہیں۔ بیگم حضرت محل سے ملاقات کرتے ہیں اور تب
 واپس آرا پہونچتے ہیں۔ سیکڑوں میل کے اس جنگی کوچ میں
 انگریزی فوجوں کی ہمت نہیں بڑھتی کہ یہ کنور سنگ سے مورچہ
 لیں۔ کنور سنگ واپس بہار پہونچکر دوبارہ جگدیش پور پر قبضہ

نہروں اور جھنڈوں میں سن اٹھارہ سौ सत्तावन

राजा बलानों में गोडा के देखी बकस महाराज रहे,
असी चार चौरासी कोस माँ आको डंका बाजि रहे !
गोडा से पाती नै झोड़ी, झोड़ी के राजा रामलला,
साथ हमारा दीवै राजा, हमरे राज माँ चोर हला !
कहीं कहीं का चलै सौँझिया, कहीं कहीं चलते हाथी,
देस-देस औ गौँव-गौँव में, राजा लिख भेजी पाती !

यकदम से धावन पहुँच गया मानो यकीन है,
गोडा सहर से झोड़ी मंजिल तीन है !
गोडा सहर से पलटन चलिगै लमती कहै तकाय रहे,
तम्सुक ऊपर तम्सू गजिगै तम्सू-तम्सू छाई रहे !
जाय फौज लमती माँ पहुँची मार-मार डिडियाय रहे,
पक्का यक-यक मन का गोला सौँचा माँहि डराय रहे !

फौज के मानसिंह औ तोप के पुरैया,
दागे तोप दइव अस गरजै फाटि करारा नैया !
हज्जारों गोरा बहि गये चिल्लते बघा दैयू,
अंगरेज कै नेम बोलो राजा धनिधनि तोरी मैया !

भागि चलो बिल्लाहत साहव राजा से पार न पैया,
मैया परमेसुर का लम्बा हाथ !

सन 57 के इतिहास में कालाकाँकर की भी एक खास जगह है, जिस वक्त आजादी की जङ्ग चल रही थी कालाकाँकर की हुकूमत राजा हनुवन्त सिंह के हाथों में थी। अवध के नबाब के यहाँ उनका खास मान दान था। एक ओर वह अंगरेजों के पक्के शत्रु और बेगम हजरत महल के बफादार जागीरदार लेकिन दूसरी ओर उन्होंने 32 असहाय अंगरेज औरतों और बच्चों को अपने महल में शरण देकर उन्हें सुरक्षित इलाहाबाद भिजवा दिया। बेगम हजरत महल ने राजा हनुवन्त सिंह के सुपुर्द किया कि जब अंगरेजी फौज मुजतानपुर से लखनऊ की ओर बढ़े तो राजा हनुवन्तसिंह अमेठी की फौजों के साथ मिलकर उससे मोरचा लें।

राजा हनुवन्तसिंह के जेठे बेटे 26 बरस के लाल प्रताप सिंह कालाकाँकर की सेना के सेनापति थे। राजा ने अपने बेटे को मोरचे के लिये रवाना किया। अपनी जवान बीवी और आठ बरस के बेटे को छोड़कर प्रताप सिंह चले। उनको अकेले जाते देखकर उनके चाचा माधो सिंह भी उनके साथ हो लिये। मुजतानपुर में चाँदा नामक मुकाम पर अंगरेजी फौज के साथ उनकी घमासान लड़ाई हुई। उस लड़ाई का उस ज़माने के एक कवि ने इन लयजों में जिक्र किया है :—

कालाकाँकर के बिसनवा रे,
चाँदे गावे बा निसनवा रे !

अंगरेजी फौज की तादाद बहुत ज्यादा थी। हालत बिगड़ती देखकर चाचा ने कहा—“बेटा ! मैं दुरामनों की बाढ़ को रोकता हूँ तुम कालाकाँकर वापस चले जाओ, तुम्हारी

نظموں اور چیلوں میں سن اٹھارہ سو ستاون

راجا بھانوں میں گونڈہ کے دیوی بکس مہاراج رہے,
اسی چار چوراسی کوس ماں جاگو ڈنکا باج رہے !
گونڈا سے پاتی گئی جہانسی, جہانسی کے راجا رام لا,
ساتھ ہمارا دیوے راجا, ہمارے راج ماں چور ہلا !
کہیں کہیں کا چلوں سانڈیا, کہیں کہیں چلتے ہالہی,
دیس دیس او گلوں گلوں میں, راجا لکھ بھجی پاتی !
یہ دم سے دھارن پہونچ گیا مانو یکن ہے,
گونڈا سہر سے جہانسی منزل تین ہے !

گونڈا سہر سے بلتن چاٹکے نکلیں کہیں نکلتے رہے,
تک اور تمو گزیکٹے تمو تمو چھوٹے رہے !
جائے فوج اپنی ماں پہونچتی مار مار ڈنڈ پائے رہے,
پکا یک یک من کا گولا سانچا مانہی تھرائے رہے !

فوج کے ماں سنگھ اور توپ کے پوریا,
داگہ توپ دیو اس گرچے پھائی جہارا نیا !

ہجزاروں گوارا پی کی چلاتے پھا دیا,
انگریج کٹے نیم ہوو راجا دھن دھن توی میا !
بھگ چلے بلاڈت صاحب راجا سے پار نہ پیا,
پویا پریمسور کا امبا ہاتھ !

سن 57 کے اِس اِس میں کالا کا نکر کی بھی ایک خاص جگہ ہے۔ جس وقت آزادی کی جنگ چل رہی تھی کالا کا نکر کی حکومت راجا ہنزت سنگھ کے ہاتھوں میں تھی۔ اردہ کے فوج کے یہاں اُن کا خاص مان دان تھا۔ ایک اور وہ انگریزوں کے یکم شہر اور بیگم حضرت محل کے وفادار جاگیردار لوگوں دوسری اور انہوں نے 32 اسپاہی انگریز عورتوں اور بچوں کو اپنے محل میں شہر دیکر انہیں سرکشت الہ آباد بھجوا دیا۔ بیگم حضرت محل نے راجا ہنزت سنگھ کے سپرد کیا کہ جب انگریزوں فوج سلطانپور سے لکھنؤ کی اور بڑھ تو راجا ہنزت سنگھ اہلی کی فوجوں کے ساتھ ملکر اُس سے مورچا لیں۔ راجا ہنزت سنگھ کے چیلے دتہ 26 برس کے لال پرتاب سنگھ کالا کا نکر کی دینا کے سوا بقی تھے۔ راجا نے اپنے بیٹے کو مورچہ کے لئے روانہ کیا۔ اپنی جوان بیوی اور آٹھ برس کے بیٹے کو چھوڑ کر پرتاب سنگھ چلے۔ اُن کو اکیلے جاتے دیکھ کر اُن کے چاچا مادھو سنگھ ہی اُن کے ساتھ ہوئے۔ سلطانپور میں چاندا نامک مقام پر انگریزی فوج کے ساتھ اُن کی کھاسان لڑائی ہوئی۔ اُس لڑائی کا اُس زمانہ کے ایک کوہ نے اُن لفظوں میں ذکر کیا ہے :—

کالا نکر کے بسنوا رہے,
چاندے گلے ہانسنوا رہے !

انگریزی فوج کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ حالت بگڑتی دیکھ کر چاچا نے کہا—“بیٹا ! میں دشمنوں کی بارہ کو روکتا ہوں تم کالا کا نکر واپس چلے جاؤ۔ تمہاری

جی ہیں پھرت پھرت سی تمام توپ توڑوالو،
کوت جٹی ہیں قابل کمال فوج ہانا تے۔

دھڑ جیہہ دیش کو دیمار، چور جھڑ جیہہ،
لٹ جیہہ لاکھن کو مال توپ خانہ تے۔

بہن کوی کہت خدائے کی خبر کرو،
پہچھ پچھناؤ گئے خراب خن خانہ تے۔
بہن کی بلیکا سہارنیں ایکانت کنت،
کچھ نہ رار بھلی مادھو بکس رانا تے !

انگریزی عورتوں اپنے پتھوں کو ایکانت میں سمجھاتی
ہیں کہ—”ساجن ! بھلی مادھو بکس رانا سے لڑائی نہ
چھیڑئے !“

بہرآگدہ سڈیلا کے نچدیک ایک جاگیر تھی۔ گولاہ
سیدھ اس کے دیوان تھے۔ 1857 کے ہنگامہ کے شروع ہوتے ہی
گولاہ سیدھ نانا ساہب سے جا ملے کائنات میں انھوں نے نانا
ساہب انگریزوں سے لڑائی لڑی۔ پھر ان کی فوج کے ساتھ
گولاہ سیدھ نے لکھنؤ میں انگریزی فوج سے مورچہ لیا۔
فرنگی ان کے خون کے پھاسے بن گئے۔ ایک دن جب وہ
اپنی گڑھی میں لڑتے تو انگریزی سپاہی نے انہیں راتوں
رات آگ لگا دی۔ گولاہ سیدھ ایسے لڑے کہ انگریزی فوج کو پچھ
ہٹنا پڑا۔ ان کے اس یدے کو ایک کوی نے اپنی جاندار کریم
میں بیان کرتے ہوئے کہا ہے :—

گولاہ سیدھ ایسے لڑے،

جیسے لکھا میں لڑے ہنومان !

شاہست خاں نے دیکھ کر انگریزی فوج کو پھرت پھرت کر کے
بہرآگدہ آتی ہے۔ انگریزی فوج کا کماندار گولاہ
سیدھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ وہ گولاہ سیدھ کو ملنے
کی بات دیتا ہے۔ اس وقت پر ایک کوی کے بول ہیں —

راجا گولاہ سیدھ رہیا توہی دھڑ،

ایک بار درش دیکھاوا رے !

اپنی گڑھی سے یہ بولے گولاہ سیدھ،

خون رے ساہب موری بات رے !

پیدل بھی مارے، سوار بھی مارے،

ماری توہی فوج بدھساہب رے !

باکے گولاہ سیدھ رہیا توہی دھڑ،

ایک بار درش دیکھاوا رے !

گولاہ سیدھ کے بعد رات کے آدھے میں اپنے ایک
بھائی کو لے کر گولاہ سیدھ نے گڑھی
چھوڑ دی۔ بہرآگدہ کے پچھلے بائیں کا دھنا بن گیا۔ وہیں سے
گولاہ سیدھ جو گایا ہوئے تو پھر ان کا پتا نہیں چلا۔

راجا بھنی مادھو سیدھ اور گولاہ سیدھ کی طرح گولڈا کے راجا
انگریزی فوج کے ساتھ ان کی بھارتیوں کے ساتھ انگریزی سپاہیوں سے
لڑے کہ انہوں نے اپنی دھرتی سے جن میں کو مرہ لیا۔ ان کی
تعریف کرتے ہوئے ایک سکالین کوی کہتا ہے :—

جی ہیں پھرت پھرت سی تمام توپ توڑوالو،

کوت جٹی ہیں قابل کمال فوج ہانا تے۔

دھڑ جیہہ دیش کو دیمار، چور جھڑ جیہہ،

لٹ جیہہ لاکھن کو مال توپ خانہ تے۔

بہن کوی کہت خدائے کی خبر کرو،

پہچھ پچھناؤ گئے خراب خن خانہ تے۔

بہن کی بلیکا سہارنیں ایکانت کنت،

کچھ نہ رار بھلی مادھو بکس رانا تے !

انگریزی عورتوں اپنے پتھوں کو ایکانت میں سمجھاتی

ہیں کہ—”ساجن ! بھلی مادھو بکس رانا سے لڑائی نہ

چھیڑئے !“

بہرآگدہ سڈیلا کے نچدیک ایک جاگیر تھی۔ گولاہ

سیدھ اس کے دیوان تھے۔ 1857 کے ہنگامہ کے شروع ہوتے ہی

گولاہ سیدھ نانا ساہب سے جا ملے۔ کائنات میں انھوں نے نانا

ساہب انگریزوں سے لڑائی لڑی۔ پھر ان کی فوج کے ساتھ

گولاہ سیدھ نے لکھنؤ میں انگریزی فوج سے مورچہ لیا۔

فرنگی ان کے خون کے پھاسے بن گئے۔ ایک دن جب وہ

اپنی گڑھی میں لڑتے تو انگریزی سپاہی نے انہیں راتوں

رات آگ لگا دی۔ گولاہ سیدھ ایسے لڑے کہ انگریزی فوج کو پچھ

ہٹنا پڑا۔ ان کے اس یدے کو ایک کوی نے اپنی جاندار کریم

میں بیان کرتے ہوئے کہا ہے :—

گولاہ سیدھ ایسے لڑے،

جیسے لکھا میں لڑے ہنومان !

شاہست خاں نے دیکھ کر انگریزی فوج کو پھرت پھرت کر کے

بہرآگدہ آتی ہے۔ انگریزی فوج کا کماندار گولاہ سیدھ سے بات

کرنا چاہتا ہے۔ وہ گولاہ سیدھ کو ملنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے

پیر ایک کوی کے بول ہیں :—

راجا گولاہ سیدھ رہیا توہی دھڑ،

ایک بار درش دیکھاوا رے !

اپنی گڑھی سے یہ بولے گولاہ سیدھ،

خون رے ساہب موری بات رے !

پیدل بھی مارے، سوار بھی مارے،

ماری توہی فوج بدھساہب رے !

باکے گولاہ سیدھ رہیا توہی دھڑ،

ایک بار درش دیکھاوا رے !

گولاہ سیدھ کے بعد رات کے آدھے میں اپنے ایک

بھائی کو لے کر گولاہ سیدھ نے گڑھی چھوڑ دی۔

بہرآگدہ کے پچھلے بائیں کا دھنا بن گیا۔ وہیں سے

گولاہ سیدھ جو گایا ہوئے تو پھر ان کا پتا نہیں چلا۔

راجا بھنی مادھو سیدھ اور گولاہ سیدھ کی طرح گولڈا کے راجا

انگریزی فوج کے ساتھ ان کی بھارتیوں کے ساتھ انگریزی سپاہیوں سے

لڑے کہ انہوں نے اپنی دھرتی سے جن میں کو مرہ لیا۔ ان کی

تعریف کرتے ہوئے ایک سکالین کوی کہتا ہے :—

نظمیں اور چھ دیوں میں سے انتہاء سو چالیس

رائے بریلی ضلع کے ہمدرد گاؤں لا نواسی ایک دوسرا یہی
بجورنگ ہرم بہت رانا کی تعریف میں کہتا ہے :-

ہمت کو حاکم ہجائیں مہن و نیکو آہو

کہوں کے ہتھیاروں انگریج ہو سکتا ہے !

جاگو تیبی تیکان توت بہ

جاگو تیج، تیکان تہا بہٹی ملتل ملن

ہریجی آلہ سے نہ لگتا ہے !

که بجز رنگ بوس باشد اوقتش بیهوده

کہانی ہلاکت سکل بلانا ہے !

لہک نہ دے، انا چھین لیں، تو یہاں

ہیسوارے کے اس دیر رانا بیلی مادہ سنگ کی شور ویرقا کی تعریف کرتے ہوئے ایک تیسرا کہی چرا رائہ کہتا ہے :—

چندیکا کے چارے بیس اڑتے ہیں اکبرے نوچے

ایا لہنا گھری گرا کر ب ہی بجایو ہے ،

مارے چرنیل او گنڈیل کو کید کیونہو'

ہمارے کوئی ن گھرا بہت ہی چڑھایو ہے !

راجن مڙن راجا مهاراجه پيني مادھو بکس

لڑی ہے لڑائی انگریز چڑھایو ہے !

کہتے ہیں جو رائے راجن کو کلم کہتے ہیں

دعا ان پانی گرلا کہو ب ہی بجایو ہے !

اودھ کے کویوں کی ہائی، ایسا معلوم ہوتا ہے، مانو رانا بیہلی
مادھو سنگھ کی تعریف کرتے ہوئے تھکتی نہیں۔ سرکان
کیمبل کی فوجوں نے لہنڈ پر قبضہ کر لیا تھا۔ بدیم حضرت
مہل نے آکر رانا کے یہاں شرن لی۔ اپنی ملکہ مہارانی کو رانا
اگر شرن نہ دیتے تو دوسرا کون دیتا؟ سرکان نے رانا کی بہادری
کی تعریف کرتے ہوئے اُن سے ہتھیار ڈالنے کو کہا۔ یہ بھی وعدہ
کیا کہ رانا کو اُن کی سب چاگوہر لوٹا دی جائیگی مگر آزادی
کے اس دیوانے نے ہر تھیں کمانڈر-ان-چرف کے اس پیغام کو
حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ ایک چوتھا درجہ رانا کا گن گن کرتے
ہوئے کہتا ہے:—

اَنَا بِهَادِر سِرَاهِي آوَدِه 'مَ' دِهَم مِچَانِي مَوَرِه، اَم دِه!

لے لے چٹھا لے لے بھجین، اُن ملو رانا بھائی رے !

جذبی کھلت لندن سے منگادوں اودھ ماہ وہا بنائی دے !

جواب سوال اکھا رانا لے ' ہم سے نہ کرو چٹرائی دے !

جب تک پران دھیں ان ہیڈٹر تم کن کہو ہائی :-!

پیسوارہ کے مشہور کوئی بیٹوں، جن کا ذکر سہا کوئی 'نرالا' نے اپنے ایک لکچر 'پہنوں کوئی' میں کیا ہے 1857 میں 32 برس کے تھے۔ رانا بھٹی مادھو بکس کے دے ساتھی اور قدر دانوں میں سے تھے۔ رانا کی شہر ویرتا کی تعریف کرتے ہوئے بیٹوں لکھتے ہیں:—

اس سرفراز کے باد اٹھتے بھنگ کی
جو کیفیت تھی اسے بیان کرتے ہوئے داتا کہتے ہیں:—

جہاں کے حال پہ اب آسمان روتا ہے؛
ہر ایک فیرا کے مرنے میں مکان روتا ہے !
برنگے بھڑ گول اٹھتے چمن، چمن سے چلے؛
گریب لڑا کے اپنا بھنگ، بھنگ سے چلے؛
مکام سے اٹھ کر جو ڈھل تو راہ بھی نہ ملی؛
یہ کہہ رہا تھا کہ خدا کی پناہ بھی نہ ملی !

دہلی کے ویرانے کو بیان کرتے ہوئے حضرت داتا کی آخری نظم ہے:—

یہ وہ جگہ ہے جہاں ہر کسی بھی ڈر جائے؛
یہ وہ جگہ ہے جہاں ہر ایک کے مرنے کا رونا ہے !
کہاں تک آہ لکھوں اس کا حال ہر بادی؛
کہاں تک آہ لکھوں اس کے آسمان کی جلائی؛
کسی کو قید محنت سے نہیں ہے آزادی؛
کہ داتا داتا ہے ہر دل ہر دھڑکی پر دیا دی !

اردو زبان کے اس وقت کے اور بھی بہت سے شاعروں نے 1857 پر اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ ہم نے تو صرف نمونے کے طور پر یہاں یہ چند نظمیں پیش کئے ہیں۔

(2)

جس طرح دہلی کی ویرانی نے اردو کے مشہور شاعروں کے دلوں میں ایک درد اور تپ پیدا کی دہلی میں سہولتوں کی لڑائی ہادی کے مہاکویوں کی بھانڈوں کو نہ چھو سکی۔ ان لوگوں کے دل میں سہولتوں کی بھانڈوں اور آزادی کی تپ کو دیکھ کر مچل پڑا۔ اس نے شکرگڑھ کے بھادر رانا بھلی مادھو سنگھ، گوندل کے راجا دیوی سنگھ، راجستھان کے سچان سنگھ، ساندیل کے گلاب سنگھ کے جگمگاتے پورے ہاتھوں اور سنگھ اور جھانسی کی رانی لکشمی بائی کو چھلکوں کا ہار پہنایا۔

دہلی اور دہلی کے ان گیتوں کا سب سے بڑا خزانہ ہمیں اردو میں ملتا ہے۔ رانا بھلی مادھو سنگھ کی گنتی جن ستاروں کے بڑے سے بڑے ویروں اور شہیدوں میں کی جاتی ہے۔ دلہے اپنی انتہی بھلی میں رانا کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:—

اردو ما رانا بھلی مردانا !

پہلی لڑائی بھلی بکسر ماں سمری کے میدان؛
اُٹھیں سے کوچ بھلی پورا کو تیر لٹ کھیرا !
نکمی ملے مان سنگھ مل کے ملے سدرشن گنا؛
چھتری ہاتھ ایک نامہ جالے سکل جھاتا !
پہاڑ، پھانچ او گھمب کھلا سبکو کروں سلاما؛
تم تو جائے گہون تے ملو گے ہم ہو کا بھگوانا !
ہاتھ ما بھلا بھل سروھی گھوڑا چلے مستانا؛
کہہ دلہے من پیتہ پیتارے رانا آکر کھو پیتانا !

نہروں اور جہان میں سن اٹھارہ سو ستائیس

نظمیں اور جہان میں سن اٹھارہ سو ستائیس

دिल्ली شہر کی ادبیت اور شاعرانہ محفل پر حسرت اُنکھتے ہوئے حالی کہتے ہیں :—

دلی شہر کی ادبیت اور شاعرانہ محفل پر حسرت اُنکھتے ہوئے حالی کہتے ہیں :—

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلی؛
ہمکو بولہ ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز !
شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی بارو؛
یاد کر کر کے آئے جی نہ کھانا ہرگز !
غالب و شیفتہ و نیر و آرزو و ذوق؛
اب دکھائے گاہے شکلیں نہ زمانہ ہرگز !
بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہے حالی؛
یہاں مناسب نہیں رو رو کے رولنا ہرگز !

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلی؛
ہمکو بولہ ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز !
شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی بارو؛
یاد کر کر کے آئے جی نہ کھانا ہرگز !
غالب و شیفتہ و نیر و آرزو و ذوق؛
اب دکھائے گاہے شکلیں نہ زمانہ ہرگز !
بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہے حالی؛
یہاں مناسب نہیں رو رو کے رولنا ہرگز !

داغ اور 1857

داغ اور 1867

مہاکاوی داغ، جو سن 1857 میں کل چھبیس برس کے نوجوان تھے اور جنہوں نے دلی کا بناو-سینگار دیکھا تھا، اور جن کے دیکھتے دیکھتے دلی ایک اجڑا دیار بنا دلی گئی، درد سے بھر کر کہتے ہیں :—

مہاکاوی داغ، جو سن 1857 میں کل چھبیس برس کے نوجوان تھے اور جنہوں نے دلی کا بناو-سینگار دیکھا تھا، اور جن کے دیکھتے دیکھتے دلی ایک اجڑا دیار بنا دلی گئی، درد سے بھر کر کہتے ہیں :—

فلک زمیں ملائک جناب تھی دلی؛
بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دلی !
جواب کا ہے کو تھی لاجواب تھی دلی؛
مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلی !
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا؛
یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہان کا دل تھا !

فلک زمیں ملائک جناب تھی دلی؛
بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دلی !
جواب کا ہے کو تھی لاجواب تھی دلی؛
مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلی !
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا؛
یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہان کا دل تھا !

مگر دلی جب اجڑا دیا بن گئی تو داغ فرماتے ہیں :—

مگر دلی جب اجڑا دیا بن گئی تو داغ فرماتے ہیں :—

خدا پرستی کے بدلے جفا پرستی ہے؛
جو مال مست تھے اب اُنکو فائدہ مستی ہے !
بجائے ابرکرم مفاسی پرستی ہے؛
بتنگ جینے سے ہیں ایسی ننگدستی ہے !

خدا پرستی کے بدلے جفا پرستی ہے؛
جو مال مست تھے اب اُنکو فائدہ مستی ہے !
بجائے ابرکرم مفاسی پرستی ہے؛
بتنگ جینے سے ہیں ایسی ننگدستی ہے !

اس مفاسی کے لئے ننگ پر الزام مڑتے ہوئے داغ فرماتے ہیں :—

اس مفاسی کے لئے ننگ پر الزام مڑتے ہوئے داغ فرماتے ہیں :—

فلک نے تھر و غضب تاک تاک کر ڈالا؛
تمام پردہ زہررس چاک کر ڈالا !
بکایک ایک جہاں دو ہلاک کر ڈالا؛
غرض کہ لاکھ لاکھ اُس نے خاک کر ڈالا !

فلک نے تھر و غضب تاک تاک کر ڈالا؛
تمام پردہ زہررس چاک کر ڈالا !
بکایک ایک جہاں دو ہلاک کر ڈالا؛
غرض کہ لاکھ لاکھ اُس نے خاک کر ڈالا !

اس سب کیفیت کے لئے ستمگر کے ظلم و ستم کو حسرت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے داغ کہتے ہیں :—

اس سب کیفیت کے لئے ستمگر کے ظلم و ستم کو حسرت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے داغ کہتے ہیں :—

کھلا زہر ستمگر نے پان لے کے بدلا؛
پلا پلا خون جگر بوجھوان کے بدلا !
نصیب دار ہوئی ہے نشان کے بدلا؛
ملا نہ گھر گھر بھی مکان کے بدلا !
زبان تیغ سے پرشش ہے داد خواہوں کی؛
رسم ہے طریق ہے گردن ہے پے گنلوں کی !

کھلا زہر ستمگر نے پان لے کے بدلا؛
پلا پلا خون جگر بوجھوان کے بدلا !
نصیب دار ہوئی ہے نشان کے بدلا؛
ملا نہ گھر گھر بھی مکان کے بدلا !
زبان تیغ سے پرشش ہے داد خواہوں کی؛
رسم ہے طریق ہے گردن ہے پے گنلوں کی !

چوک جس کو کہیں وہ قتل ہے؛
مر ہوا ہے نمونہ زنداں کا !
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک؛
تشنگہ خوں ہے ہر مسلمان کا !
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک؛
آدمی واں نہ جائے یاں کا !
میں نے مانا کہ مل گئے ہر گناہ؛
وہی رونا تن و دل و جاں کا !
گاہ جل کر کیا کیئے شکوہ؛
سوزش داغ ہائے پنہاں کا !
گاہ روکر کہا کئے ہلیم؛
ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا !

دہلی کے قتل عام پر حسرت کا اظہار کرتے ہوئے غالب نے لکھا

ایک اہل درد نے سلساں جو دیکھا قفس؛
یوں کہا آتی نہیں کیوں اب صدائے عندلیب !
ہال و پردہ چار دکھلا کر کہا صیاد نے؛
یہ نشانی رہ گئی ہے اب بجائے عندلیب !

دہلی کے قتل عام پر حسرت کا اظہار کرتے ہوئے غالب نے لکھا

ایک اہل درد نے سلساں جو دیکھا قفس؛
یوں کہا آتی نہیں کیوں اب صدائے عندلیب !
ہال و پردہ چار دکھلا کر کہا صیاد نے؛
یہ نشانی رہ گئی ہے اب بجائے عندلیب !

ہالی اور 1857

اور 1857

گالیب کے شاگرد مولانا اظاف حسین حالی، جو پہلے 'شہنشاہ' کی شاگردی میں تھے اور 1857 میں 21 برس کے تھے، دہلی کو مرنے والے یا سوانحی کا خلیفہ دیکر شاعروں سے کہتے ہیں :—

الب کے شاگرد مولانا اظاف حسین حالی، جو پہلے 'شہنشاہ' کی شاگردی میں تھے اور 1857 میں 21 برس کے تھے، دہلی کو مرنے والے یا سوانحی کا خلیفہ دیکر شاعروں سے کہتے ہیں :—

جیتنے رمنے تھے تیرے ہو گئے ویراں لے عشق؛
آ کے ویراں میں اب گھر نہ ہوساں ہرگز !
کوچ سب کر گئے دلی سے تیرے قندرشاہس؛
قدر یاں آ کے اب اپنی نہ گنواں ہرگز !
تذکرہ دلی مرحوم کا لے دوست نہ چھوڑ؛
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز !
دامتائ گل کی خزاں میں نہ سناںہ بلب؛
ہلستہ ہلستہ ہمیں ظالم نہ رولاں ہرگز !
آبادیاں گرا کر دلی کو ویرانہ بنا دیا گیا۔
کلا اور آدھ کی ناٹاٹ یا دگاریں ڈھل میں میلا دی گئی۔
اس کیفیت کا چشم دید حال بیان کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں :—

جیتنے رمنے تھے تیرے ہو گئے ویراں لے عشق؛
آ کے ویراں میں اب گھر نہ ہوساں ہرگز !
کوچ سب کر گئے دلی سے تیرے قندرشاہس؛
قدر یاں آ کے اب اپنی نہ گنواں ہرگز !
تذکرہ دلی مرحوم کا لے دوست نہ چھوڑ؛
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز !
دامتائ گل کی خزاں میں نہ سناںہ بلب؛
ہلستہ ہلستہ ہمیں ظالم نہ رولاں ہرگز !

آبادیاں گرا کر دلی کو ویرانہ بنا دیا گیا۔
کلا اور آدھ کی ناٹاٹ یا دگاریں ڈھل میں میلا دی گئی۔
اس کیفیت کا چشم دید حال بیان کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں :—

لے کے داغ آنیکا سینہ پہ بہت لے صیاد؛
دیکھ اس شہر کے گھنڈے میں نہ جاتا ہرگز !
چہہ چہہ پہ ہیں یاں گھر یکتا نہ خاک؛
دفن ہوا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز !
وہ تو ہوا تھے ہمیں ہم ہی انہیں ہواں گئے؛
ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانہ ہرگز !
جسکو زخموں کے حوالہ سے آچرنا سمجھیں؛
نظر آتا نہیں کوئی بھی گوارا ہرگز !

لے کے داغ آنیکا سینہ پہ بہت لے صیاد؛
دیکھ اس شہر کے گھنڈے میں نہ جاتا ہرگز !
چہہ چہہ پہ ہیں یاں گھر یکتا نہ خاک؛
دفن ہوا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز !
وہ تو ہوا تھے ہمیں ہم ہی انہیں ہواں گئے؛
ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانہ ہرگز !
جسکو زخموں کے حوالہ سے آچرنا سمجھیں؛
نظر آتا نہیں کوئی بھی گوارا ہرگز !

میں نہیں تھا۔ انہوں نے بڑی حسرت کے ساتھ اپنے داماد کی ہتھیلی کو دیکھ کر کہا :—

پھول لایا ہے مالی ڈالی میں؛
کچھ لکڑیوں ہیں دست خالی میں !

اپنے مہمان مثل دروچوں کے بڑین کا احساس بہادر شاہ کے دل میں تھا۔ وہ اپنے کو مثل سلطنت کی ایک ٹوٹی ہوئی قبر کی طرح مانتا تھا۔ اس خیال کو ظاہر کرتے ہوئے ظاہر نے لکھا ہے :—

وہ جو ٹوٹی قبر کا تھا نشان اُسے ٹھوکر سے مٹا دیا !
ایک جگہ دلی کی آزادی اور برہادی چتر کا کھینچتا ہوئے انہوں نے لکھا ہے :—

پس مرگ میرے مزار پر جو دیا کسو نے چلے دیا !
اُسے آدھا دامن ہان لے سر شام ہی سے بچھا دیا !
کتنی حسرت ہے اُس کلام میں ! 1857 کے واقعات پر بہادر شاہ کی نظمیں سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ اپنے پروردہ حقیقت حال کے بارے میں وہ خرد نہتے ہیں :—

نہ پوچھ مجھ سے 'ظاہر' میری تو حقیقت حال؛
اگر کہوٹا ابھی تجھ کو میں رلاؤں گا !
لیکن دل کے درد سے کہنی یہ نہ مجھ سے کہ اُن میں بہادری کی کسی ہو گئی تھی۔ وہ دشمن کی سنگدلی کے متعلق کہتے ہیں :—

پرونا تجھ سے شکایت ہے ستم کی بے جا؛
کیچٹ اُس سے جو آگاہ وفا سے کچھ ہو !
سر رہے یا نہ رہے جان بچے یا نہ بچے؛
منہ نہ مرزبانہ لڑی تو بخ جفا سے لچھ ہو !
سن 1857 میں دلی کی جو کیفیت تھی اُس پر شہنشاہ کے کچھ شعر یہ ہیں :—

آج دہلی میں جو اُس کی عجب سیر ہو گئی؛
توڑا چلتے چلتے رہی خیر ہو گئی !
کعبہ کے سمت ہم لے دیا منہ بڑے نمار؛
ہر گشتہ گشت اپنی سوئے دیر ہو گئی !
ہنگامی کا دل کے کدے کیا ہے عشق میں؛
جب جان بھی نہ اپنی رہی غیر ہو گئی !
عاشق کو جب دکھائی لڑنگی پسر نے توپ؛
یا ہا نہ کچھ وہ کہلے کہ بس نہ ہو گئی !
زنجیر توڑ گئی میری وحشت سے کیا 'ظاہر'؛
جلدی الگ وہ چوم کے جو پیر ہو گئی !

غالب اور 1857

دلی میں خاص طور پر مسلمانوں کے اوپر جو ظلم قاتلہ گئے اُن کا ذکر اب شاعروں کے سرتاج غالب سے سلیں جو سن 1857 میں پیرے ساتھ برص کے تھے :—

کفکس میں ہے کیا کایدا شورو گول سے;
اُسیرو کرو کچھ رہائی کی باتیں!
'جفر' اب جمانا بُرا آ گیا ہے;
جیہر دیکھا ہے واں بُراہ کی باتیں!

فوج کے کمانداروں نے جب ایک دوسرے پر توہماتے
مذہبی شورو کیے تو انہیں نصیحت دیتے ہوئے شہنشاہ نے کہا :—

ن تھی حال کی جب ہم نے اپنے سبب;
رہے دیکھتے آئیں کے عیب و ہنر!
پڑی اپنی بُرائیوں پہ جو نچر;
تو نیگاہ میں کبھی بُرا نہ رہا!
'جفر' آدمی اسکو نہ جانیتے گا;
وہ کیسا ہی ہو صاحب فہم و ذکا!
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی;
جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا!

14 ستمبر 1857 کے بعد دہلی کی जनता پر ہتھ
سیتام ڈاڑھے گئے کہ بھادورشاہ کا کوی ہر دے بھی غم سے چاک چاک ہو گیا۔
مسلمانوں کو تو خاص طور پر کھوج کھوج کر سولہ پر لٹایا جانا۔
ایک نظم میں شہنشاہ نے اسے یوں بیان کیا ہے :—

گئی یک بیک جو ہوا پات، نہیں دال کو اپنے قرار ہے;
کروں غم ستم کا مہں کوا بیان، میرا سینہ غم سے نکار ہے!
یہ رعایا ہند تباہ ہوئی، کھو گیا نہ اُن پہ جفا ہوئی;
جسے دیکھا حکم وقت نے، کہا یہ بھی قابلِ دلا ہے!
کہیں ایسا بھی ہے ستم سنا، کد دی پھانسی لاکھوں کو پے کدہ
ولہ کلمہ گوہوں کے طرف سے، ایسی دل میں اُن کے غبار ہے!

جنگ آزادی کے سب سے بڑے فیتا کی حیثیت سے شہنشاہ
بہادرشاہ کو سب سے بڑی آزادی کی قیمت چکانی پڑی۔
شہنشاہ کے 24 بیٹے اور پوتے قتل کر دیئے گئے اور اُن کے سرخونی
دروازے پر لٹکا دیئے گئے۔ اُن سب دردناک گھٹاؤں پر اپنے دل
کی کیفیت شہنشاہ نے یوں بیان کیا ہے :—

رند ہوں میں بازاءد ہوں، یا صوفی ہوں یا سیکھ ہوں;
عام ہوں یا جاہل ہوں، یا مومن ہوں یا ترسا ہوں!
کیسا رنج و کھسی راحت، کس کی شادی کس کا غم;
یہ بھی نہیں معلوم مجھے، میں جیتا ہوں یا مرنا ہوں!

شہنشاہ بہادرشاہ، ان کی چھٹی بیگم زینت محل اور
براج جوں بخت کو قید کر کے رنگین بیچ دیا گیا، وہاں بے حد
غریبی میں شہنشاہ کو اپنے آخری دن کاٹنے پڑے۔ رنگوں میں ان
کی 83 ویں سالگرہ کے دن ایک مالی تحفہ کے طور پر بیویوں
کی ڈالی سجا کر لیا۔ شہنشاہ کے پاس انعام دینے کے لئے کچھ

قفس میں ہے کوا فائدہ شیر و غل سے;
لمیرو کرو کچھ رہائی کی باتیں!
'ظفر' اب زمانہ بُرا آ گیا ہے;
جدھر دیکھیں واں برائی کی باتیں!

فوج کے کمانداروں نے جب ایک دوسرے پر توہماتے
مذہبی شورو کیے تو انہیں نصیحت دیتے ہوئے شہنشاہ نے کہا :—

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر;
رہے دیکھتے آئیں کے عیب و ہنر!
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر;
تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا!
'ظفر' آدمی اُس کو نہ جانتے گا;
وہ کیسا ہی ہو صاحب فہم و ذکا!
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی;
جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا!

14 ستمبر 1857 کے بعد دہلی کی जनता پر ہتھ
سیتام ڈاڑھے گئے کہ بھادورشاہ کا کوی ہر دے بھی غم سے چاک چاک ہو گیا۔
مسلمانوں کو تو خاص طور پر کھوج کھوج کر سولہ پر لٹایا جانا۔
ایک نظم میں شہنشاہ نے اسے یوں بیان کیا ہے :—

گئی یک بیک جو ہوا پات، نہیں دال کو اپنے قرار ہے;
کروں غم ستم کا مہں کوا بیان، میرا سینہ غم سے نکار ہے!
یہ رعایا ہند تباہ ہوئی، کھو گیا نہ اُن پہ جفا ہوئی;
جسے دیکھا حکم وقت نے، کہا یہ بھی قابلِ دلا ہے!
کہیں ایسا بھی ہے ستم سنا، کد دی پھانسی لاکھوں کو پے کدہ
ولہ کلمہ گوہوں کے طرف سے، ایسی دل میں اُن کے غبار ہے!

جنگ آزادی کے سب سے بڑے فیتا کی حیثیت سے شہنشاہ
بہادرشاہ کو سب سے بڑی آزادی کی قیمت چکانی پڑی۔
شہنشاہ کے 24 بیٹے اور پوتے قتل کر دیئے گئے اور اُن کے سرخونی
دروازے پر لٹکا دیئے گئے۔ اُن سب دردناک گھٹاؤں پر اپنے دل
کی کیفیت شہنشاہ نے یوں بیان کیا ہے :—

رند ہوں میں بازاءد ہوں، یا صوفی ہوں یا سیکھ ہوں;
عام ہوں یا جاہل ہوں، یا مومن ہوں یا ترسا ہوں!
کیسا رنج و کھسی راحت، کس کی شادی کس کا غم;
یہ بھی نہیں معلوم مجھے، میں جیتا ہوں یا مرنا ہوں!

شہنشاہ بہادرشاہ، ان کی چھٹی بیگم زینت محل اور
براج جوں بخت کو قید کر کے رنگین بیچ دیا گیا، وہاں بے حد
غریبی میں شہنشاہ کو اپنے آخری دن کاٹنے پڑے۔ رنگوں میں ان
کی 83 ویں سالگرہ کے دن ایک مالی تحفہ کے طور پر بیویوں
کی ڈالی سجا کر لیا۔ شہنشاہ کے پاس انعام دینے کے لئے کچھ

نہروں اور گنہوں میں، سن اٹھارہ سہ سہاکن

کچا کچا کرے ہے آشیکہ ناکام پر سیتام;
خوئے خنوا کھنڈ اس بونے خنڈکام کو نہیں!
رینڈوں پہ تاناؤن ہے ابھس، واہج، پے 'جفر';
کوئی کسی کے جاننا اُجنام کو نہیں!

جنگ آزادی میں شامل ہونے کے لیے جب شاہنشاہ جعفر نے اپنا داہتناما دہری راجاؤں کے پاس بھجوا کر تو بیکانیر کے راجا نے اسے بیٹا پڑے ہی کاڑھ دیا۔ اس پر شاہنشاہ نے لکھا:—

کیا کھنڈ تھوڑے-تھوڑے تو منے کھاسید سے لیتے ہی;
مناکسب تھا کہ پڑھو اگر حقیقت تک قلم منہ!
مہند کے راجا نے تو شاہنشاہ کا کھنڈ لے جانے والے
کھاسید کو ہی گولی سے بڑا دیا، اس پر جعفر کا ایک
شعر ہے:—

ڈنڈا نیشاں جو ہمنے، کھاسید کا اس شہر میں;
کھنڈ پایے سر کے تھوڑے اور کھنڈ بدن کے تھوڑے!
اُگرے جی، فوجیوں نے دہلی کے کھنڈ کا موہاسرا جاری
کر دیا تھا، بکرید کے تھوڑے کے دن جانا مساجد
میں مہندجی شہریوں کی، کھنڈ کی گئی، اس پر شاہنشاہ
نے لکھا:—

مبارکباد ہم دیتے ہیں، کھنڈ کی;
گولے پہ رکھتے کھنڈ جب تک وہ کھنڈ پڑھتے ہیں!
اپنے پیارے پوتے کے قتل پر شاہنشاہ نے حسرت کے ساتھ
لکھا:—

ایک وہ کھنڈ ہے، کھنڈ سے روز لاکھوں پہ گناہ;
قتل ہوتے ہیں تھوڑے اے ارودا جو ہاتھ سے!
یہ نہیں رنگ حنا چھٹ جائے چوں روز میں;
حشر تک چھوٹے کا عاشق کا نہ لہو ہاتھ سے!

دلی کے یکن کے بعد پہ گناہوں کے قتل کا جو سلسلہ چلا
اُس پر شاہنشاہ نے لکھا:—

جہاں میں سب کو عبرت ہو گئی اُس دن سے اے قاتل;
سرے بازار تولے لکھتے مقتول کھنڈچا ہے!
ہزاروں پہ گناہوں کو ستمگر عشق میں تولے;
یہاں سولی پہ پڑے دستور، پہ معمول کھنڈچا ہے!

دلی میں آزادی کی جنگ چلائے کے لئے ایک جنگی
کونسل بنا دی گئی تھی جس کے صدر خود شاہنشاہ تھے۔
کونسل کے ممبران آپس میں ایک دوسرے کی بھڑائی کرتے
اور ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے۔ اُس پر انہیں لعنت ملے
کرتے ہوئے شاہنشاہ نے لکھا:—

نہوں تمکو زیبا بھائی کی ہانپ;
بھائیوں کو میں لازم بھائی کی ہانپ!
غضب ہے کہ دل میں تو رکھو کدورت;
کرو ملو پہ ہم سے صفائی کی ہانپ!

نہروں اور چھنڈوں میں سن اٹھارہ سو ستاون

کھا کھا کرے ہے عاشق ناکام پر ستم;
خوف خدا کچھ اُس بت خودکام کو نہیں!
رندوں پہ طغیان زن ہے عیب، واعظ اے 'ظفر';
کوئی کسی کے جاننا انجام کو نہیں!

جنگ آزادی میں شامل ہونے کے لئے جب شاہنشاہ ظفر نے
اپنا دہرت نامہ دہری راجاؤں کے پاس بھجوا کر تو بیکانیر کے راجہ
نے اسے ہلا پڑے ہی بھڑا دیا۔ اُس پر شاہنشاہ نے لکھا:—

کیا خط تھوڑے، تھوڑے تم نے تو قاصد سے لیتے ہی!
مناسب تھا کہ پڑھو اگر حقیقت تک قلم منہ!
چھنڈ کے راجہ نے تو شاہنشاہ کا خط لے جانے والے قاصد کو
ہی گولی سے آڑا دیا، اُس پر ظفر کا ایک شعر ہے:—
تھوڑا نشان جو ہم نے قاصد کا اُس شہر میں;
کچھ پائے سر کے تھوڑے اور کچھ بدن کے تھوڑے!

انگریزوں نے دلی کے قلع کا محاصرہ جاری کر دیا
تھا۔ بقرید کے تھوڑے کے دن جامعہ مسجد میں معزز شہریوں
کی قربانی کی گئی۔ اُس پر شاہنشاہ نے لکھا:—

مبارکباد ہم دیتے ہیں اُن کو عید قربان کی;
گلے پہ رکھ کے خلیج جب تک وہ کھنڈ پڑھتے ہیں!
اپنے پیارے پوتے کے قتل پر شاہنشاہ نے حسرت کے ساتھ
لکھا:—

ایک وہ کھنڈ ہے، کھنڈ سے روز لاکھوں پہ گناہ;
قتل ہوتے ہیں تھوڑے اے ارودا جو ہاتھ سے!
یہ نہیں رنگ حنا چھٹ جائے چوں روز میں;
حشر تک چھوٹے کا عاشق کا نہ لہو ہاتھ سے!

دلی کے یکن کے بعد پہ گناہوں کے قتل کا جو سلسلہ چلا
اُس پر شاہنشاہ نے لکھا:—

جہاں میں سب کو عبرت ہو گئی اُس دن سے اے قاتل;
سرے بازار تولے لکھتے مقتول کھنڈچا ہے!
ہزاروں پہ گناہوں کو ستمگر عشق میں تولے;
یہاں سولی پہ پڑے دستور، پہ معمول کھنڈچا ہے!

دلی میں آزادی کی جنگ چلائے کے لئے ایک جنگی
کونسل بنا دی گئی تھی جس کے صدر خود شاہنشاہ تھے۔
کونسل کے ممبران آپس میں ایک دوسرے کی بھڑائی کرتے
اور ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے۔ اُس پر انہیں لعنت ملے
کرتے ہوئے شاہنشاہ نے لکھا:—

نہوں تمکو زیبا بھائی کی ہانپ;
بھائیوں کو میں لازم بھائی کی ہانپ!
غضب ہے کہ دل میں تو رکھو کدورت;
کرو ملو پہ ہم سے صفائی کی ہانپ!

کو ایک درجہ تک گھٹا دیا تھا۔ گورنر جنرل کیلنگ اس بھی سہی شان کو بھی ختم کرنے کی سازشوں میں لگا ہوا تھا۔ دلی کے ارد گرد کے شہنشاہوں بھی بہادر شاہ کی کوئی رائے نہ لی جاتی تھی، یہاں تک کہ قلعہ کے باہر قلعہ کے سپاہیوں کے لئے بہادر شاہ کو جسے نقشہ کے مطابق لٹی بیرکوں تعمیر کرنا پسند تھا، انگریز ریڈیڈینٹ نے انہیں اس طرح تعمیر نہ کرنے دیا۔ بہادر شاہ سے کون کس وقت ملاقات کرے اس میں بھی ریڈیڈینٹ دخل دینے کی جرات کرتا تھا۔ اپنی اس وقت کی دلی کیفیت کو بہادر شاہ نے ایک نظم میں یوں بیان کیا ہے:—

دیا بنانے ن مٹکوں مٹکوں کے کڑیو;
بساوے لاوگ وندھوئے جہاں تہاں کے کڑیو!
نیکلتے ہر دھننے مٹ سے ہئے اس کدھر شولے;
فٹکتا کوئی نہاں تیرے توتکا جاں کے کڑیو!
فلک کے نیچے فلک اور ہک نیا بن جاو;
جو پھوٹے دھوے جیگر میرا آسماں کے کڑیو!
کہہ دے تُو کی فٹکتا نہاں یہاں کوئی;
خدا تھا کون تیرے آج آستیاں کے کڑیو!
وہ ہوں میں طاوڑ آہیں نفس کہ تہرائے;
جو آئے برق کہی مہرے آسماں کے کڑیو!
فلس سے چھوٹ کے جب ہم اسیر آئے صیاد;
چمن میں پہنچے تو دن آگئے خزاں کے کڑیو!

جس سامنے نانادھندپنت اور عظیم اللہ خاں نے شہنشاہ سے آزادی کی جنگ میں شریک کرنے کے لیے کہا تو بہادر شاہ نے اپنی رضامندی پہنچے لکھی نظم میں ظاہر کی:—

جاں فدا کرنے کو حاضر ہیں کہو تم جس دم;
ہم ہیں جس کام کے، موجود ہیں اس کام کے وقت!
گرچہ زندان تہی دست ہیں مانند کدوا;
وقت کے اپنے ہیں چہشید مگر جام کے وقت!

اس بیچ گورنر جنرل کے روئے اور ریڈیڈینٹ کے ہوتاؤ سے بہادر شاہ کا دل، فرنکوں کی طرف، رہا سہا بھی ٹوٹ گیا۔ اپنی اس بھاؤنا کو بہادر شاہ نے ان سطروں میں ادا کیا ہے:—

کہیں کیا ان باتوں سے آئے 'ظاہر' ہم حال دل اپنا;
یہ کافر ہیں نہیں اک بات اللہ کی نسیم سنتے!
نہ کرتا نوح کے طوفان کا کوئی ذکر بھی ہرگز;
اگر مردم ہمارا ماجرائے چشم نم سنتے!
نہ لیتے نام ولسک کا کبھی ولسک کے جوتدے;
جو مہرا صبر سنتے او ترے ظلم و ستم سنتے!

بہادر شاہ کا دل ذلت سے تڑپ اٹھا، شہنشاہ کی دلی کیفیت ان شعروں میں غور کریں:—

دیا ہلائے نہ مسجد کو مکان مکان کے قریب;
ہمسائے لوگ انہوں نے جہاں تہاں کے قریب!
نکلتے ہر دھن مٹ سے ہیں اس کدھر شولے;
پھٹکتا کوئی نہیں تہرے تفتہ جاں کے قریب!
فلک کے نیچے فلک اور اک نیا بن جائے;
جو پہنچے دون جگر مہرا آسماں کے قریب!
کہہ دے تو کہ پھٹکتا نہیں یہاں کوئی;
کہو تھا کون ترے آج آستیاں کے قریب!
وہ ہوں میں طاوڑ آہیں نفس کہ تہرائے;
جو آئے برق کہی مہرے آسماں کے قریب!
فلس سے چھوٹ کے جب ہم اسیر آئے صیاد;
چمن میں پہنچے تو دن آگئے خزاں کے قریب!

جس سامنے نانادھندپنت اور عظیم اللہ خاں نے شہنشاہ سے آزادی کی جنگ میں شریک کرنے کے لئے کہا تو بہادر شاہ نے اپنی رضامندی پہنچے لکھی نظم میں ظاہر کی:—

جاں فدا کرنے کو حاضر ہیں کہو تم جس دم;
ہم ہیں جس کام کے، موجود ہیں اس کام کے وقت!
گرچہ زندان تہی دست ہیں مانند کدوا;
وقت کے اپنے ہیں چہشید مگر جام کے وقت!

اس بیچ گورنر جنرل کے روئے اور ریڈیڈینٹ کے ہوتاؤ سے بہادر شاہ کا دل، فرنکوں کی طرف، رہا سہا بھی ٹوٹ گیا۔ اپنی اس بھاؤنا کو بہادر شاہ نے ان سطروں میں ادا کیا ہے:—

کہیں کیا ان باتوں سے آئے 'ظاہر' ہم حال دل اپنا;
یہ کافر ہیں نہیں اک بات اللہ کی نسیم سنتے!
نہ کرتا نوح کے طوفان کا کوئی ذکر بھی ہرگز;
اگر مردم ہمارا ماجرائے چشم نم سنتے!
نہ لیتے نام الفک کا کبھی الفک کے جوتدے;
جو مہرا صبر سنتے او ترے ظلم و ستم سنتے!

بہادر شاہ کا دل ذلت سے تڑپ اٹھا، شہنشاہ کی دلی کیفیت ان شعروں میں غور کریں:—

نظموں اور چھندوں میں

سن ۱۸۵۷ء

بھگت سنگھ

نظموں اور چھندوں میں
سن ۱۸۵۷ء

بھگت سنگھ

سن ۱۸۵۷ء کی تاریخ کو کس نام سے پکارا جائے— اس پر اتفاق نہیں ہوا۔ اس کی تاریخ کو کس نام سے پکارا جائے۔ کوئی اسے 'بغارت' کے نام سے پکارنا ہے تو کوئی 'جنگ آزادی' کے نام سے؛ لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ فرنگی حکومت کو ملک سے ختم کرنے کی وہ ایک شاندار کوشش تھی۔ سرکاری خریدوں، فوجی افسروں کی چٹھوں، انہاسکاروں کی کتابوں، سیلانیوں کے روزناموں، کپڑوں کی دیشی افسروں کی یادداشتوں، گورنر جنرل کے اعلانوں، پارلیمنٹ کی بحثوں، نمائندوں کے اعلانوں اور شاہی فرمانوں میں ۱۸۵۷ء کی ایک سرسری جھانکی ملتی ہے۔ سن ۱۸۵۷ء کی کرائنت کاری تحریک ملک کی خریداری کی بھاؤناؤں، روحانی نقشبندوں، افسروں اور مایوسوں، کامیابیوں اور ناکامیوں، ہاروں اور جیتوں پر تیز روشنی ڈالتی ہے۔ ملک کی حیثیت سے ہماری خریدوں اور ہماری کمزوریوں کو یہ سن ۵۷ء کی تحریک نمایاں کر دیتی ہے۔ انہاسکاروں کی طرح اس زمانے کے ہمارے شاعروں اور گلوں کے گویوں نے بھی ہماری آزادی اور ہماری بربادی کی، ہماری اُمنگوں اور ہماری ہمت کی پرچش اور پر درد تصویر کھینچی ہے۔

اُسویں صدی اردو کے مشہور شاعروں کی ماں کہی جاتی ہے۔ دلی کے آخری بادشاہ بہادر شاہ خرد ایک اچھے درجے کے شاعر تھے، وہ 'ظفر' کے نام سے شاعری کرتے تھے۔ 'غالب'، 'داغ'، 'حالی'—سب بڑے دربار کے مشہور شاعر تھے۔ ان میں ذوق کا انتقال تو ۱۸۵۷ء کے پہلے ہو گیا تھا لیکن غالب، داغ اور حالی ۱۸۵۷ء میں موجود تھے۔ ۱۸۵۷ء پر ان کی بڑی دردناک نظمیں ہیں اب تک۔ ملتی ہیں۔ دلی کی طرح ہندو راجاؤں کے دربار بھی گویوں کو اپنے دل سے بڑھاوا دیتے تھے۔ ان گویوں نے ۱۸۵۷ء کے نمائندوں کی کہنی کہانی اپنے پرچش چھندوں میں بیان کی ہے۔ اُنہی سوانحیہ سنگرام کی شہادت کے موقع پر ہم اپنے اُس زمانے کے شاعروں اور گویوں کے کلام اور چھندوں میں ہمدردان اور تباہی کے اُس ادبیت نظارے کے درشن کریں۔

۱۸۵۷ء کے بغاوت پر خود بہادر شاہ 'ظفر' کے کلاموں سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ بھگت سنگھ اور قاضی کے رویے نے بہت شہنشاہ کے نام اور دربار کی شان

سن ۱۸۵۷ء کی تاریخ کو کس نام سے پکارا جائے— اس پر اتفاق نہیں ہوا۔ اس کی تاریخ کو کس نام سے پکارا جائے۔ کوئی اسے 'بغارت' کے نام سے پکارنا ہے تو کوئی 'جنگ آزادی' کے نام سے؛ لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ فرنگی حکومت کو ملک سے ختم کرنے کی وہ ایک شاندار کوشش تھی۔ سرکاری خریدوں، فوجی افسروں کی چٹھوں، انہاسکاروں کی کتابوں، سیلانیوں کے روزناموں، کپڑوں کی دیشی افسروں کی یادداشتوں، گورنر جنرل کے اعلانوں، پارلیمنٹ کی بحثوں، نمائندوں کے اعلانوں اور شاہی فرمانوں میں ۱۸۵۷ء کی ایک سرسری جھانکی ملتی ہے۔ سن ۱۸۵۷ء کی کرائنت کاری تحریک ملک کی خریداری کی بھاؤناؤں، روحانی نقشبندوں، افسروں اور مایوسوں، کامیابیوں اور ناکامیوں، ہاروں اور جیتوں پر تیز روشنی ڈالتی ہے۔ ملک کی حیثیت سے ہماری خریدوں اور ہماری کمزوریوں کو یہ سن ۵۷ء کی تحریک نمایاں کر دیتی ہے۔ انہاسکاروں کی طرح اس زمانے کے ہمارے شاعروں اور گلوں کے گویوں نے بھی ہماری آزادی اور ہماری بربادی کی، ہماری اُمنگوں اور ہماری ہمت کی پرچش اور پر درد تصویر کھینچی ہے۔

اُسویں صدی اردو کے مشہور شاعروں کی ماں کہی جاتی ہے۔ دلی کے آخری بادشاہ بہادر شاہ خرد ایک اچھے درجے کے شاعر تھے، وہ 'ظفر' کے نام سے شاعری کرتے تھے۔ 'غالب'، 'داغ'، 'حالی'—سب بڑے دربار کے مشہور شاعر تھے۔ ان میں ذوق کا انتقال تو ۱۸۵۷ء کے پہلے ہو گیا تھا لیکن غالب، داغ اور حالی ۱۸۵۷ء میں موجود تھے۔ ۱۸۵۷ء پر ان کی بڑی دردناک نظمیں ہیں اب تک۔ ملتی ہیں۔ دلی کی طرح ہندو راجاؤں کے دربار بھی گویوں کو اپنے دل سے بڑھاوا دیتے تھے۔ ان گویوں نے ۱۸۵۷ء کے نمائندوں کی کہنی کہانی اپنے پرچش چھندوں میں بیان کی ہے۔ اُنہی سوانحیہ سنگرام کی شہادت کے موقع پر ہم اپنے اُس زمانے کے شاعروں اور گویوں کے کلام اور چھندوں میں ہمدردان اور تباہی کے اُس ادبیت نظارے کے درشن کریں۔

۱۸۵۷ء کے بغاوت پر خود بہادر شاہ 'ظفر' کے کلاموں سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ بھگت سنگھ اور قاضی کے رویے نے بہت شہنشاہ کے نام اور دربار کی شان

جولائی 1957 جولائی

کيا کيس سے

صفحہ نمبر

کيا کيس سے

1. نظمیں اور چھانڈوں میں سن اٹھارہ سو ستاون
—محمود مہر ناتھ پانڈے ... 1 ...
1. نظمیں اور چھانڈوں میں سن اٹھارہ سو ستاون
—محمود مہر ناتھ پانڈے
2. گولامی کے ساتھ مانوتا کی مکتوبہ
—آئی انند لال ہاشمی ... 19 ...
2. نظمیں کے ساتھ مانوتا کی مکتوبہ
—آئی انند لال ہاشمی
3. افلاس (کبیتا)
—ڈاکٹر اسرار مینا ... 20 ...
3. افلاس (کبیتا)
—ڈاکٹر انور مہدی
4. میرے دادا ابا !
—پروفیسر احمد علی ایم. اے. ... 21 ...
4. میرے دادا ابا !
—پروفیسر احمد علی ایم. اے.
5. آفتابوں کے سلسلے (کبیتا)
—آئی سلیم مہدی ... 31 ...
5. آفتابوں کے سلسلے (کبیتا)
—آئی سلیم مہدی
6. خون کا بدلہ ! (نہالی)
—مرزا عظیم بیگ چغتائی ... 32 ...
6. خون کا بدلہ ! (نہالی)
—مرزا عظیم بیگ چغتائی
7. اٹھو !
—ایک ہادی ہاشمی ... 38 ...
7. اٹھو !
—ایک ہادی ہاشمی
8. ہماری راہ—
... 42 ...
8. ہماری راہ—
... 42 ...

ہندوستان کی دولت بڑھی ہے—آئی. نا. پانڈے;

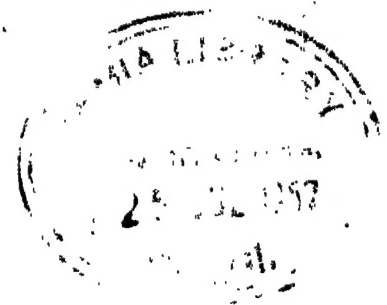
سچا بن جائے کی پوجا کیسے ہو؟—سورج رام پانڈے.

ہندوستان کی دولت بڑھی ہے—آئی. نا. پانڈے;

سچا بن جائے کی پوجا کیسے ہو؟—سورج رام پانڈے.



نمبر 1 نمبر 24 جلد 24 جلد



جولائی 1957 جولائی

ہندستانی کلچر سوسائٹی پوسٹا یڈی کولچر ہندوستان

145 مڈیگن، اٹھارہ

145 مڈیگن، اٹھارہ

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundar Lal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editor

Suresh Ramabhai

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only or 62 N. P.

Can be had from —

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

نیا حصہ : ۵

اس نمبر کے خاص لیکھ اس نمبر کے खास लेख

4

نظموں اور چہادیں میں سن اٹھارہ سو ستاون
نجموں اور छन्दों में सन् अठारह सौ

— विश्वम्भरनाथ पांडे

— وشومبہر ناتھ پانڈے

मेरे दादा अब्बा !

میرے دادا ابا !

— پروفیسر احمد علی ایم۔ اے۔ ایم۔ اے۔

आफनाबाँ के सिलसिले (कविता)

آفناہوں کے سلسلے (دریہ)

— श्री सलाम मछलीशहरी

— شری سلام مچھلی شہری

रून का बदला (कहानी)

خون کا بدلہ ! (کہانی)

— मिरजा श्रीमबेग चुगताई

— مرزا عظام بیگ چغتائی

